٢

معارفِ نبوی

احادیثِ نبویہ کا آسان اور عام فہم ترجمہ و تشریح

ترجمہ و تشریح

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہ



ترتیب و تحقیق

مولانا محمد زبیر طاہر

نواسہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ

مکتبہ لدھیانوی

www.shaheedeislam.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا

نام کتاب	معارفِ نبوی ﷺ
ترجمہ وتشریح	شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ
ترتیب وتحقیق	مولانا محمد زبیر طاہر
طبع اوّل	جون ۲۰۱۲ء
ناشر	مکتبہ لدھیانوی

خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے۔ یومِ ولادت سے لے کر روزِ وصال تک ہر ہر لمحہ خالقِ ارض وسما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالوں کے ذریعہ محفوظ کرادیا ہے۔ دنیائے انسانیت کسی بھی عظیم المرتبت ہستی کے حالاتِ زندگی، انداز واطوار، مزاج ورجحان، حرکات وسکنات، نشست وبرخاست اور عمل وکردار اتنے تحقیقی اور سند کے ساتھ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کو امت کی رہنمائی کے لیے مرتب فرمادیا ہے۔

ہمارے جدِّامجد شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ نے اس کتاب ''معارف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، اسوۂ حسنہ اور ارشادات کی روشنی میں زندگی گزارنے کا طریقہ، عقائد ونظریات، زہد وتقویٰ، اخلاقیات، حسنِ سلوک، طہارت وپاکیزگی، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وعمرہ، آدابِ معاشرت، کھانے پینے کے آداب، لباس اور زیب وزینت، علاج معالجہ، نکاح وطلاق، خرید وفروخت، فضائلِ جہاد وشہادت اور دیگر موضوعات سے متعلق احادیث مبارکہ کی سادہ اور دل نشیں انداز میں ترجمہ وتشریح کی ہے جو علماء طلباء اور عوام الناس میں بے حد پسند کی گئی ہے۔ بقیہ صفحہ نمبر ۴۱۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔۔۔

فہرست مضامین

کتابُ الطَّھارۃ

طہارت ایمان کا حصہ ہے

[حدیث: ۵۲۹] ”عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ“ (رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، باب فَضْلِ الْوُضوءِ، حدیث: ۳۲۸)

ترجمہ: ”ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طہارت ایمان کا حصہ ہے۔“

تشریح: گندگی ایک تو ظاہری ہوتی ہے اور ایک باطنی، ان دونوں کا علاج طہارت میں ہے، وضو سے تو ظاہری طہارت اللہ پاک نے فرما دی ہے کہ تم ان اعضا کو دھولو، سر کا مسح کرلو اور تین اعضا کو دھولو، اور بدن پر کوئی نجاست نہ لگی ہو تو بس تم مکمّل پاک ہو گئے ہو، اللہ کے مقدّس کلام کو ہاتھ لگا سکتے ہو اور تم اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو سکتے ہو، تمہیں حاضری کا اِذن دیا جاتا ہے۔

لیکن ظاہری گندگی کے ساتھ ساتھ باطنی گندگی بھی آدمی لئے پھر رہا ہے، قربان جائیں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے وقت یہ دُعا پڑھ لیا کرو:

”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ، وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔“

ترجمہ: ”یا اللہ! مجھ کو بنادے توبہ کرنے والوں میں سے اور مجھ کو بنادے خوب پاک و صاف ہونے والوں میں سے اور مجھ کو بنادے ان لوگوں میں سے جن پر قیامت کے دن نہ خوف ہوگا اور نہ غم۔“

لیجئے! اس دُعا کی برکت سے اِن شاء اللہ باطنی طہارت بھی حاصل ہوجائے گی، ظاہر تو پاک کرتے ہیں پانی کے ساتھ اور باطن کو پاک کرتے ہیں توبہ کے ساتھ، تو اگر ہم وضو آداب کے مطابق کریں،

تو اِن شاء اللہ نماز کے اندر بھی حضوری نصیب ہوگی، اس میں نورانیت ہوگی، اور اگر وضو صحیح نہیں کیا تو نماز میں کیا حضور ہوگا؟

ایک بزرگ سے شکایت کی گئی تھی کہ وساوس بہت آتے ہیں، حضرت فرمانے لگے کہ: صحن میں کافی دن سے جھاڑو نہیں دی تھی، ہواؤں کے ذریعہ سے مٹّی، پتّے، نامعلوم کیا کیا کچرہ جمع ہو رہا تھا، تم نے کہا کہ اس کو جھاڑو دے لیں، صفائی بڑی اچھی چیز ہے، اسکول کی کتابوں میں پڑھا کرتے تھے کہ:

صفائی عجیب چیز دُنیا میں ہے
صفائی سے بڑھ کر نہیں کوئی شے

تم نے جھاڑو لی اور صاف کرنا شروع کر دیا، مٹّی اتنی اٹھی کہ تمہیں سانس لینا مشکل ہو گیا، کیا تم چاہو گے کہ جھاڑو پر الزام دو کہ اس میں بڑی مٹّی ہے، جھاڑو دیتے ہوئے تو آدمی سانس بھی مشکل سے لیتا ہے، حالانکہ جھاڑو تو بے چاری صفائی کر رہی ہے، اس صفائی کی وجہ سے گرد و غبار اُڑ رہا ہے، یہ مٹّی، یہ گرد و غبار یہ کچرہ پہلے سے تمہارے صحن میں موجود تھا، تو شکر کرو کہ صفائی ہو رہی ہے، تھوڑا سا برداشت کرلو۔

اس لئے اکابر فرماتے ہیں کہ نماز کا حضور طہارت کے حضور پر موقوف ہے، آدمی کو وضو کرتے ہوئے جتنا حضور ہوگا، اتنا ہی نمازوں میں حضور ہوگا، اگر وضو کرتے ہوئے غفلت ہوگی، تو نماز میں بھی غفلت ہوگی، کسی بہت محبوب کو، کسی پیارے کو یا کسی معزّز کو ملنے جانا ہو تو اِنسان اپنا لباس تبدیل کرتے ہوئے، منہ ہاتھ دھوتے ہوئے کیسا نفاست و باریک بینی کا مظاہرہ کرتا ہے، وضو کرتے ہوئے یہ تصور ہونا چاہئے کہ میں بارگاہِ خداوندی میں حاضری کی تیاری کر رہا ہوں، میرے ظاہر و باطن میں کوئی گندگی باقی نہ رہ جائے۔

ناپاکی سے عذابِ قبر

[حدیث: ۵۳۰] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَبْرَيْنِ فَقَالَ أَمَا إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ وَأَمَّا الْأٰخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ وَيُرْوٰى لَا يَسْتَنْزِهُ۔“

(صحیح مسلم: کتاب الطھارۃ، باب الدَّلِيلِ عَلَى نَجَاسَةِ الْبَوْلِ، حدیث: ۴۳۹)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سنو! ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو عذاب نہیں ہو رہا کسی بڑی بات میں، ایک تو ان میں سے چغل خوری کیا کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔“

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کے پاس سے گزرے تو آپ کی سواری بدکی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ قبریں کس کی ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یہ جاہلیت کے زمانے کے لوگوں کی ہیں، فرمایا کہ: ان دو قبروں والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑی بات پر نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک تو چغل خوری کیا کرتا تھا۔ چغل خوری تو آپ جانتے ہوں گے، عام طور پر لوگ کہا کرتے ہیں کہ کوئی کسی کی غیبت کرتا ہو تو اس کو کہتے ہیں، نہیں! چغل خوری یہ نہیں ہے بلکہ چغل خوری کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے سامنے کسی صاحب نے کوئی بات کی دوسرے کے بارے میں اور اس آدمی نے جا کر چغلی لگا دی اس آدمی کے پاس کہ فلانا تیری بات ایسی کرتا تھا، اس کو چغل خوری کہتے ہیں اور اس کو "نمیمة" بھی کہتے ہیں اور ایسا کرنے والوں کو "نمام" بھی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ: "لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ" سخن چین، غیبت کرنے والا، یہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا، تو یہاں جو فرمایا کہ کسی بڑی بات میں نہیں ہو رہا عذاب یعنی اس سے بچنا کوئی مشکل نہیں تھا، بعض آدمیوں کو عادت ہوتی ہے چغل خوری کرنے کی کسی کی بات کسی کے پاس کر دی۔

جعفر جعفی ایک رافضی تھا تابعی، ابوداؤد وغیرہ میں اس کی روایتیں موجود ہیں، وہ کہا کرتا تھا کہ جب تک میں حدیثیں بیان نہ کروں اس وقت تک میرا پیٹ پھول جاتا ہے، جھوٹی حدیثیں بیان کرتا تھا۔ بعض لوگوں کو ہاضمے کے خرابی کی بیماری ہوتی ہے اور جب تک کہ لگائی بجھائی نہ کرلیں اور ایک کی بات دوسرے کے پاس بیان نہ کرلیں ان کو روٹی ہضم نہیں ہوتی، تو فرمایا کہ ایک تو چغل خور تھا، چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا آدمی پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا، جیسے آج کل پینٹ پہننے والے ایسے کر لیتے ہیں، کپڑے بھی ان کے ناپاک ہو جاتے ہیں اور ان کو اس کی پروا نہیں کہ ہمارے کپڑے نجس ہو رہے ہیں، تو پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا یہ بہت بُری بات ہے، حق تعالیٰ شانہٗ حفاظت فرمائے۔

دس چیزیں فطرت میں سے ہیں

[حدیث: ۱۳۵] "عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْیَهِ وَالسِّوَاکُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ۔ وَنَتْفُ الْإِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ الرَّاوِیْ وَنَسِیْتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَکُوْنَ الْمَضْمَضَةُ۔" (رواہ مسلم: کتاب الطهارة، باب خِصَالِ الْفِطْرَةِ، حدیث: ۳۸۴)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دس

چیزیں فطرت میں سے ہیں: ① مونچھوں کا کتروانا، ② داڑھی بڑھانا، ③ مسواک کرنا، ④ ناک میں پانی چڑھانا، ⑤ ناخن کاٹنا، ⑥ جوڑوں پر جو میل جم جاتا ہے اس کو دھونا، ⑦ بغل کے بال اکھاڑنا، ⑧ ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا، ⑨ پانی کے ساتھ استنجا کرنا۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے دسویں بات بھول گئی الا یہ کہ کلّی کرنا مراد ہو۔‘‘

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دس چیزیں فطرت میں سے ہیں میرا رسالہ ہے داڑھی کا مسئلہ (اختلاف اُمّت صفحہ: ۲۳۲) اس میں مَیں نے اس حدیث کو نقل کر کے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض اکابر نے فرمایا کہ فطرت سے مراد ہے وہ سنّت جس پر اوّل سے لے کر آخر تک تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام عمل کرتے رہے، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے کرام اس پر عمل کرتے رہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فطرت سے مراد ہے انسان کی وہ اصل حالت جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے، تمام انبیائے کرام کی متفقہ سنّت حقیقت میں وہی فطرت ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اصل انسانی فطرت پر ہیں تو غرضیکہ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں۔

① ان میں سے پہلی چیز ہے مونچھوں کو صاف کرنا مونچھوں کے صاف کرنے کے دو طریقے ہیں۔
ایک طریقہ یہ ہے کہ یہ جو لب کے اُوپر کا حصہ ہے اس کو کاٹ دیا جائے یعنی لبوں سے نیچے نہ آئیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پوری مونچھوں کی صفائی کر دی جائے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلا طریقہ زیادہ بہتر ہے اور ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرا طریقہ زیادہ بہتر ہے، یعنی مونچھوں کا صفایا کر دینا، آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی مونچھوں کو نہیں تراشتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

② دوسری چیز ہے ’’**واعفاء اللحیۃ**‘‘ داڑھی بڑھانا، داڑھی چھوڑنا، علمائے اُمّت نے اس کی حد بیان کی ہے کہ تینوں طرف سے بال مٹھی میں آجائیں باقی اس سے جو زائد ہوں وہ کٹا سکتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حج و عمرہ کے موقع پر مٹھی سے زائد بال کٹوا دیا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں یہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے، لیکن وہ روایت کمزور ہے، یہ روایت صحیح ہے۔ شیخ ابنِ ہمّام رحمۃ اللہ علیہ نے ’’فتح القدیر‘‘ میں لکھا ہے کہ داڑھی کا ایک مٹھی سے کم کرنا یا ویسے ہی صاف کر دینا جیسے کہ بعض مغربی لوگ اور ہیجڑے قسم کے لوگ کرتے ہیں، ’’**فلم یبح اَحَد**‘‘ کسی ایک عالم نے بھی اسے جائز قرار نہیں دیا، سب کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، داڑھی کا کترانا، اتنا کترانا کہ ایک مشت سے کم ہوجائے، یہ تمام علماء کے نزدیک ناجائز ہے اور اس کو کہا کہ یہ ہیجڑے بننا ہے۔ ’’بیان القرآن‘‘ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی اس آیت میں جس میں شیطان نے کہا تھا کہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں

آدم کی اولاد کو بہکاؤں گا ﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ (النساء:۱۱۹) یہ اللہ کی تخلیق کو تبدیل کریں گے، حضرت نے لکھا ہے کہ اس میں داڑھی کا منڈوانا اور یا ایک مٹھی سے کم کروانا یہ بھی داخل ہے گویا یہ شیطان کا وعدہ ہے۔

③ تیسری چیز ہے مسواک کرنا، علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کے ستر فائدے ہیں، ان میں سے پہلا اور سب سے اہم یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے۔ اور افیون کھانے کے ستر نقصانات ہیں، ان میں سب سے بُری بات یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا، نعوذ باللہ! اب تو افیون کھانے کے بجائے دوسری چیزیں چل پڑی ہیں۔

④ ”استنشاق الماء“ ناک میں پانی ڈالنا، پانی چڑھانا۔

⑤ ”وقص الاظفار“ ناخن تراشنا، یہ حکم مردوں کے لئے بھی ہے عورتوں کے لئے بھی۔ آج کل بعض عورتیں پتا نہیں ان کو کیا نفع نظر آتا ہوگا؟ ناخن نہیں تراشتیں، بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی درندے کے ناخن ہیں، پھر یہ سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ استنجے وغیرہ کی جو ضرورت پیش آتی ہے اس کے لئے کیا کرتی ہوں گی؟ اور بڑھے ہوئے ناخنوں میں میل پھنس جاتا ہے، گندگی پھنس جاتی ہے، اس کو نکالتی کیسے ہوں گی؟

⑥ ایک ہے ”غسل البراجم“ یہ جو آدمی کے جوڑ ہیں اس پر میل جم جاتا ہے، خاص طور پر سردیوں کے موسم میں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو بیان فرمایا کہ اس کو صاف کرنا اور دھونا۔

⑦ ”نتف الابط“ اور ایک ہے بغل کے بال نوچنا، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حجامت بنوا رہے تھے تو بغل کے بال نائی نے صاف کردیئے۔ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصل سنّت تو ہے اسے اُکھیڑنا، ان بالوں کو اُکھاڑنا، لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے، اس لئے میں اس کو صاف کروالیتا ہوں۔

⑧ اور ایک ہے ناف کے نیچے سے بال صاف کرنا جہاں تک آدمی کا ہاتھ پہنچ سکے، اور جہاں تک اس سے صفائی ممکن ہو، آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی۔

⑨ پیشاب کرکے استنجا کرنا، یہ نو چیزیں ہوگئیں۔ اور دسویں چیز کو راوی کہتے ہیں ”میں بھول گیا“ شاید کلّی کرنا ہو، غالباً یہی مراد ہوگا۔

طہارت کی اہمیت وفضیلت

[حدیث:۵۳۲] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَّلَا صَدَقَةٌ مِّنْ غُلُوْلٍ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، بَاب وُجوبِ الطَّهَارَةِ لِلصَّلَاةِ، حدیث: ۳۲۹)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد

فرمایا: طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں کی جاتی اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ۔“

تشریح: اس حدیث میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ: طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی، دوسری یہ کہ مال حرام سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی، طہارت میں غسل، وضو اور تیمّم تینوں چیزیں داخل ہیں، کسی کو بڑا حدث ہے تو غسل کرے، چھوٹا حدث ہے تو وضو کرے، اور دونوں صورتوں میں اگر پانی نہیں ملتا یا پانی پر قادر نہیں ہے بوجہ بیماری کے تو تیمّم کرے اور اگر کوئی شخص وضو بھی نہیں کرسکتا اور تیمّم بھی نہیں کرسکتا تو پھر کیا کرے؟ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس بارے میں علماء کے چار اقوال ہیں۔

۱:... **”یصلی ولا یعید“** یہ اس حالت میں نماز پڑھ لے کیونکہ یہ معذور ہے، اس کی نماز بغیر طہارت کے ہوجائے گی اور اس کا اعادہ بھی لازم نہیں۔ ہمارے امام اس کا اُلٹ کہتے ہیں۔

۲:... **”لایصلی ویعید“** نماز نہ پڑھے، بعد میں قضا کرے۔

۳:... بعضوں نے کہا: **”یصلی ویعید“** ابھی بغیر طہارت کے پڑھے اور آئندہ قضا بھی کرے۔

۴:... اور بعضوں نے کہا: **”لایصلی ولا یعید“** نہ پڑھے، نہ قضا کرے۔

احناف میں سے صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) نے چوتھا قول اختیار کیا ہے کہ نماز نہ پڑھے مگر نمازیوں کی مشابہت اختیار کرے، جیسے چھوٹے بچوں کو نماز پڑھنے کا کہتے ہیں وہ بھی لب ہلانے لگتا ہے، یہ تشبیہ بالمصلین ہوتا ہے، نمازیوں کی نقل اُتارتا ہے، یہ بھی نماز کا نقشہ بنالے اور بعد میں نماز پڑھے۔

دوسرا فقرہ غلول ہے، غلول مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں، یہ بات یاد رکھو کہ جہاد میں جو مال حاصل ہوتا ہے اس کو مالِ غنیمت کہتے ہیں، اس میں تمام مجاہدین کا حصہ ہوتا ہے، اس کا بھی حصہ ہے، دوسرے مجاہدوں کا بھی حصہ ہے، علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مالِ حرام کو غلول فرمایا ہے، اس بات کو بتانے کے لئے کہ جس مال میں تمہارا حصہ تھا، اس کو تم چھپالو گے تو اس میں تمہارا صدقہ ادا نہیں ہوگا، تو جس میں تمہارا حصہ ہی نہیں جو خالص حرام ہے، مالِ مشتبہ اور مالِ حرام سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوگا۔

تھانے دار صاحب اور فلانے صاحب موٹی موٹی رشوتیں لے کر پھر اللہ کا واسطے دے دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ پھر ان سے وصول کروالیتے ہیں، کبھی بیوی کو بیمار کردیا، کبھی گھر پر جنات کا حملہ کروادیا، کبھی کچھ اور، اس نے کہا: دو کالے بکرے ہوں گے، حرام مال تھا حرام جگہ چلا گیا۔

میں نے ایک بار امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا تھا: لوگو! میں تمہارے مصارف کو دیکھ کر تمہارے مداخل کا اندازہ کرلیتا ہوں۔ ”مصارف“ یعنی مال کہاں خرچ ہوا؟ اس کو دیکھ کر اندازہ کرلیتا ہوں کہ مال کہاں سے آیا تھا؟

اور پھر جب اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں تو پوری ریا کاری کے ساتھ، ایک مال حرام کا اور دوسری ریا کاری، بے چارے کو کیا ملے گا، یاد رکھو! حرام مال سے صدقہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ناپاک اور غلیظ چیز کو پلیٹ میں بند کر کے بادشاہ کو ہدیہ کرے کہ جناب حلوہ لایا ہوں آپ کے لئے، اور جب وہ ڈھکن اُٹھاتا ہے تو بدبو سے اس کا دماغ پھٹنے لگتا ہے۔تم اللہ کی بارگاہ میں یہ پیش کرو گے؟

کل ایک صاحب میرے پاس آکر کہنے لگے: ہماری مسجد والے کہتے ہیں کہ بینک ملازمین کا چندہ بھی لے لینا چاہئے، میں نے اس کو روکا، کہنے لگے کہ: مولوی کو کیوں فکر لگی ہوئی ہے کہ یہ لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ: سوال لکھ کر لے آؤ، میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ کفارِ مکہ بھی اللہ کا گھر حرام مال سے نہیں بناتے تھے، جب ان کی حلال رقم بیت اللہ کی تعمیر میں تھوڑی پڑ گئی تھی تو انہوں نے حطیم کی جگہ چھوڑ دی تھی، کافر تھے اور زمانۂ جاہلیت تھا، لیکن پھر بھی خدا کے گھر کا اتنا احترام تھا کہ مالِ حرام نہیں لگاتے، اور یہ مسلمان ہیں اور حلال حرام سب لگا رہے ہیں۔

نیند سے بیدار ہونے کے بعد کا حکم

[حدیث:۵۳۳] ”عن ابی ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ، إِذَا اسْتَیْقَظَ أَحَدُکُمْ مِنْ مَنَامِہِ فَلْیَسْتَنْثِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِنَّ الشَّیْطَانَ یَبِیْتُ عِلیٰ خَیَاشِیْمِہٖ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، بَابُ الْإِیتَارِ فِي الِاسْتِنْثَارِ وَالِاسْتِجْمَارِ، حدیث: ۳۵۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدا ہو تو تین دفعہ ناک جھاڑے کیونکہ شیطان رات گزارتا ہے اس کی ناک کی جڑوں میں۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو وضو کرتے ہوئے ناک میں پانی اُوپر چڑھا کر تین دفعہ جھاڑے، اس لئے کہ شیطان اس کے خیشوم میں رات گزارتا ہے، یعنی رطوبتیں دماغ سے بہہ کر ناک کی جڑ میں جمع ہوجاتی ہیں، جس سے آدمی میں کسل اور سستی پیدا ہوجاتی ہے اور طبیعت میں نشاط نہیں رہتا، اسی کو شیطان کے رات گزارنے سے تعبیر فرمایا ہے، تو خوب اچھی طرح ناک کو جھاڑے اور اس نالی کو صاف کرلے، صبح اُٹھ کر دانت صاف کرنا اور مسواک کے ساتھ حلق صاف کرنا یہ مسنون ہے، اسی طرح وضو کرتے ہوئے ناک صاف کرنا جھاڑنا اور تمام رطوبتیں خارج کرنا یہ مستحب ہے، یہ صحت کے اعتبار سے بھی مفید ہے، آدمی کے نشاط کے لئے مفید ہے اور ساتھ ساتھ شیطانی اثرات بھی زائل ہوجاتے ہیں۔

نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونے کا حکم

[حدیث: ۵۳۴] ”عن أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نومِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثاً، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الطہارۃ، بَاب مَا جَاءَ إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ، حدیث: ۵۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے، اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری؟“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے اُٹھے تو اپنا ہاتھ پانی میں نہ ڈالے، جب تک کہ اس کو تین مرتبہ دھو نہیں لیتا، اس لئے کہ اسے نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں کہاں پھرتا رہا ہے؟ کہاں کہاں لگتا رہا ہے؟

یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ حضرات وضو کرنے کے لئے پانی میں ہاتھ ڈال کر پانی لیتے تھے، جیسے حوض ہوتا ہے، کوئی شخص حوض پر وضو کرے تو اس میں ہاتھ ڈالے گا اور ہاتھ ڈال کر جتنی ضرورت ہے اتنا پانی لے گا ہمارے یہاں پہلے لوٹے ہوتے تھے اب ٹونٹیاں ہوگئیں ہیں، اس میں تو ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، تو یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کو پانی کے اندر ہاتھ ڈالنا پڑے پانی لینے کے لئے، تو ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ پہلے تین مرتبہ ہاتھ دھوئیں، پانی میں ہاتھ ڈالنے کے لئے اس کے بغیر نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کا ملک بھی گرم، تو سونے کی حالت میں پسینہ بھی آئے گا اور پسینہ آنے سے وہ جگہ خراب ہوجائے گی، اس کا ہاتھ رات کو پتہ نہیں کہاں کہاں لگتا رہا؟ استنجے کی جگہ لگتا رہا؟ اس لئے اس بات کا احتمال ہے کہ ہاتھ رات کو ناپاک نہ ہوگیا ہو، اس لئے ہدایت فرمائی گئی کہ پہلے تین مرتبہ ہاتھ دھولو، اس کے بعد پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالو، ورنہ پانی ناپاک ہوجائے گا۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ تھوڑا پانی (جیسے کسی ٹب یا گھڑے میں پانی رکھا ہوا ہے یہ تھوڑا پانی کہلاتا ہے) یہ تھوڑی سی نجاست کے گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے، اگر ایک قطرہ بھی اس میں نجاست کا گر گیا تو وہ سارا نجس اور ناپاک ہوجائے گا، یہ مسئلہ (پانی کے ناپاک ہونے کا) عجیب وغریب مسئلہ ہے اور اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب تک پانی کے اندر نجاست کا اثر ظاہر نہ ہوجائے اس وقت

تک پانی ناپاک نہیں ہوتا، تھوڑے بہت کی قید نہیں، پانی اس وقت ناپاک ہوگا جبکہ اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہوجائے۔ اور پانی کا اثر تین چیزیں کہلاتی ہیں: رنگ، بو اور مزا۔ پانی میں نجاست کا رنگ ظاہر ہوجائے، نجاست کی بو اس میں آنے لگے یا پانی کا ذائقہ متغیر ہوجائے، تب پانی ناپاک ہوتا ہے، ورنہ ناپاک نہیں ہوتا، تھوڑے بہت کی قید نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کم اور زیادہ کے درمیان فرق فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: تھوڑا پانی ہو تو نجاست کے گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے، چاہے نجاست کا کوئی اثر ظاہر ہو یا نہ ہو، اور زیادہ پانی ہو تو نجاست کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا اور ان کے نزدیک تھوڑے اور زیادہ کا مدار ہے، دو بڑے مٹکے کی مقدار اگر پانی ہو (تقریباً ڈھائی من کی مشک ایک مٹکے میں آجائے، گویا کل پانچ من پانی ہوگیا) تو پانی ناپاک نہیں ہوگا اور اگر کم ہو تو ناپاک ہوجاتا ہے۔

اور ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی تھوڑے اور زیادہ پانی میں فرق ہے، یعنی تھوڑا پانی نجاست کے گرنے سے ناپاک ہوجائے گا، چاہے نجاست کا اثر ظاہر ہو یا نہ ہو، لیکن تھوڑے اور زیادہ کے درمیان کیا فرق ہے؟ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: دیکھنے والا جان سکتا ہے کہ تھوڑا پانی ہے یا زیادہ پانی ہے؟ ہم کوئی فیصلہ نہیں کرتے، لیکن یہ بات ذرا مشکل تھی ہر آدمی تو اس کا فیصلہ نہیں کرسکتا، حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ: تم جان لو، تھوڑے اور زیادہ کے درمیان خود فیصلہ کرلو، لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ اتنا بڑا تالاب کہ اگر اس کے ایک طرف حرکت دیں تو دوسری طرف پانی نہ ہلے، اتنے تالاب کا پانی ہے تو زیادہ اور اس سے کم ہے تو تھوڑا پانی ہے، ہمارے یہاں اسی روایت پر فتویٰ ہے، قدوری نے اسی کو لیا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو پڑھا رہے تھے کہ کسی نے پوچھا: حضرت! کوئی حساب تو ہونا چاہئے کہ وہ کتنا ہوگا؟ اس پر فرمایا کہ: یہ ہماری مسجد کا جو حوض ہے یہ زیادہ پانی ہے، شاگردوں نے اُٹھ کر وہ حوض ناپا تو وہ ''دہ در دہ'' تھا، یعنی دس ہاتھ ہر طرف، اس کو ''دہ در دہ'' کہتے ہیں، بس اس دن سے وہ ''دہ در دہ'' کا جو لفظ چلا ہے یہی لوگوں کے ذہن میں پختہ ہو گیا، یعنی زیادہ پانی وہ ہے جو ''دہ در دہ'' ہو، اور جو اس سے کم ہے وہ تھوڑا ہے، گویا کہ کل ملالیا جائے تو چالیس ہاتھ بن جاتے ہیں، چالیس ہاتھ کل، اب اسی پر مدار ہوگیا۔

یہ جو ہماری ٹنکیاں ہوتی ہیں وہ ''دہ در دہ'' نہیں ہوتیں، گہرائی کا اعتبار نہیں چوڑائی کا اعتبار ہے، گہرائی صرف اتنی ہو کہ جب چلو میں پانی اُٹھائیں تو نیچے سے زمین ظاہر نہ ہو، بس اتنی گہرائی کافی ہے، اور پھیلاؤ اس کا ''دہ در دہ'' ہونا چاہئے، یا اتنا بڑا تالاب ہو کہ ایک طرف سے ہلائیں تو دوسری طرف سے پانی نہ ہلے۔ تو ہماری ٹنکیاں اِلاّ ماشاء اللہ! دس مربع ہاتھ نہیں ہوتیں، اس لئے اس ٹنکیوں کے اندر کوئی نجاست گرجائے تو پانی

ناپاک ہوجائے گا، چاہے تھوڑی نجاست گرے جس کا اثر ظاہر نہ ہو یا زیادہ نجاست گر جائے۔

بہر کیف! اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ تھوڑا پانی نجاست کے گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جب سو کر اُٹھو تو پہلے ہاتھ دھو اس کے بعد پانی میں ہاتھ ڈالو۔

ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے کا حکم

[حدیث:۵۳۵] ”عن أَبی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ، لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْہُ۔“ (رواہ مسلم: کتاب الطهارة، بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ، حدیث:۶۳)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: پیشاب نہ کرے تم میں سے کوئی آدمی کھڑے پانی میں، پھر اس میں سے غسل بھی کرے گا۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: کھڑے پانی میں پیشاب نہ کیا کرو، پھر اس میں غسل بھی کرو گے۔ کھڑا پانی یا کم ہوگا یا زیادہ، اگر کم ہو تو وہ ناپاک ہوجائے گا اور اگر زیادہ پانی ہے تو ہر چند کہ ناپاک تو نہیں ہوگا لیکن فساد کی طرف مائل ہوجائے گا، کیونکہ جب لوگ سب کے سب اس میں پیشاب کرنے لگیں گے تو اس میں سے بدبو آنے لگے گی۔ اور یہ جو فرمایا کہ: پھر اس میں غسل کرے گا۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ دونوں باتوں کو جمع نہیں کرنا چاہئے کہ اگر وہاں پیشاب کرے تو پھر وہاں سے غسل نہ کرے، مگر یہ مطلب سمجھنا صحیح نہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی تقبیح یعنی بُرائی ظاہر کرنے کے طور پر یہ بیان فرمایا تھا، یعنی پانی میں پیشاب کرتا ہے پھر اس کو اس میں غسل کی بھی ضرورت پیش آئے گی اور اسی پیشاب والے پانی سے پھر خود غسل بھی کرے گا تو اس کو خود شرم نہیں آئے گی؟ مطلب یہ ہے کہ غسل کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے، اگر اس کو نہیں تو کسی اور کو آسکتی ہے، تو جس پانی میں پیشاب کیا اسی پانی سے غسل کرے، غسل کرنا تو ایک ضروری چیز ہے اور اس کی حاجت پیش آجاتی ہے خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں پانی نہیں ملتا، لہٰذا اس کو چاہئے کہ خود احتیاط کرے کہ پانی میں پیشاب نہ کرے۔

اِستنجا کرنے کے آداب

[حدیث:۵۳۶] ”عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہَ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُمْسِكَنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَهُوَ يَبُولُ وَلَا يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلَاءِ بِيَمِينِهِ وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ"

(رواه مسلم: كتاب الطهارة، بَاب النَّهْيِ عَنِ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِينِ، حديث: ۳۹۲)

ترجمہ: "حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہ پکڑے تم میں سے ایک آدمی اپنی پیشاب کی جگہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پیشاب کرتے ہوئے، اور نہ اِستنجا کرے بیت الخلاء میں اپنے دائیں ہاتھ سے، اور نہ سانس لے پانی میں۔"

تشریح: اس حدیث میں اِستنجے کے آداب بتائے ہیں کہ پیشاب کرتے ہوئے پیشاب کی جگہ کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑو اور دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرو، تیسرا ادب یہ بتایا ہے کہ پانی پیتے ہوئے اس میں سانس نہ لو بلکہ برتن کو الگ کر کے پھر سانس لو، یہ مضمون پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دائیں ہاتھ فضیلت کی چیزوں کے لئے اور متبرک چیزوں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور بایاں ہاتھ گندی چیزوں کو صاف کرنے کے لئے زائل کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے، کھانے کے لئے پینے کے لئے دایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہئے، اسی طرح اگر کوئی چیز پکڑنی ہو تو دائیں ہاتھ سے پکڑو، قرآن کریم کو ہاتھ لگاؤ تو دایاں ہاتھ لگاؤ۔

مولانا عزیز الرحمٰن ناظم اعلیٰ ہیں ہماری مجلس (تحفظ ختم نبوت) کے، وہ قصہ بتاتے ہیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے تھے تو قرآن کریم یاد کرتے ہوئے حفظ کرتے ہوئے کبھی بائیں ہاتھ سے ایسے ورق اُلٹ لیتے تھے، ان کی پھوپھی مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ بالکل ان پڑھ خاتون تھیں لیکن کہتی تھیں توبہ توبہ! بائیں ہاتھ سے ورقہ اُلٹتے ہو؟ ان کو ٹوکتی تھیں کہ بائیں ہاتھ سے قرآن کریم کا ورقہ اُلٹتے ہو؟ تو یہ ادب کی چیز ہے، قرآن مجید پکڑو تو دائیں ہاتھ سے پکڑو، کسی کو کوئی چیز پکڑاؤ تو دائیں ہاتھ سے پکڑاؤ، کسی سے کوئی چیز لو تو دائیں ہاتھ سے لو، مطلب یہ ہے کہ جو شرف اور عزت کی چیز ہو اس کے لئے دائیں ہاتھ کو استعمال کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ کرتہ پہنتے تھے تو دائیں طرف سے پہنتے تھے یعنی پہلے دائیں آستین پہنتے، جوتا پہنتے تھے تو پہلے دایاں جوتا پہنتے تھے اور جب اُتارتے تھے تو اس کے اُلٹ، پہلے بائیں جانب سے پھر دائیں جانب سے۔

ایک حکم اس حدیث میں یہ ہے کہ پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس نہیں لینا چاہئے، یہ بھی بُری بات ہے، پانی میں سانس بھی لے رہا ہے پی بھی رہا ہے بچّوں کی طرح، تو برتن میں سانس نہیں لینا چاہئے، اس لئے کہ سانس لیتے ہوئے کبھی پانی کے چڑھ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سانس لیتے ہوئے کچھ فضلات گر جائیں پانی کے اندر۔

قضائے حاجت کے آداب

[حدیث:۵۳۷] ”عن أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ عَلٰى حَاجَتِهٖ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا۔“

(رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، بَابُ الِاسْتِطَابَةِ، حدیث: ۳۸۹)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے بیٹھے تو نہ قبلے کی طرف منہ کرے اور نہ قبلے کی طرف پیٹھ کرے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں یہ ادب بتایا گیا ہے کہ جب آدمی قضائے حاجت کے لئے بیٹھے تو قبلے کی طرف منہ بھی نہ کرے اور پیٹھ بھی نہ کرے، قبلے کی طرف منہ کرنا اور قبلے کی طرف پیٹھ کرنا اس حالت میں مکروہ ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: خواہ آدمی جنگل میں ہو یا عمارت کے اندر ہو، یا چار دیواری کے اندر ہو ہر حالت میں مکروہ ہے، پیشاب پاخانہ دونوں میں قبلے کی طرف منہ کرنا اور پیٹھ کرنا مکروہ ہے۔ اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ ممانعت باہر کھلی فضاء کے لئے ہے، اگر کسی عمارت کے اندر ہو اور دیوار کی اوٹ ہو تو ممنوع نہیں، کیونکہ درمیان میں رکاوٹ حائل ہوگئی، بیت اللہ شریف کی طرف براہِ راست منہ نہ ہوا۔

ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہت کا اعتبار ہے، یعنی قبلے کی جہت کہ اس طرف قبلہ ہے، اس کا احترام ہے، اور بہت موٹی بات ہے کہ ہم نماز کے لئے اِستقبالِ قبلہ کے مامور ہیں کہ قبلے کی طرف منہ کرو، یہ نہیں کہ سامنے دیوار آجائے تو اِستقبالِ قبلہ نہیں ہوتا، یہ چیز دیوار کا ہونا یا رکاوٹ کا ہونا مانع نہیں ہے اِستقبالِ قبلہ یا اِستدبار کے لئے، یعنی منہ اور پیٹھ کرنے سے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ان سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی قضائے حاجت کے لئے جائے تو نہ قبلے کی طرف منہ کرے اور نہ قبلے کی طرف پیٹھ کرے، اور اس حدیث میں ایک لفظ اور زیادہ ہے:

”وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا“ (صحیح البخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

لیکن مشرق کی طرف منہ کیا کرو یا مغرب کی طرف، یہ اہلِ مدینہ کے لئے فرمایا، کیونکہ ان کا قبلہ جنوب کی طرف ہے، مدینہ کا قبلہ جنوب کی طرف ہے، تو ان کو فرمایا کہ: تم مشرق کی طرف منہ کیا کرو یا مغرب کی طرف منہ کیا کرو، اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”فلما قدمنا الشام“ جب

ہم ملک شام آئے، جہاد کے سلسلے میں ’’وجدنا المراحیض قد بنی قبل القبلة‘‘ تو ہم نے دیکھا کہ بیت الخلا قبلے کی سمت بنے ہوئے ہیں، ’’فکنا ننحرف عنه و نستغفر اللہ‘‘ تو ہم ان سے ہٹ جایا کرتے تھے اور استغفار کرتے تھے۔ ہٹ جانے کے دو معنی ہیں، ایک تو یہ کہ ہم ان بیت الخلاؤں کو استعمال ہی نہیں کیا کرتے تھے، کوئی اور جگہ تلاش کیا کرتے تھے، اور اس صورت میں ’’نستغفر اللہ‘‘ اس لئے فرمایا کہ کسی کی غلطی دیکھ کر اپنے گناہ یاد آجایا کرتے ہیں، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم استعمال تو کر لیتے تھے، قبلے سے منہ پھیر کر، لیکن ساتھ ساتھ اِستغفار بھی کرتے رہتے تھے، جیسے کوئی غلط کام ہم کر بیٹھتے تھے، یعنی قبلہ رُخ سے بدل کر بیٹھتے تھے اور چونکہ پورا بدلنا نہیں ہوسکتا اس لئے ہم اِستغفار کیا کرتے تھے، اس حدیث سے حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ بیت الخلا جنگل میں تو نہیں بنے ہوئے تھے، گھروں میں بنے ہوئے تھے، لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں انہوں نے یہی سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عام ہے، خواہ آدمی جنگل میں ہو یا آبادی میں ہو۔

بیت اللہ شریف کی طرف اِستقبال یا اِستدبار کا ممنوع ہونا اس بناء پر ہے کہ یہ قبلے کے احترام کے خلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ چارپائی کا سرہانا دوسری طرف ہو اور پائینتی قبلے کی طرف ہو یہ بھی مکروہ ہے، حالانکہ اس پر کوئی بیٹھا نہیں لیکن یہ بھی احترام کے خلاف ہے، آپ مسجد میں جوتے لاکر رکھتے ہیں، جوتے کی ایڑھیاں قبلے کی طرف ہوں اور پنجہ دوسری طرف ہو یہ بھی مکروہ ہے، گویا اس طرف جوتے کے پاؤں ہوتے ہیں۔

بہت سے اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ عصا یعنی سونٹی ہاتھ میں پکڑتے ہیں، وہ نیچے کا حصہ جو زمین کو لگتا ہے کبھی قبلے کی طرف نہیں کرتے تھے کیونکہ ادب کے خلاف ہے، اور قبلے کا لائقِ ادب، (ادب کے قابل ہونا، ادب کی جگہ) ہونا اس لئے ہے کہ وہ شعائر اللہ میں سے ہے، اس لئے اس کو ’’بیت اللہ‘‘ اللہ کا گھر کہتے ہیں۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ تمام چیزیں جو شعائر اللہ میں داخل میں ہیں اور جن کی اللہ تعالیٰ سے نسبت ہے وہ لائق احترام ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ لائق احترام، دینی کتابیں لائق احترام ہیں۔

ہمارے ایک بھائی لگتے ہیں، کافی بڑی عمر کے ہیں رشتے کے عزیز ہیں، پُرانے زمانے کے آدمی ہیں، ہیں تو بدعتی سے، وہ کسی حافظِ قرآن کی طرف بھی پیٹھ اور پاؤں نہیں کرتے تھے، یہ پُرانے زمانے کے لوگوں کی عادت تھی، جبکہ لوگ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہوتے تھے، اس وقت لوگ کسی حافظ کی طرف پاؤں نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ اس کے سینے میں قرآن ہے، اس کی طرف پشت کر کے نہیں بیٹھتے تھے، یہی بات ہے کہ جس نے جتنا ادب کیا وہ اتنا ہی لے گیا، اور جس نے جتنی بے پروائی کی اتنا ہی محروم رہا۔

از خدا جوئم توفیق ادب
بے ادب محروم از فضل ربّ!

ترجمہ: ’’ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں اس لئے کہ بے ادب خدا کے فضل سے محروم رہ جاتا ہے۔‘‘

بے ادب خودرا نہ تنہا داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ترجمہ: ’’بے ادب اپنے آپ ہی کو محروم نہیں کرتا بلکہ جہاں میں آگ لگا دیتا ہے، اس کی بے ادبیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی محروم ہوجاتے ہیں۔‘‘

اب اس زمانے میں بے ادبوں کی کثرت ہوگئی ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں میں یہ آگ لگی ہوئی ہے، لوگ رسالے لکھتے ہیں کہ قرآن پاک کو بے وضو چھونا جائز ہے، خود ہی مسئلہ صادر فرما رہے ہیں، خود ہی ’’مجتہد‘‘ بنے ہوئے ہیں، اور دلیل یہ ہے کہ اللہ نے قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ ادب کر، بے وضو ہاتھ نہ لگاؤ؟ حالانکہ قرآن میں تو لکھا ہوا ہے لیکن تمہیں نظر نہیں آتا، بے ادبی کی سیاہ پٹی تمہاری آنکھوں پر بندھی ہوئی ہے، قرآن میں ہے: ﴿لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ (الواقعہ) ’’اس کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ‘‘ اور تم بے وضو اور جنابت کی حالت میں ہاتھ لگانا چاہتے ہو، اور کہتے ہو کہیں نہیں لکھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمام چیزیں جو شعائر اللہ میں داخل ہیں ان کا ادب اور احترام اللہ کا ادب اور احترام ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج)

’’جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے ادب کی بات ہے۔‘‘ یعنی جس کے دل میں اللہ کا ادب ہے تو جس چیز کو بھی اللہ کے ساتھ نسبت ہوگی اللہ کی خاطر اس کا ادب کرے گا، ورنہ بیت اللہ شریف بھی تو اینٹ کے پتھر سے بنا ہوا ہے لیکن اس کے سنگریزوں پر بھی اللہ کی رحمتیں برستی ہیں، وہ رحمتِ الٰہی کا مورد ہے، ایک سوبیس رحمتیں روزانہ بیت اللہ شریف پر نازل ہوتی ہیں، اور وہ مرکز تقسیم رحمتِ الٰہی ہے کہ وہاں سے پورے عالم میں رحمتیں تقسیم ہوتی ہیں، اور یہ مساجد اس کا ذیلی دفتر ہے، رحمتوں کو حلقہ وار تقسیم کیا جاتا ہے، علاقہ وار اور یہ مسجدیں اس کا ذریعہ تقسیم ہیں، مرکز اور سینٹر ہیں، اور جن لوگوں کا مساجد کے ساتھ تعلق نہیں ان کو رحمت سے کیا حصہ ملے گا؟ اور انہیں شاید ضرورت بھی نہیں ہے، (ان کو تو بس کھانے پینے اور مال جمع کرنے کی فکر ہے) رحمت کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جس کو کھایا پیا جائے، پہنا جائے، جس سے آدمی مال دار بن جائے، ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ رحمت کس رنگ کی ہوتی ہے، رحمت کیا چیز ہوتی ہے۔

اِستنجا تین پتھروں سے کیا جائے

[حدیث:۵۳۸] ”عن سَلْمَانَ رَضِیَ اللہ عَنْہُ، لَایَسْتَنْجِیْ أَحَدُکُمْ بِدُوْنِ ثَلَاثَۃِ أَحْجَارٍ۔“ (رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، باب الِاسْتِطَابَۃِ، حدیث: ۳۸۶)

ترجمہ: ”حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص تین پتھر یا ڈھیلے سے کم سے استنجا نہ کرے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ استنجے کے لئے تین ڈھیلے استعمال کیا کرو، میں نے ایک صاحب کی تحریر پڑھی، دُنیا چاند پر پہنچ گئی ہے اور یہ مولوی ابھی تک استنجے کے طریقے بتارہا ہے۔ میں نے کہا: بہت اچھا! چاند پر پہنچ جانے کا یہ مطلب ہے کہ اب استنجا کرنے کی ضرورت نہیں رہی؟ لوگوں کا دماغ کتنا خراب ہوگیا ہے! دُنیا چاند تو کیا مریخ پر بھی پہنچ جائے، میں پوچھتا ہوں کہ اس کو کیا استنجے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی؟ صرف ملا کا مذاق اُڑانا ہے۔ یہی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے جن سے ایک یہودی نے اعتراض کیا تھا:

”یُعَلِّمُکُمْ نَبِیُّکُمْ کُلَّ شَیْئٍ حَتَّی الْخِرَاءَۃَ“

ترجمہ: ”تمہارا نبی تمہیں ہر بات سکھاتا ہے حتّٰی کہ ہگنا موتنا بھی کہ اس طرح ہگا موتا کرو؟“

یہ اس یہودی نے اعتراض کیا تھا اور آج بھی وہی اعتراض ہے کہ دُنیا تو چاند پر پہنچ گئی ہے لیکن مُلّا ابھی تک اِستنجا سکھارہا ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

”أَجَلْ! نَھَانَا رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنْ نَّسْتَنْجِیَ بِعَظْمٍ أَوْ بِرَوْثٍ أَوْ دُوْنَ ثَلَاثَۃِ أَحْجَارٍ“ (السنن دارقطنی)

ترجمہ: ”ہاں کیوں نہیں! ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ: ہم لید سے، گوبر سے، سوکھی ہوئی گندگی سے اِستنجا کریں، ہڈی کے ساتھ کریں، اور تین سے کم پتھروں سے اِستنجا کریں“

پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ اِستنجا میں پانی یا ڈھیلا استعمال ہوتا ہے، لیکن مسجد قباء والے لوگ ڈھیلے کے بعد پانی بھی استعمال کرتے تھے، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللہُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ﴾ (التوبۃ:۱۰۸)

ترجمہ: ”اس (مسجد قباء) میں ایسے لوگ ہیں جو نہایت پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف کی ہے، تمہارا کیا عمل ہے؟

کہنے لگے کہ: ہم اِستنجا کرتے وقت ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی بھی استعمال کرتے ہیں۔فرمایا: یہی بات ہے! اس لئے پانی کا استعمال بہت اچھی چیز ہے لیکن ڈھیلے سے صفائی کرلی جائے تو فرض ادا ہوجاتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین ڈھیلے ضروری ہیں اس کے بغیر اِستنجا نہیں ہوتا، اور ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین کا استعمال کرنا سنّت ہے، لیکن اگر اس سے کم میں صفائی ہوجائے تب بھی کافی ہے، اور اگر تین سے بھی صفائی نہ ہو تو پھر اور بھی استعمال کرو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، فاتح قادسیہ، ان سے کسی نے کہا کہ: آپ لوگ ڈھیلوں سے اِستنجا کرتے تھے؟ فرمانے لگے: ''کانوا یعبرون بعراً وانتم تسلطون سلطاً'' وہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) بکریوں کی طرح مینگنیاں کرتے تھے، (کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوراک بہت معمولی سی ہوا کرتی تھی) تو پانی استعمال نہ بھی کریں ڈھیلا استعمال کریں تو کافی ہے، اور تم لوگ بھینس کی طرح گوبر کرتے ہو، اب تمہیں تو پانی ہی استعمال کرنا پڑے گا۔

ڈھیلے سے اِستنجا کرنے میں طاق عدد مسنون ہے

[حدیث: ۵۳۹] ''عَن جَابِرٍ رَضِىَ اللهُ عَنهُ، إِذَا استَجمَرَ أَحَدُكُم فَليُوتِر۔''

(رواہ مسلم: کتاب الطهارة، بَاب الْإِيتَارِ فِي الِاسْتِنْثَارِ وَالِاسْتِجْمَارِ، حدیث: ۳۵۲)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اِستنجے کے لئے ڈھیلے لے تو طاق لے۔''

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ: جب کوئی شخص اِستنجے کے لئے ڈھیلے استعمال کرے تو طاق استعمال کرے، یعنی تین، پانچ یا سات، طاق کے عدد کی رعایت کرنا مستحب ہے۔

وضو اور اِستنجا میں طاق عدد مسنون ہے

[حدیث: ۵۴۰] ''عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ عَنهُ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ۔''

(رواہ مسلم: کتاب الطهارة، بَاب الْإِيتَارِ فِي الِاسْتِنْثَارِ وَالِاسْتِجْمَارِ، حدیث: ۳۵۰)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضو کرے تو اس کو چاہئے کہ پانی ڈال کر ناک صاف کرے اور جو ڈھیلے استعمال کرے تو اس کو چاہئے کہ طاق لے۔''

تشریح: اس حدیث میں فرمایا گیا کہ: جو شخص وضو کرے تین بار ناک جھاڑے، یعنی پانی ڈال کر

صاف کرے، لیکن یہ شرط ہے کہ اگر روزہ ہو تو ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ نہ کرے، کہیں پانی اُوپر نہ چلا جائے۔ اسی طرح غسل کرتے وقت کلّی اور غرارہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، لیکن روزے کی حالت میں غرارہ نہ کرے، اس لئے کہ پانی کے اندر چلے جانے کا احتمال ہے، اور فرمایا کہ: ''مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ'' اس کے کئی معنی ذکر کئے گئے ہیں، عربوں میں ڈھیلوں کا استعمال ہوتا تھا، تو اگر ڈھیلے استعمال کرے تو طاق عدد میں استعمال کرے، تین یا پانچ یا سات، جتنی ضرورت ہو۔ ہمارے امام صاحب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صفائی کرنا واجب ہے اور تین ڈھیلے استعمال کرنا مستحب ہے، اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تثلیث واجب ہے، ڈھیلے تین ہونے چاہئیں۔

وضو کی فضیلت

[حدیث: ۵۴۱] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءَ''

(رواہ مسلم: کتاب الطهارة، بَاب تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوءُ، حدیث: ۳۶۸)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہنچے گا مؤمن کا زیور جہاں تک پہنچتا ہے وضو کا پانی۔''

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں مومن کا وضو پہنچتا ہے وہاں تک اس کا قیامت کے دن زیور پہنچے گا یعنی جہاں جہاں وضو کا پانی لگے گا وہ اعضاء روشن ہوں گے، تو گویا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو زیور پہنایا جائے گا، اس لیے فرمایا: کہ جہاں تک پانی پہنچے گا وہاں تک مومن کا زیور پہنچے گا۔

وضو کی اہمیت

[حدیث: ۵۴۲] ''عن أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، لَا تُقْبَلُ صَلوٰةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ۔''

(رواہ البخاری: کتاب الطهارة، بَاب لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ، حدیث: ۱۳۲)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کا وضو ٹوٹ جائے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی یہاں تک کہ وضو نہ کرلے۔''

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کی نماز نہیں ہوتی جب تک کہ وہ وضو نہ کرلے۔ یہاں بعض لوگ جب وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اسی طرح پڑھتے

رہتے ہیں، نہیں! بلکہ نماز وہیں چھوڑ دو اور باہر نکل جاؤ، صفوں کو چیر کر نکل جاؤ یا آگے سے گزر کر دیوار کے پاس سے نکل جاؤ۔

اچھی طرح وضو کرنا گناہوں کو مٹا دیتا ہے

[حدیث: ۵۴۳] ”عَنْ عُثْمَا نَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهٖ“

(رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، بَاب خُرُوجِ الْخَطَايَا مَعَ مَاءِ الْوُضُوءِ، حدیث: ۳۶۱)

ترجمہ: ”حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بہت اچھی طرح وضو کیا تو اس کے تمام بدن سے گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جس شخص نے خوب اچھی طرح وضو کیا تو اس وضو کی برکت سے اس کے اعضاء کے گناہ جھڑ جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔

یہاں چند چیزیں سمجھنے کی ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ وضو کے پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں اور آدمی پاک صاف ہو جاتا ہے، جن ذرائع سے آدمی گناہ کرتا ہے وہ قریب قریب ان چار اعضاء میں جن کو دھویا جاتا ہے یا مسح کیا جاتا ہے جمع ہو جاتے ہیں، سب سے پہلے چہرہ، اس میں آنکھیں بھی آگئیں، کان بھی آگئے اور ناک بھی آگیا، منہ بھی آگیا اور یہی اہم تر ذرائع ہیں گناہ کے، ہاتھ دھو لئے، اکثر کام ہاتھوں کے ذریعے کئے جاتے ہیں، سر کا مسح کر لیا، یہ مسح بھی قائم مقام دھونے کے ہے، حکمتِ الٰہی کا تقاضا ایسا ہوا کہ بندوں کو سر کے دھونے کا مکلّف نہ کیا جائے، ورنہ سرسام ہونے کا اندیشہ ہے، چلو بس! سر پر گیلا ہاتھ پھیر لو تو سر کے مسح کا استیعاب کیا جائے گا پورے سر کا مسح، اور اس کے ساتھ کان، گردن آجاتے ہیں، تو گویا پورا وجود سر کا جتنا ماحول ہے وہ وضو کے اندر آگیا، ہاتھ پاؤں بھی آگئے، سب سے بڑے گناہ کے ذرائع یہی ہیں، ان ذرائع کے راستے سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ معاف ہو جائیں گے اور ان ہی ذرائع سے وہ کھینچ کھینچ کر نکال دیئے جاتے ہیں، تو اس طرح وضو کرنے سے گویا انسان کا پورا وجود پاک ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! آپ قیامت کے دن اپنے اُمّتیوں کو پہچان لیں گے؟ فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر کسی کا پنج کلیاں گھوڑا ہو، ماتھا، ہاتھ، پاؤں سفید ہوں، اور وہ ایک ہزار گھوڑوں کے اندر ملا ہوا ہو تو کیا وہ اپنے گھوڑے کو نہیں پہچان لے گا؟ کہا کہ: ضرور پہچان لے گا! فرمایا کہ: میری اُمّت کے لوگ ”غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ“ آئیں گے، ”غر“ ”اغر“ کی جمع ہے،

اس کو کہتے ہیں جس کی پیشانی چمک رہی ہو اور ''محجل'' کہتے ہیں جس کے ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں، میری اُمّت کے لوگ ''غرا محجلین'' آئیں گے، ''من آثار الوضو'' وضو کے آثار کی وجہ سے، تو بدن میں گناہوں سے ظلمت پیدا ہوگی اور وضو سے یہ ظلمت دُور ہو جائے گی، اس طرح وضو جس شخص نے کیا اس کے گناہ دُھل جائیں گے۔

وہ غلام جیلانی برق تھا جو منکر حدیث تھا، بعد میں سنا تھا وہ تائب ہو گیا تھا، میں نے اس کی کتاب پڑھی تھی، اس میں اسی حدیث کا مذاق اُڑایا کہ لیجئے وضو کر لیجئے اور پاک ہو جایئے۔

عجیب بے عقلی کی بات ہے، تم لوگ کسی تقریب میں جانا چاہتے ہو تو غسل کرتے ہو، اچھے کپڑے پہنتے ہو، خوشبو لگاتے ہو، اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے لئے کتنا اہتمام کرنا پڑے گا۔

اور تمہاری تقریبات تو سال چھ ماہ میں ہوتی ہیں، یہاں روزانہ پانچ وقت کا چکر ہے، اگر ہر دفعہ یہ کہا جاتا کہ غسل کر کے آؤ تو بندوں کو مشقت لاحق ہوتی، اس کے بجائے اس حکیم مطلق نے آنحضرت ﷺ کی وساطت سے یہ بتایا کہ تین اعضاء کو دھو لو اور ایک کا مسح کر لو، تمہارا غسل ہو گیا، غسل کا معنی پاک صاف ہونا، اور پھر نہاتے وقت جو پاکی حاصل کرتے ہیں تو صرف ظاہر پاک ہوتا ہے، لیکن وعدہ کیا گیا کہ صحیح طریقے سے وضو کرو تو ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن بھی پاک کر دیں گے، ظاہر و باطن دونوں پاک، یہی وجہ ہے کہ وضو کے بعد یہ دُعا پڑھی جاتی ہے:

''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ، وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔'' (کنز العمال)

ترجمہ: ''یا اللہ! مجھے بنادے توبہ کرنے والوں میں سے، اور مجھے بنادے خوب پاک ہونے والوں میں سے، اور مجھے بنادے ان لوگوں میں سے جن پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

اصل باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے توبہ سے اور جب باطنی طور پر بالکل پاک ہو گیا تو پھر خوف و غم کیا؟ تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سمجھ میں نہیں آتا منکرین حدیث کی عقل میں یہ بات کیوں نہیں آئی کہ وضو کو شریعت نے شرط قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ کی ملاقات نماز کے لئے، نماز اللہ تعالیٰ کی ملاقات ہے اور اس کے لئے شرط ہے وضو کرنا، تو اگر ظاہری اور باطنی طور پر آدمی پاک نہیں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کیسے کر سکتا ہے؟ یہ تو حدیث شریف میں فرمادیا کہ آدمی پاک ہو جاتا ہے گناہ جھڑ جاتے ہیں، ہمیں تعجب جب ہوتا جب گناہ باقی رہ جاتے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اذن دیا گیا اور طہارت کا حکم نہیں دیا گیا، عجیب بات ہے۔

اصل میں یہ علامت ہے اندھے پن کی۔

تو میرے بھائی! رسول اللہ ﷺ کی باتیں سن کر مذاق اُڑاتے ہو، تم وہاں پہنچے کب ہو؟ بالکل ایسا ہی ہے جیسے دیہات کا ایک گھاس کھودنے والا ہو، کسی سائنس دان نے سائنس کا فارمولا پیش کیا اور یہ اس کا مذاق اُڑاتا ہو، گھسیارے صاحب سائنس دان کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ: جو شخص اچھی طرح وضو کرے تو اس کے گناہ اُنگلیوں کے پوروں تک سے نکل جاتے ہیں، بالکل برحق اور سچ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح طور سے وضو کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ تو آپ بھی محسوس کرسکتے ہیں اور اگر کسی نے کبھی وضو کیا ہی نہ ہو تو الگ بات ہے، لیکن وضو سے پہلے کی حالت اور وضو کے بعد کی حالت ہر انسان محسوس کرسکتا ہے۔

وضو سے گناہ دُھل جاتے ہیں

[حدیث:۵۴۴] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ .....، إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ۔“ (صحیح مسلم ج:۲، ص:۴۵، حدیث نمبر:۳۶۰، باب خُرُوجِ الْخَطَايَا مَعَ مَاءِ الْوُضُوءِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب مسلمان آدمی یا فرمایا کہ مومن آدمی وضو کرتا ہے پس اپنے چہرے کو دھوئے تو نکل جاتی ہے اس کے چہرے سے ہر غلطی اور گناہ کہ نظر کی تھی اس شخص نے اپنی آنکھوں سے نکل جاتی ہے پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ، اگر اس میں ہاتھ دھوتا ہے تو نکل جاتا ہے اس کے گناہوں سے ہر گناہ جس کو پکڑا تھا اس کے ہاتھوں نے پانی کے ساتھ یا فرمایا کہ پانی کے آخری قطرے کے ساتھ، پس جب دھوتا ہے پاؤں کو تو نکل جاتا ہے ہر گناہ جس کی طرف چلے تھے اس کے پاؤں پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ یہاں تک کہ وہ نکل آتا ہے پاک صاف گناہوں سے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں وضو کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جب مسلمان یا فرمایا کہ مومن بندہ وضو کرتا ہے اور چہرہ دھوتا ہے تو اس کے تمام گناہ جن کا نظر سے تعلق ہوتا ہے پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں

یا فرمایا کہ پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں اور ایک روایت میں آتا ہے کہ پلکوں سے جو پانی آتا ہے اس سے نکل جاتے ہیں، جب ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ سے تعلق رکھنے والے گناہ نکل جاتے ہیں، جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں سے تعلق رکھنے والے تمام گناہ نکل جاتے ہیں۔

اس روایت میں سر کے مسح کا ذکر نہیں آیا، دوسری احادیث میں اس کا ذکر بھی آیا ہے کہ جب سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو سر سے تعلق رکھتے ہیں یہاں تک کہ کانوں کی لو سے نکل جاتے ہیں اور ارشاد فرمایا کہ وضو کرنے کے بعد آدمی بالکل پاک صاف ہوجاتا ہے، تمام گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے، اور ایک حدیث میں فرمایا کہ وضو کرنے کے بعد جب دوسرا کلمہ پڑھے:

"أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ" دوسرا کلمہ پڑھے شہادتین اور "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا يَحْزَنُوْنَ" یہ دُعا پڑھے تو اس کے لئے جنّت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے جنّت میں داخل ہوجائے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ وضو کرنے کے بعد گناہ معاف ہوجاتے ہیں: وَكَانَ الصَّلٰوةُ لَهُ نَافِعاً اور نماز اس کے لئے زیادتی کی چیز بن جاتی ہے اس کے رفع درجات کے لئے۔

یہاں پر دو باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے، ایک یہ کہ علماء فرماتے ہیں کہ اس سے صغیرہ گناہ مراد ہیں کبیرہ نہیں، اعمال صالحہ سے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں کبیرہ گناہ کے لئے توبہ شرط ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ مومن کی تو شان ہی نہیں کہ اس کے ذمے کبیرہ گناہ ہوں، مومن کو اس حال میں نہیں رہنا چاہئے کہ اس کے ذمے کبیرہ گناہ ہوں اور وہ توبہ نہ کرلے یہ مومن کی شان ہی نہیں، اس لئے یہاں صغیرہ گناہ مراد ہیں جو جھڑ جاتے ہیں وضو سے، کبیرہ گناہوں سے اس کو خود بچنا چاہئے اور اگر ارتکاب ہوگیا ہو تو معافی مانگنی چاہئے، باقی اللہ تعالیٰ پر کسی کا قانون نہیں چلتا جس کو چاہیں معاف کردیں جس کو چاہیں پکڑ لیں اس کی مشیّت ہے، اگر گناہ گاروں کو معاف کردیں تو کوئی روکنے والا نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔

دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ اگر کسی کے ذمے گناہ نہ ہوں تو؟ پھر علماء فرماتے ہیں کہ جس کے گناہ نہ ہوں اس کے لئے یہ وضو رفع درجات کا ذریعہ بن جائے گا لیکن میں کہتا ہوں کہ کوئی معصوم ہی ہوگا جس کے ذمے گناہ نہ ہوں صغیرہ گناہ، ورنہ کچھ نہ کچھ خطا کچھ نہ کچھ غلطی بندے سے ہو ہی جاتی ہے، بہرحال اگر ایسا آدمی فرض کرلیا جائے جس کے ذمے کوئی گناہ نہیں تو اس کا وضو کرنا اس کے لئے نورانیت میں اضافے کا سبب بنے گا اور اس کے لئے رفع درجات کا ذریعہ بنے گا جیسا کہ وضو پر وضو کرنا پہلے سے وضو موجود ہے اور اس کو استعمال بھی کرلیا اس نے نماز پڑھ لی اس سے مگر وضو قائم ہے تو اگر وضو پر وضو کرے تو اس کو "نورٌ علیٰ نور" کہا

جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص پہلے سے گناہوں سے پاک ہو تو وضو کرنا اس کے لئے نورٌ علیٰ نور بنے گا۔

جو شخص اچھی طرح وضو کرے جنّت کے آٹھوں دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں

[حدیث:۵۴۵] ''عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ الْوُضُوْءَ أَوْ قَالَ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ إِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ أَبْوَابُ الجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ''

(رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، بَابُ الذِّكْرِ الْمُسْتَحَبِّ عَقِبَ الْوُضُوْءِ، حدیث:۳۴۵)

ترجمہ: ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو شخص وضو کرے پس کامل وضو کرے، پھر یہ کلمہ شہادت پڑھے: ''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' مگر اس کے لیے کھل جاتے ہیں جنّت کے آٹھوں دروازے، وہ ان میں سے جس میں چاہے داخل ہو جائے۔''

تشریح: یہ حدیث جو حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک آدمی کامل وضو کرے یعنی اچھی طرح بنا کر کے وضو کرے، ٹرخائے نہیں کہ آدھا سوکھا اور آدھا گیلا، اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھے:

''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ''

تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ جنّت کے آٹھوں دروازے کھول دیتے ہیں، جس دروازے سے چاہے جنّت میں داخل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بھی آٹھوں دروازے جنّت کے کھول دے۔ آمین۔

وضو ٹھیک طرح نہ کرنے کا وبال

[حدیث:۵۴۶] ''مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ فَإِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِكَ۔''

(سنن نسائی ج:۱ ص:۱۵۱)

ترجمہ: ''کیا بات ہے کہ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، وضو ٹھیک کر کے نہیں آتے، جس کی بنا پر ہم پر قراءت میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔''

تشریح: ایک دفعہ حضور ﷺ نماز میں بھول گئے تھے، قراءت میں گڑبڑ ہوگئی تھی، سلام پھیر نے کے بعد ارشاد فرمایا: ”کیا بات ہے کہ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں وضو ٹھیک کر کے نہیں آتے جس کی بنا پر ہم پر قراءت میں گڑبڑ ہوجاتی ہے۔“

اللہ اکبر! اندازہ فرمائیں! مقتدیوں میں سے کسی ایک مقتدی کے صحیح وضو نہ کرنے کی وجہ سے سیّدالانبیاء ﷺ پر یہ اثرات! اس اشارہ کو سمجھو کہ حضور ﷺ کی نماز میں گڑبڑ ہوگئی، قراءت میں گڑبڑ ہوگئی صرف ایک آدمی کے وضو ٹھیک نہ کرنے کی وجہ سے، اس لئے وضو ٹھیک کرو اور وضو دھیان کے ساتھ کرو۔

تحیۃ الوضو کی فضیلت

[حدیث: ۵۴۶] ”عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ، مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ ھٰذَا ثُمَّ قَامَ فَرَکَعَ رَکْعَتَیْنِ لَایُحَدِّثُ فِیْھِمَا نَفْسَہٗ غُفِرَ لَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ، قَالَہٗ حِیْنَ تَوَضَّأَ ثَلٰثاً۔“

(رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، بَاب صِفَۃِ الْوُضُوءِ وَکَمَالِہِ، حدیث: ۳۳۱)

ترجمہ: ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو میری طرح وضو کرے جیسا میں نے وضو کیا، پھر کھڑا ہو کر حضورِ دل سے نماز پڑھے، دل میں اِدھر اُدھر کے خیال نہ کرے، تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے، یہ بات آنحضرت ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائی جبکہ تین تین بار وضو کر کے دکھایا۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ وضو کے بعد آدمی دو رکعتیں پڑھے تحیۃ الوضو، تو پچھلے گناہ سارے کے سارے معاف کردیئے جاتے ہیں، شرط یہ ہے کہ ان دو رکعتوں میں اِدھر اُدھر کے خیالات نہ سوچے بلکہ نماز ہی کی طرف متوجہ رہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ گناہ تو وضو سے معاف ہوجاتے ہیں اور یہ دو رکعتیں اس کے لئے اضافی انعام بن جاتی ہیں۔ باقی رہا یہ کہ ہم لوگوں کو تو بغیر وسوسے کے نماز نصیب ہی نہیں ہوتی، حضرت حکیم الاُمّت (مولانا اشرف علی تھانوی صاحب) قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ: میں نے یا کسی اور نے ہمارے اُستاذ مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب یہ حدیث آئی تو سوال کیا کہ: حضرت! ہم سے تو خیالات کے بغیر نماز نہیں پڑھی جاتی۔ انہوں نے فرمایا: کبھی کوشش بھی کر کے دیکھی ہے؟ بس یونہی فیصلہ کرلیا، کوشش کر کے دیکھو! آج نیت باندھ لو اور نیت باندھنے سے پہلے خیال کرلو کہ قطعاً کوئی خیال نہیں آئے گا، یہ مضمون تو ہوا۔

بھائی! یہ مسائل سیکھنے سے آتے ہیں، اللہ معاف کرے ہم تو نماز ہی نہیں جانتے کہ کیسی پڑھنی

چاہئے، دین کو سیکھنا پڑتا ہے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کے تبلیغی جماعت میں وقت لگاؤ، اس کا نظام یہ ہے کہ ایک موقع پر تین چلے اللہ کے راستے میں دیدو، یہ تو ہم نہیں کہیں گے کہ آج ہی دیدو، ارادہ کرلو دِین کو سیکھنے کے لئے، سیکھنا دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ہے مسئلے سیکھنا، ایک ہے اس کو عمل میں لانا، اس کی مشق کرنا، اس وقت اُمّت میں دونوں چیزیں نہیں ہیں، بہت سی غلطیاں مسائل میں کرتے ہیں، اور جب ہم کہتے ہیں کہ یہ تو غلط کیا تو کہتے ہیں کہ: ''جی! اللہ معاف کرنے والا ہے، مسئلہ معلوم نہیں تھا، میرے بھائی! کبھی کسی عدالت میں جہل کو بھی عذر سمجھا گیا کہ میں قانون سے واقف نہیں تھا اس لئے یہ غلطی کی؟ مسائل میں بھی غلطیاں کرتے ہیں اور علاوہ اس کے دین کو سن تو لیا لیکن مانا نہیں، وہ ایمان کی محنت اور ایمان کی مشق نہیں ہوئی، کبھی مولوی کا مذاق اُڑا دیا، کبھی دِین کا، کبھی یوں کہہ دیا: ''اس زمانے میں ہوسکتا ہے یہ کام؟'' معلوم ہوا اندر ایمان نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ عیسائی بن جاتے ہیں، بعض مرزائی، ایک بزرگ سے کسی نے کہا: فلاں آدمی مرتد ہوگیا۔ فرمایا: وہ مسلمان تھا ہی نہیں پہلے، مسلمان مرتد نہیں ہوتا، دِل میں ایمان رچ بس جائے تو ممکن نہیں کہ کوئی قوت نکال دے، اس کی کھال کھینچی جاسکتی ہے لیکن ایمان نہیں کھینچا جاسکتا۔ تو بھائی! اس دِین کی محنت کو سیکھنے کے لئے کہ ہمارے اندر دِین آجائے اور پھر ہمارے متعلقین کے اندر آئے گا، پھر معاشرے، ہمارے محلے اور دوست احباب میں آئے گا، پوری اُمّت میں دین آئے گا، رفتہ رفتہ تو اس نیت کے ساتھ کہ ہمارے اندر دین کا فہم بھی آجائے، دِین کا یقین بھی آجائے گا، یکبارگی چار ماہ لگائے جاتے ہیں، یہ گویا کہ نصاب ہے دِین کو سیکھنے کا، اب اس کو ڈگری مل گئی ہے کہ یہ دِین دار بن گیا ہے، اب چاہے تو دِین پر چل سکتا ہے، اتنی اس میں استعداد ہوگئی ہے کہ اب یہ دِین پر چل سکے، یہ نہیں کہ وہ مکمل دِین دار ہوگیا ہے، بلکہ اتنی استعداد ہوگئی ہے جیسے بی اے، ایم اے کی ڈگری لے کر اس کو فلاں کام کرنے کی استعداد ہے، پروفیسر بن سکتا ہے، فلاں کام کرسکتا ہے۔ جو چار ماہ لگا کر آگئے اب اتنا کیا کرو کہ سال میں ایک چلہ دیا کرو، چالیس دن، مہینے میں تین دن دیا کرو، ہفتے میں دو گشت کیا کرو، ایک اپنی مسجد میں ہوتا ہے ایک دُوسری مسجد میں کہیں، وہاں کا نظام بنے گا، مسجد کی تعلیم ہے اس میں جڑا کرو اور گھر کے اندر تعلیم شروع کرو، تاکہ تمہارے یہ اثرات تمہارے گھر والوں میں بھی آئیں، یہ مختصر سا کورس ہے۔ یہاں زیادہ تفصیل کا موقع نہیں۔

وضو کی فضیلت اور اس کا طریقہ

[حدیث:۵۴۷] ''عن عُثْمَانَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، لَایَتَوَضَّأُ رَجُلٌ فَیُحْسِنُ الْوُضُوْءَ فَیُصَلِّیْ صَلٰوۃً إِلَّا غَفَرَ اللهُ لَهٗ مَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ صَلٰوۃِ الَّتِیْ تَلِیْهَا۔''

(رواہ مسلم: کتاب الطهارة، بَاب فَضْلِ الْوُضُوْءِ وَالصَّلَاۃِ عَقِبَهٗ، حدیث:۳۳۳)

ترجمہ: ’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضو کرے سو اچھی طرح وضو کرے، پھر کوئی نماز پڑھے تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کردے گا، اس وقت سے لے کر اس کے بعد والی نماز کے درمیان تک۔‘‘

تشریح: اس حدیث شریف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: تم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے دکھاؤں؟ چنانچہ سب کے سامنے وضو کا پانی منگوایا، ایک کھلے برتن میں پانی لایا گیا، آپ نے پانی سے تین مرتبہ ہاتھ دھوئے اور پھر کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور پھر چلو کو دوسرے ہاتھ سے ملا کر تین مرتبہ منہ دھویا، پھر دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، پھر سر کا ایک مرتبہ مسح کیا، پھر تین مرتبہ پاؤں دھوئے، ایک مرتبہ چلو سے پانی لے کر ملا، اس طرح تین مرتبہ کیا، اور فرمایا: میں نے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا کہ آپ نے اس طرح وضو کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ: جو شخص کہ جیسا میں نے وضو کیا ہے اس طرح وضو کرے یعنی خوب اچھی طرح مل کر تین مرتبہ دھوئے ایک ایک عضو کو تو اس وضو سے لے کر اگلی نماز کے درمیان تک کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: جب بندہ منہ دھوتا ہے تو چہرے سے تعلق رکھنے والے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ آنکھوں کی پلکوں سے گر جاتے ہیں، ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ سے کیئے ہوئے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ آخری قطرے کے ساتھ تمام گناہ دُھل جاتے ہیں، اور جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر سے تعلق رکھنے والے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ کانوں کی لو سے نکل جاتے ہیں، معلوم ہوا کہ کان بھی سر میں داخل ہیں اور ان کو الگ نہیں کیا جاتا بلکہ سر کے ساتھ ہی ان کا مسح کیا جاتا ہے، اور جب بندہ پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کے ناخنوں سے تمام گناہ نکل جاتے ہیں، وضو کرنے کے بعد یہ شخص گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے اور بعد میں دو رکعتیں پڑھ لے تو یہ اس کے لئے نافلہ بن جاتی ہیں اور جنّت کے آٹھوں دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں (طبرانی، کنز العمال)۔

خلاصہ یہ ہے کہ وضو نام ہے تین اعضاء (منہ، ہاتھ اور پاؤں) کے دھونے اور سر کے مسح کرنے کا۔ مسح کے معنی تر ہاتھ سر پر پھیرنے کے ہیں،

وضو کی دُعائیں

قربان جائیں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے وقت یہ دُعا پڑھ لیا کرو:

”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ، وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔“

ترجمہ: ”یا اللہ! مجھ کو بنا دے توبہ کرنے والوں میں سے اور مجھ کو بنا دے خوب پاک و صاف ہونے والوں میں سے اور مجھ کو بنا دے ان لوگوں میں سے جن پر قیامت کے دن نہ خوف ہوگا اور نہ غم۔“

تشریح: اس دُعا کی برکت سے اِن شاء اللہ باطنی طہارت حاصل ہوجائے گی، ظاہر تو پاک کرتے ہیں پانی کے ساتھ اور باطن کو پاک کرتے ہیں توبہ کے ساتھ، تو اگر ہم وضو آداب کے مطابق کریں، تو اِن شاء اللہ نماز کے اندر بھی حضوری نصیب ہوگی، اس میں نورانیت ہوگی، اور اگر وضو صحیح نہیں کیا تو نماز میں کیا حضور ہوگا؟

وضو کی دُعاؤں کا اہتمام

بزرگ فرماتے ہیں کہ وضو کی دعائیں یاد کرو اور وضو کے دوران وہ دعائیں پڑھتے رہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ”احیاء العلوم“ میں وہ دعائیں لکھی ہیں، اور عام طور پر نمازوں کی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت اہتمام ہوتا تھا ان دعاؤں کا، کلی کرتے ہوئے یہ دعا پڑھو، ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ دعا پڑھو، چہرہ دھوتے ہوئے یہ دعا پڑھو، سر پر مسح کرتے ہوئے یہ دعا پڑھو، پاؤں دھونے تک سب دعائیں ہیں، اگر اور دعائیں یاد نہیں تو پھر یہ چوتھا کلمہ پڑھتے رہو:

”لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا، ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ بِیَدِہِ الْخَیْرُ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔“

تو نماز کو پشت پھیر کر نہ آؤ، منہ پھیر کر آؤ، ہم لوگ تو نماز کی نیت باندھ کر منہ طرف قبلہ شریف کے پیچھے اس امام کے اللہ اکبر کہہ دیتے ہیں، ہمارے ظاہر کا رخ قبلہ کی طرف ہے اور ہمارے باطن کی پیٹھ قبلہ کی طرف ہے، جس طرح ظاہر کا رخ قبلہ کی طرف کیا ہے، اسی طرح باطن کا رخ بھی قبلہ کی طرف کرو، اور اپنی توجہ بھی قبلہ کی طرف کرو، قبلہ نہیں، بلکہ صاحب قبلہ، قبلہ کا مالک، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو۔

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

[حدیث: ۵۴۸] ”عَنْ ابْنِ بُرَیْدَۃَ عَنْ أَبِیهِ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدٰی إِلَی النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ، فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا۔" (سنن الترمذی ج: ۱۰، ص: ۲۳، حدیث نمبر: ۲۷۴۵، بَاب مَا جَاءَ فِي الْخُفِّ الْأَسْوَدِ)

ترجمہ: "حضرت بریدہ ﷛ فرماتے ہیں کہ نجاشی نے نبی کریم ﷺ کو دو موزے سیاہ رنگ کے سادہ بھیجے تھے، آپ نے ان کو پہنا پھر وضو فرمایا اور ان پر مسح فرمایا۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ: نجاشی نے آنحضرت ﷺ کو دو موزے ہدیہ کئے تھے، دونوں سیاہ رنگ کے تھے اور سادہ وغیر منقش تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو پہنا اور ان پر مسح کیا۔

نجاشی حبشہ کے بادشاہ کا لقب تھا اور اس کو "یا" کی تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے "جیم" کی تشدید کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا "جیم" کی تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو نجاشی تھا یعنی بادشاہ تھا حبشہ کا ان کا نام "اصحمہ" تھا ان کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی لیکن مسلمان ہو گئے تھے، غائبانہ مسلمان ہو گئے تھے اور یہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ہوئے، یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں نہیں آسکے، اُمّ المؤمنین اُمِّ حبیبہ ﷞ یہ مکے کے چودھری ابوسفیان کی بیٹی تھیں، یہ حبشہ ہجرت کر کے گئی ہوئی تھیں، وہاں ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا، نصرانی ہو کر مر گیا تو آنحضرت ﷺ نے نجاشی کو وکیل بنایا، نکاح کا پیغام بھیجا کہ میری طرف سے ام حبیبہ کو نکاح کا پیغام دے دو، چنانچہ نجاشی نے اپنی ایک خادمہ کو حضرت ام حبیبہ کی خدمت میں بھیجا، ان کے لئے اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی تھی، وہ پیغام لانے والی خاتون اس وقت کوئی کنگن پہنے ہوئے ہوں گی، اس نے وہ اُتار کر اس کو دے دیئے شکرانے کے طور پر، نجاشی کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ نہیں! یہ نہیں لینا اور اپنے خاندان کی خواتین کو اپنے ارکان دولت کی خواتین کو حکم دیا کہ سب کے سب ام المومنین کو ہدیئے بھیجیں، تو اچھی چیزیں عورتیں لائیں ہدیے کے طور پر، حضرت جعفر ﷛ وہاں موجود تھے، ان کو بلا کر دوسرے لوگوں کو بلا کر کے عقد کیا اور نجاشی آنحضرت ﷺ کی طرف سے وکیل ہوئے، بحیثیت وکیل کے انہوں نے ایجاب وقبول کیا اور اپنی طرف سے چار ہزار اشرفیاں ام المومنین کو مہر کے طور پر عطا کر دیں اور پھر ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا، ایک صحابی ساتھ تھے اور ان کے ساتھ اپنا بھتیجا بھیج دیا، ان کے بھتیجے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کافی دنوں تک رہے۔

بہر حال یہ خوش نصیب شخص ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے "اصحمہ" اور جس دن ان کا انتقال ہوا رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اس کی اطلاع دی اور ان کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھا، ابوداؤد شریف میں کتاب الجہاد میں حضرت عائشہ ﷞ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ دفن ہونے کے بعد نجاشی کی قبر

سے نور نظر آتا ہے، جس وقت انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ دو موزے ہدیہ بھیجے تھے اس وقت وہ مسلمان نہیں تھے، بعد میں مسلمان ہوئے، اس لئے اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کافر کا ہدیہ وصول کرنا جائز ہے، بہت سے شاہان عجم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدایا بھیجے تھے حتی کہ قیصر شاہ روم نے بھی اور آنحضرت ﷺ نے ان کو قبول فرمایا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوگئی کہ موزوں پر مسح کرنا صحیح ہے، اہلِ سنّت اس پر متفق ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے جو شخص مسح علی الخفین کا منکر ہو مجھے اس کے ایمان میں شبہ ہے، حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اہل سنّت کی علامات کیا ہیں؟ فرمایا: "تُعَظِّمُ الشَّيْخَيْنِ وَتُحِبُّ الْخَتَنَيْنِ وَتَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ" شیخین کو عزت اور وقار کے ساتھ یاد کرو تعظیم کے ساتھ، دونوں دامادوں سے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھو اور موزوں پر مسح کرنے کو جائز سمجھو، بس یہ علامت ہے اہل سنّت والجماعت ہونے کی، اس زمانے میں بھی یہی تھا۔

چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اور ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر "مُنَعَّلَيْن" ہوں یعنی جراب پر جوتے کی مقدار نعل چڑھا دیا جائے، جتنا جوتا ہوتا ہے اتنا نعل چڑھا دیا جائے تو اس پر بھی جائز ہے مسح کرنا، لیکن مطلق جرابوں پر جائز نہیں ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بہت موٹے ہوں کہ پانی نیچے سرایت نہ کر سکے اور بغیر باندھے آدمی تین میل ان کے ساتھ چل سکے تو پھر ان پر مسح کرنا جائز ہے اتنی ٹھوس اور مضبوط اور موٹی ہوں۔

[حدیث: ۵۴۹] "قَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ أَهْدَى دِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ فَلَبِسَهُمَا، قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَالَ إِسْرَائِيلُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَامِرٍ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتّٰى تَخَرَّقَا لَا يَدْرِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَكِيٌّ هُمَا أَمْ لَا۔" (سنن الترمذی ج: ٦، ص: ۴۰۲، حدیث نمبر: ۱۶۹۱، بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخُفَّيْنِ)

ترجمہ: "حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو دو موزے ہدیہ کئے، آپ ﷺ نے ان کو پہنا اور ایک روایت میں ہے کہ جبہ اور دو موزے، پس آپ ﷺ نے ان کو پہنا یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے، آنحضرت ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ آیا یہ ذبح کئے ہوئے جانور کے ہیں یا نہیں۔"

تشریح: یہ حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضرت دحیہ ابن خلیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو موزے ہدیہ کئے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جبہ اور موزے، ایک جبہ پیش کیا تھا اور

دو موزے، آنحضرت ﷺ نے ان کو پہنا یہاں تک کہ پرانے ہو کر پھٹ گئے، آنحضرت ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ مذبوح جانور کے ہیں یا مردار کے ہیں، یہ دحیہ آنحضرت ﷺ کے سفیر بن کر قیصر روم کے پاس گئے، شاہ روم کے پاس سفیر بن کر گئے، بے حد خوبصورت تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے تھے تو دحیہ کی شکل میں آتے تھے، کبھی کبھی صحابہ کو نظر آتے تو لوگ یہ سمجھتے کہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے باتیں کر رہے ہیں، یہ ان کی منقبت اور سعادت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ان کی شکل میں نازل ہوتے تھے۔

اور روایت کے آخر میں جو کہا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ جانور مذبوح ہے یعنی ذبیحہ کا چمڑا ہے یا کسی اور کا، یہاں سے حنفیہ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ چمڑا جب خشک کر لیا جائے تو ہر چیز کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے، انسان کا چمڑا اس کا استعمال کرنا جائز نہیں اور خنزیر نجس العین ہے وہ پاک نہیں ہوتا، ان کے علاوہ باقی جتنے چمڑے ہیں وہ پاک ہو جاتے ہیں دباغت کے ساتھ، شیر کی کھال ہو وہ بھی پاک ہو جائے گی، کتے کی کھال ہو وہ بھی پاک ہو جائے گی کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ (ترمذی ۶/ ۳۸، ۱۶۵۰) ہر کھال جب اس کو دباغت کر لی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے اور دباغت کے معنی ایک تو رنگ دینا ہوتا ہے جیسے کارخانوں میں رنگا جاتا ہے چمڑے کو اور دوسرے معنی عام ہیں دباغت کے یعنی اس کی رطوبات کو خشک کر لینا دھوپ میں ڈال کر یا کسی اور طریقے سے۔

دباغت کے بعد چمڑے کا پاک ہونا

[حدیث: ۵۵۰] ”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ ....، إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ۔“ (صحیح مسلم ج: ۲، ص: ۲۸۳، حدیث نمبر: ۵۴۷، بَاب طَهَارَةِ جُلُودِ الْمَيْتَةِ بِالدِّبَاغِ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب چمڑے کو دباغ دے دی گئی تو وہ پاک ہو گیا۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک واقعہ کا ذکر ہے اور ایک مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان کے گھر کی بکری مر گئی تھی تو لوگ جیسا کہ مردار کو باہر پھینکتے ہیں اس کو گھسیٹ کر لے جا رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم اس کا چمڑا اُتار لیتے اور اس کو استعمال کر لیتے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اس کو ذبح نہیں کر سکے مر گئی ہے، فرمایا: کہ مردار کا چمڑا بھی دباغت سے پاک ہو جاتا ہے، یہی حدیث کا مضمون ہے: إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ۔

إِهَاب کہتے ہیں کچے چمڑے کو، جب چمڑے کو رنگ لیا گیا اور دباغت دے دی گئی تو وہ پاک

ہو گیا، اگر کسی جانور کو بِسۡمِ اللّٰهِ أَكْبَرُ کہہ کر ذبح کر دیا جائے تو اس کا گوشت بھی پاک ہو گیا اور اس کا چمڑا بھی پاک ہو گیا اور اگر جانور ذبح نہیں کیا گیا بلکہ مردار ہو گیا تو جب تک کہ کچا چمڑا ہے وہ نجس ہے اور مردار ہے۔

ہمارے ہاں دیہات میں رواج ہے کوئی بیل بھینس مر جائے اس کو ذبح نہ کیا جائے تو چوڑھوں کے پاس بھیج دیتے ہیں، یعنی حرام ہے اس کو بیچنا کھال اُتا کر اس کھال کو اور کھال اُتارنے کے بعد بھی کچی کھال کا اُتارنا حرام ہے، ہاں دباغت دینے کے بعد وہ پاک ہوگا، اس کو بیچ سکتے ہیں، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اُجرت دے کر کے چوڑھوں سے کھال اُتروالی جائے اور کھال کو بعد میں دباغت دے دی جائے اس کے بعد اس کو بیچ دیا جائے کچے چمڑے کو نہ بیچا جائے۔

ایک مسئلہ یہ کہ دباغت کیسے دی جائے؟ اس کا ایک طریقہ تو معروف ہے کارخانوں میں چمڑے رنگے جاتے ہیں، جب اس کی صفائی ہو گئی اور رنگ لیا گیا تو چمڑا پاک ہو گیا، پہلے زمانے میں اس کے لئے مصالحے ہوتے تھے جس سے اس کا تعفن ختم ہو جاتا تھا اور ایک صورت یہ ہے کہ چمڑے کو نمک لگا لیا جائے اس کی رطوبتیں نکل جائیں گی پانی وغیرہ نکل جائے گا اور وہ اسی طرح پڑا پڑا خشک ہو جائے گا یا نمک بھی نہ لگایا دھوپ میں ڈال دیا جائے ویسے ہی، غرضیکہ جب وہ سوکھ جائے گا تو سوکھنے کے بعد پاک ہوگا اب اس کو استعمال کر سکتے ہیں، اب دوبارہ جب اس کو گیلا کریں گے تو ناپاک نہیں ہوگا، تو یہ مسئلہ ہے دباغت کا یعنی کچے چمڑے کا چاہے مردار کا ہو اس کو اگر رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔

اس مسئلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا شاید ان کو حدیث نہیں پہنچی ہو گی یا کیا قصہ ہے وہ کہتے ہیں جب تک صاف نہیں ہوتا پاک نہیں ہوتا، یعنی وہ مردار کی کھال یا چمڑے کے پاک ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتے اور خنزیر کی کھال پاک نہیں ہوتی ان کے نزدیک یہ دونوں نجس العین ہیں، ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خنزیر تو نجس العین ہے اس کی کھال پاک نہیں ہونی چاہئے جتنے مصالحے لگاتے رہو وہ نجس کا نجس رہے گا، آدمی کا چمڑا اگرچہ اُتار کر کے رکھ لے تو پاک تو ہو جائے گا لیکن اس کا استعمال جائز نہیں حرام ہے، تو آدمی کا چمڑا اس کو دباغت دینا صحیح نہیں تعظیم کی وجہ سے اور خنزیر کا چمڑا پاک نہیں ہوتا اس کی نجاست اور خباثت کی وجہ سے، کتے کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے، وہ اس قاعدے کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیان فرمایا اس کے تحت داخل ہے، شیر کا چیتے کا اور جنگلی جانوروں کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے لیکن حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتے کا چمڑا پاک نہیں ہوتا، ورنہ دوسرے نجس جانوروں کے چمڑے کے پاک ہونے کے وہ بھی قائل ہیں جبکہ ان کو دباغت دے دی جائے۔

مسواک کی اہمیت وفضیلت

[حدیث: ۵۵۱] ”عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللہ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوةٍ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الطهارة، بَاب السِّوَاكِ، حدیث: ۳۷۱)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میں اپنی اُمّت کو مشقت میں ڈال دوں گا، تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم کرتا۔“

تشریح: اس حدیث کے راویوں کا الفاظ کے نقل کرنے میں اختلاف ہے، بعض حضرات ”عند کل صلٰوۃ“ کے الفاظ نقل کرتے ہیں، اور بعض اس کے بجائے ”عند کل وضو“ نقل کرتے ہیں، (صحیح بخاری ص:۲۵۹، ۱۲) یعنی ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم کرتا۔

ان دونوں الفاظ کے پیشِ نظر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ہر نماز سے پہلے وضو کرنے اور ہر وضو کی ابتدا مسواک سے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دینے سے مقصود یہ ہے کہ ہر نماز کے وضو سے پہلے مسواک کی جائے۔ عین نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت مسواک کی ترغیب مقصود نہیں۔ اگر آدمی نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت مسواک کرے تو اندیشہ ہے کہ دانتوں سے خون نکل آئے جس سے وضو ساقط ہو جائے گا، اور جب وضو نہ رہا تو نماز بھی نہ ہوگی، اس لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے وضو سے پہلے مسواک کرنا سنّت ہے، عین نماز کے وقت مسواک نہیں کی جاتی۔

علاوہ ازیں مسواک، منہ کی نظافت اور صفائی کے لئے کی جاتی ہے اور یہ مقصود اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جبکہ وضو کرتے ہوئے مسواک کی جائے اور پانی سے کلی کرکے منہ کو اچھی طرح صاف کرلیا جائے، نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت بغیر پانی اور کلی کے مسواک کرنے سے منہ کی نظافت اور صفائی حاصل نہیں ہوتی، جو مسواک سے مقصود ہے۔

[حدیث: ۵۵۲] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہ عَنْهُمَا اَرَانِیْ فِی الْمَنَامِ أَتَسَوَّکُ بِسَوَاکٍ فَجَاءَنِیْ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَکْبَرُ مِنَ الْآخَرِ فَنَاوَلْتُهُ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِیْلَ لِیْ کَبِّرْ فَدَفَعْتُهُ إِلَی الْأَکْبَرِ مِنْهُمَا“

(رواہ البخاری: کتاب الوضوء، بَاب دَفْعِ السِّوَاكِ إِلَى الْأَكْبَرِ، حدیث: ۲۳۸)

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں مسواک کر رہا ہوں، پس میرے پاس دو آدمی آئے ایک بڑا اور ایک چھوٹا میں نے ان میں سے چھوٹے کو مسواک دے دی تو مجھ سے کہا گیا بڑے کو دیجئے چنانچہ میں نے بڑے کو دے دی۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں، میرے پاس دو آدمی آئے، ایک بڑا ہے ایک چھوٹا، میں نے مسواک کر کے چھوٹے کو دے دی اور مجھ سے کہا گیا ”کَبِّرْ کَبِّرْ“ بڑے کو دیجئے، بڑے کو دیجئے، چنانچہ میں نے چھوٹے سے لیکر بڑے کو دے دی۔

آنحضرت ﷺ کا مسواک کرنا خواب میں اس کی تعبیر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کثرت کے ساتھ مسواک کرتے تھے، اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے کس چیز سے ابتداء فرماتے؟ فرمایا کہ: مسواک کرتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خواب میں جو دو آدمی آئے ان میں سے چھوٹے کو دی کیونکہ آنحضرت ﷺ چھوٹوں پر زیادہ شفقت فرماتے تھے، اس لئے بطور شفقت چھوٹے کو مرحمت فرمائی لیکن مسواک عظمت والی چیز تھی اور یہ بڑے کا حق تھا اس لئے فرمایا گیا کہ بڑے کو دیجئے، چنانچہ چھوٹے سے لے کر کو بڑے دے دی۔

غسل میں کتنا پانی استعمال کرنا چاہئے؟

[حدیث:۵۵۳] ”عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَمَّا أَنَا فَأُفِيْضُ عَلٰى رَأْسِيْ ثَلَاثَ أَكُفٍّ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ ثَلَاثًا وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا قَالَهُ حِيْنَ تَمَارَوْا فِي الْغُسْلِ عِنْدَهُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ أَمَّا أَنَا فَإِنِّيْ أَغْسِلُ رَأْسِيْ بِكَذَا وَكَذَا۔

(رواہ مسلم: كتاب الحيض، باب اسْتِحْبَابِ إِفَاضَةِ الْمَاءِ عَلَى الرَّأْسِ، حدیث: ۴۹۳)

ترجمہ: ”حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غسل کے معاملے میں بحث کرنے لگے، کسی نے کہا کہ میں تو اپنا سر اتنے اتنے پانی کے ساتھ دھوتا ہوں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں تین لپیں سر پر ڈال لیتا ہوں اور بخاری کی روایت میں ہے کہ تین دفعہ یہ عمل کرتا ہوں اور دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کر دیا یعنی اس طرح پانی لیکر سر پر ڈال لیتا ہوں۔“

تشریح: حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی

میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گفتگو کرنے لگے غسل کے بارے میں کتنا پانی استعمال کرنا چاہئے، ایک صاحب نے کہا بھائی! میرے تو اتنا پانی ہو تو بال بھیگتے ہیں، وہ مقدار ذکر نہیں کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دو لپیں تین لپیں (کافی ہوتی ہیں) اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یوں پانی لیتا ہوں برتن سے اور اس کو سر پر ڈالتا ہوں تین دفعہ (اللہ اللہ خیر سلا)۔

ایک دفعہ ایک صحابی اسی طرح مسئلہ بیان فرما رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانی کی تین لپیں لے کر سر پر ڈالتے تھے، مل لیتے تھے، سر پر دائیں طرف، بائیں طرف، تقریباً چار سیر پانی، یا تم اپنی زبان میں کہہ دو بڑے لوٹے، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل ہو جاتا تھا، تو ان کا شاگرد یا ان کا صاحبزادہ کہنے لگا کہ اتنے پانی کے ساتھ تو میرے بال بھی نہیں بھیگتے، وہ صحابی بہت مزے سے کہنے لگے کہ ’’کَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَکْثَرَ اَطْیَبَ‘‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک زیادہ بھی تھے تم سے اور زیادہ پاکیزہ بھی تھے لیکن آپ اتنا ہی پانی استعمال کرتے تھے۔

یہاں مجھے ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہٗ کا لطیفہ یاد آیا' مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہٗ ان کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ، وہ کنویں پر بیٹھے تھے اور لنگی باندھی ہوئی تھی، طالب علم ان کے اوپر ڈول کھینچ کر پانی بہا رہے تھے تو ایک صاحب آئے وہ کہنے لگے (بے تکلّف ہوں گے شاید): مولوی جی! ہمیں تو کہتے ہیں کہ اتنا پانی استعمال کرنا چاہئے اور خود ڈول بہا رہے ہیں؟ تو حضرت مولانا محمد یحییٰ نوراللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ: بالکل ٹھیک بات ہے، تیرے جیسے جاہل کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور میں مسئلے کے مطابق کرتا ہوں اس لئے جائز ہے! کہنے لگے: مولوی جی! یہ کیا بات ہوئی؟ بس آگے کچھ نہیں کہا۔

بھائی! ایک ہے غسل کرنا پاک ہونے کے لئے، وہ تو آپ پانی لے لیں برتن میں، ایک ٹب میں لے لیں، تسلے میں لے لیں اور اسی طرح جو میں نے بتایا ہے سر پر ڈال لیں، دائیں کندھے پر، بائیں کندھے پر، اسی طرح پورے بدن پر، چار سیر میں اِن شاءاللہ غسل ہو جائے گا مکمل اور اگر ماءِ کثیر ہے اور نیت ’’تبرید‘‘ کی کر لیں یعنی ٹھنڈک کی، گرمیوں کا موسم ہے ٹھنڈا ہونے کی نیت کرتے ہیں تو اس صورت میں زیادہ پانی استعمال کرنا صحیح اور جائز ہے۔

غسل کے بعد وضو نہیں کرنا چاہئے

[حدیث:۴۵۵] ’’عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ‘‘ (رواہ الترمذی، باب ۸۰، حدیث ۹۳)

ترجمہ: ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو

نہیں فرماتے تھے۔''

تشریح: وضونام ہے تین اعضاء (منہ، ہاتھ اور پاؤں) کے دھونے اور سر کے مسح کرنے کا۔ اور جب آدمی نے غسل کرلیا تو اس کے ضمن میں وضو بھی ہوگیا۔ غسل سے پہلے وضو کرلینا سنّت ہے، لیکن اگر کسی نے غسل سے پہلے وضو نہیں کیا تب بھی غسل ہوجائے گا، اور غسل کے ضمن میں وضو بھی ہوجائے گا، مسح کے معنی تر ہاتھ سر پر پھیرنے کے ہیں، جب سر پر پانی ڈال کر مل لیا تو مسح سے بڑھ کر غسل ہوگیا۔ بہر حال بعض لوگ غسل کے بعد پھر وضو کرتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، وضو غسل سے پہلے کرنا چاہئے تاکہ غسل کی سنّت ادا ہوجائے، غسل کے بعد وضو کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

حالتِ حیض کے اَحکام

[حدیث:۵۵۵] ''عن عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا، إِنَّ هٰذَا شَيئٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ فَاقْضِيْ مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيرَ أَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَغْتَسِلِيْ، قَالَهُ لَهَا حِيْنَ حَاضَتْ بسرِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔''

(رواه البخاری: كتاب الحيض، باب كَيفَ كَانَ بَدْءُ الْحَيضِ، حديث:۲۸۵)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہ چیز یعنی عورت کے خاص ایام ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے، سو تو اَدا کرتی رہ جو کام کہ حاجی لوگ کرتے ہیں سوائے اس کے کہ بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرنا جب تک کہ تو غسل نہ کرلے۔''

[حدیث:۵۵۶] ''عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا، فقال إِنَّ حَيضَتَكِ لَيسَتْ فِيْ يَدِكَ'' (رواه مسلم: كتاب الحيض، بَاب جَوَازِ غَسْلِ الْحَائِضِ، حديث:۴۵۰)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک تیرے حیض کی حالت تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے مسجد سے چٹائی اُٹھادو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دولت خانہ اور مسجد دونوں ملے ہوئے تھے، مسجد کا کنارہ ختم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر شروع ہوگیا، حدیث کے الفاظ ہیں: ''نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ'' مجھے چٹائی اُٹھا کردو مسجد سے، اس میں علماء نے گفتگو فرمائی ہے کہ ''من المسجد'' کا تعلق کس سے ہے؟ چٹائی سے ہے یعنی چٹائی مسجد میں پڑی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تھے، تو مطلب یہ ہوگا کہ مسجد میں

سے چٹائی اُٹھا کر دو، مسجد کے اندر جانے کی ضرورت نہیں، چٹائی کنارے پر پڑی تھی ہاتھ لمبا کر کے وہ اُٹھا کے دے دو۔

اور بعض نے کہا کہ "من المسجد" کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ہے، یعنی آنحضرت ﷺ مسجد میں تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: چٹائی دے دو، انہوں نے فرمایا کہ: میں تو حیض کی حالت میں ہوں، مجھے نماز نہیں پڑھنی، تو فرمایا: "ان حیضتک لیست فی یدک" تیرے حیض کی کیفیت تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ مسجد کی طرف ہاتھ پھیلا کر وہاں سے کوئی چیز اُٹھا لینا حائضہ کے لئے جائز ہے، ہاں! مسجد کے اندر داخل ہونا اس کے لئے جائز نہیں۔

اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حائضہ کا ہاتھ پاک ہوتا ہے، اس کے باوجود وہ قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگا سکتی، معنوی نجاست ہے جیسا کہ بے وضو آدمی قرآن کریم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، روٹی پکا سکتی ہے، وہ کام کہ جو بے وضو آدمی کر سکتا ہے حائضہ عورت بھی کر سکتی ہے، اسی طرح اس کی زبان بھی پاک ہے، اللہ کا ذکر کر سکتی ہے لیکن قرآن پاک کی تلاوت نہیں کر سکتی، مگر یہ بات یاد رہے کہ کلی کئے بغیر کھانا پینا حائض اور جنبی کے لئے مکروہ ہے، جب تک کہ وہ کلی نہ کر لے اس کا منہ بھی ناپاک ہوتا ہے، ہاں! جب اس نے کلی کر لی تو اس کا منہ پاک ہوگیا، اس لئے اگر کلی کئے بغیر پانی پیئے تو پہلا گھونٹ مکروہ ہوگا، اب منہ پاک ہوگیا، اگلا گھونٹ ناپاک نہیں ہوگا، اس لئے کلی کرنے کے بعد کھانا پینا چاہئے۔

حائضہ عورت قرآن کریم کی تلاوت نہیں کر سکتی، اس کے علاوہ جتنے اذکار ہیں کر سکتی ہے، کلمہ شریف کا وِرد کر سکتی ہے، دُرود شریف پڑھ سکتی ہے، تسبیحات پڑھ سکتی ہے، بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی دُعائیں بطور دُعا کے پڑھ سکتی ہے، تلاوت کی نیت سے نہیں، جیسے ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا...... الخ﴾، ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ...... الخ﴾ وغیرہ، یہ جتنی بھی قرآن کریم کی دُعائیں ہیں ان کو بطور دُعا کے پڑھ سکتی ہے، حتی کہ سورۂ فاتحہ بھی دُعا کی نیت سے پڑھ سکتی ہے، بطور تلاوت نہیں۔ تلاوت اور چیز ہے دُعا اور چیز ہے۔ تو حائضہ کی نجاست معنوی ہے، ظاہری نہیں اگر وہ پانی میں ہاتھ ڈال دے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا، کیونکہ ظاہر کے اعتبار سے ہاتھ پاک ہے، لیکن معنوی احکام ہیں کہ مسجد میں داخل نہ ہو، تلاوت قرآن نہ کرے، اور یہی احکام ہیں جنبی مرد و عورت کے، یعنی جن پر غسل فرض ہے، قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، ہاں! غلاف یا تولیے کے ساتھ اس کو اُٹھا سکتے ہیں، لیکن جو کپڑا کہ خود پہنا ہوا ہے اس کو استعمال نہیں کر سکتے، مثلاً چادر اوڑھی ہوئی ہے یا دوپٹہ ہے، اسی سے قرآن پکڑے یا ورق اُلٹے یہ جائز نہیں، کیونکہ وہ تمہارے تابع ہوگیا، قرآن مجید نہیں اُٹھا سکتی کیونکہ یہ اس کے تابع ہوگئے، البتہ اگر پہنے ہوئے نہ ہوں تو ان سے اُٹھا سکتی ہے۔

عورت غسلِ جنابت کیسے کرے؟

[حدیث:۵۵۷] ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَأْخُذُ إِحْدَاكُنَّ مَاءَهَا وَ سِدْرَتَهَا فَتَطَهَّرُ فَتُحْسِنُ الطُّهُورَ ثُمَّ تَصُبُّ عَلَى رَأْسِهَا فَتَدْلُكُهُ دَلْكًا شَدِيدًا حَتَّى تَبْلُغَ شُؤُونَ رَأْسِهَا ثُمَّ تَصُبُّ عَلَيْهَا الْمَاءَ ثُمَّ تَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَطَهَّرُ بِهَا، قَالَهُ لِأَسْمَاءَ بِنْتِ شَكَلٍ حِينَ سَئَلَتْهُ عَنْ غُسْلِ مَحِيْضٍ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الحیض، بَاب اسْتِحْبَابِ اسْتِعْمَالِ الْمُغْتَسِلَةِ، حدیث: ۵۰۰)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت اپنی ماہواری سے پاک ہوتو پانی اور بیری کے پتّے ابلے ہوئے لے، ان کے ساتھ صفائی کرے، پس اچھی طرح طہارت حاصل کرے، پھر اپنے سر پر پانی بہائے، پس اس کو ملے، خوب اچھی طرح ملے، یہاں تک کہ پہنچے اس کے سر کی سلوٹوں کو، پھر اس پر پانی بہائے، پھر لے ایک ٹکڑا جس پر خوشبو لگی ہوئی ہو، اس کے ساتھ صفائی کرے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء بنت شکل رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا، جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حالتِ حیض سے پاک ہونے کے بارے میں دریافت کیا۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک خاتون کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے حضرت اسماء بنت شکل رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، کہنے لگیں: یارسول اللہ! (عورتیں ناپاکی میں مبتلا ہوتی ہیں) کوئی عورت حیض سے پاک ہوتو کس طرح پاک ہونا چاہیے، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ پانی لے اور بیری کے پتے لے یعنی پانی میں بیری کے پتّے ابلے ہوئے ہوں، کیونکہ یہ بدن کو صاف کرنے والی چیز ہے، پس اچھی طرح سے ملے اور جسم کو پاک کرے پھر سر پر پانی ڈالے اس کو لے اور خوب ملے یہاں تک کہ اس کے سر کی سلوٹیں وہ بھی پاک ہوجائیں اور پانی وہاں بھی پہنچ جائے، اس کے بعد اپنے بدن پر پانی بہائے، پھر ایسا کرے کوئی چھڑے کی چیز لے لے، اس کو خوشبو لگالے، جہاں جہاں گندہ خون لگتا ہے بدن پر اس کو رگڑ رگڑ کر کھرچے اور صاف کرے، بس پاک ہوجائے گی۔

[حدیث:۵۵۸] ”عن أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِيَ عَلَى رَأْسِكِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيضِينَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِينَ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الحیض، بَاب حُكْمِ ضَفَائِرِ الْمُغْتَسِلَةِ، حدیث: ۴۹۷)

ترجمہ: ”حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تجھ

کو یہی کافی ہے کہ تو تین چلو اپنے سر پر ڈالے، پھر تمام بدن پر پانی بہالے تو پاک ہوجائے گی۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ یارسول اللہ! میں اپنی مینڈھیاں (چوٹیاں) بہت کس کے باندھتی ہوں۔ پہلے زمانے میں عورتیں سر کے بال گوندھ لیا کرتی تھیں، خوب اچھی طرح تاکہ وہ جمے رہیں اور بال بکھرتے نہیں تھے، تو میں اپنے سر کے بال بہت زور سے گوندھتی ہوں، اب جب غسل کی ضرورت پیش آئے تو ان بالوں کو کھولوں اور کھول کر ان کو تر کروں تو اس میں بہت دقت پیش آتی ہے، یارسول اللہ! اس کا کیا مسئلہ ہے؟ فرمایا: پانی کے تین چلو لے لیا کرو، ایک چلو پانی لیا اور بالوں کی جڑوں کو اچھی طرح تر کرلیا اُنگلیوں سے مل کر، پھر دوسرا چلو لیا اور پھر خوب بالوں کو ملا، یعنی جڑوں تک پانی پہنچ جائے، اور پھر تیسرا چلو ڈالا اور پھر اس کو مل لیا، پھر اس کے بعد اپنا غسل کرلیا کرو، تیرے لئے یہ کافی ہے۔

اس پر تمام اُمّت اور تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ جس عورت کے بال گوندھے ہوئے ہوں اس کے لئے بالوں کا بھگونا اور کھول کر تر کرنا ضروری نہیں، بلکہ اس کو اتنا کافی ہے کہ وہ پانی سر پر ڈال کر خوب اچھی طرح مل لے اور بالوں کی جڑوں کو پانی پہنچ جائے، بالوں کی جڑیں دُھل جائیں اور پانی بہے، بس اتنا کافی ہے، البتہ کسی آدمی نے عورتوں کی طرح سر پر لمبے بال رکھے ہوئے ہوں اور بعض زمانوں اور علاقوں میں مرد بھی اسی طرح مینڈھیاں گوندھتے تھے، اگر کسی مرد نے اس طرح بال رکھے ہوں تو اس کے لئے صرف بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا جائز نہ ہوگا بلکہ سارے بالوں کو کھول کر تمام بالوں کا تر کرنا اس کے ذمے لازم ہے۔

غسلِ جنابت کب کرنا چاہئے؟

[حدیث: ۵۵۹] "عن عمرو بن أبي سلمة وعائشة رضي الله عنهما، إنّي لأتقاكم لله وأخشاكم له، ويروى وأعلمكم لحدوده۔" (متفق علیہ)

ترجمہ: "حضرت عمرو بن ابوسلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک میں تم سے زیادہ پرہیزگار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، اور ایک روایت میں ہے کہ: میں اللہ تعالیٰ کے حکموں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ کبھی ایسا ہوجاتا ہے کہ مجھے غسل کی ضرورت ہوجاتی ہے اور نماز کا وقت آجاتا ہے یا یہ کہ روزہ رکھنے کا وقت آجاتا ہے،

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں، غسل کرلو اور نماز پڑھ لو، روزہ رکھ لو بعد میں غسل کر لینا۔ اور فرمایا کہ: کبھی کبھی مجھے بھی ایسا قصہ پیش آجاتا ہے کہ غسل کی حاجت ہوتی ہے ادھر نماز کا وقت ہوجاتا ہے، غسل کر کے نماز کے لئے جاتا ہوں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غسل کی حاجت ہوتی ہے اور روزے کا وقت ہوجاتا ہے، روزہ رکھ لیتا ہوں پھر غسل کر لیتا ہوں، اس شخص نے کہا کہ آپ کی بات دوسری ہے آپ تو بخشے بخشائے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب معاف کردیئے ہیں، اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی: ''إِنِّي لَأَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَخْشَاكُمْ لَهُ'' میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں پرہیزگار ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: میں اللہ تعالیٰ کی حدود کو تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔

مطلب یہ کہ ان صاحب نے یہ سمجھا کہ یہ ایک نامناسب چیز ہے، رسول اللہ ﷺ اگر یہ کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں، وہ تو بخشے بخشائے ہیں، ہم لوگوں کو یہ کام نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ میں تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں، پرہیزگاری اس کا نام نہیں، اب کسی آدمی کو غسل جنابت کی ضرورت ہے تو بہت اچھی بات ہے کہ اسی وقت غسل کرلے، جب حاجت لاحق ہوئی پاک ہوکر لیٹے، لیکن یہ بھی جائز ہے کہ نماز کا وقت آنے سے پہلے غسل کرلے، یعنی غسل کو موخر کرنا بھی جائز ہے، اور اس میں کوئی کراہت نہیں، اسی طرح رمضان مبارک کے مہینے میں کسی شخص کو غسل کی حاجت تھی، لیکن غسل نہیں کرسکا یہاں تک کہ سحری کا وقت ہوگیا تو کوئی مضائقہ نہیں پہلے روزہ رکھ لے بعد میں غسل کرلے، یہ چیز نہ شریعت کے خلاف ہے نہ تقویٰ کے خلاف ہے، پرہیزگاری تقویٰ اور صدق وصفا میں کوشش ضرور کرو، لیکن محمد ﷺ پر اضافہ نہ کرو، جس چیز کو شریعت نے جائز رکھا ہے اس کو جائز سمجھو اور اس کو خلاف تقویٰ مت سمجھو۔

کھڑے پانی میں غسلِ جنابت کا حکم

[حدیث: ۵۶۰] ''عن أَبِى هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ۔'' (رواہ مسلم: کتاب الطهارة، باب النَّهْيِ عَنِ الِاغْتِسَالِ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ، حديث: ۴۲۶)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ نہائے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں ناپاک ہونے کی حالت میں۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ: کوئی شخص کھڑے پانی میں غسل نہ کرے ناپاک اور جنبی ہونے کی حالت میں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد نے پوچھا کہ حضور پھر کیسے نہائیں؟

فرمایا: ''یَتَنَاوَلُہٗ تَنَاوُلًا'' اس میں سے پانی لے کر نہالے۔

یہاں یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ حوض یا تالاب اگر وہ چھوٹا ہے تو اس کے اندر غسل کرنے سے وہ سارے کا سارا ناپاک ہوجائے گا، اور اگر بڑا تالاب ہے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا لیکن جب اس میں ایک ناپاک آدمی غسل کرے گا تو پانی میں ایک قسم کی کثافت پیدا ہوگی، اسی پانی کو لوگ پیئے گے بھی، اسی پانی کو لوگ استعمال بھی کریں گے، وضووغیرہ بھی کریں گے، تو آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ اس حوض میں جا کر ناپاک آدمی کو غسل نہیں کرنا چاہئے، برخلاف نہر کے جس کا پانی بہہ رہا ہے، (اس میں کرسکتا ہے) اس لئے کہ اس کا پانی بہہ جاتا ہے اور نجاست بہہ کر کالعدم ہوجاتی ہے۔

تو ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت ہے اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ نجاست کے گرجانے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے، اس مسئلے میں فقہی مذاہب بہت ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب تک نجاست کا رنگ یا بو یا مزا نہ بدلے اس وقت تک پانی پاک رہتا ہے ناپاک نہیں ہوتا، لیکن جمہور علماء اس قول کے ساتھ نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر پانی دو مٹکے کے قریب ہو تو وہ پاک ہے، یعنی اگر اس میں نجاست گرجائے اور اس کا رنگ وغیرہ ظاہر نہ ہو تو ناپاک نہیں ہوگا، تقریباً پانچ من پانی ڈھائی من کا ایک مشکیزہ۔

ہمارے نزدیک حوض اگر چھوٹا ہو تو مطلقاً ناپاک ہوجاتا ہے، چاہے اس میں تھوڑی نجاست گرے یا زیادہ گرے، اس میں نجاست کا رنگ، بو، مزا، ظاہر ہو یا نہ ہو، اور اگر تالاب بڑا ہے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، جب تک کہ نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، اب رہا چھوٹے بڑے ہونے کا پیمانہ کیا ہوگا؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا فیصلہ تم خود ہی کرو، دیکھنے والا یہ کہے کہ اگر وہ تالاب چھوٹا نظر آتا ہے تو وہ چھوٹا ہے، بڑا نظر آتا ہے تو بڑا ہے، یہ اس کی نظر پر موقوف ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر ایک طرف وضو کریں اور پانی کو حرکت دیں تو دوسری طرف اس کی حرکت نہ پہنچے، تو یہ تالاب بڑا سمجھا جائے گا اور اگر ایک طرف وضو کرنے سے دوسری طرف بھی حرکت ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ چھوٹا تالاب ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، شاگردوں نے ان سے پوچھا کہ: حضرت! یہ پانی تقریباً کتنا ہوگا؟ فرمایا کہ: یہ ہماری مسجد کا جو حوض ہے یہ بڑا تالاب ہے، یہ بڑا حوض ہے۔ شاگردوں نے اس کی پیمائش کرلی تو ''دہ در دہ'' تھا، یعنی چاروں طرف سے دس دس ہاتھ، اس کو کہتے ہیں ''دہ در دہ''، ہر طرف سے دس ہاتھ، تو یہ کل چالیس مربع ہاتھ بنا، جو حوض چالیس مربع ہاتھ ہو وہ حوض بڑا ہے اور جو اس سے کم ہو وہ چھوٹا ہے۔

اب اہل حدیث بھائی ہم سے پوچھا کرتے ہیں کہ: یہ ’’دہ دردہ‘‘ تم نے کہاں سے نکالا ہے؟ ہم نے کہا کہ: ہم نے نکالا ہی نہیں ہے اصل مذہب یہ نہیں ہے، یہ تو لوگوں کی تقریب و تفہیم کے لئے ہے۔ یعنی ایک اندازہ بیان کرنے کے لئے، اصل مذہب تو یہ ہے کہ بڑا حوض ناپاک نہیں ہوتا، اگر ایک طرف نجاست گر جائے تو دوسری طرف وضو کر سکتے ہیں، اندازاً اتنا بڑا حوض بڑا کہلائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ ایک مسطح زمین ہو بالکل برابر اور دو مشکیزے اس حوض میں ڈال دیئے جائیں اور وہ ’’دہ دردہ‘‘ ہو یعنی ہر طرف سے دس ہاتھ ہو تو اتنا پانی ہو جائے گا، اتنا گہرا کہ اگر چلو اُٹھاؤ تو نیچے زمین ظاہر نہیں ہوگی، ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر اتنا زیادہ پانی ہو تو اس سے وضو ہو جائے گا، اگر ایک طرف نجاست گری یا معمولی نجاست گر گئی تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا جبکہ قلتین کی حدیث ہے:

’’إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخُبثَ۔ (سنن الترمذی)

ترجمہ: ’’جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجاست کو نہیں اُٹھاتا، یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔‘‘

یہ حدیث سنن کی کتابوں ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں ہے، اس روایت پر محدثانہ کلام بھی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ قریب قریب دونوں مذہب ایک ہو جاتے ہیں کوئی زیادہ فرق نہیں رہتا، اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی کہ جب پانی اتنا ہو کہ دو مٹکوں کے برابر ہو تو یہ بھی تقریب ہے ایک اندازہ ہے، جیسے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ ہمارا حوض بڑا حوض شمار ہوگا، اس لئے ان دونوں مذہبوں میں زیادہ فرق نہیں ہے، تو اگر اتنا حوض بنا دیا جائے اور اس میں پانی ڈال دیا جائے تو ان شاء اللہ اتنا ہی ہو جائے گا، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ہم اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس سے تم استدلال کرتے ہو، وہ قلتین والی حدیث کے قائل ہیں۔

یہاں یہ ذکر کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھڑے پانی میں غسل کرنے سے منع فرمایا جبکہ آدمی ناپاک ہو، اگر نجاست کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ پھر منع کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

جمعے کی نماز کے لئے غسل کا حکم

[حدیث: ۵۶۱] ’’عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ‘‘ (رواہ البخاری: کتاب الجمعة، باب، حدیث: ۱۳۹۴)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص تم میں سے جمعہ کے لئے آئے تو اس کو چاہئے کہ غسل کر کے آئے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: جمعہ کے لئے آؤ تو غسل کر کے آؤ، جمہور ائمہ کے نزدیک جمعہ کا غسل کرنا سنّت ہے واجب نہیں، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ واجب ہے۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے تو دیکھا کہ اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہورہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹ کر فرمایا: ''أی ساعة هذه؟'' یہ آنے کا کون سا وقت ہے؟ جمعہ کے لئے اب آئے ہو؟ خطبے کے لئے کھڑے ہوئے ان کو ڈانٹ رہے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! وَاللهِ مَا زِلْتُ مُنْذُ سَمِعْتُ الْأَذَانَ تَوَضَّأْتُ وَجِئْتُ''

اللہ کی قسم امیر المؤمنین! میرے کان میں اذان کی آواز آئی تو فوراً اُٹھ کھڑا ہوا وضو کیا اور سیدھا آیا ہوں۔ اس پر فرمایا: ''والوضوء أيضاً'' دُوسری چوری یہ نکل آئی کہ وضو کر کے آئے ہو صرف، غسل نہیں کیا؟ تو وہ خاموش ہوگئے، امیر المؤمنین اس پر نکیر فرمارہے ہیں کہ جمعہ کے لئے بغیر غسل آگئے ہو حالانکہ وجوبی حکم ختم ہوگیا، تاکید باقی رہ گئی۔

میں ایک دفعہ ساہیوال میں تھا، کہیں باہر سے آیا تھا، اس وقت جبکہ جمعہ کا وقت ہورہا تھا، سردی کا موسم، پانی ٹھنڈا، کچھ بارش بھی ہورہی تھی، جھڑی کا سماں تھا، میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا، جمعہ کی نماز پڑھی، میں نے کہا: میرے آقا کا حکم ہے کہ جمعہ کے دن غسل کیا کرو، اللہ کی قسم! اگر آقا کا حکم نہ ہوتا تو کوئی آدمی مجھے ہزار لالچ دیتا تو بھی غسل نہ کرتا، قربان جاؤں آقا نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ ان کے ایک اشارے پر اپنی خواہش کو بدلنا پڑتا ہے۔

تیمّم کا طریقہ

[حدیث: ۵۶۲] ''عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ بِيَدَيْكَ هٰكَذَا ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ضَرْبَةً وَّاحِدَةً ثُمَّ مَسَحَ الشِّمَالَ عَلَى الْيَمِينِ، وَظَاهِرَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ، وَيُرْوٰى: ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ إِلَى الْأَرْضِ فَنَفَضَ بِيَدَيْهِ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ، قَالَهُ لَهُ۔''

(رواہ مسلم: کتاب الطهارة، باب التَيمُّم، حديث: ۵۵۲)

ترجمہ: ''حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: تجھ کو اتنا کافی تھا کہ تو اپنے ہاتھوں کو زمین میں اس طرح مارتا، پھر مارے اپنے ہاتھ زمین پر ایک مرتبہ، پھر بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر مل لیا اور ظاہری ہتھیلی اور چہرے کو مل لیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مارا اپنے ہاتھوں کو زمین پر، ہاتھوں کو جھاڑا، پس اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لیا۔''

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما یہ دونوں بزرگ

سفر میں تھے اور دونوں کو رات میں غسل کی حاجت پیش آئی، پانی نہیں تھا، اور یہ مسئلہ پہلے سے معلوم نہیں تھا کہ تیمّم جس طرح وضو کے لئے کیا جاتا ہے ویسے ہی غسل کے لئے کیا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو نماز ہی نہیں پڑھی کہ طہارت کے بغیر نماز کیسے پڑھیں؟ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ تیمّم کر لیتا ہوں، لیکن بڑا تیمّم کر لیتا ہوں، تو میں اس طرح زمین پر لیٹ گیا جس طرح جانور لیٹتا ہے، خوب اچھی طرح پورے بدن پر مٹّی مل لی اور نماز پڑھ لی۔ واپسی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں ان کا قصہ ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تیرے لئے بس اتنا کافی تھا کہ ہاتھ اس طرح مار لیتے، ان کو جھاڑ لیتے۔ اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ پھونکا بھی، اس طرح چہرے پر پھیر لیا اور اس طرح ہاتھوں پر اور فرمایا کہ بس اتنا کافی ہے۔

یہ حدیث بہت زیادہ صحیح بلکہ تیمّم کی احادیث میں اتنی صحیح اور کوئی حدیث نہیں ہے، اس لئے اس حدیث کی وجہ سے اس معاملے میں بڑی گڑبڑ ہوئی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اہل ظواہر اس طرف گئے کہ تیمّم کے لئے صرف ایک ضرب کافی ہوجاتی ہے، اس طرح زمین پر مارو اور اس کو منہ پر مل لو، اور اسی کو ہاتھوں پر مل لو، جیسا کہ اس حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تیمّم کی دو ضربیں ہوتی ہیں، ایک دفعہ ہاتھ مارو اور چہرے پر مل لو، اور دوسری دفعہ زمین پر ہاتھ مارو اور کہنیوں سمیت پورے ہاتھوں پر مل لو، بس تیمّم ہوگیا، اور چھوٹی طہارت یا بڑی دونوں کا تیمّم ایک ہی ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو تیمّم کا طریقہ نہیں سمجھا رہے تھے کیونکہ تیمّم کا طریقہ ان کو پہلے سے معلوم تھا، یہ بتانا مقصود تھا جو بات انہیں معلوم نہیں تھی کہ تیمّم جیسے وضو کے لئے ہوتا ہے ویسے ہی غسل کے لئے ہوتا ہے، اگر ان کو پہلے سے تیمّم معلوم نہ ہوتا تو وہ اس طرح لوٹ پوٹ نہ ہوتے، معلوم ہوا کہ مٹّی کا استعمال کرنے کا طریقہ تو ان کو معلوم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ صرف منہ اور ہاتھوں پر مل لینا بس کافی ہے، تیمّم کا پورا طریقہ بتانا مقصود نہیں۔

جبکہ دوسری حدیث میں صاف صاف بیان فرمایا ہے کہ: ”اَلتَّیَمُّمُ ضَرْبَتَانِ“ تیمم کی دو ضربیں ہوتی ہیں:

”ضَرْبَۃٌ لِلْوَجْہِ وَضَرْبَۃٌ لِلْیَدَیْنِ“

(درمنثور، کذافی الطبرانی والسنن الکبریٰ للبیہقی)

ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے، اور ہاتھوں کا جہاں تک معاملہ ہے وہ قرآن پاک نے بتادیا: ﴿وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ﴾ (المائدۃ:۶) یعنی اپنے ہاتھوں کو دھویا کرو کہنیوں

تک، ہماری شریعت نے وضو کے لئے چار اعضاء کو ذکر فرمایا ہے: چہرہ، ہاتھ، سر اور پیر۔ سر اور پاؤں کو تیمّم میں ساقط کر دیا، دو رہ گئے۔ چہرہ اور ہاتھ، اور ان کی مقدار وہی رکھی جو وضو میں تھی۔ تو ثابت ہوا کہ جو ساقط ہوئے وہ پورے ساقط ہو گئے اور جو باقی رہ گئے وہ پورے باقی رہے۔ ہاں! تیمّم میں نیت ہونا لازم ہے، اس لئے کہ تیمّم کے معنی ہی نیت کے ہیں، قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں، تو جب پانی نہیں ہوگا تو آدمی پاک ہونے کی نیت سے مٹّی کا قصد کرے گا، اس لئے تیمّم میں نیت شرط ہے، ورنہ عادۃً تو آدمی کے چہرے پر بھی مٹّی پڑ سکتی ہے،، اور اس میں کلی کی ضرورت نہیں ہے، جب آدمی نے تیمّم کر لیا تو پورا غسل ہو گیا، آپ کے پاس تھوڑا بہت پانی ہے اور کہیں نجاست لگی ہوئی ہے تو اس کو دھولیں پانی سے، جبکہ پانی نہانے کی مقدار میں نہیں ہے صرف نجاست دُھل سکتی ہے اس کو دھولیں پورا پاک ہو جاتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے الجامع الکبیر میں مسئلہ لکھا ہے کہ ایک آدمی کو وضو کی ضرورت ہے اور ایک آدمی کو غسل کی ضرورت ہے، پانی دونوں کے پاس نہیں، دونوں نے تیمّم سے کام چلایا، اب نماز پڑھنے لگے تو امام کس کو بنایا جائے؟ وضو کے تیمّم والے کو یا غسل کے تیمّم والے کو؟ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غسل کے تیمّم والے کو، اس لئے کہ ایک آدمی غسل کر کے آیا اور ایک آدمی وضو کر کے آیا، غسل والے کی طہارت اکمل ہے بہ نسبت وضو کی طہارت والے کے۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ہماری شریعت نے جب تک کہ پانی موجود نہ ہو یا آدمی اس پر قادر نہ ہو مٹّی کو پانی کے قائم مقام بنا دیا ہے، یعنی جس طرح کہ آدمی پانی سے پاک ہوتا ہے اسی طرح آدمی مٹّی سے بھی پاک ہوتا ہے۔

باقی رہا یہ کہ مٹّی سے پاک ہونے میں کیا مصلحت ہے تو ہمارے لئے سب سے بڑی مصلحت یہی ہے کہ اللہ پاک کا حکم ہے اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ ویسے قرآنِ کریم نے اس کی مصلحتوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۶﴾ (المائدۃ)

ترجمہ: ”اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے، بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کردے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے تاکہ تم شکر کرو۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹّی کو پاک کرنے والی بنایا ہے، جس طرح پانی انسانی بدن کو پاک کرنے والا ہے، اسی طرح پانی پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں مٹّی سے تیمّم کرنا بھی پاک کرنے والا ہے، حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمے کے فوائد میں لکھتے ہیں:

’’مٹّی طاہر ہے اور بعض چیزوں کے لئے مثل پانی کے مطہر بھی ہے، مثلاً خف (چمڑے کا موزہ)، تلوار، آئینہ وغیرہ۔ اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہوجاتی ہے وہ بھی پاک ہوجاتی ہے۔ اور نیز ہاتھ اور چہرہ پر مٹّی ملنے میں عجز بھی پورا ہے، جو گناہوں سے معافی مانگنے کی اعلیٰ صورت ہے۔ سو جب مٹّی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاست کو زائل کرتی ہے، تو اس لئے بوقتِ معذوری پانی کے قائم مقام کی گئی، اس کے سوا مقتضائے آسانی وسہولت جس پر حکمِ تیمّم مبنی ہے، یہ ہے کہ پانی کی قائم مقام ایسی چیز کی جائے جو پانی سے زیادہ سہل الوصول ہو۔ سو زمین کا ایسا ہونا ظاہر ہے، کیونکہ وہ سب جگہ موجود ہے، مع ھٰذا خاک انسان کی اصل ہے اور اپنی اصل کی طرف رُجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہے، کافر بھی آرزو کریں گے کہ کسی طرح خاک میں مل جائیں، جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہوا۔‘‘

(ترجمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سورۂ نساء آیت: ۴۳)

کتابُ الصَّلاۃ

اَذان کی فضیلت وآداب

اَذان کی آواز سُن کر شیطان بھاگتا ہے

[حدیث:۵۶۳] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ، إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ حُصَاصٌ۔"

(رواہ مسلم: کتاب الصلاۃ، بَاب فَضْلِ الْأَذَانِ، حدیث:۵۸۳)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مؤَذِّن اَذان دیتا ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اور ریح صادر کرتا ہے۔"

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ: جب مؤَذِّن اَذان دیتا ہے تو شیطان اَذان سن کر بھاگ جاتا ہے اور اپنی ریح صادر کرتا ہے، یعنی اس کی ہوا خارج ہوجاتی ہے اور اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں، واللہ اعلم!

۱:... یا تو یہ کہ شیطان کے لئے اَذان کی آواز ناقابلِ برداشت ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے وہ بھاگتا ہے تو بھاگتے ہوئے سراسیمگی کی حالت میں اس کی ہوا خارج ہوجاتی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ قصداً ریح خارج کرتا ہو نفرت کا اظہار کرنے کے لئے، لیکن پہلی والی بات زیادہ مناسب لگتی ہے۔ یہاں اتنی ہی حدیث ذکر کی ہے، اس کا تتمہ یہ ہے کہ جب اَذان ختم ہوجاتی ہے تو وہ واپس آکر نمازی کے دل میں وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔

۲:... شیطان کا اَذان کی آواز سے بھاگنا... واللہ اعلم!... اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مؤَذِّن کے لئے تمام چیزیں جن تک اس کی آواز پہنچتی ہے شہادت دیں گی، کیا شجر کیا

حجر، جہاں جہاں تک مؤذِّن کی آواز گونجتی ہے یا پہنچتی ہے قیامت کے دن تمام چیزیں اس کے حق میں شہادت دیں گی (مسند احمد، کنز العمال، السنن الکبریٰ للبیہقی)۔

یعنی اس نے ہمارے سامنے اللہ کی وحدانیت کی اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی آواز بلند کی:

"أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

تو چونکہ ہر چیز گواہی دیتی ہے اور شیطان کا کسی بندہ مومن کے حق میں یہ شہادت دینا کہ یہ توحید و رسالت کی شہادت دیتا تھا موت ہے وہ اس کو برداشت نہیں کرسکتا، تو اس کا بھاگنا اس لئے ہے تاکہ اس کو قیامت کے دن مؤذِّن کی اَذان کی شہادت نہ دینی پڑے یا اس کا بھاگنا اس لئے ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے نام سے نفرت ہے۔

مسلمانوں کو تو اَذان کی آواز سے نفرت نہیں لیکن شیطان اور اس کے خاص مریدوں کو اَذان سے نفرت ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ جہاں اَذان آتی ہو وہاں سے شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔

اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے حدیث میں فرمایا ہے کہ: جب کسی کو جنگل میں شیطان اور بھوت ستائیں یا نظر پڑے تو اَذان کہے اس سے وہ بھاگ جائیں گے اور یہ عمل مجرب ہے، شیاطین اور بھوت بھاگ جاتے ہیں (السنن الکبریٰ للبیہقی، کنز العمال)۔

ابھی تین چار دن پہلے یہ اقرأ روضۃ الاطفال والے مجھے ایک بلڈنگ میں لے گئے وہاں اقرأ کی شاخ کا افتتاح ہورہا تھا، یہ دُعا کے لئے لے گئے، کہنے لگے: یہ چڑیلوں والی بلڈنگ مشہور ہے، تو جن صاحب کی یہ تھی انہوں نے ہمیں دے دی، کافی پیسہ خرچ کرکے اس کی مرمت کرائی، اب وہاں قرآنِ کریم کی کلاسیں شروع ہورہی ہیں، لوگوں نے کہا کہ: تم یہ بلڈنگ کیوں لے رہے ہو؟ اس پر تو چڑیلوں کا قبضہ ہے شیاطین کا۔ کہتے ہیں کہ: جب ہم نے اس کی مرمت شروع کرائی تو انہوں نے ایک مزدور کو دھکا دے کر گرا بھی دیا، ہم نے اس بلڈنگ میں سورۂ بقرہ پڑھوانی شروع کردی، وہ سارے شیاطین جگہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اور یہ جو فرمایا کہ: "جب واپس آتا ہے تو وسوسے ڈالنا شروع کرتا ہے" یہاں سے ایک بہت اہم بات معلوم ہوتی ہے کہ اَذان سنّت ہے اور نماز فرض ہے، ظاہر بات ہے کہ فرض کا درجہ سنّت سے بڑھا ہوا ہے، لیکن شیطان کو نماز سے اتنی نفرت نہیں جتنی اَذان سے، اس لئے کہ آدمی کا نماز کا تو معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، بخلاف اَذان کے کہ اس میں اللہ کے نام کا آوازہ بلند کیا جاتا ہے، شیطان کو خفیہ نیکی سے اتنی ضد نہیں جتنی کہ اعلانیہ نیکی سے، اور شیطان کو خفیہ گناہ سے اتنا پیار نہیں جتنا کہ علانیہ گناہ سے، زنا بدترین خبیث ترین جرم ہے، لیکن وہ ایک مرد اور عورت کا خفیہ معاملہ ہے، شیطان کو اس سے اتنی محبت نہیں جتنی کہ یہ راگ جو گاتے ہیں اور راگ کی آواز جو بلند ہوتی ہے اس سے شیطان کو پیار ہے، حالانکہ زنا کے مقابلے میں یہ گناہ کم ہے، جیسے

اَذان، نماز کے مقابلے میں کم ہے، اس لئے کہ اس میں فحاشی کا ایک آوازہ لگایا جاتا ہے، بھلے زمانوں میں اگر کہیں سے گانوں کی آواز آتی تھی تو اس کی سارنگیاں اور دوسرے آلات توڑ دیئے جاتے تھے، لیکن اب ماشاءاللہ یہ ''اسلامی'' ملک ہے، کون اس کی جرأت کرسکتا ہے کہ تمہاری دُکان یا گھر میں لگا ہوا ریڈیو یا ٹی وی توڑے؟ تم اس کے قتل کے درپے ہو جاؤ گے، درپے نہیں ہو جاؤ گے بلکہ ایسے ہی قتل کر دو گے جیسے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے قتل کر دیا تھا۔

اب تو اتنا ہی ہے کہ گزارش کرنے والی بات ہے، ڈنڈا تو اب ہمارے پاس ہے نہیں، لیکن بھلے زمانوں کی بات کرتے ہیں کہ کسی عیسائی کے مکان سے بھی گانے کی آواز آتی تو توڑ دیا جاتا تھا، کسی کو اِسلامی معاشرے میں فحاشی پھیلانے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن تمہارے نزدیک اب یہ فحاشی ہے ہی نہیں بلکہ آرٹ اور فن ہے، فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی؟

[حدیث:۵۶۴] ''عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اِنَّ الشَّیْطَانَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصلوٰۃ ذَھَبَ حَتّٰی یَکُوْنَ مَقَامَ الرَّوْحَاءِ۔''

(رواہ مسلم: کتاب الصلاۃ، باب فضل الأذان، حدیث: ۵۸۱)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب شیطان اَذان کی آواز سنتا ہے تو وہاں سے دُور بھاگتا ہے جتنا دُور کہ مقامِ روحاء ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ شیطان جب اَذان سنتا ہے تو اتنا بھاگتا ہے اتنا بھاگتا ہے، اتنا دُور چلا جاتا ہے جتنا مکہ سے رَوحاء ہے، اور مکہ سے روحاء کا فاصلہ ۳۶ میل کا ہے، جیسے غلیل سے کوّا بھاگتا ہے، اسی طرح شیطان اَذان سے بھاگتا ہے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے: 'ولہ ضراط'' اس کی ہوا بھی صادر ہو جاتی ہے۔ اور جب اَذان ختم ہو جاتی ہے تو واپس آکر نمازی کے دل میں وسوسے ڈالنا چاہتا ہے، اور آکر وہ باتیں یاد دِلاتا ہے جو کبھی اس نے یاد نہیں کی تھیں۔

مؤذِّن جب کہتا ہے ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' تو پوچھو نہیں کہ شیطان پر کیا گزرتی ہے؟ اور جب مؤذِّن ''اشھد ان لا الہ الا اللہ'' اور ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' کہتا ہے تو اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے، بالکل ایسا ہی جیسا کہ کسی کے تیر لگے، کوئی تیر پھینک رہا ہو تو وہ بھاگتا ہے کہ مجھے تیر نہ لگ جائے، شیطان اَذان کے کلمات کو سننا نہیں چاہتا، اور نماز اللہ کا ذکر ہے، جو اکثر خفیہ کیا جاتا ہے، تین نمازیں جہری ہیں جس میں امام قراءت کیا کرتا ہے، ورنہ ساری نمازیں آہستہ ہی پڑھی جاتی ہیں، دن کی نمازیں، سنتیں، نوافل، سب سرّی ہی پڑھی جاتی ہیں، کیونکہ یہ ذکر ہے اور اللہ سے مناجات ہے اور یہ آکر اللہ تعالیٰ اور

بندے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے تاکہ بندہ اللہ سے مناجات نہ کر سکے، تو یہاں سے کیا معلوم ہوا؟ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جو ہوتی ہیں چھوٹے درجے کی لیکن ان کی اہمیت کسی ایک اعتبار سے بڑھ جاتی ہے، یہ گانے اور نغمے جن کو آج تم ''موسیقی'' کا نام دیتے ہو، شیطان ان سے اتنا خوش ہوتا ہے کہ بڑے بڑے گناہوں سے بھی اتنا خوش نہیں ہوتا، کیونکہ جب گناہ کریں گے تو ان کو شرمندگی ہوگی، پھر تائب ہو جائیں گے کہ بہت بڑا گناہ کیا، لرز جائیں گے، شیطان کی پھر مصیبت کہ بڑی مشکل سے تو گناہ کروایا تھا، اگر انہوں نے توبہ کر لی تو اس کا تو سب کیا کرایا ختم ہو گیا، بخلاف اس کے: ''اَلْغِنَاءُ رُقْيَةُ الزِّنَا'' گانا زِنا کا منتر ہے۔ یہ گانا منتر پڑھ کر زِنا پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے ان گانوں میں اس کو زیادہ دلچسپی ہے، جو گناہ چھپ کر کئے جائیں، ان میں پھر ایک پردہ رہتا ہے، اور جو گناہ اعلانیہ کئے جائیں وہ اللہ کے پردے کو توڑ دیتے ہیں، یہ جتنے اعلانیہ گناہ آج کئے جا رہے ہیں، ان کی نحوست چھپے ہوئے گناہوں سے زیادہ ہے، اگرچہ وہ بڑے گناہ ہوں، اب تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ تمہارے ریڈیو اور دُوسری چیزوں کے ذریعے راگ گانا اتنا عام ہو گیا اور جو رہی سہی کسر تھی وہ اس ٹی وی نے پوری کر دی، اللہ اس سے کتنا ناراض ہوتا ہوگا اور شیطان اس سے کتنا خوش ہوتا ہوگا؟ اس کا اندازہ کر لو!

اَذان کی آواز جہاں جہاں پہنچتی ہے، قیامت کے دن وہ سب گواہی دیں گے

[حدیث:۵۶۵] ''عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا إِنْسٌ وَّلَا شَيْئٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔''

(رواہ البخاری: کتاب الأذان، باب رفع صوت النداء، حدیث:۵۷۴)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: موٴذّن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک کوئی جن کوئی انسان یا کوئی اور چیز اس کی آواز کو سنے گی تو قیامت کے دن اس کے لئے ضرور گواہی دے گی۔''

تشریح: اس حدیث میں موٴذّن کی فضیلت بیان کی ہے کہ موٴذّن کی آواز جہاں جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک انسان سنے، کوئی جن سنے، کوئی چرند پرند سنے، کوئی برّی مخلوق سنے، کوئی بحری مخلوق سنے، تمام کی تمام چیزیں موٴذّن کے حق میں قیامت کے دن گواہی دیں گی کہ ہم نے اس کو اللہ کے کلمے کی شہادت پکارتے ہوئے سنا ہے ''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ''۔

اَذان کا جواب کیسے دیا جائے

[حدیث:۵۶۶] ”عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ النِّدَآءَ، اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ سَیِّدَنَا مُحَمَّداً الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْداً الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ، حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔“ (رواہ البخاری: کتاب الأذان، باب دعاء عند النداء، حدیث: ۵۷۹)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص جب اَذان سنے یہ دعا پڑھے جو اوپر گذری، جس کا ترجمہ یہ ہے: ”اے اللہ! جو مالک ہے اس دعوت کا جو کامل ہے اور اس قائم ہونے والی نماز کا، عطا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت اور کھڑا کر آپ کو مقامِ محمود پر جس کا آپ نے وعدہ کیا ہے“ تو اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت نازل ہوگی۔“

تشریح: مؤذِّن کی اَذان سن کر تین چیزوں کے پڑھنے کا حکم ہے، سب سے پہلے درود شریف پڑھو، اس کے بعد دُعائے وسیلہ پڑھو۔

”اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْداً الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَاد“

بس یہاں تک، بعض لوگ ”وارزقنا شفاعته“ کا لفظ بڑھاتے ہیں، یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں اور بعض لوگ اس کے آخر میں ”برحمتک یا ارحم الراحمین“ بڑھاتے ہیں، یہ ایک روایت میں آتا ہے، لیکن صحیح روایت میں صرف ”الذی وعدته“ تک آیا ہے۔

”اللھم رب ھٰذہ الدعوة التامة“ اے اللہ! جو مالک ہے اس دعوت تامہ کا، ”دعوت“ کا معنی بلانا اور ”تامہ“ کا معنی پوری پوری دعوت، کیونکہ اَذان اسلام کی کامل و مکمل دعوت ہے، ”اللہ اکبر“ سے شروع ہوکر ”لا الٰہ الا اللہ“ پر ختم ہوتی ہے، یہ اسلام کی کامل و مکمل دعوت ہے، اس میں عقیدہ بھی آ گیا، عمل بھی آ گیا، سب سے بڑا عمل نماز ہے، جزا و سزا بھی آ گئی، ”حی علی الصلوٰة، حی علی الفلاح“ کیونکہ فلاح کا معنی کامیابی اور اس کے مقابلے میں ناکامی خود ہی سمجھ میں آتی ہے، اور یہ اسلام کے محاسن میں سے ہے بلکہ یوں کہنے کی اجازت دیجئے کہ اسلام کے معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عبادت کی طرف بلانے کا ایسا طریقہ رکھا ہے کہ دنیا کے کسی مذہب میں اس کی مثال نہیں۔

عیسائی گھنٹی بجاتے ہیں، کوئی بوق بجاتے ہیں، یہاں مؤذِّن کھڑا ہوکر ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ کی

صدا لگاتا ہے، ’’حی علی الصلوٰۃ‘‘ کی دعوت دیتا ہے۔

’’و الصلوٰۃ القائمۃ‘‘ اور اے اللہ! جو مالک ہے اس سدا رہنے والی نماز کا، اس کے تین مطلب ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ یہ نماز جو اس وقت قائم کی جارہی ہے، مثلاً: ظہر کی نماز اگر ابھی ہورہی ہے تو ظہر کی نماز قائم ہوئی، اس کی طرف اشارہ، اے اللہ! جو مالک ہے اس نماز کا جو اس وقت قائم کی جارہی ہے، اور ’’قائمہ‘‘ کے معنی سدا رہنے والی بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نماز کے قائم کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، کبھی انقطاع نہیں ہوگا، نسلیں پڑھتی رہیں گی، عیسائیوں کی طرح گرجے بیچنے نہیں پڑیں گے۔ اور تیسرا مطلب سدا قائم رہنے والی نماز کا یہ ہے کہ جو نماز پڑھ لی اب اس کا ثواب ان شاء اللہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم رہے گا، یہ نماز جنّت میں بھی قائم رہے گی یعنی اسکے اثرات، اسکے منافع اور اس کی برکتیں ہمیشہ برقرار رہیں گی، گویا لازوال قسم کی نعمتیں۔

’’اٰت محمدا الوسیلۃ و الفضیلۃ‘‘ عطا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت، میں اس کو پڑھتے وقت اَٹک رہا تھا اس لئے کہ میری زبان پر چڑھا ہوا ہے: ’’اٰت سیدنا محمدا صلی اللہ علیہ و سلم الوسیلۃ و الفضیلۃ‘‘ ایک تو شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ ’’سیّدنا‘‘ کا لفظ بڑھاتا ہوں، اور پھر اس کے ساتھ درود شریف بھی، حالانکہ درود شریف تو پہلے بھی پڑھ لیا۔ عطا کر ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت۔

’’وسیلہ‘‘ کی تشریح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ یہ جنّت میں سب سے بلند ترین مقام ہے جو صرف ایک آدمی کو ملے گا، ظاہر ہے کہ سب سے اونچا مقام صرف ایک ہی کو ملے گا اور فرمایا ’’و أرجو أن أکون ھو‘‘ اور مجھے اُمید ہے کہ وہ مجھ ہی کو ملے گا، لیکن تم بھی دُعا میرے لئے مانگا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لکھ دیا اور اِن شاء اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ملے گا، اس کے علاوہ کسی کو مل ہی نہیں سکتا، پھر ہم کیوں دُعا کریں؟

اِمامِ ربّانی حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم نے آپ کے لئے ایک خاص مقام جنّت میں رکھا ہے، لیکن ملے گا اس وقت جب آپ کی اُمّت اس کے لئے اتنی بار دُعا کرے، اب اس وقت سے اُمّت دُعا کررہی ہے، حضرت اِمامِ ربّانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ اے اللہ! میری دُعا پر اس عدد کی تکمیل فرمادے۔

جیسے حاکم نے کہا کہ ’’دس ہزار روپیہ لاؤ، تمہیں یہ زمین الاٹ کردیں گے!‘‘ ان صاحب کے معتقدین نے کہا: ’’دس ہزار نہیں، ایک لاکھ لے آئے ہیں، آپ جگہ الاٹ کردیں!‘‘ یہ اس شخص کا اعزاز واکرام ہے۔

تو آنحضرت ﷺ کے لئے جنّت کے اعلیٰ ترین مقام کی دُعا کرنا یہ آپ کے اکرام کے لئے ہے۔

اور دوسرے اکابرین فرماتے ہیں کہ: درجہ تو ملنا تھا رسول اللہ ﷺ کو، ہمارے نبی کو سب سے اُونچا مقام مل گیا، ہمارے لئے لائق فخر وسعادت ہے لیکن حق تعالیٰ جل شانہٗ نے یہ عنایت فرمائی کہ اُمّت کو بھی کچھ حصہ ملنا چاہئے اس میں سے، وہ یہ کہ جو شخص آپ کے لئے اس مقام کی دُعا کرے گا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اس کو نصیب ہوجائے گی، اور جس کو حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگئی اس کو جنّت مل گئی، کیونکہ آپ کی شفاعت رد نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپ کو بلند مقام نصیب فرمایا بلکہ اس کی برکت سے امتیوں کو بھی شفاعت نصیب فرمائی، اسی لئے آخر میں فرمایا کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کے لئے میری شفاعت نازل ہوگی یعنی لازم ہوجائے گی میں ان شاء اللہ اس کے لئے ضرور شفاعت کروں گا۔

ایک تو ہے "وسیلہ"، ایک ہے "فضیلت" اس کا معنی ہے بزرگی، یا اللہ آنحضرت ﷺ کو مقام وسیلہ عطا فرما اور آپ کو فضیلت اور بزرگی عطا فرما، ایسی فضیلت اور بزرگی کہ اس کو دیکھ کر اولین اور آخرین رشک کریں۔

"وابعثه مقاما محمود الذی وعدته" اور آپ کو کھڑا کر مقام محمود پر جس کا آپ نے وعدہ کیا ہے، "مقامِ محمود" وہ مقام جس کی تعریف کی جائے، حدیث میں اس کی تشریح فرمائی گئی شفاعتِ کبریٰ کا مقام۔

شفاعت کا تفصیلی قصہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ قیامت کے دن لوگ مختلف نبیوں کے پاس جائیں گے، پہلے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس، پھر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس، پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس، پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس، پھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے تو سب انکار کردیں گے، سب کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں، اللہ تعالیٰ کے جلال کی تجلی ایسی ہوگی کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی دَم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔

اب صرف آنحضرت ﷺ رہ جائیں گے، فرمائیں گے کہ: میں اس کا اہل ہوں، چنانچہ آنحضرت ﷺ سجدے میں گریں گے عرش کے نیچے اور فرمایا کہ: جتنا اللہ کو منظور ہوگا مجھے سجدے میں پڑا رہنے دیں گے، کتنا لمبا سجدہ ہوگا، اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، اور میں اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد بیان کروں گا کہ وہ مجھے ابھی یاد نہیں، اسی وقت اللہ تعالیٰ القاء فرمائیں گے، اور فرمائیں گے: "یَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَکَ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ" اے محمد! (ﷺ) سر اُٹھایئے، مانگئے آپ کو دیا جائے گا، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ فرمائیں گے کہ: یا اللہ! میں اپنی اُمّت کو بخشوانا چاہتا ہوں۔ اور اُمّت سے مراد صرف یہی لوگ نہیں ہیں بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمتیں بھی آپ کی اُمّت میں شامل ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی مثال فوج کے سپہ سالار اعظم کی ہے، تمام انبیائے کرام کے واسطے سے ان کی اُمتیں آپ کی اُمّت ہیں، اس لئے صرف اسی اُمّت کے لئے شفاعت نہیں کریں گے بلکہ سب کے لئے کریں گے،

یہ فضیلت ہے آنحضرت ﷺ کی۔

اَذان کے بعد درود شریف پڑھو اور یہ دُعا پڑھو اور تیسرے نمبر پر یہ پڑھو:

"أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"

بعض روایتوں میں یوں آتا ہے، اور اس روایت میں یوں ہے:

"أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

میں گواہی دیتا ہوں شہادت دیتا ہوں، مؤذِّن نے تو بڑے زور سے بلند آواز کے ساتھ شہادت دی ہے:

"أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ"

اس نے تو آواز بلند کی، پوری قوت کے ساتھ، لیکن "وانا اشهد" میں بھی شہادت دیتا ہوں، مؤذِّن نے تو شہادت دی ہے میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لاشریک ہے اور میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، مؤذِّن کی شہادت پر تمہارا ابھی انگوٹھا لگ گیا، یہ تیسری چیز ہوگئی۔

اور چوتھی چیز:

"رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا"

ترجمہ: "میں راضی ہوگیا اللہ کو ربّ مان کر، محمد ﷺ کو رسول مان کر، اور اِسلام کو اپنا دِین مان کر۔"

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دو چیزیں پڑھے گا "غفر له ما تقدم من ذنبه" اس کے گناہ معاف، اس طرح یہ شہادت دینے سے سارے اب تک کے گناہ معاف۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ یہ دُعا (رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا... الخ) صبح وشام بھی پڑھی جاتی ہے، تین تین بار، تین بار صبح، تین بار شام پڑھو، میں نے اپنی مسجد کے ستون کے ساتھ لکھ کر لگایا تھا جو شخص صبح کو تین بار یہ دُعا پڑھے اور شام کو بھی پڑھے تو فرمایا اللہ کے ذمے حق ہوگا کہ قیامت کے دن اس کو راضی کرے۔ تو یہ صبح شام کی دُعا بھی ہے اور اَذان کے بعد کی دُعا بھی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ اَذان کے بعد پڑھا جاتا ہے:

"رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا"

اور جو صبح شام پڑھا جاتا ہے وہ یوں ہے:

"رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا"

مؤذّنوں کے فضائل

[حدیث:۵۶۷] ”وَاَخرَجَ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ:عَنْ اَبِی الْوَقَّاصِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سِهَامُ الْمُؤَذِّنِیْنَ عِنْدَ اللهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَسِهَامِ الْمُجَاهِدِیْنَ وَهُمْ فِیْمَا بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ کَالْمُتَشَحِّطِ فِیْ دَمِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ. قَالَ: وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ لَوْ کُنْتُ مُؤَذِّنًا مَا بَالَیْتُ اَنْ لَّا اَحُجَّ وَلَا اَعْتَمِرَ وَلَا اُجَاهِدَ. قَالَ: وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ: لَوْ کُنْتُ مُؤَذِّنًا لَکَمُلَ اَمْرِیْ وَمَا بَالَیْتُ اَنْ لَّا اَنْتَصِبَ لِقِیَامِ اللَّیْلِ وَلَا صِیَامِ النَّهَارِ. سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ! اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ! فَقُلْتُ تَرَکْتَنَا یَا رَسُوْلَ اللهِ وَنَحْنُ نَجْتَلِدُ عَلَی الْاَذَانِ بِالسُّیُوْفِ. قَالَ: کَلَّا یَا عُمَرُ اِنَّهٗ سَیَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَتْرُکُوْنَ الْاَذَانَ عَلٰی ضُعَفَائِهِمْ وَتِلْکَ لُحُوْمٌ حَرَّمَهَا اللهُ عَلَی النَّارِ لُحُوْمُ الْمُؤَذِّنِیْنَ. قَالَ: وَقَالَتْ (عَائِشَةُ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا) لَهُمْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. قَالَتْ: هُوَ الْمُؤَذِّنُ. فَاِذَا قَالَ: حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ فَقَدْ دَعَا اِلَی اللهِ وَاِذَا صَلّٰی فَقَدْ عَمِلَ صَالِحًا وَاِذَا قَالَ: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَهُوَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.“ (کنزالعمال ج:۸ ص:۳۳۸ حدیث:۲۳۱۵۸)

ترجمہ: ”امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں حضرت ابوالوقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے: قیامت کے دن جس طرح مجاہدین فی سبیل اللہ کو حصے ملیں گے اسی طرح کے حصے مؤذنین کو ملیں گے، یعنی اَذان کہنے والوں کو اور اَذان اور اقامت کے درمیان میں جو وقفہ ہوتا ہے وہ وقفہ ایسا ہے گویا مؤذن اپنے خون میں لت پت ہوتا ہے جیسا کہ شہید اللہ کے راستے میں شہید ہوجائے تو خون میں لت پت ہوجاتا ہے، جو شخص اَذان کہنے کے بعد اِقامت کا منتظر ہو وہ خون میں لت پت ہے یعنی اس کا اتنا اجر ہے جتنا کہ اللہ کے راستے میں زخمی ہونے والے اور خون میں لت پت ہونے والے کا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں مؤذّن ہوتا تو مجھے اس کی پروا نہیں تھی کہ میں حج نہ کرتا، عمرہ نہ کرتا اور جہاد فی سبیل اللہ نہ کرتا۔

(مطلب یہ کہ اَذان دینا ایسا عمل ہے جو تمام نیک اعمال کے قائم مقام ہو جاتا ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں مؤذِّن ہوتا تو میرے لئے اَذان کہنا ہی کافی ہوتا رات کو اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنا اور دن کو روزے رکھنا اس کی مجھے ضرورت نہ رہتی اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ فرماتے تھے: "اللّٰھم اغفر للمؤذنین، اللّٰھم اغفر للمؤذنین" یا اللہ اَذان کہنے والوں کی بخشش فرمادے، یا اللہ اَذان کہنے والوں کی بخشش فرمادے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو اتنی ترغیب دلادی کہ آئندہ ہم اَذان کہنے کے لئے تلواروں سے لڑا کریں گے (میں کہوں گا کہ میں اَذان کہوں گا، دوسرا کہے گا کہ میں اَذان کہوں گا، دونوں کی تلواریں نکل آئیں گی یعنی اتنا بڑا عمل کہ اَذان کے لئے لوگ تلواروں سے لڑا کریں گے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! تم سمجھے نہیں ہو، تم سمجھے نہیں ہو، ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ اَذان کا کام سب سے کمتر قسم کے جو لوگ ہوں گے ان پر ڈال دیں گے (یہ کون ہے؟ کہتے ہیں کہ جی مسجد کا مؤذِّن ہے یہ کون ہے؟ ہماری مسجد کا مؤذِّن ہے یعنی اَذان دینا اتنا کم تر کام بن گیا کہ سب سے جو کمتر آدمی ہوتا ہے اس پر ڈالا جاتا ہے، یہ ہماری مسجد کا خادم ہے، مسجد میں جھاڑو دیتا ہے، صفیں ٹھیک کرتا ہے، یہ مسجد کا مؤذِّن ہے اور باقی کون ہیں؟ چودھری صاحب، خان صاحب، لاحول ولا قوۃ الا باللہ! اور واقعی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی وہ پوری ہوگئی، اب تو ثواب کا کام سمجھ کر اَذان نہیں دیتے، اَذان معمولی کام سمجھ کر دیتے ہیں)۔

حضرت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآنِ کریم کی آیت ہے: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝۳۳﴾ (حٰمٓ سجدہ) (یعنی اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں)، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کی تفسیر فرمایا کرتی تھیں کہ اس سے زیادہ اچھی کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے؟ فرمایا اس سے مراد مؤذِّن ہے یہ "حی علی الصلوۃ" کہتا ہے اور نمازوں کے لئے بلاتا ہے "حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح" لوگوں کو آوازیں دیتا ہے، اللہ کی طرف بلاتا ہے سب سے اچھی

بات اس کی ہے۔

دوسری بات یہ فرماتی تھیں کہ ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ کا معنی ہے کہ نیک عمل کرے اذان کہنے کے بعد نماز بھی پڑھتا ہے تو عمل صالح ہے: ﴿وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اور یہ شخص کہتا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں یہ مؤذِّن کا قول ہے: ''اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے۔''

تشریح: کافروں کے ملک میں تو اس کی بھی اجازت نہیں کہ ہم اُونچی آواز سے اَذان کہیں، انگلینڈ میں میں نے دیکھا ہے کہ صرف چند مسجدیں ایسی ہیں جن میں صرف ظہر کی اَذان بلند آواز سے ہی کہی جاتی ہے ورنہ مسجد کے اندر اَذان کہی جاتی ہے، باہر آواز نہیں جاتی، لوگ گھڑیاں دیکھ کر کے وقت پر آجاتے ہیں نماز کے لئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد تو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اگر میں مؤذِّن ہوتا تو مجھے حج وعمرے کی ضرورت نہ رہتی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

''وَلَوْ کَانَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ نُزُوْلًا مَا عَلَیْھِمْ اَحَدٌ عَلَی الْاَذَانِ۔''

(کنز العمال ج:۱۰ ص:۳۳۸ حدیث:۲۳۱۵۷)

ترجمہ: ''اگر فرشتے نازل ہو جاتے اور ان کو اَذان کہنے کی اجازت مل جاتی تو کوئی شخص ان پر غالب نہ آسکتا فرشتے ہی اَذان کہا کرتے۔''

اَذان کی عظمت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں

[حدیث:۵۶۸] ''عَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ قَدِمْنَا عَلٰی عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فَقَالَ مَنْ مُؤَذِّنُکُمْ؟ فَقُلْنَا عَبِیْدُنَا وَمَوَالِیْنَا: فَقَالَ اِنَّ ذٰلِکُمْ بِکُمْ لَنَقْصٌ شَدِیْدٌ لَوْ اَطَقْتُ الْاَذَانَ مَعَ الْخَلِیْفِیْ لَاَذَّنْتُ۔''

(کنز العمال ج:۱۰ ص:۳۳۹ حدیث:۲۳۱۶۰)

ترجمہ: ''قیس ابن ابی حازم سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا تمہاری اَذان کون کہا کرتا ہے؟ کہا کہ ہمارے غلام، اس قسم کے لوگ آزاد کردہ غلام وغیرہ؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے اپنا بہت نقصان کرلیا اور پھر فرمایا خلافت کا بوجھ میرے ذمہ ہے ورنہ ایک مسجد میں مؤذن لگ

جاتا، (روٹی اللہ تعالیٰ دے دیا کرتے)۔''

خلافت راشدہ کے دور میں مؤذّنوں کی کفالت

یہاں ایک بات سمجھ لو کہ خلافت راشدہ کے زمانے میں اور خلفاء کے زمانے میں مؤذّنین کا باقاعدہ وظیفہ جاری ہوتا تھا، اسی طرح مدرّسین کا بھی وظیفہ جاری ہوتا تھا اور دِین کے جتنے شعبے تھے، حکومت ان کی سرپرستی کرتی تھی، اور ان تمام شعبوں کے لئے وظائف تھے، ہمارے یہاں مسجدوں میں مسجد کا خرچ پورا کرنے کے لئے چندہ کیا جاتا ہے، جھولی پھرتی ہے اس زمانے میں یہ نہیں تھا بلکہ دین، دین کے تمام شعبے، مسجد اور مسجد کے تمام شعبے، ان تمام چیزوں کے لئے حکومت کفیل ہوتی تھی، نہ امام صاحب کو تنخواہ کی ضرورت ہوتی تھی، نہ خطیب صاحب کو، نہ مدرس صاحب کو، نہ مؤذِّن صاحب کو اور نہ کسی اور صاحب کو، جب انگریز ملعون ہمارے ملک میں آیا اس نے ہمارا سارا نظام درہم برہم کر دیا، ایک تو یہ کہ اس نے اسکول کالج اور یونیورسٹیاں بنائیں، انگریزی تعلیم رائج کی، عدالت میں آج تک پچاس سال گزر چکے ہیں سرکاری زبان انگریزی ہے، عدالتی زبان انگریزی ہے ایک فیصد آدمی بھی ہمارے ملک میں انگریزی نہیں جانتے تھے، لیکن انگریز بہادر نے انگریزی عدالتی زبان جاری کی اور لوگ دھڑا دھڑ انگریزی پڑھنے لگے کیونکہ نوکری ہی ان لوگوں کو ملتی تھی جو انگریزی جانتے تھے۔

اس پر مجھے دو لطیفے یاد آ گئے شاید میں پہلے بھی سنا چکا ہوں ایوب خان کے زمانے میں بی ڈی جمہوریت جاری ہوئی تھی اور اس کے لئے آدھے ممبر تو منتخب ہوئے تھے ووٹوں کے ذریعے سے اور آدھے ممبر لوگ تجویز کرتے تھے، ہمارے علاقہ میں ڈپٹی کمشنر تشریف لائے اور کہا کہ اپنے علاقے کے معزز لوگ بتاؤ، یعنی جو بی ڈی ممبر بنیں، ایک صاحب نے ایک آدمی کا نام لیا ڈپٹی کمشنر صاحب پوچھتے ہیں کہ اس کی تعلیم کتنی ہے؟ کہنے لگے یہ حافظ قرآن ہے، دارالعلوم دیوبند کا فارغ ہے، یہ ہے اور وہ ہے، کمشنر صاحب کہنے لگے کہ بھائی! میں یہ پوچھتا ہوں کہ تعلیم اس کی کتنی ہے؟ یہ پاکستان بننے کے بعد کی بات ہے ایوب خان کے دور کی، آخر اس نے کہا کہ یہ پرائمری پاس ہے؟ کہنے لگے ہاں! یہ بات ہوئی ناں۔

ذرا اندازہ فرمایئے کہ انگریز نے ہماری ذہنیت کو کس طرح بدلا اور اب تک وہی چلا آ رہا ہے بلکہ اس سے زیادہ اب اضافہ ہو گیا، جبکہ انگریز کے آنے سے پہلے سرکاری طور پر لوگوں کی دینی اور علمی بنیاد کو اہمیت حاصل تھی اور سرکاری ملازموں کو دینی معاملات پر انعام ملتا تھا، چنانچہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک بار عالمگیر بادشاہ نے اپنے مصاحبین اور دوسرے لوگوں سے کہا کہ فلاں دن امتحان ہو گا اور جو لوگ پوری نماز سنائیں گے اور مسائل سنائیں گے ان کو انعام ملے گا، اب تمام لوگ میاں جی کے پاس پہنچے۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ ہمارے ساتھی تھے جن کا نام تھا حبیب الرحمٰن، وہ میرے حدیث کے ساتھی تھے، بعد میں ملے نہیں پتا نہیں کہاں گئے، بعد میں ان کی زیارت نہیں ہوئی، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہیں سائیں'' وہ سرائیکی زبان بولتے تھے ملتانی زبان ''ہیں سائیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مولوی فاضل ہائی کہ نہ ہائی'' یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مولوی فاضل تھے یا نہیں تھے؟ ان جاہلوں کے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان پڑھ تھے، میں نے کوئی مولوی فاضل نہیں کیا اس لئے میں کسی کے معیار پر پورا نہیں اُترا۔ الحمدللہ۔ خدا کرے کہ اللہ کے معیار پر پورا اُتروں۔

تو بات چل رہی تھی کہ اَذان کا کام تو سپرد کر دیا دوسرے لوگوں کے اور یہ بڑے بڑے چودھری جو ہیں یہ ملازمتیں کرتے ہیں، دکان داریاں کرتے ہیں، کماتے ہیں اور ان کو نماز پڑھنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی، میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اس بھلے زمانے میں گورنمنٹ اس کی کفالت کرتی تھی۔

انگریز آیا تو اس نے ہمارا سارا نظام برباد کر دیا، جتنے اچھے لکھے پڑھے تھے یعنی قابل دماغ تھے وہ اس نے کھینچ لئے جدید عصری علوم کے لئے، ان کو عصری علوم کہتے ہیں، استنجا کرنا بھی آتا ہے یا نہیں لیکن عصری علوم حاصل ہیں اور ہمارے پاس مولویوں کے پاس کیا رہا کچھ نہیں رہا، ہمارے اکابر نے، بزرگوں نے لوگوں کی منّت سماجت کی کہ ہمیں اپنی اولاد دین کے لئے دو، کوئی معذور آدمی ملا، کوئی نابینا ملا اس قسم کے لوگوں کو پڑھایا، تو ہمارے کام کے لئے یہی لوگ پیچھے رہ گئے، دل کو تکلیف تو ہوتی ہے، اور صدمہ بھی ہوتا ہے، لیکن میں نے سوچا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَ سَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیْبًا فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ۔''

(صحیح مسلم ج:۱ص:۸۴)

ترجمہ: ''اسلام غربت کی حالت میں شروع ہوا تھا اور عنقریب غربت کی حالت کی طرف لوٹ جائے گا، مبارک ہو ان لوگوں کو جو اس لائن میں آ گئے۔''

انگریز کا ارادہ یہ تھا کہ دین کو مٹا دیا جائے اور ختم کر دیا جائے، روپے پیسے کا لالچ دے کر، دوسری چیزوں کا لالچ دے کر کہ دین کا نام لینے والا کوئی نہ رہے لیکن میرے اللہ نے اس دین کو رکھنا تھا اور دین کو باقی رکھنے میں وہ ہمارا محتاج نہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ ﴿۳۸﴾﴾ (سورۃ محمد) (اگر تم بدل جاؤ گے، منہ پھیر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو بدل دیں گے، پھر وہ تمہارے جیسے نہیں ہوں گے) حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے دین کا کام لیا اندھوں سے، لولے لنگڑوں سے، انہوں نے تمہارے طعنے بھی سنے کہ یہ مانگ کر کھاتے ہیں، ہم نے کہا ٹھیک ہے، بجا فرمایا ہے، اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم اپنے بچّے کو نہیں پڑھائیں گے یہ کہاں سے کھائے گا؟

میں ایک بات کہتا ہوں تمہارے پڑھے لکھے جو لوگ ہیں، جتنے اُونچے لوگ ہیں، ان کو خودکشی کرتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن کبھی مُلّا کو خودکشی کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا، اللہ ان کو بھی روزی دے دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ان کے صاحب زادے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے دوسرے حضرات کی قبروں کو نور سے بھر دے، جنہوں نے دین کو دوبارہ زندہ کیا، بڑے بڑے ڈاکٹروں اور کیپٹنوں کے بچے ان عربی مدرسوں میں پڑھتے ہیں، الحمدللہ دین زندہ ہے اور زندہ رہے گا لیکن بھائی! اس کو حقیر نہ سمجھو، بہت سے لوگ جو اس وقت اُونچے ہیں، قیامت کے دن نیچے کر دیئے جائیں گے، اور بہت سے لوگ جو نیچے ہیں، جن کو کوئی پوچھتا نہیں ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو اُونچا کر دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں مؤذِّنوں کا مقام

[حدیث:۵۶۹] ”عَنْ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: نَدِمْتُ اَنْ لَّا اَکُوْنَ طَلَبْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَجْعَلُ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ مُؤَذِّنِیْنَ۔“

(حیاۃ الصحابۃ ج:۵ ص:۱۷۹)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ندامت ہوتی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کیوں نہ کی کہ حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) کو مؤذِّن لگا دیا جائے، یعنی مجھے یہ بات ذہن میں نہیں رہی کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کروں۔“

مؤذِّن کی کیا صفات ہونی چاہئیں

[حدیث:۵۷۰] ”عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ مُؤَذِّنُوْکُمْ عُمْیَانَکُمْ قَالَ: وَاَحْسِبُہٗ قَالَ: وَلَا قُرَّائُکُمْ۔“

(حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۱۷۹)

ترجمہ: ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے مؤذِّن اندھے ہوں، یا تمہارے مؤذِّن قاری ہوں۔

تشریح: اندھوں کے مؤذِّن نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بے چارے پاکی ناپاکی کا لحاظ نہیں رکھ سکتے اسی لئے نابینا کی امامت بھی مکروہ ہے ہاں اگر وہ پاک صاف ہوں تو ان کے امامت اور اَذان دینے میں کوئی حرج نہیں، ماشاءاللہ ہمارے قاری فتح محمد صاحب ماشاءاللہ اماموں کے امام تھے۔

دوسرے یہ کہ نابینا کو وقت کا نہیں پتا چلے گا ہاں اگر کوئی دوسرا اس کو بتانے والا ہو تو الگ بات ہے۔

باقی قاریوں کے مؤذِّن ہونے کو اس لئے پسند نہیں فرمایا کہ وہ اپنے دوسرے اہم مشاغل میں

مشغول ہیں، لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں تو اس لئے ان کا حرج ہوگا۔

اَذان میں غلطیوں پر ناراضگی

[حدیث: ۵۷۱] "قَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ: اِنِّیْ لَاُحِبُّکَ فِی اللہِ! فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمَا: لٰکِنِّیْ اُبْغِضُکَ فِی اللہِ! قَالَ: وَلِمَ؟ قَالَ: اِنَّکَ تَتَغَنّٰی فِیْ اَذَانِکَ وَتَأْخُذُ عَلَیْهِ اَجْرًا۔" (حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۱۷۹)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک صاحب کہنے لگے کہ میں اللہ کی خاطر آپ سے محبت رکھتا ہوں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ لیکن میں اللہ کی خاطر تجھ سے بغض رکھتا ہوں، وہ صاحب کہنے لگے حضرت! یہ کیا بات ہوئی؟ فرمایا ایک تو یہ کہ تو اَذان کہتے ہوئے بڑا گانے والوں کی طرح ترنم لگاتا ہے، سیدھی سادی اَذان نہیں کہتا بلکہ ترنم سے کہتا ہے اور دوسرے یہ کہ تو اَذان پر اُجرت لیتا ہے۔"

تشریح: یہ اس زمانے کی بات ہے جب مؤذّنین کا سرکاری طور پر باقاعدہ وظیفہ جاری تھا، انگریز بہادر کے آنے کے بعد پھر ہمیں انتظام کرنا پڑا۔

یہاں مسئلہ بتادوں کہ اگر کوئی کسی کو کہے کہ میں اللہ کی خاطر آپ سے محبت رکھتا ہوں تو اس کے جواب میں یہ کہنا چاہئے کہ: "اَحَبَّکَ اللہُ کَمَا اَحْبَبْتَنِیْ لَهٗ" اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت فرمائے جس طرح کہ تو اللہ کی خاطر میرے ساتھ محبت رکھتا ہے۔ یہاں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے گویا ان کی دونوں غلطیوں کی نشاندہی فرمائی تھی اس لئے اس طرح جواب دیا۔

اَذان اہلِ علاقہ کے اِیمان کی علامت ہے!

[حدیث: ۵۷۲] "عَنْ خَالِدِ الْاَحْوَلِ عَنْ خَالِدِ بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ ابْنَ سَعِیْدِ بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ: اِنْ مَرَرْتَ بِقَرْیَةٍ فَلَمْ تَسْمَعْ اَذَانًا فَأَصْبِهُمْ، فَمَرَّ بِبَنِیْ زُبَیْدٍ فَلَمْ یَسْمَعْ اَذَانًا فَسَبَّاهُمْ فَاَتَاهُ عَمْرُ بْنِ مَعْدِیْکَرُبَ فَکَلَّمَهٗ فَوَهَبَهُمْ لَهٗ خَالِدٌ۔"

(کنز العمال ج:۴ ص:۴۸۳ حدیث:۱۱۴۴۱)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد ابن سعید رضی اللہ عنہ کو جہاد کے لئے یمن بھیجا اور فرمایا کہ فجر کے وقت حملہ کرو حملہ کرنے سے پہلے یہ دیکھو کہ اس قبیلے سے اَذان کی آواز آئی ہے یا نہیں اگر اَذان کی آواز آئے تو ہاتھ روک لو، قبیلہ بنو زبید میں حضرت

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اَذان نہیں ہوئی یہاں آپ نے ان کو گرفتار کرلیا تو حضرت عمر بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نے سفارش کر کے چھڑایا کہ مسلمان ہیں لیکن اَذان کی آواز آپ کو نہیں سنی ہوگی۔"

ایک اور روایت میں ہے:

"قَالَ کَانَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَأْمُرُ اُمَرَاءَ ہٗ حِیْنَ کَانَ یَبْعَثُھُمْ فِی الرِّدَّۃِ اِذَا غَشِیْتُمْ دَارًا فَاِنْ سَمِعْتُمْ بِھَا اَذَانًا فَکُفُّوْا حَتّٰی تَسْأَلُوْھُمْ مَاذَا تَنْقِمُوْنَ فَاِنْ لَّمْ تَسْمَعُوْا اَذَانًا فَشُنُّوْھَا غَارَۃً وَاقْتُلُوْا . . ." (حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۱۷۹)

ترجمہ: "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (ارتداد کے زمانے میں، جب لوگ مرتد ہوگئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) لوگوں کو بھیجتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب تم اَذان سنو تو رک جاؤ یہاں تک کہ ان پر حملہ نہ کرو لیکن یہ پوچھو کہ ان کو ہمارے اوپر کوئی اعتراض ہے، خلافت کے معاملے میں کوئی اعتراض ہے ان کے شبہات دور کرو اور اگر کسی جگہ سے اَذان کی آواز نہ آئے تو سمجھ لو کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مرتد ہیں ان پر حملہ کرو۔"

مصنّف عبدالرزاق میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے لڑائی کرنے کے لئے بھیجا تو فرمایا: وہاں رات گزارو اور صبح کی اَذان سنو، اگر وہ لوگ اَذان کہیں تو ٹھیک ہے اور اگر اَذان نہ کہیں تو پھر ان سے قتال کرو، اس لئے کہ اَذان شعارِ ایمان ہے، جس بستی سے اَذان کی آواز سنائی نہیں دیتی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بستی مسلمانوں کی نہیں ہے۔

بھائی! مسلمانوں کے ہاں اَذان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بستی کے لوگ اَن پڑھ تھے، بیچاروں کو اَذان نہیں کہنی آتی تھی، تو انہوں نے یہودی کو کرائے پر رکھ لیا اَذان کہنے کے لئے کہ پانچ وقت کی اَذان تم کہہ لیا کرو، اب اَذان دینا یہ اس کے عقیدے کے خلاف تھا اور نوکری بھی کرنی تھی اس لئے: "**اشھد ان لاالٰہ الاّ اللّٰہ**" تو اس کو ہضم ہوجاتا تھا، مگر "**اشھد ان محمد رسول اللّٰہ**" جب کہنا ہوتا تو یہ کہتا کہ "اس بستی کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)" یعنی مؤذّن بھی کرائے کا رکھا ہوا تھا، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نیکی عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے، تمام مسلمان اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور جو کوتاہیاں اور لغزشیں ہم سے ہوئی ہیں ان کی معافی مانگیں۔

نماز کی فضیلت و اہمیت

نماز دِین کا ستون ہے

[حدیث:۵۷۳]　　”عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ۔“

(کنز العمال ج:۷ ص:۲۸۴، حدیث نمبر:۱۸۸۸۵)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز دِین کا ستون ہے۔“

تشریح: آپ جانتے ہیں کہ جب خیمہ کھڑا کرتے ہیں تو اس کے چاروں کونوں پر رسیاں باندھ دیتے ہیں، اوراس کے درمیان میں ایک چوب اور لکڑی ہوتی ہے، اس کے اُوپر خیمہ کھڑا ہوتا ہے، اس درمیان کی چوب، لکڑی اور بانس کو عماد کہتے ہیں، یا عمود کہتے ہیں، اگر وہ قائم ہو تو خیمہ قائم رہتا ہے، اگر اس کو بیچ سے کھینچ لیا جائے تو خیمہ گر جاتا ہے، یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دِین کی خیمے کے ساتھ مثال بیان فرمائی ہے اور فرمایا کہ نماز اس کا ستون ہے، یعنی نماز دِین کی چوب، درمیان کا بانس اور لکڑی ہے، جس پر یہ دِین کا خیمہ قائم ہے۔

نمازی جس جگہ نماز پڑھتا ہے وہ جگہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گی

[حدیث:۵۷۴]　　”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَأْتِیْ زِیَارَۃً مِنَ الْاَرْضِ اَوْ مَسْجِدًا بُنِیَ بِاَحْجَارٍ فَصَلّٰی فِیْہِ اِلَّا قَالَتِ الْاَرْضُ: صَلَّی اللّٰہُ فِیْ اَرْضِہٖ وَاَشْھَدُ لَکَ یَوْمَ تَلْقَاہُ۔“　　(کنز العمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۳۸)

ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کسی زمین کی زیارت کے لئے جاتا ہے یا کسی مسجد میں جو کہ پتھروں کے ساتھ بنائی گئی ہو، اس

میں نماز پڑھتا ہے، تو زمین اسے کہتی ہے کہ: اللہ تعالیٰ تیری اپنی زمین پر رحمت فرمائے اور میں تیرے لئے گواہی دوں گی جس دن کہ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔"

تشریح: اس روایت میں فرمایا کہ: کوئی آدمی کسی مکان کی زیارت کے لئے جائے، اپنے عزیز و اقارب کو ملنے کے لئے جائے اور وہاں کی مسجد میں نماز پڑھے تو مسجد کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے گھر میں رحمت نازل فرمائے اور میں تیرے لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شہادت دوں گی۔

یہ بات تو پہلے بھی معلوم ہو چکی ہے کہ کسی جگہ میں کوئی اچھا کام کرتے ہو یا کوئی برا کام کرتے ہو، قیامت کے دن زمین کے وہ ٹکڑے تمہارے حق میں شہادت دیں گے کہ اس نے میری پشت پر نیک کام کیا تھا، یا برا کام کیا تھا؟ اس لئے بعض بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے اپنی جگہ بدل لیتے ہیں، تاکہ زمین کا وہ ٹکڑا بھی گواہی دے اور دوسرا ٹکڑا بھی گواہی دے۔

بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لئے مشرق و مغرب کی زمین کے ٹکڑے اچھی گواہی دیں گے، جو لوگ تبلیغ میں چلے جاتے ہیں، بیچارے سال لگاتے ہیں، وہاں دھکے کھاتے ہیں، اپنے گھر بار کو چھوڑتے ہیں، زمین پر لیٹتے ہیں، بعض اوقات رہنے کے لئے ان کو مسجدیں مل جاتی ہیں، اور بعض اوقات مسجدیں بھی نہیں ملتیں۔

نمازی، بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے

[حدیث:۵۷۵] "عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ: مَا دُمْتَ فِیْ صَلَاةٍ فَأَنْتَ تَقْرَعُ بَابَ الْمَلِكِ، وَمَنْ يَّقْرَعُ بَابَ الْمَلِكِ يُفْتَحْ لَهٗ۔"

(حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۱۳۰)

ترجمہ: "حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب تک تم نماز میں ہو، تم بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتے ہو، اور جو شخص بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹائے، اس کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے۔"

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب آدمی نماز میں ہوتا ہے تو بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے، ہم تو گھنٹی بجاتے ہیں، بجلی کا دور ہے ناں! پرانے زمانے میں دروازہ کھٹکھٹاتے تھے، تو وہ نمازی بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے، جو شخص بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹائے، یہ بادشاہ ایسا بے رحم نہیں ہے کہ اس کے لئے دروازہ نہ کھولے، اس کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ اور محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دروازہ کھٹکھٹائے۔

نماز سے گناہ جھڑتے ہیں

[حدیث:۵۷۶] ”عن سلمان رضی اللہ عنہ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَضَعَتْ خَطَايَاهُ عَلٰى رَأْسِهٖ فَلَا يَفْرُغُ مِنْ صَلٰوتِهٖ حَتّٰى تَتَفَرَّقَ عَنْهُ كَمَا تَتَفَرَّقُ عَذُوْقُ النَّخْلَةِ تُسَاقِطُ يَمِيْنًا وَّ شِمَالًا۔“ (کنز العمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۳۴)

ترجمہ: ”حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یعنی جب بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کی تمام غلطیاں اور تمام گناہ سر کے اوپر آ جاتے ہیں، اور جب نماز میں سجدے کے لئے جاتا ہے تو تمام گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح کہ شاخ سے پھل گر جاتا ہے۔“

تشریح: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یعنی جب بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اللہ اکبر کہہ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گیا تو اس کی تمام غلطیاں اور تمام گناہ سر کے اوپر آ جاتے ہیں، اور جب نماز میں سجدے کے لئے جاتا ہے تو تمام گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح کہ شاخ سے پھل گر جاتا ہے، یہ نماز توبہ ہے، کوئی گناہ ہو گیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے نمازِ توبہ کی نیت کرو اور نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے خوب معافی مانگو۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

”اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَاَنَّهٗ فِيْ اَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ، وَاِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ وَقَعَ عَلٰى اَنْفِهٖ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۷۳)

یعنی مؤمن بندے سے اگر غلطی یا گناہ ہو جائے تو اس پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ گویا وہ پہاڑ کے نیچے آ گیا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کر لے اور اپنے قصور کی معافی نہ مانگ لے اور اس کو اطمینان نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کر دیا ہوگا، کسی طریقہ سے بھی اس کو چین نہیں آتا۔ اور فرمایا کہ: منافق کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ناک پر مکھی بیٹھی تھی وہ اُڑا دی، فرق کیا پڑا؟

کسی مؤمن کا اپنے گناہوں کو یاد کر کے پریشان ہونا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا یہ علامت ہے ایمان کی۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اس کی غلطیاں سر پر جمع ہو جاتی ہیں، جیسے کہ درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

نماز اَدائے شکر کا ذریعہ

[حدیث:۵۷۷] ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کَانَ یَقُومُ مِنَ اللَّیْلِ حَتّٰی تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا یَا رَسُولَ اللّٰهِ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا؟" (رواه البخاری: کتاب التفسیر، باب { لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ } حدیث: ۴۴۶۰)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ قدم مبارک سوج جاتے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اتنی محنت کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟۔"

تشریح: یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ قدم مبارک سوج جاتے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اتنی محنت کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخشے بخشائے ہیں، اس کے باوجود بھی اتنی محنت اُٹھاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا، یہ احسان فرمایا کہ نہ صرف میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے، بلکہ اُمّت کے لئے بھی شفاعت قبول فرمالی، تو میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟

اسلام میں سب سے پہلے نماز

[حدیث: ۵۷۸] "عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: أَتٰی عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَجُلٌ فَقَالَ: یَا أَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! اِنِّیْ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَادِیَةِ وَاِنَّ لِیْ أَشْغَالًا فَأَوْصِنِیْ بِأَمْرٍ یَّكُوْنُ لِیْ ثِقَةً وَّأَبْلُغُ بِهٖ، فَقَالَ: اِعْقِلْ وَأَرِنِیْ یَدَكَ! فَأَعْطَاهُ یَدَهٗ فَقَالَ: تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا، وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ، وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ، وَتَحُجُّ، وَتَعْتَمِرُ، وَتُطِیْعُ، وَعَلَیْكَ بِالْعَلَانِیَةِ! وَاِیَّاكَ وَالسِّرَّ! وَعَلَیْكَ بِكُلِّ شَیْءٍ اِذَا ذُكِرَ وَنُشِرَ لَمْ تَسْتَحْیِیْ مِنْهُ وَلَمْ یَفْضَحْكَ، وَاِیَّاكَ وَكُلَّ شَیْءٍ اِذَا ذُكِرَ وَنُشِرَ اِسْتَحْیَیْتَ وَفَضَحَكَ، فَقَالَ: یَا أَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! أَعْمَلُ بِهِنَّ فَاِذَا لَقِیْتُ رَبِّیْ أَقُوْلُ: أَخْبَرَنِیْ بِهِنَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ! فَقَالَ: خُذْهُنَّ فَاِذَا لَقِیْتَ رَبَّكَ فَقُلْ لَهٗ مَا بَدَا لَكَ۔" (کنز العمال ج:۱۶ ص:۱۵۶ حدیث: ۴۴۱۹۱)

ترجمہ: "امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس

ایک آدمی آیا، اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں جنگلی آدمی ہوں اور میرے کام بھی بہت ہیں، بس مجھے کسی کام کی وصیت کیجئے! جو میرے لئے قابلِ اعتماد ہو اور میں اس کے ذریعے جنّت میں پہنچ جاؤں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سن! سمجھ! اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے! اس کا ہاتھ پکڑ لیا، فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، حج وعمرہ کرو، اطاعت بجالاؤ، یعنی جو حاکم تم پر مقرّر ہو کسی معروف کام میں اس کی نافرمانی اور خلاف ورزی نہ کرو۔۔۔ حضرات صحابہ کرام اور خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں کسی غلط کام کا حکم نہیں دیا جاتا تھا، ان حضرات کی طرف سے جو حکم بھی ہوتا تھا وہ معروف ہوتا تھا۔۔۔ اور ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ یعنی اللہ کی فرمانبرداری کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو، اور تم میں جو صاحبِ اَمر ہیں یعنی حاکم ہیں ان کی فرمانبرداری کرو، "وعليك بالعلانية!" یعنی جو کام کرو ڈنکے کی چوٹ کرو، علانیہ کرو، اور چھپ کر کے کام کرنے سے بچو، اس لئے کہ آدمی چھپ کر اسی کام کو کرتا ہے جس میں کوئی دغدغہ ہوتا ہے،۔۔۔ "وكرهت أن يطلع عليه الناس" اور تو ناپسند کرتا ہے اس کو کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔۔۔ "وعليك بكل شيء اذا ذكر ونشر لم تستحي منه" اور ایسی چیز کو لازم پکڑو کہ جب اس کا تذکرہ آئے اور لوگوں میں وہ بات پھیل جائے تو تمہیں اس سے شرمندگی نہ ہو، اور تمہیں اس سے رُسوائی نہ ہو۔ اور ایسی چیز سے اجتناب کرو کہ جب اس کا تذکرہ آئے اور لوگوں میں وہ بات پھیل جائے تو تمہیں شرمندگی ہو اور رُسوائی ہو۔ اس آدمی نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں ان باتوں پر زندگی بھر عمل کروں گا، جب اللہ سے ملاقات کروں گا تو میں کہہ دوں گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے کرنے کی خبر دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کو لازم پکڑو اور جو مرضی ہو، اللہ سے کہہ دینا۔"

تشریح: بُرائی کی ایک علامت یہ ہے کہ آدمی اس کو چھپ کر کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کسی کو اس کا پتا نہ چلے، اگر خدانخواستہ کوئی ایسی شکل پیدا ہو جائے کہ لوگوں کو اس کا پتا چل گیا اور وہ چیز پھیل گئی تو تم اس سے شرمندہ ہو، یہ علامت ہے بُرائی کی۔

"وَاِيَّاكَ وَكُلَّ شَيْءٍ اِذَا ذُكِرَ وَنُشِرَ اِسْتَحْيَيْتَ وَفَضَحَكَ" اور ایسی چیزوں سے بچو جب وہ پھیل جائیں اور منتشر ہو جائیں، یعنی زبان زد عام و خاص ہو جائیں تو تمہیں اس سے شرمندگی ہو اور

تمہارے لئے رُسوائی ہو، بس یہ چند چیزیں مجھ سے پکڑلو اور ان پر عمل کرو۔

رمضان کے روزے کا تذکرہ نہیں آیا، غالباً اس کا تذکرہ بھی ہوگا، راوی سے شاید رہ گیا۔ اللہ کی عبادت کرو، نماز صحیح طور پر ادا کرو، جیسے ایک روایت میں آتا ہے: ایک آدمی نے نماز پڑھی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: میاں! تم کتنے عرصے سے نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا: چالیس سال ہو گئے! فرمایا: چالیس سال سے یہ نماز سیکھنا نہیں آئی؟

تو نماز کو قائم کرو، اس کے آداب اور شرائط کے ساتھ نماز کو ٹھیک طرح پڑھو!

اللہ کی شان یہ ہے کہ جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو شیطان اسی وقت ہمیں ساری چیزیں یاد دلاتا ہے۔ وہ یاد دلاتا ہے کہ تجھے فلاں کام بھی کرنا ہے، فلاں کام بھی کرنا ہے، ذرا جلدی کرو، نمٹاؤ اس کو۔ اب نماز کے لئے تو کھڑے ہو گئے تھے لیکن کام بھی اسی وقت آتے ہیں سامنے۔

ایسا نہ کرو، دُنیا بھر کی چیزیں نماز کے وقت تمہیں یاد آتی ہیں، اطمینان کے ساتھ نماز پڑھ لو، پورے ارکان ادا کرو، اور اس کے بعد وہ چیزیں بھی یاد آجائیں گی، وہ کام بھی ہو جائے گا، ان شاء اللہ!

آدمی کو نماز اس طرح پڑھنی چاہئے کہ یہ میری آخری نماز ہے، پھر پتہ نہیں موقع ملے گا یا نہیں؟ اس لئے دِل لگا کر نماز پڑھنی چاہئے، یہ جو ہم نماز پڑھیں گے اس کے بعد دوسری نماز کا وقت آئے گا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہماری کیا حالت ہوگی؟ نماز قائم کرو، حج وعمرہ کرو۔

[حدیث: ۵۷۹] "عَنْ أَبِیْ مَالِکٍ الْأَشْجَعِیِّ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَسْلَمَ الرَّجُلُ کَانَ أَوَّلُ مَا یُعَلِّمُنَا الصَّلٰوۃَ أَوْ قَالَ: عَلَّمَهُ الصَّلٰوۃَ۔" (مجمع الزوائد ج:۲ ص:۹)

ترجمہ: "حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب کوئی شخص اسلام لاتا، مسلمان ہو جاتا... مسلمان ہوتے ہیں کلمہ شہادت "اشهد ان لا اِلٰه اِلّا الله واشهد ان محمدا رسول الله" پڑھ کے... تو سب سے پہلا کام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے وہ اس کو نماز کی تلقین کرتے، اس کو باقاعدہ نماز سکھاتے تھے۔"

تشریح: وہ لوگ مسلمان ہوتے تھے، ان کو نماز سیکھنے کی ضرورت پیش آتی تھی، اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہماری سیکھی سکھائی ہے، کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی اس کے سیکھنے کی۔ ہمیں ایک "الحمد شریف" اور ایک "قل ہو اللہ" آتی ہے اور وہ بھی جس طرح پڑھتے ہیں ہمیں معلوم ہے۔ کتنی بنا سنوار کے پڑھتے ہیں؟ کتنا صحیح پڑھتے ہیں؟ ان کا تلفظ کتنا صحیح ہوتا ہے؟ ہمیں معلوم ہے۔ اصل میں نماز کو ہم نے ایک فالتو چیز سمجھ رکھا ہے،

صحیح آ گئی، آ گئی، نہ آئی نہ سہی، آپ سن رہے ہیں کہ جب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آ کر مسلمان ہوتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس کو نماز سکھاتے تھے، تاکہ نماز پڑھنی آئے۔

ایک چھوٹی سی کتاب ہے ”نامِ حق“ اس میں ایک شعر ہے:

روزِ محشر کہ جان گداز بود
اوّلیں پُرسشِ نماز بود

محشر کا دن جو کہ جان کو پگھلانے والا ہوگا، پسینہ نکل نکل کر لوگوں کے منہ تک آ جائے گا، بلکہ منہ سے اُوپر چلا جائے گا، ہر ایک آدمی کا پسینہ اس کے اعمال کے مطابق ہوگا، سب سے پہلی پوچھ نماز کی ہوگی۔ جو معاملات ہیں ان میں سب سے پہلا مقدمہ خونوں کا ہوگا، جو لوگوں نے ایک دُوسرے کے خون کئے ہیں، اور عبادات میں سب سے پہلا مقدمہ نماز کا ہوگا۔ ہمارے نزدیک نماز کی کوئی حیثیت ہی نہیں، وقت مل گیا تو پڑھ لی، نہ ملا تو پھر پڑھ لیں گے، انا للہ وانا الیہ راجعون!

میرے بھائیو! کوئی اگر کوتاہی کرتا ہے تو اپنا نقصان کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فرائض کو اللہ تعالیٰ کا فرض سمجھ کر ادا کرو، اور پورے اطمینان کے ساتھ، وقار کے ساتھ، سکون کے ساتھ ادا کرو۔

نمازی براہِ راست اللہ تعالیٰ کے دربار میں

[حدیث:۵۸۰] ”اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فُتِحَتْ لَهٗ أَبْوَابُ الْجِنَانِ وَكُشِفَتْ لَهُ الْحُجُبُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ رَبِّهٖ“

(کنز العمال ج:۷ ص:۲۹۸، حدیث:۱۸۹۶۷)

ترجمہ: ”بندہ جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے درمیان اور اس کے درمیان سے پردہ اُٹھا دیتے ہیں۔“

تشریح: نماز پڑھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا، اور وہ براہِ راست اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، زہے قسمت ان لوگوں کی کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے درمیان اور ان کے درمیان پردہ اُٹھا دیں، ان کو تنہائی میں بلالیں اور ان سے گفتگو فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوہِ طور پر گفتگو فرمائی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج میں گفتگو فرمائی تھی، کتنا ہی خوش نصیب ہے وہ بندہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے درمیان اور اس کے درمیان کا پردہ اُٹھا کر اس سے فرمائیں کہ: ہاں! کہو کیا کہتے ہو؟ اور اپنے چہرۂ انور کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں، جیسا کہ حدیث میں ہے:

”اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَامَ یُصَلِّیْ أَقْبَلَ اللّٰہُ عَلَیْہِ بِوَجْھِہٖ“

(کنزالعمال ج:۷ ص:۲۸۶، حدیث:۱۸۹۰۵)

جب بندہ نماز شروع کرتا ہے، ملائکہ اس کے دونوں کندھوں سے فضاء تک پھیل جاتے ہیں، نماز میں اس کی اقتدا کرتے ہیں اوراس کی دُعا پر آمین کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہزاروں فرشتے اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور جب یہ نماز میں کوئی دُعا کرتا ہے تو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں اور آسمان کی بلندی سے اس نمازی کے سر کی چوٹی پر حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمتوں کی باران ہوتی ہے، رحمت نثار ہوتی ہے، اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے: اگر نمازی کو یہ معلوم ہوجاتا کہ وہ کس سے مناجات کررہا ہے تو نہ وہ کسی اور کی طرف اِلتفات کرتا اور نہ ہی اس سے واپس ہوتا۔

پانچ نمازیں پڑھنے پر پچاس کا ثواب ملتا ہے

[حدیث: ۵۸۱] ”عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰهُ عَلَيَّ خَمْسِينَ صَلَاةً فَرَجَعْتُ بِذَلِكَ حَتَّى أَمُرَّ بِمُوسَى فَقَالَ مُوسَى مَا الَّذِي فَرَضَ عَلَى أُمَّتِكَ قُلْتُ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسِينَ صَلَاةً قَالَ فَرَاجِعْ رَبَّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَلِكَ فَرَجَعْتُ فَرَاجَعْتُ رَبِّي فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَذَكَرَ مِثْلَهُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَلِكَ فَرَجَعْتُ فَرَاجَعْتُ رَبِّي فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ قَدْ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي......“ (رواہ البخاری: کتاب احادیث الأنبیاء، باب ذِكْرِ إِدْرِيسَ عَلَيْهِ السَّلَام، حدیث: ۳۰۹۴)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری اُمّت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں چنانچہ میں جب واپس آرہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے گزر ہوا، وہ پوچھنے لگے کہ کیا فرض کیا ہے اللہ نے تمہاری اُمّت پر؟ میں نے جواب دیا کہ پچاس نمازیں، کہنے لگے کہ واپس اللہ کے دربار میں جاؤ اور کم کروا کر لاؤ کیونکہ آپ کی اُمّت اس کی طاقت نہیں رکھ سکے گی۔ میں واپس ہوا، پس آدھی کردی گئیں۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کی بھی طاقت نہیں ہوگی، پھر واپس ہوئے یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں، پھر فرمایا کہ اس سے بھی کم کروائیں تو

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب تو مجھے حیا آتی ہے۔“

تشریح: معراج کے موقع پر آنحضرت ﷺ اللہ کی بارگاہ سے پچاس نماز کا تحفہ لے کر آرہے تھے، راستے میں چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، چنانچہ حدیث میں ہے: یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: کیا ملا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پچاس نمازیں ملی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: آپ کی اُمّت اس کی طاقت نہیں رکھے گی، اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کیجئے، حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس گئے، اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں معاف کردیں، پینتالیس رہ گئیں، اس طرح آنحضرت ﷺ کے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بارگاہِ ربّ العزت کے درمیان نو چکر لگے، جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا: یہ پڑھنے میں پانچ ہیں اور اجر و ثواب میں پچاس، میرے یہاں بات تبدیل نہیں ہوتی، تمہیں یہ بتانے کے لئے پانچ پچاس کی جگہ ہی ہیں، پچاس فرض کی گئی تھیں، لیکن اصل مقصود پانچ ہی کا فرض کرنا ہے، آنحضرت ﷺ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور فرمایا کہ: پانچ رہ گئی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: تخفیف کی درخواست کرو، واپس جاؤ، میں نے بنی اسرائیل کا تجربہ کیا ہے، آپ کی اُمّت اس کی طاقت نہیں رکھے گی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اب تو اتنی بار میں نے اپنے ربّ سے رُجوع کیا، اب تو مجھے شرم آنے لگی ہے، جاتے ہوئے مجھے شرم آنے لگی ہے۔

تو یہ تحفۂ معراج ہے، کہنے کا مقصد تو یہ ہے کہ یہ یوں ہی تو نہیں، اس کے اندر کوئی رمز تھا، کوئی راز تھا، یہ تحفہ آنحضرت ﷺ کو عطا فرمایا اور یہیں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ بوجھ نہیں ڈالا تم پر، تمہیں عطیہ دیا ہے، اب ہماری بدمذاقی کا کیا علاج کہ ہمارے لئے یہ عطیہ بوجھ بن گیا ہے، نعوذ باللہ من ذالک! استغفر اللہ!

نماز راحت کا سبب ہے

[حدیث:۵۸۲] ”یَا بِلَالُ! أَقِمِ الصَّلٰوةَ أَرِحْنَا بِهَا۔“

(کنز العمال ج:۷ ص:۲۹۴ حدیث:۱۸۹۴۲)

ترجمہ: ”بلال! اَذان کہو، ہمیں راحت پہنچاؤ۔“

تشریح: آپ ﷺ کے لئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے لئے نماز عطیہ اور تحفہ ہے، اور ہماری بدمذاقی نے اس کو بوجھ بنالیا ہے، ہم اس کا ایک بوجھ اُتارتے ہیں۔

ہمارے حضرت حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ:

”یہ عبادات جب تک کہ آدمی کے اندر رچ نہ جائیں اس وقت تک ان کو دوا سمجھو، اور جب یہ رچ جاتی ہیں تو پھر یہ غذا بن جاتی ہیں۔“

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی شرح یہ ہے کہ دوا تو آدمی پیتا ہے ناگواری کے ساتھ، لیکن بھوک لگی ہوئی ہو تو کھانا ناگواری کے ساتھ نہیں کھاتا، نہایت شوق اور رغبت کے ساتھ کھاتا ہے، اس لئے کہ یہ کھانا اس کے لئے غذا بن گیا ہے، اس کی غذا ہے، اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اور بیمار آدمی کو گھر والے کہتے ہیں کہ دوائی کھالو، کہتا ہے کہ: میں نہیں کھاؤں گا، زبردستی اس کو کھلاتے ہیں، چنانچہ مریض اگر بچہ ہوتا ہے تو گھر والے اس کے ساتھ زبردستی کرتے ہیں، اگر بڑا ہوتا ہے تو ایسی دوائی پینے کے لئے، جس سے منہ کا ذائقہ خراب ہوجائے، گھر والے منّت سماجت کرتے ہیں، حضرت فرماتے ہیں کہ: جب تک نماز تمہیں گراں گزرتی ہے اس وقت تک اس کو دوا سمجھو اور جب اس کی گرانی ختم ہوجائے اور اس میں لذت آنے لگے تو پھر یہ غذا بن جائے گی۔

نماز گناہوں کو ختم اور درجات کو بلند کرنے کا ذریعہ ہے

[حدیث: ۵۸۳] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قال أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُوْ اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ فِي الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذَالِكُمُ الرِّبَاطُ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، باب فَضْلِ إِسْبَاغِ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ، حدیث: ۳۶۹)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ غلطیوں کو معاف فرمادیتے ہیں اور اس کے ذریعے درجات کو بلند کردیتے ہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتایئے!۔ فرمایا ناگواریوں پر وضو کا کامل کرنا، مسجدوں کی طرف کثرت سے آمد روفت رکھنا اور ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنا پس یہ ہے رباط۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ غلطیوں اور گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں اور درجات بلند فرمادیتے ہیں؟ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ضرور بتایئے، فرمایا کہ: نمبر ایک ناگواریوں کے باوجود وضو کامل کرنا، سردی ہے، مثلاً: یا بخار کی کیفیت ہے یا کوئی ایسی اور صورت ہے کہ وضو کرنے کو جی نہیں چاہتا لیکن جی نہ چاہنے کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے وضو کو کرنا اور کامل کرنا تین بار دھونا ہر عضو۔

دوسرا نمبر مسجدوں کی طرف بکثرت قدم اُٹھانا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے چھوٹے قدم لے کر کے مسافت طے کررہے تھے، بعد میں فرمایا کہ بتاؤں میں ایسا کیوں کرتا ہوں؟

صحابہ کرام نے فرمایا بتائیے! فرمایا: جتنے قدم زیادہ بڑھیں گے اتنی نیکیاں زیادہ بڑھیں گی، تو ایک آدمی بار بار مسجد میں آتا ہے اور اہتمام کرتا ہے تو یہ چیز گناہوں کو مٹانے والی اور درجات کو بلند کرنے والی ہے۔

تیسرے نمبر پر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھ جانا، عصر کی نماز پڑھی، اب خیال ہوا کہ کسی اور کام کاج کے لیے کیا جائیں گے بس بیٹھے رہو مسجد میں، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھ جانا یہ تیسرا نمبر ہے اور ان نمبروں کو فرمایا: **ذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ ذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ** یہاں ایک دفعہ ہے مگر دوسری حدیث میں تین دفعہ ہے ''**ذلکم الرباط، ذلکم الرباط، ذلکم الرباط**'' قرآن کریم میں رباط کا ذکر ہے اور مراد ہے اس سے جہاد کے لیے گھوڑے باندھنا، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لیے گھوڑے باندھنا اس کو رباط کہتے ہیں، یا سرحد کا پہرہ دینے کے لیے گھوڑا باندھنا اس کو رباط کہتے ہیں اور آنحضرت ﷺ ان تین چیزوں کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ اصل گھوڑا باندھنا تو یہ ہے، سرحدوں کی نگرانی اصل تو یہ ہے، ناگواری کے باوجود مکمل وضو کرنا اور کثرت سے مسجدوں میں جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھ جانا۔

نماز سے گناہوں کی صفائی

[حدیث: ۵۸۴] ''**عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ، قَالَ: فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔**''

(صحیح مسلم ج:۳، ص: ۴۱۹، حدیث نمبر: ۱۰۷۱، بَابُ الْمَشْيِ إِلَى الصَّلَاةِ تُمْحَى بِهِ الْخَطَايَا وَتُرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتُ)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: دیکھو اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو جس سے وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کیا کرے تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اس کے میل میں سے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہے گی، فرمایا: یہی مثال ہے پانچ نمازوں کی، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے گناہوں اور غلطیوں کو مٹا دیتے ہیں۔''

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ دیکھو اگر کسی کے دروازے کے بالکل سامنے سے نہر چلتی ہو اور اس کا پانی بھی بہت ہی صاف شفاف ہو اور وہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کیا کرے تو کیا اس کے بدن پر میل رہ جائے گا؟ صحابہ نے کہا کہ نہیں رہ سکتا، فرمایا: یہی مثال ہے پانچ نمازوں کی، جو شخص ان کی پابندی کرے، بدن پر کوئی غلطی نہیں رہ سکتی، کوئی گناہ نہیں رہ سکتا، تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے مٹا دیتے ہیں۔

اور مراد اس سے صغیرہ گناہ ہیں کبیرہ گناہ نہیں، یعنی صغیرہ گناہ اس سے مٹ جاتے ہیں اور کبیرہ گناہ مسلمان کے ذمے ہوتے نہیں، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کی مثال ایسی ہے کہ اس سے اگر کوئی گناہ ہوجائے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ پہاڑ کے نیچے آ گیا ہو، اب ایک آدمی پہاڑ کے نیچے آجائے تو بیچارہ کتنا پریشان ہوگا اور فرمایا کہ منافق کی مثال ایسی ہے کہ اگر اس سے کوئی گناہ ہوجائے تو ایسا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھی اس نے اُڑادی اس کو پرواہ ہی نہیں ہوتی، اس لئے میں نے عرض کیا کہ کسی مسلمان کے ذمے جو مسلمان ہو منافق نہ ہو اس کے ذمے کبیرہ گناہ رہتا ہی نہیں وہ جب تک رو رو کے اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگ لے اس کو چین ہی نہیں آتا، اس لئے مسلمان کے ذمے اگر ہوں گی تو غلطیاں چھوٹی چھوٹی ہوں گی صغیرہ گناہ ہوں گے اور پانچ نمازوں کے ذریعے سے اللہ ان کو بھی معاف فرمادیں گے، اس لئے مسلمان روزانہ کے روزانہ اپنے گناہوں کی صفائی کرلیتا ہے اور پاک صاف ہوجاتا ہے۔

نماز گناہوں کے کفارے کا سبب

[حدیث:۵۸۵] ”حَدَّثَنَا أَبُو أُمَامَةَ... أَرَأَيْتَ حِينَ خَرَجْتَ مِنْ بَيْتِكَ أَلَيْسَ قَدْ تَوَضَّأْتَ فَأَحْسَنْتَ الْوُضُوءَ؟ قَالَ: بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: ثُمَّ شَهِدْتَ الصَّلَاةَ مَعَنَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ حَدَّكَ أَوْ قَالَ ذَنْبَكَ۔“ (صحیح مسلم ج:۱۳، ص:۳۳۶، حدیث نمبر:۴۹۶۶، بَابُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى {إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ})

ترجمہ: ”حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بھلا بتا تو جب تو نکلا تھا اپنے گھر سے کیا تو نے وضو نہیں کیا تھا اور خوب اچھی طرح وضو نہیں کیا تھا؟ اس نے کہا: جی ہاں یارسول اللہ! فرمایا: پس بے شک اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے تیرے لئے تیری حد کو، یا یہ فرمایا ہے کہ تیرے گناہ کو۔“

تشریح: اس حدیث شریف کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ! میں نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے کہ مجھ پر حد لازم آتی ہے، ازراہ کرم مجھ پر حد جاری کیجئے اور مجھے پاک کردیجئے، آنحضرت ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، یہ صاحب وضو کرکے آئے تھے بعد میں اقامت ہوئی، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی، نماز پڑھانے کے بعد نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان صاحب نے پھر وہی بات کہی کہ یارسول اللہ! مجھے پاک کیجئے، میں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور ایسا گناہ جس پر حد جاری ہو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بندہ خدا جب تم نماز کے لئے گھر سے چلے تھے تو وضو کرکے چلے

تھے نا؟ فرمایا: جی ہاں، فرمایا: خوب اچھی طرح وضو کیا تھا؟ کہا: جی ہاں اور پھر ہمارے ساتھ نماز بھی پڑھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، فرمایا: تیری حد معاف ہوگئی یا فرمایا کہ تیرا گناہ معاف ہوگیا۔

آنحضرت ﷺ نے ان صاحب سے یہ نہیں پوچھا کہ نہ پہلی بار نہ دوسری بار کہ تو نے کیا گناہ کیا تھا یہ نہیں پوچھا، آپ کو نورِ کشف سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اس قسم کا کوئی گناہ اس پر نہیں ہے جس سے حد جاری ہو، یہ بے چارا ڈرا ہوا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مجھ پر حد جاری ہوگی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ جب تو نے گھر سے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا اور پھر آکر جماعت کے ساتھ شریک ہوا، نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا گناہ معاف فرمادیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر خوش قسمت ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اور آپ کی اقتداء میں نمازیں پڑھنے کا موقع ملا اور صحابہ کرام نے ایک نماز جو پڑھ لی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پوری نمازیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ تفتیش نہیں کیا کرتے تھے کہ تو نے کیا گناہ کیا ہے، اب یہ عجیب بات ہے کہ ملزم یا مجرم اقرار کررہا ہے کہ مجھ پر حد جاری کی جائے لیکن اس کو پکڑنے والا کوئی نہیں، اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھتا تھا لیکن حقیقت میں مجرم نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کو معاف فرمادیا۔

نماز میں خشوع خضوع ضروری ہے

[حدیث:۵۸۶] ”عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُوْنَ أَبْصَارَهُمْ اِلَى السَّمَاءِ فِى الصَّلٰوةِ وَيَلْتَفِتُوْنَ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا فَأَنْزَلَ اللهُ: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ، فَقَالُوْا بِرُؤُسِهِمْ فَلَمْ يَرْفَعُوْا أَبْصَارَهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَلْتَفِتُوْا يَمِيْنًا وَّشِمَالًا۔“ (درمنثور ج:۵ ص:۳)

ترجمہ: ”محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں اپنی نظروں کو آسمان کی طرف اُٹھاتے تھے اور دائیں بائیں التفات فرماتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت ”قَدْ اَفْلَحَ ......“ نازل فرمائی، اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں نہ تو آسمان کی طرف نظر کرتے تھے اور نہ اِدھر اُدھر متوجہ ہوتے تھے۔“

تشریح: یعنی شروع شروع میں نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی اجازت تھی، بولنے کی بھی اجازت تھی، چلنے کی بھی اجازت تھی، نماز کے پورے اَحکامات ابھی نہیں آئے تھے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسمان کی طرف بھی

دیکھ لیا کرتے تھے، نماز میں دائیں بائیں بھی دیکھ لیا کرتے تھے، اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ ﴾ (المؤمنون)

ترجمہ: ''بے شک فلاح پائی اُن ایمان والوں نے، اپنی نماز میں جو خشوع کرنے والے ہیں۔''

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہوگیا تھا کہ نظر سجدے کی جگہ رہتی تھی، دائیں اور بائیں کبھی اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے نہیں پائے گئے، زمین پر اور سجدے پر نظر رہتی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی۔ نماز میں دائیں بائیں اور آسمان کی طرف دیکھنا بھی خشوع کے منافی ہے۔

ایک دفعہ ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے اور اپنی داڑھی کو دیکھ رہے تھے... بہت لوگوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ نماز پڑھتے ہوئے ان کے ہاتھ چل رہے ہوتے ہیں، کبھی کپڑے کو ٹھیک کر رہے ہوتے ہیں، کبھی داڑھی کو ٹھیک کر رہے ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ: اگر اس کے دِل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا، سکون، وقار، اطمینان اس کے اعضاء میں بھی ہوتا۔

ہاتھوں کا اس طرح چلنا اور نماز کے ظاہری اعضاء میں سکون اور سکوت کا نہ ہونا علامت ہے، اس بات کی کہ اس کے دِل میں بھی خشوع نہیں ہے۔

خشوع خضوع کیسے حاصل ہوتا ہے؟

[حدیث:۵۸۷] ''عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاِنَّهٗ بَيْنَ عَيْنَیِ الرَّحْمٰنِ فَاِذَا الْتَفَتَ، قَالَ لَهُ الرَّبُّ: يَا ابْنَ اٰدَمَ! اِلٰی مَنْ تَلْتَفِتُ اِلٰی خَيْرٍ لَّکَ مِنِّیْ؟ اِبْنَ اٰدَمَ! اَقْبِلْ عَلٰی صَلَاتِکَ فَاَنَا خَيْرٌ لَّکَ عَمَّنْ تَلْتَفِتُ اِلَيْهِ۔''

(کنز العمال ج:۷ ص:۵۰۵، حدیث:۱۹۹۸۵)

ترجمہ: ''جب بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو رحمٰن یعنی اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتے ہیں، جب بندہ اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری طرف سے نظر ہٹا کر کس کی طرف دیکھ رہے ہو؟ تمہارے لئے مجھ سے بہتر ہے جس کو دیکھ رہے ہو؟ میری طرف اِلتفات کرو، میں تمہارے لئے ان سے بہتر ہوں جن کی طرف تم اِلتفات کر رہے ہو۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری طرف سے نظر ہٹا کر کس کی طرف دیکھ رہے ہو؟ میں تو تمہارے سامنے ہوں میری طرف سے توجہ ہٹا کر کسی اور کی طرف اِلتفات کر رہے ہو؟ کس کی

طرف دیکھ رہے ہو وہ تمہارے لئے مجھ سے بہتر ہے جس کو دیکھ رہے ہو؟ میری طرف اِلتفات کرو، میں تمہارے لئے ان سے بہتر ہوں جن کی طرف تم اِلتفات کر رہے ہو۔''

آنحضرت ﷺ سے ایک صاحب نے کچھ نصیحتیں کرنے کو کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے کچھ نصیحتیں کیجئے۔ آپ ﷺ نے چند نصیحتیں فرمائیں اوران میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی:

''......اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ......''

(مشکوٰۃ ص:۴۴۵ بحوالہ مسند احمد)

ترجمہ: ''اور جب تو نماز کے لئے اُٹھے تو رُخصت کرنے والے کی نماز پڑھ۔''

''مودّع'' معنی رُخصت کرنے والا، وداع کرنے والا، الوداع کہنے والا، جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو الوداع کہنے والے کی نماز پڑھو، یہ الوداع کہنے والے کی نماز کا کیا مطلب؟ اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔

ایک مطلب یہ کہ تم دُنیا سے رُخصت ہو رہے ہو اور سب کو الوداع کہہ رہے ہو اور آخری نماز پڑھنے کا موقع تمہیں دیا جارہا ہے، جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو اس طرح نماز پڑھو کہ بس دُنیا کی یہ میری آخری نماز ہے، بس اس کے بعد پھر موقع نہیں ملے گا۔

اور بعض حضرات نے جیسا کہ حضرت شیخ نے بھی لکھا ہے کہ ''مودّع'' کے معنی رُخصت کرنے والا کہ دُنیا کے تمام اشغال کو، افکار کو، خواہشات کو، ہر چیز کو، ماسوا اللہ تعالیٰ کے رُخصت کردو، جب نماز کے لئے کھڑے ہوگئے تو باقی سب سے رُخصت ہوگئے، یعنی اب صرف ایک اللہ تعالیٰ سے معاملہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کے نماز وروزے کی کیفیت

[حدیث:۵۸۸] ''سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ عَنْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّیْلِ، فَقَالَ: مَا کُنَّا نَشَاءُ مِنَ اللَّیْلِ اَنْ نَرَاہُ مُصَلِّیًا اِلَّا رَأَیْنَاہُ وَمَا کُنَّا نَشَاءُ اَنْ نَرَاہُ نَائِمًا اِلَّا رَأَیْنَاہُ، وَکَانَ یَصُوْمُ مِنَ الشَّھْرِ حَتّٰی نَقُوْلَ: لَا یُفْطِرُ مِنْہُ شَیْئًا، وَیُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ: لَا یَصُوْمُ مِنْہُ شَیْئًا۔''

(صحیح بخاری: باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج:۱ ص:۱۵۴)

ترجمہ: حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا آنحضرت ﷺ کی رات کی نماز کے بارے میں، آپ نے فرمایا کہ جب ہم چاہتے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ سکتے تھے اور جب ہم چاہتے حضور ﷺ کو لیٹا ہوا دیکھ سکتے تھے، جب چاہتے

آنحضرت ﷺ کو روزے کی حالت میں دیکھ سکتے تھے اور جب چاہتے آنحضرت ﷺ کو افطار کے وقت دیکھ سکتے تھے۔

تشریح: عجیب بات تھی کہ جب ہم چاہتے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ سکتے تھے اور جب ہم چاہتے حضور ﷺ کو لیٹا ہوا دیکھ سکتے تھے، جب چاہتے آنحضرت ﷺ کو روزے کی حالت میں دیکھ سکتے تھے اور جب چاہتے آنحضرت ﷺ کو افطار کے وقت دیکھ سکتے تھے۔ غرض آنحضرت ﷺ کے شب و روز کی کیفیت ہمارے سامنے تھی، آپ ﷺ شریعت اور فطرت کے جامع تھے۔

نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف ایک آیت پر پوری رات گزار دی:

[حدیث: ۵۸۹] ”عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃً حَتّٰی اَصْبَحَ بِاٰیَۃٍ وَالْاٰیَۃُ: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾“ (مشکوٰۃ ص: ۱۰۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ پوری رات نماز میں کھڑے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی، اور صرف یہ آیت پڑھتے رہے کہ: اگر آپ ان کو بخش دیں تو یہ لوگ آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ عذاب دینا چاہتے ہیں تو آپ عزیز و حکیم بھی ہیں۔“

پوری رات آنحضرت ﷺ روتے رہے اور یہ آیت شریفہ پڑھتے رہے۔

تشریح: ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ کو تکلیف بہت زیادہ ہے، طبیعت بوجھل ہے، ارشاد فرمایا: اس کے باوجود میں نے تہجد میں سات لمبی سورتیں پڑھی ہیں، قرآن کریم کی ان سات طویل سورتوں میں سے صرف سورۃ البقرۃ ہی ڈھائی پارے کی ہے، اس کے باوجود میں نے سات لمبی سورتیں پڑھی ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

[حدیث: ۵۹۰] ”عَنْ حُذَیْفَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ فَافْتَتَحَ الْبَقَرَۃَ، فَقُلْتُ: یَرْکَعُ عِنْدَ الْمِائَۃِ، قَالَ: ثُمَّ مَضٰی، فَقُلْتُ: یُصَلِّیْ بِھَا فِیْ رَکْعَۃٍ، فَمَضٰی فَقُلْتُ: یَرْکَعُ بِھَا، ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ فَقَرَأَھَا ثُمَّ افْتَتَحَ اٰلَ عِمْرَانَ فَقَرَأَھَا، یَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا، اِذَا مَرَّ بِاٰیَۃٍ فِیْھَا تَسْبِیْحٌ سَبَّحَ، وَاِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ، وَاِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ، ثُمَّ رَکَعَ فَجَعَلَ یَقُوْلُ: سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ، فَکَانَ رُکُوْعُہٗ نَحْوًا مِنْ قِیَامِہٖ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، ثُمَّ قَامَ

طَوِیْلًا قَرِیْبًا مِمَّا رَکَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَقَالَ: سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، فَکَانَ سُجُوْدُہٗ قَرِیْبًا مِنْ قِیَامِہٖ۔" (صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۶۴)

ترجمہ: "یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مجھے کیا سوجھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نیت باندھ لی، سورۂ بقرہ شروع کردی، میں نے کہا کہ سو آیتیں پڑھ کر رکوع کردیں گے، لیکن آپ پڑھتے رہے، میں نے کہا کہ: سورۂ بقرہ ایک رکعت میں پڑھ لیں گے، لیکن پھر آپ پڑھتے رہے، سورۂ آل عمران بھی پڑھی اور سورۂ نساء بھی پڑھی (اور پڑھی بھی اس طرح نہیں جس طرح رمضانی حافظ پڑھتے ہیں، بلکہ) جہاں پناہ مانگنے کی آیت آتی، اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے، جہاں کوئی رحمت کی آیت آتی، آپ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے، یعنی آرام آرام سے سوچ سوچ کر اور ہر آیت کا حق ادا کرتے ہوئے ایک ہی رکعت میں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء پڑھی، نماز پڑھنے کے بعد میں نے کہا: حضرت! آج تو میں بھی پھنس گیا، اب نہ نماز توڑ سکتا ہوں اور نہ چل سکتا ہوں، میری کمر اتنی دکھنے لگی کہ میں سیدھا نہیں ہوسکتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم پیچھے کھڑے ہو تو میں نماز کو مختصر کرلیتا۔ (یہ وہ چیز ہے کہ جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے)۔"

ایک روایت میں ہے:

[حدیث:۱۵۹] "عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا اَنَّھَا ذُکِرَ لَھَا اَنَّ نَاسًا یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ فِی اللَّیْلَۃِ مَرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ، فَقَالَتْ: اُولٰئِکَ قَرَؤُوْا وَلَمْ یَقْرَؤُوْا! کُنْتُ اَقُوْمُ مَعَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ التَّمَامِ فَکَانَ یَقْرَأُ بِالْبَقَرَۃِ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءِ، فَلَا یَمُرُّ بِاٰیَۃٍ فِیْھَا تَخْوِیْفٌ اِلَّا دَعَا اللہَ وَاسْتَعَاذَ، وَلَا یَمُرُّ بِاٰیَۃٍ فِیْھَا اسْتِبْشَارٌ اِلَّا دَعَا اللہَ وَرَغِبَ اِلَیْہِ۔" (مجمع الزوائد ج:۲ ص:۲۷۲)

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے کہا کہ: سنا ہے کچھ لوگ ایک رات میں قرآن کریم ختم کرلیتے ہیں، اور بعض دو دفعہ ختم کرلیتے ہیں! فرمایا: انہوں نے پڑھا بھی اور نہیں بھی پڑھا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھی، پوری رات قیام فرماتے تھے سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ

نساء اکٹھی پڑھتے تھے، جس آیت میں تخویف ہوتی وہاں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے، جہاں کوئی ایسی بات ہوتی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے، جہاں کوئی خوشخبری کی آیت ہوتی وہاں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رغبت کرتے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کی نمازوں کا یہ تو صحت میں حال تھا، مرض الوفات میں یہ ہوا کہ بار بار غشی آتی تھی، اس کے بعد ہوش آتا تو آپ سوال کرتے: لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا جاتا: نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ پھر غشی ہوجاتی پھر ہوش آتا تو پوچھتے: لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ کئی بار اس طرح ہوا تو ارشاد فرمایا کہ: ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے کہا: یا رسول اللہ! ابوبکر کمزور آدمی ہے، رونا بھی ان کو بہت آتا ہے، جب ان کو یہ خیال آئے گا کہ آنحضرت ﷺ نماز نہیں پڑھانے آئے تو ان سے برداشت نہیں ہو سکے گا، آپ کسی اور کو فرما دیجئے وہ نماز پڑھائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّکُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبَ یُوْسُفَ!“ (بخاری ج:۱ ص:۹۹) تم یوسف کی سہیلیاں معلوم ہوتی ہو، وہ عورتیں زنانِ مصر زلیخا کے پاس سفارش کرتی تھیں، لیکن ہر ایک کے دل میں اپنا اپنا مطلب تھا، ابوبکر کو کہو کہ نماز پڑھائے! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام پہنچایا گیا، انہوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائی ہیں، آنحضرت ﷺ باوجودیکہ دروازہ پاس تھا، لیکن تشریف نہیں لا سکتے تھے، ایک دن آنحضرت ﷺ کو کچھ طبیعت میں ہلکا پن محسوس ہوا تو دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور آپ کے پاؤں لکیریں کھینچتے ہوئے جارہے تھے، زمین پر پاؤں نہیں رکھ سکتے تھے، ان دونوں صاحبوں کو فرمایا کہ: مجھے ابوبکر کے برابر میں بٹھادو!

امام کس طرف کھڑا ہوتا ہے؟ یعنی اگر دو آدمی نماز پڑھنے والے ہوں تو امام کس طرف کھڑا ہوتا ہے؟ امام بائیں طرف کھڑا ہوتا ہے ناں! اس لئے فرمایا بائیں طرف مجھے بٹھانا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ:

”...... یَقْتَدِیْءُ اَبُوْبَکْرٍ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مُقْتَدُوْنَ بِصَلٰوۃِ اَبُوْبَکْرٍ۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۹۹)

ترجمہ: ”لوگ اِقتدا کر رہے تھے ابوبکر کی، ابوبکر اِقتدا کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ کی۔“

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکبّر تھے اور جس جگہ ابوبکر کی قراءت کی آواز پہنچی تھی وہیں سے آنحضرت ﷺ نے آگے سے شروع کردی، یہیں سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ بھی حل ہوگیا، تو اس طرح آنحضرت ﷺ نے وہ نماز پڑھائی۔

بلا عذر تارک نماز کا حکم

[حدیث: ۵۹۲] ”عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ۔“

(کنز العمال ج:۷ ص:۲۸۰، حدیث نمبر: ۱۸۸۷۲)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑ دیا وہ کافر ہوگیا۔“

تشریح: علماء اس کی تاتشریح کرتے ہیں کہ جس نے نماز چھوڑی اس نے کفر کا کام کیا، یا کفر کے قریب پہنچ گیا، لیکن حدیث کے الفاظ یہی ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ:

”اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ۔“ (ترمذی شریف ج:۲ ص:۸۶)

ترجمہ: ”آدمی اور کفر کے درمیان فاصلہ اور فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔“

بہرحال اگر کوئی آدمی بغیر عذر کے نماز چھوڑتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص جان بوجھ کر ایک نماز قضا کرنے سے مرتد ہوگیا، یہ حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے امام کا فتویٰ ہے، جن کی لوگ گیارہویں دیتے ہیں! لوگوں کا بھی عجیب حال ہے، نماز تو پڑھتے نہیں لیکن گیارہویں دیتے ہیں، یہ ان کے امام کا فتویٰ ہے! وہ فرماتے ہیں کہ نہ یہ آدمی توبہ کرسکتا ہے اور نہ ہی قضا کرنے سے اس کا گناہ اتر سکتا ہے، اتنا سنگین فتویٰ ہے! وہ فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے نماز چھوڑنے والا مرتد ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: ”مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ!“ (طبرانی بحوالہ اتحاف ج:۳ ص:۱۰) (جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کردیا، وہ کافر ہوگیا)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے بے نمازی کو کافر تو نہیں کہیں گے لیکن وہ واجب القتل ہے، لہٰذا اس کو قتل کیا جائے گا۔

شرح مہذب میں امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ہمارے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی تارکِ صلوٰۃ کے قتل کا حکم دیتے ہیں اور ہم بھی، لیکن ہم اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے بطورِ سزا قتل کا حکم دیتے ہیں، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو مرتد سمجھتے ہوئے واجب القتل قرار دیتے ہیں، اس لئے اس کو قتل کرنے کے بعد ہمارے نزدیک اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

ہمارے نزدیک اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔

جان بوجھ کر نماز قضا کر دینا شریعت کی نظر میں بہت سنگین جرم ہے، لیکن افسوس! کہ ہمارے نزدیک اس کی کوئی خاص اہمیت ہی نہیں، اچھے خاصے نمازیوں کو دیکھا ہے کہ اگر کوئی معمولی سا کام پیش آ گیا تو نماز چھوڑ دی اور سفر کی حالت میں تو شاید ہم پر ویسے بھی نماز معاف ہوجاتی ہے، اور عذر یہ تراشتے ہیں کہ جی یہاں جگہ کہاں ہے؟ یہاں ریل گاڑی میں کیسے نماز پڑھیں؟ یا اگر بس میں سفر کر رہے ہیں تو ہمارے پاس یہ بہانہ ہوتا ہے کہ بس والا گاڑی کھڑی نہیں کرتا، ہم کیسے نماز پڑھ سکتے ہیں، یہی صورتِ حال جہاز کی ہے؟

باجماعت نماز کی فضیلت واہمیت

[حدیث:۵۹۳] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قال قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔“

(رواہ البخاری: کتاب الأذان، بَاب فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ، حدیث: ۶۰۹)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا بڑھ جاتا ہے۔“

تشریح: یعنی جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس گنا ملتا ہے۔ سبحان اللہ!

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کی جماعت فوت ہوگئی تو اس بزرگ نے اپنے نفس سے کہا کہ اب تجھ سے ستائیس مرتبہ نماز پڑھواؤں گا۔ مثال کے طور پر اگر چار رکعت کی نماز تھی تو ستائیس مرتبہ چار رکعتیں پڑھواؤں گا، فرض تو ایک ہی ہوگا باقی تجھ پر نفل جرمانہ کروں گا۔ چنانچہ اس بزرگ نے ایسا ہی کیا، ستائیس مرتبہ نماز پڑھ چکے تو غیب سے آواز آئی کہ تم نے بڑی محنت کر لی، تمہیں جماعت کی نماز کا ثواب تو عطا فرما دیں گے لیکن جب امام نے کہا تھا: ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ اور پیچھے مقتدیوں نے کہا تھا: آمین! اور اس آمین کہنے میں فرشتے بھی شامل تھے، ان فرشتوں کی دُعا کو کہاں سے لاؤ گے؟ نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا اور جماعت کے ساتھ پڑھنا یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے!

حضرت مولانا محمد اِدریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر تھے، ان کی تفسیر ”معارف القرآن“ بھی ہے، بخاری شریف کی بھی شرح لکھ رہے تھے، بیضاوی شریف کی بھی شرح لکھی، بہت بڑے فاضل تھے، ان کی تقریر سن کر ایسے معلوم ہوتا تھا کہ علّامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ پیدا ہوگئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا علم عطا فرمایا تھا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ رجالِ آخرت میں سے ہیں، ان کو دُنیا کا کچھ پتا نہیں ہے۔ مظاہر العلوم

میں غالباً مقاماتِ حریری پڑھتے تھے، بعد میں انہوں نے اس کتاب کی شرح بھی لکھی تھی، ایک دن اُستاذ نے سبق کے وقت کسی کام سے بھیج دیا، آنے میں دیر ہوگئی، اب یہ بیٹھ کر رونے لگے، اُستاذ نے شفقت کے طور پر ان سے فرمایا کہ: بھئی! سبق میں نے پڑھایا ہے، میں پورا سبق دوبارہ پڑھادوں گا، آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں، اُستاذ سے کہنے لگے: حضرت! بات سبق کی نہیں، وہ تو میں خود بھی مطالعہ کر کے نکال لوں گا، مگر مجھے جس چیز کا غم ہے وہ یہ بات ہے کہ درس کے وقت جو جماعت بیٹھی ہوئی پڑھ رہی تھی اس پر جو برکت نازل ہو رہی تھی اس برکت کو میں دوبارہ کیسے حاصل کروں گا؟ درس کے وقت جو جماعت پڑھ رہی تھی اور ان پر حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے جو ایک خاص سکینت نازل ہورہی تھی وہ میں اب کیسے حاصل کروں گا؟ اس پر مجھے رونا آرہا ہے۔ یہ تھے ہمارے اکابر جن کی برکت سے یہ دین ہمیں ملا ہے۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت والوں کی ایک نماز بھی قضا نہیں ہوئی جماعت کے ساتھ، آپ کی چارپائی کو لاکر مسجد میں صف کے برابر میں رکھ دیا جاتا تھا اور اسی طرح لیٹے لیٹے آپ نماز پڑھتے تھے، بیٹھ نہیں سکتے تھے، ایک بھی نماز جماعت کے ساتھ قضا نہیں ہوئی، ہمیں تھوڑا سا سر کا درد ہوجائے، تھوڑی سی تکلیف ہوجائے، تو بس نماز کا ناغہ! اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا اہتمام نصیب فرمائے، آمین!

نماز کو اوّل وقت میں پڑھنا افضل عمل ہے

[حدیث: ۵۹۴] ’’اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِھَا!‘‘

(مشکوٰۃ ص: ٦١)

ترجمہ: ’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اوّل وقت پر نماز پڑھنا! اور ایک روایت میں ہے کہ: وقت پر نماز پڑھنا!‘‘

تشریح: اس حدیث کے پیشِ نظر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کو اول وقت پر پڑھنا چاہئے۔ ہم نے کہا کہ: حضرت! اول وقت سے مراد مستحب وقت ہے، مستحب وقت کے اول میں نماز پڑھنا افضل ہے، اس کا راز یہ ہے کہ یہ جو اوقاتِ پنج گانہ ہیں، ان اوقات میں حق تعالیٰ شانہٗ کی خاص تجلیات کا ظہور ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے خاص عنایات ہوتی ہیں اور ان اوقاتِ پنج گانہ میں جو نمازیں فرض کی گئی ہیں وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آتا ہے کہ آؤ عنایت اور رحمتِ الٰہی کا لنگر تقسیم کیا جارہا ہے تم بھی اپنا حصہ لے لو، لیکن تم نماز باجماعت کے لئے نہیں گئے جس کی وجہ سے ان عنایات اور رحمتِ الٰہی سے محروم رہے، اللہ تعالیٰ کو تمہاری چار رکعت کی ضرورت نہیں تھی، وہ تو تمہیں کسی خاص مقصد کے لئے بلوا رہے

تھے، تم نے وہ وقت ہی ٹال دیا۔ اس لئے نماز کو اول وقت میں پڑھنے کی اور جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فکر کرنی چاہئے، اس کا اہتمام ہونا چاہئے، سفر میں بھی اس کو معمولی چیز نہ سمجھو۔

چالیس دن تک تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اجر

[حدیث: ۵۹۵] ”مَنْ صَلّٰی لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَۃٍ یُدْرِکُ التَّکْبِیْرَۃَ الْاُوْلٰی کُتِبَ لَہٗ بَرَاءَتَانِ، بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔“

(ترمذی ج: ۱ ص: ۳۳)

ترجمہ: ”جو شخص چالیس دن تکبیر تحریمہ کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھے (کل دوسو نمازیں ہوئیں پانچ وقت کی نماز تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھے اس طرح کہ درمیان میں ناغہ نہ ہو) اس کے لئے دو پروانے لکھ کر دے دیئے جاتے ہیں، دو سندیں اس کو عطا کردی جاتی ہیں، ایک یہ کہ یہ شخص دوزخ سے بَری ہے، دوسرا یہ کہ یہ شخص نفاق سے بَری ہے، منافق نہیں ہے، پکا ایماندار ہے۔“

تشریح: اگر تم توجہ الی اللہ کے ساتھ چالیس دن نماز پڑھ لو، خیالات کے پیچھے مت جاؤ تو اِن شاءاللہ دیکھو تمہارے ذہن کی کیسی صفائی ہوتی ہے۔

نفاق سے بَری ہوجاؤ گے اور دوزخ سے بَری ہوجاؤ گے، تو اِن شاءاللہ گندے خیالات سے بھی بری ہوجاؤ گے، لیکن شرط یہ ہے کہ متوجہ رہو۔

متوجہ رہنے کا یہ معنی نہیں کہ تم دنیا و مافیہا سے غافل ہوجاؤ، نہیں! خیالات آئیں گے، تمہارا ذہن ان کے پیچھے لگ جائے گا، پہنچ جائے گا لالوکھیت، پھر اس کو واپس لے آؤ، وہاں سے پکڑ کر واپس لے آؤ، کہو کہ بدبخت! تو اللہ کے سامنے کھڑا ہے، وہ پھر بھاگے گا پھر لے آؤ، پھر بھاگے گا پھر لے آؤ، اس کو بھاگنے کا کام کرتے رہنے دو اور تم اس کو پکڑ کر لانے کا کام کرتے رہو۔ اکابر فرماتے ہیں تمہیں اس طرح کرنے سے پوری کامل نماز کا ثواب ملے گا، ایک ذرّہ بھی کم نہ ہوگا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نوراللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ سجدے میں جاکر ایک لمحے کے لئے تمہیں حضوری حاصل ہوگئی کہ میں اللہ کے سامنے سجدہ کر رہا ہوں، بس تمہارا کام بن گیا، اِن شاءاللہ! اللہ پاک اس کو ضائع نہیں کریں گے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے برے لوگ وہ ہیں جو نماز کو نہیں آتے، مگر پیٹھ پھیرتے ہوئے، منہ گھر کی طرف ہوتا ہے اور پشت مسجد کی طرف ہوتی ہے یعنی بظاہر منہ مسجد کی طرف ہوتا

ہے، لیکن ان کے خیالات اوران کے دل کا رخ اس وقت بھی گھر کی طرف رہتا ہے، مسجد کی طرف نہیں۔

عشاء اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنے پر تمام رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے

[حدیث:۵۹۶] ”عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِیْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ۔“

(رواہ مسلم: کتاب المساجد، بَاب فَضْلِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، حدیث: ۱۰۴۹)

ترجمہ: ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو اس نے گویا آدھی رات قیام کیا، اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا اس نے تمام رات تہجد کی نماز پڑھی۔“

تشریح: اس حدیث میں فجر اور عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے گویا آدھی رات کا قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز بھی جماعت سے پڑھ لی یعنی عشاء کی پڑھی تھی فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لی، اس نے گویا پوری رات کا قیام کیا۔

اس حدیث کا قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب بیداری اور نمازِ تہجد کے فضائل بیان فرمارہے تھے، تو کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں، سارا دن کام کرتے ہیں، تھک جاتے ہیں، رات کو آنکھ نہیں کھلتی، تہجد نہیں پڑھی جاتی، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی گویا اس نے آدھی رات کا قیام کیا، اور جس نے فجر بھی جماعت سے پڑھ لی، گویا اس نے پوری رات قیام کیا، یعنی ادنیٰ درجہ شب بیداری کا یہ ہے کہ عشاء کی جماعت اور فجر کی جماعت فوت نہ ہو۔ اس شخص کو بھی حق تعالیٰ شانہٗ شب بیداری کرنے والوں میں شامل فرمادیں گے، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب نوراللہ مرقدہٗ ایک عجیب بات ارشاد فرماتے تھے:

قرانِ کریم میں ہے:

﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝۲۳﴾ (المعارج)

ترجمہ: ”وہ لوگ جو کہ اپنی نماز پر دوام کرتے ہیں۔“

اس کا مشہور مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں، نماز قضا نہیں کرتے۔ حضرت فرماتے تھے کہ: اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ ہمیشہ نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ پھر فرماتے: ہمیشہ کیسے نماز پڑھتے رہتے ہیں؟ فرمایا کہ: مسلمان آدمی کسی وقت بھی نماز کی حالت سے خالی نہیں، اس لئے کہ جب

اس نے فجر کی نماز پڑھی تو اسی وقت سے وہ ظہر کے انتظار میں بیٹھا ہے کہ ظہر کا وقت آئے تو نماز پڑھیں، ظہر پڑھ کر عصر کی، عصر پڑھ کر مغرب کی، مغرب پڑھ کر عشاء کی اور پھر اس کے بعد فجر کی نماز کے انتظار میں لگ گیا، اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ نماز میں رہتا ہے جب تک کہ نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: نماز کے انتظار میں بیٹھنا بھی نماز کے حکم میں ہے، جب ہم نے فجر کی نماز پڑھی اور اس وقت سے ظہر کے انتظار میں لگ گئے تو اسی وقت سے مسلسل تمہیں نماز کا ثواب ملتا رہے گا، تو عشاء کی نماز آپ نے جماعت کے ساتھ پڑھی اور اس وقت سے انتظار میں لگ گئے کہ فجر کا وقت آئے تو ان شاء اللہ فجر کی نماز جماعت سے پڑھوں گا، اس طرح گویا آپ کو پوری رات کے قیام کا ثواب مل گیا۔ نکتے کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان جب بھی مرتا ہے نماز کی حالت میں مرتا ہے، اس لئے کہ ایک نماز پڑھ کر دُوسری کے انتظار میں لگ جاتا ہے، اب کوئی دو نمازوں کے درمیان میں ہی موت آئے گی، اللہ کے کچھ خوش قسمت بندے وہ بھی ہیں جن کو عین نماز کی حالت میں موت آئی ہے، ان کو موت تو نماز میں آئی، بہت سے اکابر کے بارے میں منقول ہے کہ قیام کی حالت میں ان کو موت آئی، بعض حضرات کے بارے میں منقول ہے کہ سجدے کی حالت میں ان کو موت آئی، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس حالت میں آدمی مرے گا اسی حالت میں قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا، تو یہ حضرات تو خوش قسمت ہیں کہ جن کو نماز پڑھتے ہوئے موت آجائے، لیکن حکماً جس شخص نے نماز پڑھ لی اور اگلی نماز کی تیاری میں لگ گیا، وہ بھی حکماً نماز کے حکم میں ہے، اس حالت میں موت آئے گی تو ان شاء اللہ نماز کے انتظار میں موت آئے گی۔

جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے اس کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے

[حدیث:۵۹۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ مَا دَامَتِ الصَّلٰوةُ تَحْبِسُهٗ، لَا يَمْنَعُهٗ أَنْ يَّنْقَلِبَ إِلٰى أَهْلِهٖ إِلَّا الصَّلٰوةُ۔“

(متفق علیہ، کنز العمال حدیث:۲۲۸۱۷)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ایک آدمی ہمیشہ اپنی نماز میں رہتا ہے جب تک کہ نماز اس کو روکے ہوئے ہے، اس کو نہیں منع کرتی گھر لوٹنے سے سوائے نماز کے کوئی چیز نہیں۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے: آدمی جب تک مسجد میں بیٹھا ہوا نماز کے انتظار میں رہے وہ نماز ہی میں ہوتا ہے، جب تک کہ اس کو گھر لوٹنے سے کوئی چیز نہیں روکتی سوائے نماز کے۔ یعنی اپنے گھر واپس نہیں جا سکتا نماز کے انتظار کی وجہ سے اس وقت تک وہ نماز ہی کے حکم میں رہتا ہے، مسجد میں نماز کے انتظار میں

بیٹھنا یہ بہت بڑی فضیلت ہے، جتنے لمحات اس میں گزر جائیں گے وہ سب نماز میں لکھے جائیں گے۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے: میں نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی خواب میں، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا: ''یَا مُحَمَّد! فِیْمَا یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰی؟'' (العلل المتناھیۃ لابن جوزی، مختصر العلو)۔

اے محمد ﷺ ملأ اعلیٰ کے فرشتے اس وقت کس مسئلے میں گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: مجھے کچھ خبر نہیں! حق تعالیٰ شانہٗ نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا جیسا کہ اس کی شان کے مطابق ہوگا، ''فتجلی لی کل شیء'' اس وقت تمام چیزیں میرے سامنے روشن ہوگئیں۔ جس کو ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ چودہ طبق روشن ہوگئے، سات طبق آسمانوں کے اور سات زمین کے، پھر پوچھا کہ: اب بتاؤ کہ ملأ اعلیٰ کے فرشتے کس چیز میں گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ: ان کی گفتگو یہ ہو رہی ہے کہ آدمیوں کی غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ کن کن چیزوں سے ہوتا ہے؟ انسانوں کے گناہ کن کن چیزوں سے دھلتے ہیں؟ فرمایا کہ: اس کا کیا نتیجہ نکلا، میں نے کہا: ''اِنْتِظَارُ الصَّلٰوۃِ وَ کَثْرَۃُ الْخُطَا إِلَی الْمَسَاجِدِ''۔

نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا اور مسجد کی طرف کثرت سے قدم اُٹھانا، مسجد کی طرف کثرت سے قدم اُٹھانا اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، ایک تو یہ کہ کسی کا گھر مسجد سے دور ہے، دور سے چل کر مسجد میں آتا ہے تو اس کے قدم زیادہ لکھے جائیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ مسجد میں کثرت سے آمد و رفت رکھتا ہو تو مسجد کی طرف کثرت سے قدم اُٹھانا اور مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ جب بندہ نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھا ہو تو ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں، ''اللّٰھم اغفر لہ اللّٰھم ارحمہ'' یا اللہ اس کی بخشش فرما، اس پر اپنی رحمت فرما، ''مالم یؤذ ولم یحدث'' (ابن ماجہ) اس وقت تک وہ دُعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ اس کا وضو نہ ٹوٹے اور فرشتوں کو ایذا نہ ہو، تو مسجد میں بیٹھنے اور خصوصیت کے ساتھ نماز کے انتظار میں بیٹھنے سے فرشتے یہ دُعائیں کرتے ہیں، جتنی دیر بیٹھا رہے، دوسرے یہ نماز کے حکم میں لکھا جاتا ہے، تیسرے یہ مسجد (اللہ کے گھر) میں بیٹھنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار اور اس کی محفل میں بیٹھا ہے اس لئے اُکتانا نہیں چاہئے، لوگ اُکتا جاتے ہیں کہ ہمیں کام ہے مولوی صاحب وقت پر نہیں آتے، مولوی صاحب کو تو وقت پر آنا چاہئے اس کا تو میں بھی قائل ہوں، لیکن تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے، مولوی صاحب کی حمایت تو میں بھی نہیں کرتا، لیکن تمہارے اس خیال کی ضرور اصلاح کرنا چاہتا ہوں، وہ ہمارے ایک ظریف کہا کرتے تھے ایک من کی نماز ہوتی ہے اور ایک ٹن کی نماز ہوتی ہے، من کی نماز تو یہ کہ جب جی میں آئی پڑھ لی، اور ٹن کی نماز یہ کہ جب گھڑی نے ٹن کہا تو ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں ہوسکتی۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ٹن کی نماز نہیں تھی من کی نماز تھی، بلکہ آنحضرت ﷺ نمازیوں کا انتظار فرماتے تھے، اگر دیکھتے کہ نمازی جمع ہوگئے ہیں جلدی نماز

پڑھ لیتے تھے، اگر لوگوں کے آنے میں تاخیر ہوجاتی تھی تو تاخیر فرمادیتے تھے، وہاں گھڑی کی نماز نہیں تھی۔

ہماری مسجد میں، ختم نبوت کے دفتر میں ایک دن بجلی نہیں تھی، پانی کی قلّت ہوگئی، تو اس کی وجہ سے چند منٹ کی تاخیر ہوگئی تو ایک صاحب نے نماز کے بعد مجھ سے پوچھا کہ: نماز کا وقت کتنے بجے ہے؟ میں نے کہا: پونے دو بجے ہوتی ہے! کہنے لگے کہ: دیکھو! کیا وقت ہورہا ہے؟ میں نے کہا کہ: آج پانی نہ ہونے سے لوگوں کو وضو میں دِقت ہوگئی تھی اس لئے ہم نے ان کے انتظار کی وجہ سے چند منٹ تاخیر کرلی۔ اللہ ان کو خوش رکھے وہ اس جواب کو سن کر خاموش ہوگئے۔ آگے کچھ جرح نہیں کی۔

ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم

[حدیث:۵۹۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايُصَلِّيْ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوَابِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الصلاۃ، بَاب الصَّلَاةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، حدیث: ۸۰۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص نماز نہ پڑھے ایک کپڑے میں، اس طرح کہ اس کے کندھے پر اس میں سے کچھ بھی نہ ہو۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ: کوئی آدمی ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس طرح نہ پڑھے کہ کندھے پر کچھ نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ کندھے ڈھکے ہوئے نہ ہوں تو نماز مکروہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس کپڑے کم ہوتے تھے، بہت سے حضرات ایسے ہوتے تھے کہ ایک ہی لنگی پہنی ہوئی ہے، ایک ہی چادر پہنی ہوئی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ بتایا تھا کہ اگر ایک ہی چادر پہنی ہوئی ہے تو اس طرح استعمال کرو کہ گلے سے باندھ لو اور اس کا کچھ حصہ کندھوں پر بھی ڈال لو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنا دلچسپ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پڑھ رہے تھے مجھے بھی شوق ہوا میں بھی پیچھے کھڑا ہوگیا، لیکن میری لنگی (چادر) چھوٹی تھی میں اوپر بغل تک اس کو کرکے اور اس کے پلے ٹھوڑی سے دبائے ہوئے تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا فرمایا: جابر! اگر چادر چھوٹی ہو تو کمر پر باندھ لیا کرو، یعنی پشت کی جانب گرہ دے دیا کرو، اور بغل سے نکالا ادھر کا کونا اُدھر لے گئے اور اس طرف کا اُس طرف لے گئے کہ اس کا تھوڑا سا حصہ کندھوں پر بھی آجائے یہ اس صورت میں ہے جبکہ کپڑے کم ہوں، لیکن اگر اللہ کا شکر ہے کہ کپڑے بہت ہیں تو پھر حکم ہے: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الأعراف: ۳۱)۔

اپنی زینت لگا کر آؤ ہر مسجد کے پاس یعنی نماز کے پاس، علماء یوں کہتے ہیں کہ لوگوں کے پاس تین قسم کے کپڑے ہوتے ہیں، ہم تو سردی گرمی گھر میں اور باہر ایک ہی رکھتے ہیں، لیکن لوگوں کے کپڑے تین قسم کے ہوتے ہیں، کچھ کپڑے کام کاج کے ہوتے ہیں، کوئی مزدور ہے مزدوری کرتے وقت پہنتا ہے۔ دوسرے وہ ہے جو عام شریف مجلس میں شرکت کرتے وقت پہنتا ہے اور جو آدمی گھر میں بھی پہنتا ہے باہر جائے تو اس کو ہی پہنتا ہے اور تیسرے کپڑے وہ ہیں جو کبھی تقریبات میں جاتے وقت یا آدمی کہیں مہمان جائے اس وقت پہنے جاتے ہیں، تو عام نمازوں کے لئے وہ کپڑے ہونے چاہئیں جو پہن کر آدمی عام شریف مجلسوں میں جاتا ہے۔

جبکہ جمعہ اور عیدین کے لئے وہ کپڑے ہونے چاہئیں جن کو آدمی بطور مہمان جاتے وقت پہنتا ہے، کیونکہ نماز کے لئے آنا حقیقت میں اللہ سے ملاقات کے لئے آیا ہے تو اب چھچھورا پن اس سے ظاہر نہ ہو، اس لئے ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ سر بھی ننگا نہیں ہونا چاہئے، سر بھی ڈھک کر آنا چاہئے، اس لئے کہ بھلے زمانوں میں ننگے سر پھرنا عیب سمجھا جاتا تھا، اب تو انگریز ہم سے سب ہی کچھ لے گیا، ہماری تمام روایات لے گیا۔

میں نے اچھے اچھے سمجھ دار لوگوں کو دیکھا بازار میں چلیں گے سر ننگا ہے، دفتروں میں سر ننگا ہے، ٹوپی نہیں پہنتے، پہلے عمامہ گیا اس کے بعد ٹوپی گئی اب بالکل ننگے سر رہ گئے، فانا للہ وانا الیہ راجعون! اس زمانے میں تو لوگ ننگے سر ہی پھرتے ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں اپنے شیخ مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتا، بعض طلبہ بغیر ٹوپی کے رومال باندھے ہوئے ہوتے ہیں، میں کبھی حضرت کے سامنے رومال نہیں باندھتا تھا ٹوپی پہن کر جاتا تھا، مجھے شرم آتی تھی حضرت کی خدمت میں رومال باندھ کر جاتے ہوئے۔

ہمارے یہاں تو دستور ہے کہ کسی قابلِ احترام شخصیت کی خدمت میں جاؤ تو سر ڈھک کر جاؤ، اور انگریز کا دستور اُلٹا ہے، ٹوپی سر پر ہوتی ہے تو وہ بھی اُتار دیتے ہیں، ایسے بیہودہ لوگ ہیں، ان کے نزدیک احترام یہ ہے کہ اس کے سامنے ٹوپی اُتار دو، اور ہمارے نزدیک احترام یہ ہے کہ ان کے پاس ننگے سر نہ جاؤ۔

تو غرضیکہ ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ مسجد میں جاؤ تو جیسا کہ اللہ نے فرمایا نماز کے لئے آؤ تو زینت لگا کر آؤ، اب اگر تم تقریبات والی یا مہمان والی زینت نہیں کر سکتے تو عام زینت تو کرو جس میں تم کسی عام مجلس میں جاتے ہو، ایسی زینت تو کرو، اسی لئے ''ثیاب بذلہ'' یعنی کام کاج کے کپڑوں میں نماز مکروہ ہے، اور اسی لئے ننگے سر نماز مکروہ ہے، اور یہ بھی جو کٹی پھٹی ٹوپیاں ہیں (عموماً جو مساجد میں رکھی ہوئی ہوتی ہیں) ان میں بھی نماز مکروہ ہے، میں بعض نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ یہ ٹوپی پہن کر سسرال چلے جاؤ گے؟ یہ ٹوپی پہن کر

آدمی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چھولے بیچنے والا، لیکن ننگے سر سے میں پھر بھی اس کو اچھا سمجھتا ہوں، کم از کم احترام تو کیا۔

ہم تاشقند گئے تھے، وہاں ایک عورت تھی ہوٹل میں کام کرتی تھی، اب جیسے مغربی لباس ہے گھٹنے تک اور سر بھی ننگا لیکن وہ کہتی تھی کہ میں مسلمان ہوں، ہمارے سامنے جب بھی آتی تھی سر پر کپڑا ڈال لیتی تھی، چلو اتنا احترام تو کیا، چہرہ نہیں ڈھکتی تھی لیکن سر ڈھک لیتی تھی، معمر خاتون تھی۔

جس نے جماعت کی ایک رکعت پالی اس کو جماعت کا ثواب مل جائے گا

[حدیث: ۵۹۹] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ أَدْرَکَ الصَّلٰوةَ۔“ (رواہ البخاری : کتاب مواقیت الصلاۃ، بَاب مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً۔ حدیث: ۵۴۶)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے نماز کو پالیا۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص نماز کی ایک رکعت پالے اس کو نماز مل گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص فجر کی نماز کی ایک رکعت پالے، اس کو فجر کی نماز مل گئی اور جو شخص عصر کی نماز کی ایک رکعت پالے اس کو عصر کی نماز مل گئی (مشکوۃ حدیث ۵۵۴)۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص فجر کی ایک رکعت پالے سورج نکلنے سے پہلے اس کو فجر کی نماز مل گئی اور جو شخص عصر کی ایک رکعت پالے سورج کے غروب ہونے سے پہلے اس کو عصر کی نماز مل گئی (مشکوۃ حدیث ۵۵۳)۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پالے اس کو جمعہ کی نماز مل گئی (مشکوۃ)۔

اس حدیث کے کئی مطلب ذکر کئے گئے ہیں، ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ جماعت کے ثواب پر محمول ہے، یعنی اگر کسی شخص کو نماز کی ایک رکعت مل جائے تو اس کو جماعت کی نماز کا ثواب مل جائے گا، ایک رکعت سے مراد نماز کا کچھ حصہ ہے، ایک رکعت کی تخصیص نہیں، مگر چونکہ ایک رکعت کا مل جانا یہ بالکل واضح طور پر شرکت ہے اس لئے ایک رکعت کو ذکر کیا۔ اس لئے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک رکعت بھی مل جائے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، لیکن اگر کسی شخص نے آخری قعدہ میں شرکت کی سلام پھیرنے سے پہلے، تو جماعت میں شرکت کا ثواب تو اس کو مل گیا، مگر وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، اس لئے کہ اس نے امام کے ساتھ کوئی رکعت نہیں پائی۔

اور دوسرا مطلب اس حدیث شریف کا یہ لیا گیا ہے کہ یہ حدیث معذورین کے بارے میں ہے، یعنی جو پہلے نماز کے اہل نہیں تھے بعد میں نماز کے اہل ہو گئے، جیسے وقت کے اندر حیض والی عورت پاک ہوگئی، لڑکا بالغ ہوگیا، مجنون کو افاقہ ہوگیا، کافر مسلمان ہوگیا، اب خواہ ایک رکعت کا وقت باقی ہے اس کے ذمے نماز فرض ہوگئی، یہاں بھی ایک رکعت کی تخصیص نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ نماز کا ایک مطلق حصہ ادا کیا جا سکے حتّٰی کہ ''اللہ اکبر'' کہنے تک کا اتنا وقت باقی تھا تو اس پر نماز فرض ہوگئی، چنانچہ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ حیض والی عورت اگر اتنے تنگ وقت میں پاک ہو کہ وہ جلدی جلدی غسل کر کے ''اللہ اکبر'' کہے تو وقت ختم ہو جائے گا تو اس پر نماز فرض ہے، یعنی اس پر یہ نماز فرض ہوگئی اور اس پر اس نماز کی قضاء لازم ہے۔

ایک مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ ایک شخص نے وقت کے اندر نماز شروع کی اور اتنا وقت باقی تھا کہ اس نے وقت کے اندر ایک رکعت پڑھ لی تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

تین نمازوں کے بارے میں تو کوئی اشکال نہیں، ظہر کی نماز، مغرب کی نماز اور عشاء کی نماز میں کوئی اِشکال نہیں، اگر اتنا وقت باقی تھا کہ ایک رکعت اس نے ادا کر لی ظہر کے وقت کے اندر، پھر وقت نکل گیا تو نماز پوری کر لے نماز ہوگئی، یا مغرب کے وقت میں اتنا وقت باقی تھا کہ ایک رکعت پڑھ سکتا ہے تو پوری کر لے اور اسی طرح صبح صادق ہونے میں اتنا وقت باقی ہے کہ یہ شخص عشاء کی نماز کی ایک رکعت پڑھ سکتا ہے، کسی وجہ سے اس نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی، بے ہوش ہوگیا تھا یا سو گیا تھا، اب صبح صادق ہونے میں اتنا وقفہ باقی ہے کہ ایک رکعت پڑھ سکتا ہے تو وضو کر کے شروع کر دے، اس کی عشاء کی نماز ادا ہو جائے گی۔

یہاں سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو جائے گی جو ذرا نماز میں تاخیر ہو جائے تو کہتے ہیں کہ اب اکٹھی ہی پڑھ لیں گے۔ مثال کے طور پر مغرب کا وقت ایک گھنٹہ بیس منٹ رہتا ہے سورج کے غروب ہونے سے لے کر، اور اب آدھا گھنٹہ گزر گیا کہ اس نے کسی وجہ سے نماز نہیں پڑھی، اب یہ نماز کا اہتمام کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں: ''اب کس وقت کی نماز پڑھتے ہو؟ اب عشاء کے وقت اکٹھی ہی پڑھ لینا'' یہ بے وقوفی کی بات ہے، یا ایک گھنٹہ گزر گیا، یا فرض کرو کہ اب صرف پانچ منٹ باقی ہیں مغرب کا وقت ختم ہونے میں تو بغیر کسی عذر کے مغرب کی نماز کو مؤخر کرنا اتنا مکروہ تھا، اگر کسی مجبوری کی بنا پر نہیں کیا تو اس نے اچھا نہیں کیا، بُرا کیا، اور اگر کوئی مجبوری ایسی لاحق تھی تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، تاہم اگر پانچ منٹ بھی باقی ہیں مغرب کا وقت ختم ہونے میں اور اس وقت یہ مغرب کی نماز ادا کرے گا تو اس کی مغرب کی نماز ادا ہو جائے گی قضا نہ ہوگی، جبکہ اگر ایک رکعت ہی وقت کے اندر ادا کی تو اس کی نماز ادا ہوگی قضا نہ ہوگی، تو یہ بے چارے لوگوں کی ناواقفی ہے کہ نماز کے قضا کر دینے کو معمولی چیز سمجھتے ہیں کہ اب اکٹھی ہی پڑھ لینا۔

ابھی عشاء کا وقت شروع ہونے میں پانچ منٹ تو رہتے ہیں، ان کو معلوم نہیں ہے کہ نماز کو قضا

کر دینے میں کتنا نقصان ہے، اور اس پر کتنا وبال ہے؟

"اَلَّذِیْ تَفُوْتُهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَمَالُه" (صحیح بخاری)

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ وہ شخص جس کی عصر کی نماز فوت ہوجائے یعنی قضا ہوجائے اور سورج غروب ہوجائے، عصر کی نماز نہیں پڑھی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یوں سمجھ لو کہ اس کا اتنا نقصان ہوا کہ اس کا گھر ہی اُجڑ گیا، اور بچے و مال بھی سب تباہ و برباد ہوگئے، بیوی بچے سارے جل گئے بمع مکان کے، "أهله و ماله" کچھ بھی اس کے پاس باقی نہیں رہا، نہ مال نہ اولاد، اتنا بڑا نقصان ہوا اس شخص کا، لیکن ہماری ناواقفی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ: "کوئی بات نہیں، ہم اکٹھی پڑھ لیں گے" یہ بہت غلط خیال ہے اور اس کی اصلاح ہونی چاہیئے، نماز میں تاخیر نہ کرو، لیکن اگر ہوجائے تب بھی کوشش کرو کہ وقت کے اندر اَدا ہوجائے۔

تو تین نمازوں میں تو کوئی اشکال نہیں، دو نمازیں ایسی ہیں کہ اس میں اشکال پیدا ہوتا ہے، ایک فجر کی نماز، دوسرے عصر کی نماز۔ فجر کی نماز پڑھتے پڑھتے اگر سورج نکل آئے تو وہ نماز کا وقت نہیں ہے، آنحضرت ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، بے شمار احادیث ہیں جن میں منع فرمایا ہے کہ سورج نکلتے وقت اور سورج غروب ہوتے وقت نماز نہ پڑھو اور تیسرا جبکہ سورج سر پر ہو، یہ تین مکروہ وقت ہیں، اس وقت نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، لیکن اگر کسی نے فجر کی نماز شروع کی تھی ایک رکعت پڑھی تھی کہ سورج نکل آیا تو اسکی نماز ہوگی یا نہیں؟ بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اس کی نماز ہوگئی، اس حدیث کی بنا پر:

"مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا" (بخاری ۱:۱۵۱ مع زیادۃ مع الامام)

ترجمہ: "جس نے ایک رکعت بھی پالی تو اس نے پوری نماز پالی۔"

ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس کی نماز نہیں ہوگی، دوبارہ پڑھے، دوسرے ائمہ تو اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور انہوں نے ان تمام احادیث کو جن میں ممانعت فرمائی ہے رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھنے کی اس صورت کو اس سے مستثنیٰ کر دیا ہے، اور ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے ہی نہیں، وہ جو پہلے ہم دو مطلب بیان کر چکے ہیں وہ اس پر محمول ہے، یہ حدیث اس پر محمول نہیں، اس کو اِجتہاد کا اِختلاف کہتے ہیں۔

اور اگر کسی نے عصر کی نماز شروع کی اسی دوران مغرب کا وقت شروع ہوگیا تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ نماز ہوگئی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بڑی سخت تنقید کی ہے اور واقعی لوگوں کی عقل میں یہ بات آتی نہیں، بڑی مشکل ہے، جہاں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پہنچے ہیں وہاں کوئی پہنچے تو سمجھ میں آجائے گی، حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: فجر میں اور عصر میں فرق ہے، وہ فرق یہ ہے کہ سورج کے نکلنے سے ایک لمحہ پہلے وقت کامل تھا اور اس پر نماز کامل طور پر واجب ہوئی تھی، اب

وقت ناقص شروع ہوگیا جو نماز اس نے کامل شروع کی تھی اس کی ناقص ادا نہیں ہوگی، بخلاف عصر کے کہ عصر کے وقت میں جب سورج زرد ہوجاتا ہے، دُھوپ پیلی ہوجاتی ہے تو ناقص وقت شروع ہوجاتا ہے، اس وقت اگر کوئی نماز شروع کرے گا تو نماز ہی ناقص ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''تِلْکَ صَلوٰۃُ الْمُنَافِقِ! تِلْکَ صَلوٰۃُ الْمُنَافِقِ! تِلْکَ صَلوٰۃُ الْمُنَافِقِ!''

(رواہ مسلم)

ترجمہ: ''یہ منافق کی نماز ہے! یہ منافق کی نماز ہے! یہ منافق کی نماز ہے!''

تین بار فرمایا، عرض کیا گیا: کونسی؟ فرمایا کہ: اپنے کام میں آدمی مشغول رہے یہاں تک کہ جب سورج پیلا ہوجائے اور غروب کے قریب ہوجائے تو اُٹھے اور: ''فَنَقَرَھَا أَرْبعاً کَنَقْرِ الدِّیْکِ'' مرغ کی طرح چار ٹھونگیں لگادے، سجدہ کیا کرے گا بے چارہ اس وقت ٹھونگیں ہی لگائے گا، ''فَنَقَرَھَا أَرْبعاً کَنَقْرِ الدِّیْکِ'' (رواہ مسلم) مرغے کی طرح چار ٹھونگیں لگادیں، یہ منافق کی نماز ہے۔

اور یہ بے چاری عورتیں، اللہ معاف کرے، اس میں بہت ہی مبتلا ہیں، بیٹھی رہیں گی، کام کرتی رہیں گی، خوش گپیوں میں لگی رہیں گی اور جب سورج غروب سے قریب پہنچ جائے گا تو پھر چار ٹھونگیں لگادیں گی۔ یہ منافق کی نماز ہے، مؤمن کی نہیں، اسی لئے عورتوں کو حکم ہے کہ وہ اوّل وقت میں نماز پڑھیں، مردوں کو تو حکم یہ ہے کہ ظہر کی نماز گرمیوں میں تأخیر سے پڑھیں، ٹھنڈی کرکے پڑھیں، سردیوں میں جلدی پڑھا کریں، عصر کی نماز ہمیشہ دیر سے پڑھیں، تقریباً سورج غروب ہونے سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے، فجر کی نماز اِسفار میں یعنی دن کی روشنی میں پڑھیں اور عشاء کی نماز تہائی رات گزرنے پر پڑھنا افضل ہے، لیکن بشرطیکہ لوگوں کو مشقت اور تنگی نہ ہو، ورنہ جلدی پڑھنی چاہیۓ، یعنی وقت ہونے کے بعد البتہ مغرب کی نماز میں ہمیشہ جلدی مستحب ہے، حدیث میں آتا ہے:

''لَا یَزَالُ أُمَّتِیْ بِخَیْرٍ أَوْ عَلَی الْفِطْرَۃِ مَالَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ'' (رواہ ابوداوٗد)

ترجمہ: ''میری اُمّت ہمیشہ خیر پر رہے گی جب تک کہ وہ مغرب کی نماز کو جلدی پڑھتے رہیں (سورج غروب ہونے کے فوراً بعد مغرب کی نماز پڑھنا مستحب ہے)۔''

یہ حکم ہے مردوں کے لئے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے یہ اوقات مستحب ہیں، لیکن عورتوں کو چونکہ مسجد میں نہیں جانا اس لئے ان کو حکم یہ ہے کہ تمام نمازیں اول وقت میں پڑھیں، یہی ان کے لئے افضل ہے، جو عورتیں نماز پڑھتی ہیں وہ بیچاریاں بھی اس میں کوتاہی کرتی ہیں، یہ نماز کا اہتمام نہیں، نماز پڑھتی تو ہیں مگر نماز کا اہتمام نہیں کرتیں، پڑھ لیتی ہیں۔

امام ابوداوٗد رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابی داوٗد میں ایک راوی کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے درمیان سند میں

کوئی راوی آ گئے تھے، لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ یہ کیسا آدمی ہے؟ امام ابوداؤد سند نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ بہت اچھا آدمی ہے، یہ حداد تھے یعنی لوہے کا کام کرتے تھے، ان کی عادت شریفہ یہ تھی کہ اگر ہتھوڑا اُوپر اُٹھایا ہوا ہو اور اَذان کی آواز آجائے تو لوہے پر نہیں مارتے، وہیں چھوڑ دیتے اور اُٹھ کر نماز کے لئے چلے جاتے ہیں، لوہا گرم کیا ہوا ہے اس کو کوٹ رہے ہیں، ہتھوڑا اُٹھایا ہوا ہے، اب اس کو لوہے پر نہیں ماریں گے بلکہ اس کو نیچے رکھ دیا اور اسی حالت میں اُٹھ کر نماز کے لئے چل دیتے ہیں۔

تو غرضیکہ عصر کی نماز اگر کوئی شخص تاخیر سے شروع کرے تو یہ منافق کی نماز ہے، حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے منافق کی نماز شروع کی تو جیسی شروع کی ہے ویسے ہی پوری بھی کرلے۔

پنج گانہ نماز کے اوقات اور اس کی حکمتیں

[حدیث:۲۰۰] ”وَاِنَّ لِلصَّلَاةِ وَقْتًا اِشْتَرَطَهُ اللهُ فَلَا تُصْلِحُ اِلَّا بِهٖ فَوَقْتُ صَلَاةِ الْفَجْرِ حِيْنَ يُزَايِلُ الْمَرْءَ لَيْلُهُ وَيَحْرُمُ عَلَى الصَّائِمِ طَعَامُهُ فَأْتُوْهَا حَظَّهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الظُّهْرِ اِذَا كَانَ الْقَيْظُ فَحِيْنَ تَزِيْغُ عَنِ الْفَلَكِ حَتّٰى يَكُوْنَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ ...... مَعَ شُرُوْطِ اللهِ فِى الْوُضُوْءِ وَالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ“

(کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۲۱۳)

ترجمہ: ”اور بے شک نماز کے لئے وقت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے شرط قرار دیا ہے، لہٰذا نماز وقت کے بغیر ادا نہیں ہوتی (بے وقت نماز ادا نہیں ہوتی)۔ فجر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے جب رات ختم ہوجاتی ہے اور جس وقت روزے دار پر کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے، یعنی صبح صادق ہوجاتی ہے، اس عرصہ میں اس نماز کو اس کا حصہ قرآن سے دیا کرو، اور ظہر کی نماز کا وقت جب سورج ڈھل جائے، یہاں تک کہ تیرے دائیں طرف آجائے، وضو، رکوع اور سجود میں اللہ کی شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے۔“

تشریح: نماز فجر کی سنّت صرف دو ہی رکعتیں رکھی گئی ہیں، اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان دو رکعت سنّت کے علاوہ سورج نکلنے تک فرضوں سے پہلے بھی اور فرضوں کے بعد بھی کسی دوسری نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، گویا صبح صادق سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک دو رکعت فرض اور دو رکعت سنّت کے علاوہ کوئی نفل نماز جائز نہیں۔ صبح صادق کے بعد فجر کی نماز تک دو رکعت فرض کے علاوہ صرف دو سنتیں پڑھنے کی اجازت ہے، نفل وغیرہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔ ہاں! نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی قضا نمازیں رہتی ہوں تو اس وقت ان کے پڑھنے کی بھی اجازت ہے، لیکن لوگوں کے سامنے نہ پڑھے، اپنے

گھر میں جا کر پڑھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے اوقات میں فرض نماز کی رکعتیں بھی زیادہ ہیں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ نوافل کی بھی اجازت دی گئی ہے، سنتیں بھی ہیں، نفل پڑھنے کی بھی اجازت ہے، جتنے چاہے نفل پڑھو، جبکہ اس وقت صرف دو رکعتیں فرض اور اس سے پہلے صرف دو سنّت پڑھنے کی اجازت ہے اور کچھ نہیں تو آخر ایسا کیوں؟

جواب: یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ فجر کی نماز کو لمبا کیا جائے، جیسا کہ قرآن کریم نے فجر کی نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝۷۸﴾ (بنی اسرائیل)

ترجمہ: ’’(اور پابندی کرو) فجر کے قرآن کی، بے شک فجر کا قرآن پڑھنا ایسا ہے کہ اس وقت فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے۔‘‘

اس لئے فجر کی نماز لمبی پڑھنے کا حکم ہے۔

اس کے بعد ظہر کا وقت ذکر فرمایا کہ سورج جب ڈھل جائے اس وقت ظہر کی نماز پڑھو، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج اوپر ہو، خوب روشن ہو، ابھی دھوپ کی گویا ایک درجے میں گرمی باقی ہو اور سورج غروب ہونے میں اتنا وقت باقی ہو کہ آدمی دو فرسخ کا فاصلہ چل سکے یا اونٹ پر سوار ہو کر چھ میل کی مسافت طے کر سکے۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، عصر کی نماز پڑھ کر تقریباً ایک گھنٹہ میں یہ سفر ہو جائے گا۔

مغرب کی نماز پڑھو جوں ہی کہ سورج غروب ہو جائے اور عشاء کی نماز پڑھو جبکہ رات کی تاریکی چھا جائے اور افق کی سرخی جاتی رہے۔ اس وقت سے لے کر تہائی رات کے اندر اندر تک نماز پڑھو۔

عشاء کی نماز سے پہلے سوؤ نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ’’فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ‘‘ (مشکوٰۃ ص:۶۰) (جو شخص اس (عشاء کی نماز سے پہلے سو گیا، اللہ کرے) اس کی آنکھ نہ لگے، اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کو نہ سلائے)۔ آپ ﷺ نے بددعا فرمائی کہ اللہ کرے اس کو سونا نصیب نہ ہو جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو گیا۔

یہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ نماز کا وقت ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی، اور اگر نماز کا وقت گزر گیا تو نماز قضا سمجھی جائے گی اور قضا پڑھنی پڑے گی۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ وقت کا گزر جانا کبھی عذر کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ اس کو یاد ہی نہیں رہا کہ مجھے نماز پڑھنی ہے اور کبھی آدمی کو کسی کام میں ایسی مشغولیت ہوتی ہے کہ اس کام سے ہٹ نہیں سکتا۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر، مریض کا آپریشن کر رہا تھا، وہ آپریشن اتنا لمبا ہو گیا کہ ڈاکٹر اس کو نہ درمیان میں چھوڑ سکتا ہے اور نہ ہی

نماز پڑھ سکتا ہے۔ یا مثال کے طور پر مسلمان حالتِ جنگ میں ہیں اور کوئی شکل ایسی بھی نہیں ہو سکتی کہ دو جماعتیں بنا کر صلوٰۃ الخوف پڑھ لی جائے، جس کی بنا پر نماز کا وقت گزر گیا۔

آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی غزوۂ احزاب میں چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں، وہ نمازیں آپ ﷺ نے بعد میں اکٹھی پڑھی تھیں، اسی موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"حَبَسُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ، مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا۔"

(مشکوٰۃ ص:۶۳)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے، انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز سے مشغول کر دیا، ہمیں نماز بھی نہیں پڑھنے دی۔"

تو اگر خدانخواستہ کوئی ایسا عذر پیش آجائے کہ آدمی نماز پڑھنے پر قادر ہی نہ ہو تو بعد میں قضا کرے اور اگر جان بوجھ کر وقت گزار دیا نماز نہیں پڑھی یا کوئی ایسی مجبوری نہیں تھی، بلکہ محض دکان پر گاہک تھے، جبکہ ان کو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ بھائی نماز کا وقت ہو گیا، چلو نماز پڑھیں، فی الحال دکانداری ختم! تو یہ بات کہہ سکتے تھے لیکن اس کے باوجود نماز چھوڑ دی۔ تو دکان پر ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کا چھوڑ دینا کوئی مجبوری نہیں ہے۔

اور اکابرِ اُمّت رحمۃ اللہ علیہم نے ان اوقات کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے کہ فلاں وقت میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت ہوئی تھی، اس عنایت میں سے اپنے بندوں کو حصہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی نماز فرض کر دی، فلاں وقت حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی طوفان ختم ہونے کے بعد جودی پہاڑ پر لگی تھی، چھ مہینے کشتی پانی پر تیرتی رہی اس وقت سوائے پانی کے روئے زمین پر کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، جودی پہاڑ پر کشتی جب رُکی تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطورِ شکرانہ نماز پڑھی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ (ہود:۴۴)

ترجمہ: "اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی، اور اے آسمان! تھم جا، اور سُکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل جا، وہ پانی نگل گئی اور کشتی جودی پہاڑ پر جا کر لگ گئی تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے رفقا کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کی جو عنایت و رحمت ہوئی اس میں سے حصہ دینے کے لئے فلاں وقت کی نماز مقرر کی گئی، اسی طرح اور بھی اکابر نے بہت سی حکمتیں ذکر کی ہیں۔

فجر کی نماز با جماعت پڑھنے کی فضیلت

[حدیث: ۲۰۱] ”عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ صَلّٰی صَلَاةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِیْ ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلَا یَطْلُبَنَّکُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَیْءٍ فَإِنَّهٗ مَنْ یَّطْلُبُهٗ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَیْءٍ یُدْرِکْهُ ثُمَّ یَکُبُّهٗ عَلٰی وَجْهِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ۔“

(رواہ مسلم، کنز العمال حدیث ۱۹۲۹۱)

ترجمہ: ”حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے فجر کی نماز پڑھی وہ خدا کی امان میں آگیا، سو کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو ڈھونڈے کسی بات میں اپنی امان کے سبب سے، سو بے شک جس کو اللہ تعالیٰ اپنی پناہ دینے کے سبب سے ڈھونڈتا ہے اس کو پکڑ لیتا ہے اور پھر اس کو اوندھا منہ کر کے دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا: جس نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ ہے مسلمان اور مسلمان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اس کے خون کی حفاظت اور خون کے احترام کا وہ اللہ کے ذمے میں ہے، بالکل اسی طرح سمجھ لو جیسے کسی بڑے آدمی نے کسی شخص کو پناہ دی ہوئی ہو کہ وہ میری پناہ میں ہے، اگر کوئی شخص ایسے آدمی کو قتل کر دیتا ہے جو کسی بڑے آدمی کی پناہ میں ہو تو گویا اس بڑے سے لڑائی کرتا ہے کہ جس شخص کو میں نے پناہ دی تھی تم نے اس کو مار دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو وہ اللہ کے ذمے یعنی اللہ کی پناہ میں آگیا، خبردار! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سے اپنے ذمے کے معاملے میں مطالبہ نہ کر لیں، یعنی اس آدمی کی جان سے اور اس کے خون سے، آبرو سے تعارض نہ کرو، اگر کرو گے تو گویا تم نے اللہ کی پناہ کو توڑ دیا، تو جس شخص سے اللہ تعالیٰ مطالبہ کریں گے تو اس کو پکڑ لیں گے اور اس کو اوندھے منہ کر کے جہنّم میں ڈالیں گے۔ پس جس شخص نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی ہو، اس سے اگر تعارض کرو گے، اس کے ہاتھ خون سے رنگین کرو گے تو نعوذ باللہ، اللہ کی پکڑ میں آؤ گے اور اس کے عہد کو توڑنے والے ہو گے، فجر کی نماز کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے، فجر کی نماز میں آنا کسی منافق کا کام نہیں ہوسکتا، جو آدمی سچے دِل سے مسلمان ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو، فجر کی نماز میں ضرور آئے گا، منافق نہیں آئے گا، اس لئے کسی شخص کا فجر کی نماز میں جماعت کی پابندی کرنا، علامت ہے اس بات کی کہ یہ سچا مؤمن ہے۔ یہاں پر یہ مسئلہ بھی یاد رکھو، ایک لمبی حدیث ہے اس کا ایک فقرہ یہ ہے:

"وَيُجِيرُ عَلَيْهِمْ أَدْنَاهُمْ" (طبرانی، مستدرک حاکم)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کا لشکر ہے، ایک طرف کافروں کا لشکر ہے، اگر کسی کافروں کے کسی آدمی کو مسلمانوں نے پناہ دے دی کسی ادنیٰ آدمی نے پناہ دے دی یہاں تک کہ کسی غلام نے پناہ دے دی یا کسی عورت نے پناہ دے دی تو پوری مسلمان برادری پر اس کی پناہ کا احترام لازم ہوگا اور کسی شخص کے لئے جائز نہ ہوگا کہ اس کے قتل کے درپے ہو، جس کو ایک مسلمان نے پناہ دے دی۔ جس کافر کو کسی بھی مسلمان نے پناہ دے دی ہو اس کا قتل کرنا جائز نہیں، البتہ اس کو اس کی جگہ چھوڑ کر آؤ اور یہ اعلان کردو کہ اب ہمارا اور تمہارا معاہدہ ختم ہوگیا، پھر کرو جو کرنا ہے۔ اب آپ اس کو سمجھیں کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی اگر کسی کافر کو پناہ دے دیتا ہے تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اب کسی مسلمان کے لئے اس کا قتل کرنا جائز نہیں رہا، حتیٰ کہ غلام ہی جو کہ بے اختیار ہوتا ہے اس کو کوئی اختیارات ہی نہیں ہوتے، اس نے بھی اگر کسی کافر کو پناہ دی تو تمام مسلمانوں کے لئے اس کی پناہ کا احترام کرنا لازم ہوگا، اور اس کافر کو قتل کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ اپنی پناہ اور امان کا وقت پورا نہیں کر لیتا۔ اب ذرا اندازہ کرو کہ پناہ دینے والا کوئی ادنیٰ مسلمان نہیں بلکہ رب العالمین ہے اور پناہ کسی کافر کو نہیں بلکہ مسلمان کو دی، ایک ادنیٰ مسلمان کسی انسان کو پناہ دیتا ہے تو اس کو قتل کرنا کسی کو روا نہیں رہتا، تو جس مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے پناہ دے دی ہو اس کا قتل کرنا کیسے روا ہوگا؟ اور وہ کتنا بڑا گناہ ہوگا؟ اس لئے اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے قتل کے درپے ہوتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی پناہ کے پردے کو پھاڑ دینا چاہتا ہے، اور براہِ راست اللہ تعالیٰ سے مقابل کرتا ہے، اس لئے فرمایا گیا ہے:

"لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقاً صَالِحاً مَا لَمْ يُصِبْ دَماً حَرَاماً فَإِذَا أَصَابَ دَماً حَرَاماً بَلَحَ۔"

(سنن ابی داود، السنن الکبری للبیہقی، کنز العمال: ۳۹۹۰۸)

مسلمان ہمیشہ تیز رفتار رہتا ہے، یعنی اللہ کے راستے میں بڑی تیزی سے چلتا ہے اور منزلیں طے کرتا ہے، الا یہ کہ کسی حرام خون کا ارتکاب کرلے، جہاں اس نے حرام خون کا ارتکاب کیا تھک کر وہیں بیٹھ گیا، اب آگے نہیں جاسکتا، کسی کو قتل کرنے والا وہیں تھک کر بیٹھ جائے گا، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے، بہت بڑی بات ہے کسی مسلمان کو قتل کرنا، اب معلوم نہیں کیا بات ہے، یا تو ہمارے اندر اسلام اور ایمان نہیں رہا، یا اسلام کی قیمت وعظمت نہ رہی۔

فجر اور عصر کی فضیلت

[حدیث: ۲۰۲] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ وَصَلٰوةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ

الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْئَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِىْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ.......۔“

(رواہ مسلم: کتاب المساجد، بَاب فَضْلِ صَلَاتَيِ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ، حدیث: ۱۰۰۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آگے پیچھے آتے جاتے ہیں تم میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے اور وہ دونوں جمع ہوجاتے ہیں عصر کی نماز میں اور فجر کی نماز میں پھر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے رات گذاری تھی تمہارے اندر پس اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں حالانکہ وہ ان کو جانتے بھی ہیں کہ تم نے کیسے چھوڑا میرے بندوں کو پس وہ کہتے ہیں کہ ہم نے چھوڑا ان کو اس حالت میں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے پاس گئے اس حالت میں جبکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔“

تشریح: اس حدیث میں ذکر فرمایا کہ دن کے فرشتے اور رات کے فرشتے یہ تم میں باری باری بدلتے رہتے ہیں ان کی باریاں لگی ہوئی ہیں دن کے الگ آتے ہیں رات کے الگ آتے ہیں اور عصر کی نماز میں اور فجر کی نماز میں دونوں جمع ہوجاتے ہیں جو لوگ نماز میں ہوتے ہیں ان کے لئے وہ بیچارے آتے ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات کے جو فرشتے ہیں صبح کو جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاتے ہیں تو حق تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں کہ فِيْ مَاتَرَكْتُمْ عِبَادِىْ؟ تم نے میرے بندوں کو کیسی حالت میں چھوڑا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ جانتے ہیں مگر ان سے کہلوانے میں ایک مزہ ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے جب ان کے پاس سے آئے جب بھی نماز پڑھ رہے تھے وہ تو سارا دن نماز ہی پڑھتے رہتے ہیں سبحان اللہ۔!! یہ فرشتوں کی شہادت ہوگی اہل ایمان کے حق میں۔

عین طلوع اور غروب کے وقت نماز

[حدیث:۲۰۳] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُمَا، لَايَتَحَرّٰى أَحَدُكُمْ فَيُصَلِّىْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا۔“

(رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ، بَاب لَاتُتَحَرّٰى الصَّلَاةُ، حدیث: ۵۵۰)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ قصد کرے تم میں سے ایک آدمی کہ نماز پڑھے سورج کے طلوع ہونے کے

وقت اور نہ اس کے غروب ہونے کے وقت۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا: کہ قصد و ارادہ کر کے طلوع اور غروب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو، مطلب یہ کہ صحیح وقت میں نماز پڑھنے کا اہتمام کرو، خاص طور سے صبح کی اور عصر کی نماز، اس لئے کہ ان دونوں وقتوں میں لوگ سستی کرتے ہیں، فجر کا وقت تو سونے کا ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ آنکھ نہیں کھلی، اور عصر ویسے کام کاج کی مشغولی کا ہوتا ہے، آدمی فارغ ہی نہیں ہو پاتا اچھا اُٹھتا ہوں، اُٹھتا ہوں کہتے کہتے وقت کو برباد کر دیتا ہے، وقت قضا ہو جاتا ہے، اس لئے فرمایا کہ سورج کے طلوع ہونے اور سورج کے غروب ہونے کے وقت نماز کا قصد نہ کرو، یعنی ایسے وقت نماز شروع کر رہا ہے جبکہ سورج کے طلوع ہونے کا یا سورج کے غروب ہونے کا اندیشہ ہے۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے، منافق کی نماز ہے، منافق کی نماز ہے، کہا: کونسی؟ فرمایا: آدمی بیٹھا ہوا اپنے کام میں مشغول رہے یہاں تک کہ سورج غروب کے قریب پہنچے تو چار ٹھونگیں لگالے مرغ کی طرح، یہ منافق کی نماز ہے (صحیح مسلم، مشکوٰۃ، السنن الکبریٰ للبیہقی)۔

اور ایک حدیث میں فرمایا کہ: ”حَافِظُوْا عَلَى الْعَصْرَيْنِ“ دو ٹھنڈی نمازوں کی حفاظت کرو (کذا فی السنن الکبریٰ للبیہقی، کنز العمال)۔

اور ایک جگہ فرمایا: ”مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ جو دو ٹھنڈی نمازوں کے پڑھنے کا اہتمام کرے گا جن میں داخل ہوگا (صحیح البخاری، صحیح المسلم، مسند احمد ابن حنبل)۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے فرمایا کہ: یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت کر دیجئے۔ فرمایا: دو نمازوں کا اہتمام کیا کرو فجر کا اور عصر کا (کذا فی ابوداؤد، در منثور)۔

علماء کو اِشکال ہوتا ہے کہ اس کو صرف دو ہی نمازوں کا فرمایا، حالانکہ اِشکال کی بات نہیں ہے، مراد یہ ہے کہ جو شخص ان دو کا اہتمام کرے گا وہ باقی تین کا بھی کرے گا، جو مشکل کا اہتمام رہے گا وہ آسان کا بھی کرے گا۔ بہر حال نماز کو قضا کرنا یا ان کے وقت مستحب سے موخر کر دینا، یہ بہت بری بات ہے، نماز کا قضا کرنا تو اتنا بڑا گناہ ہے کہ کفر و شرک کے بعد اس سے بڑا کوئی گناہ ہی نہیں، اور وقت مستحب کو ٹال دینا اگر خدانخواستہ کسی دن کسی عذر کی وجہ سے ایسا ہو جائے پھر تو خیر ہے، لیکن اس کی عادت بنالینا یہ کبائر میں سے ہے، یہ بھی کبیرہ گناہ ہے، نماز با جماعت میں شریک نہ ہونا کبیرہ گناہ ہے، یہاں بھی وہی مسئلہ کہ اگر کبھی کسی عذر کی وجہ سے جماعت نہ مل سکے تو دوسری بات ہے، حدیث شریف میں فرمایا کہ: ایک آدمی گھر سے نماز کے لئے چلا مسجد میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ نماز ہو چکی، ارشاد فرمایا کہ: اس کو جماعت کا ثواب مل گیا، اس لئے کہ وہ اپنے اہتمام سے آیا تھا اور نماز با جماعت پڑھنے کا عادی تھا، تو اگر کبھی سہواً ایسا ہو جائے کہ نماز نہیں مل سکی وہ تو دوسری بات ہے، ورنہ ترک جماعت کی عادت بنالینا اور اس کی پروانہ کرنا یہ گناہ کبیرہ ہے۔

نماز کے ممنوعہ اوقات

[حدیث:۲۰۴] ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ.....، إِذَا بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتّٰى تَبْرُزَ، وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتّٰى تَغِيبَ۔“

(صحیح مسلم ج: ۴، ص: ۲۷۴، حدیث نمبر: ۱۳۷۱، بَابُ الْأَوْقَاتِ الَّتِي نُهِيَ عَنِ الصَّلَاةِ فِيهَا)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب سورج کا کنارہ ظاہر ہو تو نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ وہ خوب نکل آئے اور جب سورج کا کنارہ ڈوب جائے تو نماز نہ پڑھو جب تک کہ اچھی طرح ڈوب نہ جائے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ سورج کا کنارہ ظاہر ہو جائے تو نماز نہ پڑھو جب تک کہ سورج اچھی طرح نکل نہیں آتا اور جب سورج کا کنارہ غائب ہو جائے، غروب ہو جائے تو نماز نہ پڑھو جب تک کہ اچھی طرح غروب نہ ہو جائے، سورج کے طلوع ہونے اور سورج کے غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں، نمازِ فجر میں یعنی فجر کی نماز کے وقت سورج کا کنارہ ظاہر ہونے سے پہلے پہلے کامل وقت ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، جب سورج نکلنا شروع ہو جائے اس وقت نماز پڑھنا منع ہے اور جب سورج نکل آیا اور ابھی تک وہ پیلا ہے روشن نہیں ہے اس وقت تک کراہت باقی رہتی ہے اور جب سورج اچھی طرح روشن ہو گیا اس کی پیلاہٹ جاتی رہی اشراق کا وقت ہو گیا تو اس وقت نماز پڑھنے کی اجازت ہے، مغرب کا وقت اس کے اُلٹ ہے، یعنی سورج کے غروب ہونے سے پہلے سورج پیلا ہو جاتا ہے دھوپ پیلی ہو جاتی ہے اس وقت نماز پڑھنا منع ہے اور جب سورج غروب ہو جائے کنارہ اس کا ڈوب گیا تو نماز کا وقت ہو گیا نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

عصر کی نماز کی فضیلت وتاکید

[حدیث:۲۰۵] ”عَنْ بُرَيْدَةَ ابْنِ الْحَصِيبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔“

(رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ، باب ترک العصر، حدیث: ۵۲۰)

ترجمہ: ”حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کا کیا کرایا اکارت ہو گیا۔“

تشریح: یہ حدیث نمازِ عصر کی تاکید کے بارے میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی، اس کا کیا کرایا سب اکارت ہوگیا۔

یہاں چند مسئلے ہیں، ایک یہ کہ اول تو نماز عصر کی تاکید بہت ہے، جس شخص کو نماز سے حصہ نہیں ملا، اس کو دین سے حصہ نہیں ملا، اور پھر جیسی نماز پڑھے گا ویسا دین اس کے اندر آئے گا ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ ؕ﴾ (العنکبوت: ۴۵) نماز، فحشاء اور منکر سے روکتی ہے، یہ نماز کا اثر ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ: فلاں شخص نماز بھی پڑھتا ہے لیکن غلط کام بھی کرتا ہے۔ فرمایا: ''اِنْ کَانَ کَمَا تَقُوْلُ فَسَتَنْھَہٗ عَنْہُ'' (درمنثور) اگر وہ ایسا ہی آدمی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو اس کی یہ نماز عنقریب اس کو روک لے گی۔

تو غرضیکہ دینِ اسلام کا تصور نماز کے بغیر نہیں ہے، نماز کے فضائل اور نماز نہ پڑھنے کا وبال، پھر جماعت میں شریک ہونے کے فضائل اور جماعت میں شریک نہ ہونے کا وبال، یہ ہمارے شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ کا رسالہ ''فضائلِ نماز'' میں موجود ہے، اس کو سننا چاہئے اور گھر والوں کو بھی سنانا چاہئے۔

دُوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ان پانچ نمازوں میں سے دو نمازوں کی بطورِ خاص تاکید ہے، یعنی ان پانچ نمازوں میں بھی سب سے زیادہ مؤکد نمازیں یہ دو ہیں: فجر اور عصر:

﴿وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِہَا ۚ﴾ (طٰہٰ: ۱۳۰)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تسبیح کہا کرو سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے، طلوع سے پہلے کا وقت فجر کا وقت ہے اور غروب سے پہلے کا وقت عصر کا وقت ہے، اور قرآن پاک میں بعض جگہ یہ بھی آیا ہے:

﴿وَّسَبِّحُوۡہُ بُکۡرَۃً وَّاَصِیۡلًا ﴿۴۲﴾﴾ (الاحزاب)

ترجمہ: ''صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو حمد کے ساتھ۔''

غرضیکہ دیگر اوقات کی نسبت ان دو اوقات کی زیادہ تاکید ہے، فجر کی اور عصر کی، اور اس کی چند وجوہ ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اوقات غفلت کے اوقات ہیں، فجر کی نماز میں آنکھ نہیں کھلتی اور عصر کی نماز میں دُنیا سے آنکھ بند نہیں ہوتی اور آخرت کی آنکھ نہیں کھلتی، یہ کرلوں، یہ کرلوں، اسی ''یہ کرلوں'' میں وقت نماز جاتا رہتا ہے، تو یہ دونوں اوقات چونکہ غفلت کے اوقات ہیں، اس لئے شریعت نے ان دونوں نمازوں کی مزید تاکید فرمائی، ایک حدیث شریف میں ہے:

''مَنْ صَلّٰی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔'' (بخاری ومسلم)

جو شخص ان دو ٹھنڈی نمازوں کو پڑھے گا اس کو جنّت کی ضمانت دیتا ہوں، یہ دو ٹھنڈی نمازیں یعنی فجر اور عصر اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی نمازیں نہ پڑھے تو جنّت کی ضمانت مل جائے گی، تو جو شخص ان غفلت کی

نمازوں میں شریک ہونے کی کوشش کرے گا ظاہر ہے کہ وہ کبھی دُوسری نمازوں میں بھی غفلت نہیں کرے گا۔

اور تیسرے نمبر پر ان دو نمازوں سے بھی زیادہ عصر کی تاکید ہے، یہاں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث نقل کی، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس نے عصر کی نماز ترک کردی اس کا عمل اکارت چلا گیا۔اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے:

''اَلَّذِیْ تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ فَکَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ'' (سنن الترمذی، ابوداؤد، مشکوۃ)

جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوجائے یوں کہو کہ اس کے اہل وعیال سب کے سب ہلاک ہوگئے، ایک ایسا آدمی جس کے گھر کو خدانخواستہ آگ لگ جائے اور اس کے بال بچے بھی اسی میں ہوں، سامان بھی سارا اسی میں ہے، اور جل کر سارا کچھ خاکستر ہوگیا، اکیلا رہ گیا، یہ ایک تمثیل ہے کہ اس شخص کا جتنا نقصان ہوا، اتنا ہی اس کا ہوا۔جس شخص کے پہلو میں دل ہو وہ اس کا حالتِ زار سن کر تڑپ جائے گا، اس پر اس کو رحم آجائے گا، بیچارے کا مکان بھی گیا، گھر بار بھی گیا، اہل وعیال بھی مکان میں جل بھن گئے، کتنا بڑا نقصان ہے کہ اس سے بڑھ کر نقصان کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوجائے اس کا ایسا ہی نقصان ہے، جیسا اس شخص کا ہے اور اس حدیث میں جو فرمایا: جس نے عصر کی نماز کو ترک کردیا اس کا عمل حبط ہوگیا، اہل سنّت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ سوائے کفر کے کوئی چیز انسان کے اعمال کے لئے حابط نہیں ہے، یعنی خدانخواستہ کوئی انسان گناہ کرے اور اس گناہ کی وجہ سے اس کے سارے اعمال برباد ہوجائیں یہ نہیں ہوگا، معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ بعض گناہوں کی وجہ سے انسان کے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں، یعنی ان اعمال کا ثواب باطل ہوجاتا ہے، لیکن اہل سنّت والجماعت اس کو تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ کسی گناہ کی وجہ سے انسان کا عمل ضائع نہیں ہوتا، یہ معتزلہ کی بے وقوفی ہے، البتہ کفر سے حبطِ اعمال ہوجاتا ہے، اگر خدانخواستہ کوئی شخص اسلام کے بعد مرتد ہوجائے تو اس کے سارے اعمال باطل ہوجاتے ہیں حتیٰ کہ اس کی بیوی کا نکاح بھی ختم ہوجاتا ہے، اس نے اگر حج کر رکھا تھا تو وہ بھی باطل ہوگیا، دوبارہ مسلمان ہوجائے تو نئے سرے سے حج کرے، نکاح کی بھی تجدید کرے، بحیثیت مسلمان اس نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ سب کا سب ضائع ہوا، نعوذ باللہ! یہ کفر کی نحوست ہے، تو جس شخص نے عصر کی نماز کو ترک کردیا اس کا عمل حبط ہوگیا، یہاں تو ایک گناہ، ایک بدعملی پر حبطِ عمل کا فیصلہ ہوگیا، یہ حدیث بظاہر معتزلہ کی تائید کرتی ہے اور اہلِ سنّت والجماعت کے خلاف معلوم ہوتی ہے، لیکن اہلِ سنّت اس میں تأویل کرتے ہیں۔

توجیہات تو اس میں بہت ہیں، لیکن دو توجیہات بہت بہترین ہیں، اور دل کو لگتی ہیں، اور لگنی چاہئیں ہر ایک آدمی کو، ایک تو یہ کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ''ترک'' فرمایا ہے، ترک کے معنی چھوڑ دینا،

کسی فریضۂ خداوندی کو جان کر چھوڑ دینا، ''تہاون'' کی علامت ہے کہ یہ اس کو معمولی چیز سمجھتا ہے، اس کے نزدیک اس کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ کسی کی دفتر میں نوکری لگی ہوئی ہو اور وہ صاحب کبھی دفتر میں جائیں اور کبھی نہ جائیں، ان کے نزدیک گویا کہ ڈیوٹی کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ پانچ دس دن تک تو اس کے موج میلے کو دیکھیں گے لوگ، بعد میں اس کو نکال دیں گے۔ ایک باپ نے بڑی سفارشوں کے ساتھ اپنے دوست احباب سے کہہ کر برخوردار دولت مدار کو نوکر رکھوایا تھا، لیکن وہ ایسا بے پروا، باپ اس کی وجہ الگ شرمندہ ہوگا، لیکن دفتر میں نہیں چل سکتا، اس لئے کہ ڈیوٹی ترک کر دیتا ہے، ٹھیک اسی طرح جو شخص فرائضِ شرعیہ کو ادا نہیں کرتا، لاپروائی کی وجہ سے جان بوجھ کر چھوڑتا ہے اس کا دفترِ اسلام سے نام کاٹ دیتے ہیں، اللہ کے دفتر میں وہ مسلمان نہیں رہتا، اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ کسی معصیت کو ہلکا سمجھنا یہ بھی کفر ہے، اور کسی طاعت و بندگی کو یا کسی فریضے کو یا کسی سنّت کو اگر کوئی معمولی چیز سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے کہ چلو کیا ہوا، کیا فرق پڑتا ہے اس سے؟ تو یہ بھی کفر ہے، تو عصر کی نماز چھوٹ جانا کسی سے یہ اور بات ہے، اور جان بوجھ کر اس کا چھوڑنا تہاون کی وجہ سے یہ اور چیز ہے، نماز کے چھوٹنے پر کفر لازم نہیں آتا اور اعمالِ حبط نہیں ہوتے، بلکہ اس طرح لاپروائی کرنا اس کا نتیجہ کفر ہے، تو اصل میں حابطِ اعمال وہ کفر ہی ہوا، بدعملی حابطِ اعمال نہیں ہوئی۔ یہ بہت بہترین اور صحیح توجیہ ہے۔

دُوسری توجیہ یہ ہے کہ بسا اوقات ایک گناہ ذریعہ بنتا ہے دُوسرے کا، دُوسرا تیسرے کا، تیسرا چوتھے کا، یہاں تک کہ اللہ نہ کرے نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے۔ مشہور ہے کہ کسی گستاخ بچے نے کسی دانا آدمی کو بُرا بھلا کہا، اس نے بچے کو ایک روپیہ دیا، کسی نے کہا کہ: اس بچے کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، خلافِ حکمت ہے، اس کو تو سزا دینی چاہئے تھی، فرمایا: میں نے سزا ہی دی ہے، یہ جو اس کو روپیہ دیا ہے یہ انعام نہیں سزا ہی ہے، اس لئے کہ اب یہ جری ہوجائے گا تو کسی اور شریف آدمی کو کچھ کہے گا، اور اللہ تعالیٰ اس کو سزا بجائے میرے ہاتھ کے کسی اور آدمی کے ہاتھ سے دلا دیں گے، ایک حدیث میں آتا ہے:

''لَعَنَ اللهُ السَّارِقَ إِنْ يَسْرِقِ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ، وَيَسْرِقِ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ''

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: ''چور پر اللہ کی لعنت، وہ ایک انڈا چرالیتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور رسی چرالیتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔''

تمام ائمۂ دِین کا اتفاق ہے کہ انڈا، یا معمولی رسّی چُرا لینے پر قطعِ ید لازم نہیں آتا، ہاتھ نہیں کٹتا، جمہور ائمہ کے نزدیک رُبع دینار پر کٹتا ہے، یعنی سونے کی اشرفی کا چوتھائی حصہ، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس دراہم پر کٹتا ہے، ایک درہم تقریباً ساڑھے تین ماشے کا ہوتا تھا، گویا چاندی کی دس چونیاں، میرے خیال

میں اس زمانے میں چاندی کی دس چونیاں سونے کے چوتھائی دینار کے برابر ہوتی تھیں دونوں کی قیمت برابر تھی، تو ایک انڈے پر ہاتھ کاٹے جانے کا یا ایک رسی پر ہاتھ کاٹنے کا کوئی بھی امام قائل نہیں، لیکن اس حدیث میں یوں فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو چور پر، انڈا اور رسی چرانے پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

صحیحین کی حدیث ہے، علمائے کرام اس حدیث کی یہی توجیہ کرتے ہیں کہ چوری کی عادت شروع ہوئی تھی انڈے چرانے سے، شروع میں ایک انڈا چرایا تھا اور ایک معمولی رسی چرائی تھی، وہ چلتے چلتے چوری کا مزاج پختہ تر ہوتا چلا گیا، اور اس کا آخری نتیجہ قطعِ ید نکلا، یعنی ہاتھ کٹ گیا۔

تو اسی طرح یہاں بھی سمجھ لینا چاہئے کہ نمازِ عصر کو ترک کردیا، یہ خود کفر نہیں تھا، لیکن اس بے پروائی نے رفتہ رفتہ اس کو کفر تک پہنچادیا، اب اگر اس کو کوئی جاکر سمجھائے کہ میاں! جس کو تم چھوڑ رہے ہو یہ فرض ہے، تو وہ کہے: ارے چھوڑو یار ہمیں سب پتہ ہے، دل میں ایمان نہیں رہا تو ایسی ہی باتیں نکلیں گی، ورنہ اللہ کے فرض کا نام سن کر تو آدمی کانپ جاتا ہے، لیکن جس کے دل میں ایمان ہوتا ہے، اور اگر ایمان دل کے اندر سے سلب ہوگیا تو اس کو احساس ہی نہیں ہوگا، جب یہ شخص اس نوبت تک پہنچ گیا، پس تحقیق اس کا عمل اکارت ہوگیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز عصر کا ضائع کردینا، یہ بڑا سنگین ہے، میں نے بتایا تھا کہ ''بردین'' کی حدیث یعنی دوٹھنڈی نمازوں کی تاکید کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان دونوں نمازوں میں غفلت کا وقت ہوتا ہے اور بطورِ خاص عصر کی نماز کی تاکید کی، کیوں کہ ہمارے دونوں فرشتے کراماً کاتبین جو ہمارے ''ڈائری نویس'' ہیں، ہماری سوانح عمری وہی لکھ رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے کیمرے بھی ان کے پاس ہیں، پوری پوری فلم بنا رہے ہیں، تو یہ دونوں فرشتے جمع ہوتے ہیں عصر کی نماز میں اور فجر کی نماز میں، جو شخص کہ عصر کی نماز میں آتا ہی نہیں تو اس کا نام مسلمانوں میں نہیں لکھا گیا، وہ فرشتے تو مسلمانوں کا نام لکھیں گے، اور وہ بطورِ خاص ان دو نمازوں کی حاضری لیں گے، تو اس کا عمل ضائع ہوگیا، یعنی فرشتوں کے لکھنے میں نہیں آیا، یہی مطلب ہے اس حدیث کا۔

جس کو فجر اور عصر کے وقت میں سے ایک سجدے کا وقت مل گیا تو وہ اپنی نماز پوری کرلے

[حدیث: ۲۰۶] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلوٰةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلوٰتَهُ، وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلوٰةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلوٰتَهُ۔'' (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ، بَاب مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ، حدیث: ۵۲۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں سے کوئی آدمی ایک سجدہ نمازِ عصر کا پالے سورج کے غروب ہونے سے پہلے تو وہ اپنی نماز پوری کرلے، اور جب ایک سجدہ پالے نمازِ صبح سے پہلے سورج کے طلوع ہونے سے قبل تو اپنی نماز پوری کرے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں ایک مسئلہ ذکر فرمایا ہے کہ اگر عصر کی نماز کا ایک سجدہ سورج کے غروب ہونے سے پہلے مل جائے تو وہ نماز اس کو مل گئی، اس کو پورا کرلے۔ اور اگر فجر کی نماز کا ایک سجدہ کسی کو ملے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے تو اس کو پورا کرلے، یہ حدیث، حدیث کی کتابوں میں مشکلات میں سے شمار کی گئی ہے۔

ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث متواترہ میں سورج کے طلوع ہونے اور سورج کے غروب ہونے کے وقت اور جبکہ سورج سر پر ہوان تین اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے، اس وقت کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں، اگر کسی شخص نے فجر کی نماز شروع کی تھی اور سورج کا کنارہ طلوع ہونے سے پہلے پہلے اس کا وقت کامل تھا، لیکن جونہی کہ سورج نکل آیا فاسد ہوگیا، اور مغرب کے وقت سے پہلے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے سورج کے غروب ہونے سے پہلے سورج پیلا ہوجاتا ہے، اور وہ وقت بھی مکروہ ہے، اس وقت کوئی فرض نماز پڑھنا بھی جائز نہیں، سجدہ تلاوت جائز نہیں، جنازے کی نماز جائز نہیں، لیکن اگر کسی نے آج عصر نہیں پڑھی تھی تو حکم ہے کہ اسی وقت پڑھے، مکروہ ہوگی نماز، اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی نماز فرمایا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’تِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ! تِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ! تِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ!‘‘

ترجمہ: ’’یہ منافق کی نماز ہے! یہ منافق کی نماز ہے! یہ منافق کی نماز ہے! (تین مرتبہ ارشاد فرمایا)۔‘‘

عرض کیا گیا کہ: کونسی؟ فرمایا کہ: بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہا جب سورج پیلا ہوگیا تو اُٹھا اور چار ٹھونگیں لگالیں (ابوداؤد، مسند احمد ابن حنبل، موطا امام مالک، کنز العمال)۔

عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کرنا کہ سورج پیلا ہوجائے مکروہ ہے شدید مکروہ ہے اور منافقوں کا فعل ہے، لیکن اگر ایسا ہوجائے تب بھی حکم ہے کہ اسی وقت پڑھو۔

تو ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: چونکہ یہ نماز ہی مکروہ شروع ہوئی تھی اس لئے اگر نماز کے دوران سورج غروب ہوگیا تب بھی نماز ہوگئی، اور راز اس میں یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پہلے وقت کامل تھا، لیکن سورج نکلنے کے بعد سے اشراق تک وقت مکروہ ہے، جبکہ سورج کے غروب سے پہلے مکروہ تھا اور بعد میں وقت کامل ہے، تو جب تک کہ سورج غروب نہیں ہوا وقت مکروہ رہا، اور

اس نے مکروہ وقت میں نماز شروع کی اور جونہی کہ سورج غروب ہوا وقت کامل ہوگیا اب پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں، اس لئے اس وقت نماز پوری کرلینا صحیح ہے۔

اور جب فجر کی نماز کامل وقت میں شروع کی تھی اور دورانِ نماز سورج کا کنارہ نکل آیا وقت مکروہ ہوگیا اور نماز فاسد ہوگئی، کامل شروع کی تھی ناقص ادا کر رہا ہے اللہ کا بندہ۔

بہرکیف! یہ حدیث عام علماء کے نزدیک منسوخ ہے، اس وقت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، لیکن ایک عورت ناپاک تھی اور وہ پاک ہوگئی، سورج کے غروب ہونے سے اتنی دیر پہلے کہ وہ غسل کرکے ''اللہ اکبر'' کہہ سکتی ہے اس پر نماز فرض ہوگئی تو اس کے ذمے عصر کی نماز پڑھنا لازم ہے، اسی طرح فجر کی نماز میں سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پہلے پاک ہوگئی اور اتنا ہوسکتا ہے کہ جلدی سے بدن پر پانی ڈال کر سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ''اللہ اکبر'' کہہ سکتی ہے تو اس کے ذمے فجر کی نماز فرض ہوگئی اور یہی حکم ہے پانچوں نمازوں کا جس وقت میں عورت پاک ہوئی ہے اگر اس کو اس وقت کا اتنا حصہ مل جائے کہ جلدی جلدی غسل کرکے یعنی پانی ڈال کر پاک ہوسکتی ہے اور وقت کے ختم ہونے سے پہلے ''اللہ اکبر'' کہہ سکتی ہے تو اس کے ذمے یہ نماز فرض ہوگئی۔ یہی حکم ہے اس لڑکے کا جو نابالغ تھا، اور اتنا وقت باقی تھا کہ وہ بالغ ہوگیا اور پاکی حاصل کرکے ''اللہ اکبر'' کہہ سکتا ہے نیت باندھ سکتا ہے تو نماز اس کے ذمے فرض ہوگئی، یہی حکم ہے اس کافر کا جو مسلمان ہوگیا، ایک غیر مسلم تھا نماز کا آخر کا وقت تھا وہ مسلمان ہوگیا اس کے ذمے اس وقت کی نماز فرض ہوگئی، اور یہی حکم ہے اس مجنون کا جو ہوش میں آگیا، کوئی بیہوش تھا کئی دن سے نماز کا وقت باقی تھا کہ اس کو ہوش آگیا اس کے ذمے نماز فرض ہوگئی، اور اس سے پہلے مجنون پر نماز فرض نہیں جبکہ اس کی بیہوشی چھ نمازوں کو محیط ہوجائے، اگر ایک دو تین چار یا پانچ نمازوں کے وقت میں بے ہوش تھا پھر ہوش میں آگیا تو پانچوں نمازیں اس کے ذمے فرض ہیں اور اگر پانچوں نمازوں کا وقت گزر جانے کے وقت میں بھی بیہوش رہا یہاں تک کہ چھٹی نماز کے وقت میں بھی بیہوش ہے تو اس کے ذمے یہ گزشتہ نمازیں نہیں ہیں۔

عشاء کی نماز کو عتمہ نہ کہو

[حدیث:۲۰۷] ''عَنْ عَبْدِاللهِ الْمُزَنِیِّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْمَغْرِبَ قَالَ وَيَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِیَ الْعِشَاءُ'' (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ، بَاب مَنْ كَرِهَ أَنْ يُقَالَ لِلْمَغْرِبِ، حدیث: ۵۳۰)

[حدیث:۲۰۸] ''عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اِسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْعِشَاءَ فَاِنَّهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الْعِشَاءُ وَاِنَّهَا تُعْتِمُ بِحِلَابِ الْاِبِلِ"

(رواه مسلم: كتاب المساجد، باب وَقْتِ الْعِشَاءِ وَتَأْخِيرِهَا، حديث: ۱۰۱۹)

ترجمہ: "صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ عجمی لوگ تمہاری مغرب کی نماز کے نام پر غالب نہ آجائیں، کیونکہ بدو مغرب کے وقت کو عشاء کہتے تھے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدو تمہاری نماز عشاء کے نام پر غالب نہ آجائیں۔ یہ رات کے اندھیرے میں اپنے اُونٹوں کا دودھ دوہا کرتے تھے اور اس کا نام عتمہ رکھا کرتے تھے، اس روایت میں ہے کہ یہ تمہاری عشاء کی نماز پر غالب نہ آجائیں، اللہ کی کتاب میں اس کا نام عشاء ہے اور وہ لوگ اُونٹوں کو دوہنے میں دیر کیا کرتے تھے۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ سورج کے غروب ہونے کی جو نماز ہے اس کو ہماری زبان میں مغرب کہتے ہیں اور آخری نماز کو عشاء کہا جاتا ہے، لیکن عرب کے دیہاتی لوگ مغرب کی نماز کو عشاء کہا کرتے تھے شام کی نماز، اور عشاء کی نماز کو **"عتمہ"** کہا کرتے تھے، عتمہ کا معنی ہے رات کا تاریک ہوجانا، یعنی اب دن کی روشنی باقی نہیں رہی اور بدوؤں کی یہ زبان عرب میں اکثر استعمال کی جاتی تھی، بلکہ یہ کہو کہ پہلے ہی استعمال کی جاتی تھی، شریعت تو بعد میں نازل ہوئی، تو اس لئے صحابہ کرام میں سے بھی بہت کی زبان پر یہ الفاظ چڑھے ہوئے تھے کہ مغرب کی نماز کو ان کی اصطلاح کے مطابق عشاء کہتے اور عشاء کی نماز کو عتمہ کہتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمادیا کہ اگر تم ان کی اصطلاح کو استعمال کرنے لگو گے تو یہ اصطلاح تم پر غالب آجائے گی، بدوؤں کی بولی تم پر غالب آجائے گی اور قرآن کریم نے تمہیں جو نام سکھایا ہے مغرب اور عشاء یہ مغلوب ہوجائے گا، اس لئے شدت کے ساتھ ان الفاظ کو استعمال کیا کرو، یعنی مغرب اور عشاء کے الفاظ، اور جو ان کے نام ہیں یعنی عشاء اور عتمہ ان کو استعمال نہ کرو، چنانچہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ بدوؤں والے وہ نام تو ختم ہوگئے ان کو اب مسلمان نہیں جانتے، مغرب اور عشاء ہی رائج ہے۔

البتہ شیعوں نے نماز نکالی ہے مغربین کی، یہ معلوم نہیں کہاں سے نکالی ہے؟ حالانکہ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ﴾ (النور:۵۸) عشاء کی نماز کے بعد، اور یہ اہل سنّت سے دس پندرہ منٹ بعد اذان دیتے ہیں اور اسی وقت ٹرخا کر چلے جاتے ہیں، تین رکعتیں مغرب کی پڑھ لیتے ہیں اور چار عشاء کی اور اس کا نام انہوں نے رکھا ہوا ہے "مغربین"، نمازیں تو اللہ اور اس کے رسول نے پانچ مقرر کی

تھیں، انہوں نے ظہر اور عصر کو ساتھ ساتھ پڑھنے کا رواج بنایا ہوا ہے، اور اسے ظہرین کہتے ہیں اس طرح ان کے یہاں نمازیں تین وقت ہوتی ہیں، پنج گانہ کے بجائے سہ گانہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ تو گویا کل تین نمازیں رہ گئیں۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ غیر قوموں کی اصطلاحات بھی ہم پر غالب نہیں آنی چاہئیں، مسلمانوں کی ایک زبان بھی اپنی ہے جو کہ عربی زبان ہے، اس زبان کے سیکھنے، سمجھنے اور اس میں بات کرنے کو بعض علماء تو واجب قرار دیتے ہیں۔

ایک صاحب نے دُشمن کی طرف تیر پھینکا غالباً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے اور کہا: ''خُذْهَا وَأَنَا غُلَامُ الْفَارِسِیُّ'' لے تیر کو سنبھال میں بھی فارسی نوجوان ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وَهَلَّا قُلْتَ وَانَا غُلَامُ الْاَنْصَارِیُّ'' تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ میں انصاری نوجوان ہوں۔ فارس کی طرف نسبت کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ تو یہ دیکھنے میں بظاہر بہت چھوٹی سی بات ہے ایک لفظ استعمال کرلیا، مقصود تو وقت کا نام لینا ہے، عتمہ کہہ دو یا عشاء کہہ دو، لیکن ان اصطلاحات کے بھی دُوررس نتائج نکلتے ہیں۔

اب پچاس نہیں بلکہ ساٹھ ستر فیصد لوگوں کی زبان سے بیوی کے بجائے وائف ہی نکلتا ہے، میری وائف نے کہا، یہ لفظ کیا آسان ہے اور بیوی مشکل ہے؟ نہیں! انگریزیت کا مزاج بن گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ بدویت زبان کے راستے لوگوں کے مزاج میں داخل نہ ہو، بدوؤں کے لفظ کو منع کر دیا، اور یہاں انگریز نے اپنی پوری تہذیب زبان کے راستے اپنی نلکی سے اُنڈیل دی اور مولویوں کو یہ کہتے رہے کہ کسی کی زبان سیکھنا حرام ہے، توبہ توبہ! ہم کیوں کہیں کہ زبان سیکھنا حرام ہے، ہاں! عربی زبان کی الگ اہمیت ہے، کیونکہ یہ ہماری مذھبی زبان ہے، یہ قرآن وحدیث اور جنّت کی زبان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عشق کا دعویٰ کرنے والے آپ کی زبان وقوم عربی سے بھی محبت وعشق کا ناطہ جوڑ لیں، عربوں اور اہل حرمین کا احترام وتقدس اپنے دل ودماغ میں رچا لیں، خیر عربی زبان کی تو ایک اہمیت ہے، باقی ساری زبانیں برابر ہیں، اور آج تم زبانوں پر لڑ رہے ہو، انگریزی کا جواز پیدا کرنے کے لئے ہم سے کہتے ہو کہ منع ہے؟ ہم نے یہ نہیں کہا، تمہیں معلوم نہیں کہ یہ کیا برتن ہیں جن میں اپنی تہذیب بھر بھر کر اُنڈیلا جا رہا ہے۔ لارڈ میکالے نے کہا تھا: میں یہاں ایک ایسا نظام تعلیم رائج کرنا چاہتا ہوں کہ اس کو اپنانے کے بعد مسلمان مسلمان نہ رہے، ہندو ہندو نہ رہے، عیسائی بھی نہ بنے، ہمیں لوگوں کو عیسائی بنانے کا شوق نہیں ہے، عیسائی نہ بھی بنے لیکن مسلمان نہ رہے۔

تو وہ آدھے سے زیادہ عیسائی بنا کر چلا گیا، مسلمان کہلانے والے عیسائی بن گئے، جو مسلمان کہلانے والے ہیں وہ پچاس فیصد عیسائی ہیں، تہذیب وتمدن کے اعتبار سے بھی اور ہر اعتبار سے، پانی بھی اُلٹے ہاتھ سے پیتے ہیں کیونکہ انگریز بہادر کو اسی طرح دیکھا ہے، وہ استنجا کرتا ہی نہیں اس کو اس ہاتھ کو استنجے کی

جگہ لے جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، اس سے زیادہ گندی قوم کون ہوگی جس کو نہ کبھی غسل جنابت نصیب ہوا، اور نہ استنجا نصیب ہوا، آپ پیشاب کریں پھر کسی ڈھیلے یا ٹشو کے ساتھ خشک کرلیں طبیعت مطمئن نہیں ہوگی جب تک پانی استعمال نہ کرلیں، طبیعت میں ایک خاص قسم کی کیفیت رہے گی جب تک کہ آپ پانی استعمال نہیں کرلیتے، تمہارے نبی ﷺ کی کیا تعلیم تھی، اور تقلید کرتے ہو ان لوگوں کی جنہوں نے کبھی استنجا نہیں کیا ساری عمر، اور جنہوں نے کبھی غسل جنابت نہیں کیا، انگریز بعضے تو نہاتے ہی نہیں اور اگر کبھی نہانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو جیسے ٹب تمہارے گھروں میں بنوا کر دے رہے ہیں اس میں نہا لیتے ہیں، اس میں پانی بھر لیتے ہیں اور اس میں بیٹھ جاتے ہیں ڈبکیاں لے کر باہر نکل آتے ہیں، اب تم بتاؤ کہ پانی پاک ہوگا یا ناپاک ہوگا، اسی گندے پانی کے اندر نہاتے ہیں، لیکن سب سے زیادہ تہذیب یافتہ آدمی وہ سمجھا جاتا ہے جو انگریزی خوب چبا چبا کر بولے، تمہاری اپنی علاقائی زبانیں یہ تمہیں کاٹ کھانے کو دوڑتی ہیں، ان زبانوں کی بنیاد پر تم ایک دوسرے سے لڑتے ہو، لیکن اس بدبخت قوم کی زبان تم خوب بولتے ہو اور جب ہم ٹوکتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ مولوی جی! کوئی زبان سیکھنا بھی گناہ ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ: نہیں! تم زبان ضرور پڑھتے لیکن ان کی تہذیب کا بھی اسی طرح بائیکاٹ کرتے جیسے کہ تم نے ان کے دین کا بائیکاٹ کیا تھا تو انگریزی تہذیب تمہارے اندر نہ آتی، انگریزی معاشرت اور انگریزی تمدن یعنی ان کا رہن سہن یہ تمہارے اندر نہ آتا، اور اب جیسا کہ میں عرض کرتا ہوں پچاس فیصد لوگ عیسائی ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ جو اصل مسلمانوں کی تہذیب ہے اس کو ذلیل سمجھتے ہیں، یوں کہو کہ اپنے نبی کی زبان، آداب، اصطلاحات اور تہذیب وتمدن کو ذلیل سمجھتے ہیں اور یہ غیر مختون قوم جنہوں نے اپنا ختنہ بھی کبھی نہیں کیا، کبھی استنجا نہیں کیا، کبھی غسل جنابت نہیں کیا ان سے بدبو آتی ہے، ذرا ان کے رہن سہن کے علاقوں، ٹرین کے ڈبوں مین جا کر دیکھیں کتنے بدبودار اور سڑے ہوئے ہوتے ہیں یہ لوگ، جب میں کبھی ان کی تہذیب پر غور کرتا ہوں تو متلی ہونے لگتی ہے، ان کی تہذیب ان کا طرز معاشرت یہ ہمارے نزدیک باعث وقار ہے تو بتاؤ! بجائے پچاس فیصد پچانوے فیصد بن گئے کہ نہیں؟ **انا للہ وانا الیہ راجعون!**

تو خیر میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمّت کو غیر قوموں کے الفاظ سے بھی بچایا ہے تا کہ ان کا تمدن لغت کے راستے سے تم میں نہ آئے، اور مسلمان جب زندہ تھے تو جہاں مسلمان گئے اپنی زبان ساتھ لے کر گئے اور جب یہ مردہ ہو گئے تو جہاں گئے لوگوں کی زبانوں کو اپنے اُوپر مسلط کیا، چودہ سو سال گزر گئے صحابہ کرام کو، یہ مصر کی زبان عربی، تیونس کی زبان عربی، الجزائر کی عربی، افریقہ تک یہ عربی زبان چلی گئی، حالانکہ ان کا عربی کے ساتھ کیا تعلق؟ عربی زبان تو جزیرۃ العرب کی تھی، لیکن صحابہ جب گئے تو افریقہ کی زبان عربی بنی، مصر کی عربی حتی کہ یہ سینٹرل ایشیا کی شمالی ریاستیں جو ہیں ان میں بھی آج تک عربی زبان بلا

تکلف بولی جاتی ہے، ہمارے مولوی عربی نہیں بول سکتے لیکن وہاں کے علماء بول سکتے ہیں، حالانکہ وہ روسی ریاستیں ہیں جہاں عربی بولنا ہی ممنوع تھا۔

یہ مصطفی کمال اتاترک ترکوں کا جو باپ تھا، ترکوں کا قائداعظم، اس بدبخت نے عربی پر پابندی لگادی، بولنا جرم، حتی کہ عربی رسم الخط پر بھی پابندی لگادی رومن الفاظ میں ترکی لکھی جائے گی، یعنیلا طینی حروف استعمال کر کے ترکی لکھی جائے گی، اس نے اتنی سخت پابندی لگائی کہ ایک ہی شام اعلان کر کے پوری قوم کو ان پڑھ بنا دیا، ورنہ ترکی کی زبان بھی عربی تھی۔ اور تم لوگ اپنی زبان بھی بھول گئے، صحابہ تھے کل کتنے؟ لیکن جہاں گئے اپنی زبان کو رواج دیا اور پھیلایا اور تم عربی زبان بھی بھلا بیٹھے۔

عشاء کی نماز میں تاخیر کرنا

[حدیث: ۲۰۹] ”عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَنَامُوْا وَاِنَّکُمْ لَمْ تَزَالُوْا فِیْ صَلٰوۃٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلٰوۃَ۔“

(رواہ مسلم: کتاب المساجد، باب وَقْتِ الْعِشَاءِ وَتَأْخِیرِھَا، حدیث: ۱۰۱۲)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک لوگ نماز پڑھ چکے اور سو گئے، اور تم مسلسل نماز میں رہے جب تک کہ تم نماز کے انتظار میں رہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے وقت کہیں تشریف لے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں انتظار کر رہے تھے، کافی دیر گزر گئی، تہائی رات گزر گئی، آدھی رات کے قریب پہنچ گئی، گھر سے تشریف نہیں لا رہے، یہاں تک کہ بہت سے لوگ بے چارے بیٹھے بیٹھے سو گئے، اس زمانے میں خواتین بھی آتی تھی، ان کے ساتھ بال بچے بھی ہوتے تھے، تو صحابہ کو کافی تشویش ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیوں تشریف نہیں لائے؟ بہر حال کافی رات گزرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ: ”لوگوں نے نماز پڑھ لی اور سو گئے“ کن لوگوں نے نماز پڑھ لی اور سو چکے ہیں؟

اس میں علماء کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ اہل مدینہ کے علاوہ باقی جہاں جہاں بھی مسلمان ہیں انہوں نے اپنی اپنی جگہ نماز پڑھ لی ہوگی اور سو بھی چکے ہوں گے کہ بہت رات گزر چکی تھی، لیکن تم ابھی تک نماز کے انتظار میں بیٹھے ہو۔

دُوسرا قول یہ ہے کہ پہلے مذاہب والوں نے اپنی اپنی عبادات مکمل کر لیں، جو بھی ان کا طریقہ ہوگا اور سو چکے اور تم ابھی تک نماز کے اندر بیٹھے ہو، پھر ارشاد فرمایا کہ: تم نماز کی حالت میں رہے جب تک کہ تم نماز کے انتظار میں رہے، یعنی جب تک تم نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے تمہارے اس پورے وقت میں نماز کا

ثواب لکھا گیا۔

آنحضرت ﷺ کا معمول اتنی رات کرنے کا نہیں تھا، لیکن تہائی رات تک تأخیر فرماتے تھے، اُم المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ: آنحضرت ﷺ عشاء کس وقت پڑھتے تھے؟ فرمانے لگیں کہ تیسرے تاریخ کا چاند جس وقت ڈوبتا ہے اس وقت پڑھا کرتے تھے۔ یہ تقریباً تہائی رات ہوتی ہے، رات کا ایک حصہ گزر گیا اور دو حصے باقی ہیں، اور اس سے مقصود یہ تھا جس کو کچھ کھانا پینا ہے یا کوئی اور شغل ہے تو اس سے فارغ ہو جائے اور صرف عشاء کی نماز باقی ہو، عشاء کی نماز پڑھیں اور آرام سے سو جائیں، اس کے بعد کوئی اور کام باقی نہ ہوتا کہ نامۂ اعمال صبح نماز سے شروع ہو اور نماز پر ختم ہو جائے: ''كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَه وَالْكَلَامُ بَعْدَه'' آنحضرت ﷺ عشاء کی نماز سے قبل سونا اور عشاء کی نماز کے بعد گفتگو کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

غرضیکہ آنحضرت ﷺ کا معمول اتنی تاخیر کا نہیں تھا، لیکن یہ جو واقعہ تاخیر کا پیش آیا اس کی کئی حکمتیں ہو سکتی ہیں، بہت ممکن ہے کہ آپ کو کوئی شغل مانع ہوا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقصود اس سے یہ بیان کرنا ہو کہ عشاء کو اتنی دیر سے بھی پڑھا جا سکتا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی انقیاد و تسلیم و صبر کا امتحان لینا مقصود ہو، جس کے دل میں ذرا بھی کچا پن ہوگا فوراً کہے گا کہ جی گھر سے نکلتے ہی نہیں ہیں، ان کو پرواہ ہی نہیں ہے۔ ہم تو یہی کہتے ہیں، ہمارے جیسے مسلمان ہوتے تو یہی کہتے، بے شمار لوگوں کے اس قسم کے سوالات آتے ہیں، اماموں پر اعتراضات، تو امتحان مقصود تھا، بے چارے بچے چلا چلا کر سو گئے، وہ لوگ بھی پریشان ہو کر سو گئے، لیکن کبھی کسی نے نہیں کہا کہ: حضور! آج تو بڑی تاخیر کر دی، بڑے پریشان ہو گئے، کیا بات ہو گئی تھی؟ اتنی دیر کیوں کر دی آپ نے؟ کسی نے پوچھا؟ یہ ایمان و تسلیم اور انقیاد تھا صحابہ کرام کا، ان کو معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ نمازیوں کی اور بطورِ خاص کمزوروں کی بہت رعایت فرماتے ہیں،

''إِذَا أَمَمْتُمْ فَخَفِّفُوْا فَإِنَّ فِيْكُمُ الْكَبِيْرَ وَالصَّغِيْرَ'' (مسند احمد بن حنبل)

ترجمہ: ''اگر تم میں کوئی امامت کرائے تو ہلکی نمام پڑھائے۔''

اس لئے کہ مقتدیوں میں کوئی کمزور ہوگا، کوئی بڑی عمر کا ہوگا، کوئی ضرورت مند ہوگا، اس لئے نماز کو زیادہ لمبا نہ کرے۔ ''وَإِذَا يُصَلِّيْ بِنَفْسِه فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ'' اور جب اپنی نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی پڑھتا چلا جائے، وہ اپنے ذوق پر ہے۔

آنحضرت ﷺ تو خود ہی ضعفاء کی رعایت فرماتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی کہ جس کی نماز آپ ﷺ سے زیادہ اکمل اور ہلکی ہو۔ یعنی خوب لمبی ہوتی تھی لیکن آپ کی قراءت ایسی ہوتی تھی کہ جتنی بھی قراءت فرما لیں نماز ہلکی معلوم ہوتی تھی۔ تو آج جو تشریف نہیں

لائے تو کوئی بات ہوگی اور ہر بات کوئی پوچھا تھوڑی کرتے ہیں کہ کیا بات ہوگئی تھی مولوی جی! ہم ہوتے تو ہر آدمی اس پر تبصرہ کرنا لازمی سمجھتا، تو یہ صحابہ کرام کے ایمان وتسلیم کا امتحان تھا۔ اور ہم لوگوں کو بتانا تھا کہ وہ تم جیسے نہیں تھے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جب تک آدمی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے آرام سے، چپ کر کے، ایک گھنٹہ اگر بیٹھنا پڑے تو ایک گھنٹہ لمبی نماز تمہارے لئے لکھی گئی، بغیر کسی کام اور محنت کے اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تک بندہ نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے، وہ نماز ہی کے حکم میں ہوتا ہے، (مسند احمد بن حنبل) اس کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے اور فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ انتظار میں بیٹھا رہے فرشتے کہتے ہیں: ”اللّٰھم اغفر لہ، اللّٰھم ارحمہ“ یا اللہ! اس کی بخشش فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ شرط یہ ہے کہ باوضو بیٹھا ہو، اگر وضو توڑ دیا، یا اُٹھ کر چلا گیا تو فرشتوں کی دُعا ختم۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قصہ ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے حاجی شفیع اللہ، حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتے تھے، بہت خوبصورت گاڑی انہوں نے خریدی تھی، صرف حضرت کو لانے لے جانے کے لئے، اور فرمایا کرتے تھے کہ: ”میں حضرت کا ڈرائیور ہوں“ یہی کہا کرتے تھے، کھاتے پیتے آدمی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ: حضرت رحمۃ اللہ علیہ چپ کر کے مسجد میں بیٹھ جاتے تھے، زبان سے کچھ پڑھتے بھی نہیں، میں نے کہا کہ: حضرت! آپ مسجد میں بہت پہلے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور پڑھتے بھی کچھ نہیں، میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے لب نہیں ہلتے، حضرت نے یہ حدیث بیان فرمائی اور فرمایا: حاجی شفیع اللہ! میں فرشتوں کی دُعا پر آمین، آمین کہتا رہتا ہوں، فرشتے میرے لئے کہتے رہتے ہیں: ”اللّٰھم اغفر لہ، اللّٰھم ارحمہ“ ان کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے، میں ان کی دُعا پر دِل میں آمین، آمین کہتا رہتا ہوں۔

لیکن لغویات میں مشغول نہ ہوں، مسجدیں اللہ کے ذکر کے لئے بنی ہیں، جب یہاں لوگ باتیں کرتے ہیں مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے، جب کان میں آواز آتی ہے ایسا لگتا ہے کہ ڈنڈا مارا ہے کسی نے، پنجاب میں تو مساجد میں شور وغل رہتا ہے، الحمدللہ! یہاں ہماری مسجد میں بہت سکون ہے، جب لوگ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت خوشی ہوتی ہے۔ سو دو سو آدمی بھی ہوں تو سکون سے بیٹھے عبادت میں لگے رہیں، اور اسی بنا پر حدیث میں ہے:

”نَھٰی رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّحَلُّقِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ“

(سنن النسائی)

ترجمہ: ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن حلقے بنانے سے منع فرمایا ہے۔“

حلقہ بنا کر ایک دُوسرے کی طرف منہ کر کے بیٹھیں گے تو باتیں ہوگی، اس بات سے منع فرمایا۔ جو بھی مسجد میں آئے اطمینان سے بیٹھ جائے عبادت میں لگ جائے، بات چیت نہ کرے، ہاں! ضرورت پیش آجائے تو بات چیت کر لے، اس کی اجازت ہے، لیکن اصل یہی ہے کہ یہاں سکون اور وقار کے ساتھ بیٹھا رہے۔

نماز کی تعلیم و طریقہ

[حدیث: ۲۱۰] ”عَنِ الْحَکَمِ بْنِ عُمَیْرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَکَبِّرُوْا، وَارْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ وَلَا تَجُوْزُوْا اٰذَانَکُمْ وَقُوْلُوْا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ۔“

(کنز العمال ج:۸ ص:۹۲، ۹۳ حدیث:۲۲۰۴۸)

ترجمہ: ”حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہا کرو، اپنے ہاتھوں کو اُٹھاؤ، لیکن ہاتھوں کو اتنا نہ اُٹھاؤ کہ کانوں سے اُوپر چلے جائیں، اور پھر ”سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ“ ... آپ پاک ہیں اے اللہ! اور میں حمد کرتا ہوں آپ کی اور آپ کا نام بہت بابرکت ہے، اور آپ کی بزرگی اور آپ کی شان بہت ہی برتر ہے، اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے... پڑھو۔“

تشریح: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سب کچھ سکھاتے تھے، نماز سکھاتے تھے، عسکری نے امثال میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کلام کے فواتح اور جوامع سکھایا کرتے تھے، یعنی جو کلام شروع کرنا ہو اس کے ابتدائی کلمات کیا ہونے چاہئیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سکھاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حاجت کی نماز سکھاتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نکاح کا خطبہ سکھاتے تھے، یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باقاعدہ ہمیں سکھاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے ”سبحانک اللّٰھم“ سے نماز شروع فرماتے تھے۔

فاتحہ کے مضامین کی تقسیم

[حدیث: ۲۱۱] ” قَالَ اللہُ تَعَالٰی: قَسَمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ

نِصْفَيْنِ، وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ۔ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: "اَلْحَمْدُ لله رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" قَالَ اللهُ تَعَالٰى: حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ! وَإِذَا قَالَ: "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" قَالَ اللهُ تَعَالٰى: أَثْنٰى عَلَیَّ عَبْدِیْ! وَإِذَا قَالَ: "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" قَالَ: مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ! وَإِذَا قَالَ: "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" قَالَ: هٰذَا بَيْنِیْ وَبَيْنَ عَبْدِیْ، وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ۔ فَإِذَا قَالَ: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" قَالَ: هٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ۔"

(رواہ مسلم: کتاب الصلاۃ، باب وجوب قرآۃ الفاتحۃ، حدیث: ۵۹۸)

ترجمہ: ''حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو اپنے درمیان اور بندے کے درمیان تقسیم کر دیا، جب بندہ کہتا ہے کہ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ" میری حمد کی میرے بندے نے۔ بندہ جب کہتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: "أَثْنٰى علَیَّ عَبْدِیْ" میری تعریف کی میرے بندے نے۔ بندہ جب کہتا ہے: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ: "مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ" میری بزرگی بیان کی میرے بندے نے۔ یہ تین آیتیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور چوتھی آیت: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "هٰذا بَيْنِیْ وَبَيْنَ عَبْدِیْ" یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی ہے، آدھی میری اور آدھی میرے بندے کی، ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے لئے، ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ اور آپ سے مدد چاہتے ہیں، مدد چاہنا بندے کا کام ہے، عبادت لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، عبادت، اللہ تعالیٰ کی اور مدد، بندے کی، اور یہ حق تعالیٰ شانہٗ نے بندے کو شرف بخشا ہے کہ ایک ہی فقرے میں دونوں کو جمع کیا ہے۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ دِکھا ہم کو راہ سیدھی، دِکھا نہیں، بلکہ چلا ہم کو سیدھی راہ پر، ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ راہ ان لوگوں کی جن پر آپ کا اِنعام ہوا، ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ نہ ان پر غضب ہوا اور نہ وہ گم راہ ہوئے۔ یہ تین آیتیں ہیں، جب بندہ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ سے آخر سورت تک یہ تین آیتیں پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں: "هٰذَا لِعَبْدِی وَلِعَبْدِی مَا سَأَلَ" یہ میرے بندے کا حصہ ہے، یعنی بندہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگتا

ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے کا حصہ ہے اور میرے بندے کے لئے وہ چیز ہے جو وہ مانگتا ہے۔"

تشریح: یعنی حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو اپنے درمیان اور بندے کے درمیان تقسیم کر دیا، جب بندہ کہتا ہے کہ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ" میری حمد کی میرے بندے نے۔ بندہ جب کہتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: "أَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ" میری تعریف کی میرے بندے نے۔ بندہ جب کہتا ہے: ﴿مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ: "مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ" میری بزرگی بیان کی میرے بندے نے۔ یہ تین آیتیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور چوتھی آیت: ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "ھٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ" یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی ہے، آدھی میری اور آدھی میرے بندے کی۔ ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ﴾ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے لئے، ﴿وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ اور آپ سے مدد چاہتے ہیں، مدد چاہنا بندے کا کام ہے، عبادت لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، عبادت، اللہ تعالیٰ کی اور مدد، بندے کی، اور یہ حق تعالیٰ شانہٗ نے بندے کو شرف بخشا ہے کہ ایک ہی فقرے میں دونوں کو جمع کیا ہے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نوّر اللہ مرقدہ ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ اس آیت پر بہت زور دیتے تھے، اس کو بہت بیان فرماتے تھے کہ آپ ہی کی بندگی کرتے ہیں، آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: یہ ہمارے پورے دِین کی جان ہے، ہماری عبدیت کی جان ہے۔

حال ہی میں میرے بڑے بھائی... چوہدری عبدالباری... کا انتقال ہوا ہے، لوگ ان کی باتیں کر رہے تھے، میرے ایک بھانجے کہنے لگے کہ: میں اپنے کسی کام کے لئے ان کے پاس جاتا اور کہتا: ماموں جی! یہ کام کرنا اور اس کے لئے میرے ساتھ جانا ہے۔ جب تک ان کی صحت متحمل تھی تو فرماتے: مجھے لاد کر لے چلو، ان کے پاس موٹر سائیکل تھی۔ اور جب کبھی صحت متحمل نہ ہوتی اور ان کو تکلیف ہوتی، اور میں کہتا کہ فلاں کام کے لئے جانا ہے، تو کہتے: "جانے کی میری تو ہمت نہیں ہے، تم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ پڑھتے چلے جاؤ، اس کو آزما کے دیکھو۔"

میرے بھائی! تم بھی اس کو اپنے دِل میں جماؤ، صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور بندہ اپنی بندگی کے مقام پر آجائے۔

﴿وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ اور صرف آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہم لوگ اسباب و وسائل کے محتاج

ہیں، لیکن حق تعالیٰ شانہ' تو وسائل کے محتاج نہیں، وہ تو ان اسباب کے محتاج نہیں، یہ ان کی کمالِ قدرت اور کمالِ حکمت ہے کہ اسباب کو پردہ بنالیا ہے، اسباب کے پردے میں مدد فرماتے ہیں۔

یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے لینے کے دو طریقے ہیں، ایک طریقہ اسباب کا ہے اور ایک طریقہ بغیر اسباب کا ہے۔

ایک تو یہ کہ جن اسباب کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان اسباب کو اِختیار کرو اور اَسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! جتنا میں کرسکتا تھا وہ میں نے کرلیا اور آگے آپ مدد فرمانے والے ہیں، ان اسباب کے اندر کچھ نہیں رکھا، آپ نے حکم دیا، ہم نے کرلیا، آپ کا حکم سمجھ کر اسباب کو اِختیار کرلیا، بیمار ہوگئے تھے، دوائی کا حکم ہے، دوائی لے لی، اس دوائی کے اندر کیا رکھا ہے؟ شفا تو آپ ہی دینے والے ہیں، شفا تو آپ کی جانب سے ہی ہے، آپ چاہیں عطا فرمادیں، آپ کو منظور نہ ہو تو نہ سہی۔

اسی طرح دُوسرے اسباب ہیں، اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں، ان کا انکار نہیں، اسباب کو اِختیار کرو، اسباب اختیار کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ کہہ دو کہ یا اللہ! میرے لئے تو کوئی دُوسرا سبب بھی نہیں ہے، کوئی وسیلہ بھی نہیں ہے، اسباب و وسائل تو وہ آدمی اختیار کرے، جس کیلئے کوئی سبب اور وسیلہ ہو، میرے تو تمام وسائل اور اسباب منقطع ہوگئے، صرف آپ ہی کی ذات میرے لئے سبب ہے، میرے لئے وسیلہ ہے، تو ہی مسبّب الاسباب ہے، جب بندہ اس مقام پر آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بغیر اسباب کے عطا فرمادیتے ہیں، لیکن کمزور آدمی اس راہ پر نہیں چل سکتا! ہم لوگ اسباب کے محتاج ہیں، لیکن کبھی اسباب بھی جواب دے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے بغیر اسباب کے مانگو، اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کی پاک قدرت سے بڑھ کر کوئی دوسرا سبب اور وسیلہ کیا ہوگا؟ اس سے مانگو! ﴿اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ بڑی بات ہے۔

اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ﴾ دِکھا ہم کو راہ سیدھی، دِکھا نہیں، بلکہ چلا ہم کو راہ سیدھی، ﴿صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ﴾ راہ ان لوگوں کی جن پر آپ کا اِنعام ہوا، ﴿غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ﴾ نہ ان پر غضب ہوا اور نہ وہ گم راہ ہوئے۔

یہ تین آیتیں ہیں، جب بندہ ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ﴾ سے آخر سورت تک یہ تین آیتیں پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ' فرماتے ہیں: ''ھٰذا لعبدی و لعبدی ما سأل'' یہ میرے بندے کا حصہ ہے، یعنی بندہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے کا حصہ ہے اور میرے بندے کے لئے وہ چیز ہے جو وہ مانگتا ہے۔

''آمین'' کا معنی

[حدیث:۲۱۲] ''اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا: اٰمِيْنَ۔'' (مشکوٰۃ ص:۷۹)

ترجمہ: ''جب اِمام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔''

تشریح: آمین کے معنی ہیں: ''اللّٰھم استجب دُعاءنا'' یا اللہ! ہماری دُعا قبول فرما، یہ قرآنِ کریم کا حصہ نہیں ہے یعنی ''آمین'' قرآنِ کریم کا لفظ نہیں ہے، یہ پڑھنے والا اپنی طرف سے پڑھتا ہے، اِمام بھی پڑھتا ہے، مقتدی بھی پڑھتا ہے اور اکیلی نماز پڑھنے والا بھی پڑھتا ہے۔

بندہ کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو

[حدیث:۲۱۳] ''اِذَا أَمَّنَ الْقَارِءُ فَأَمِّنُوْا، فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ ...... فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔'' (مشکوٰۃ ص:۷۹)

ترجمہ: ''جب اِمام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کیونکہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، ...وہ تمہارے ساتھ جو شریک ہیں نماز میں... جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی، اس کے پہلے گناہ معاف ہوگئے، ...آمین کہنے پر تمام گناہ معاف...''

تشریح: لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو۔ اب موافقت کس چیز میں ہونی چاہئے؟ بھائی! موافقت ایک تو وقت میں ہوسکتی ہے، یعنی ٹھیک اس وقت جس وقت فرشتوں نے آمین کہی ہو، اس وقت اس نے آمین کہی ہو، آگے پیچھے نہیں۔ اور ایک موافقت ہوسکتی ہے حضورِ قلب میں، جس طرح فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضورِ قلب کے ساتھ آمین کہتے ہیں، اسی طرح بندہ بھی کہے۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''أَيُّ الْخَلْقِ أَعْجَبُ اِلَيْكُمْ اِيْمَانًا؟ قَالُوْا: اَلْمَلَائِكَةُ! قَالَ: وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ قَالُوْا: فَالنَّبِيُّوْنَ! قَالَ: وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ۔ قَالُوْا: فَنَحْنُ! قَالَ: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ أَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَيَّ اِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا۔'' (مشکوٰۃ ص:۵۸۴)

ترجمہ: ''سب سے زیادہ تمہارے یہاں پسندیدہ ایمان کس کا ہے؟ صحابہ نے عرض

کیا: یارسول اللہ! سب سے زیادہ پسندیدہ ایمان فرشتوں کا ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: فرشتے ایمان کیوں نہ لائیں جبکہ وہ اپنے رَبّ کے پاس رہتے ہیں،... ان کا ایمان کیا پسندیدہ ہوا؟ فرشتے تو فرشتے ہی ہیں، ایک تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی ایسا کیا، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر باش ہیں، ان کو جلال و جمال کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، وہ کیوں ایمان نہ لائیں؟... صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر انبیائے کرام کا ایمان سب سے زیادہ پسندیدہ ہے! فرمایا: وہ حضرات ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہے،... وہ بھی ایمان نہیں لائیں گے تو کون ایمان لائے گا؟ یہ بھی سوال کا جواب نہ ہوا... صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر سب سے زیادہ ہمارا ایمان پسندیدہ ہے! فرمایا: میں تمہارے سامنے موجود ہوں، تم ایمان کیوں نہ لاؤ گے؟ ... صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر آپ ہی ارشاد فرمائیں... آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ پسندیدہ ایمان ان لوگوں کا ہے، جو میرے بعد ہوں گے، میرا نام سنیں گے اور صحیفے پڑھیں گے، اس میں کتاب اللہ ہوگی اور ان کو پڑھ پڑھ کر ایمان لائیں گے،... نہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، نہ فرشتوں کو دیکھا اور نہ مجھے دیکھا، صرف میرا نام سنا، نام سن کر ایمان لے آئے تھے، ان کا ایمان پسندیدہ ہے...!“

پسندیدہ اور چیز ہے، قوی اور چیز ہے، یہ بات سمجھ لو! بعد والوں کا ایمان پسندیدہ ضرور ہے لیکن قوی ان حضرات کا ایمان ہے، یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایمان قوی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان قوی ہے، کیونکہ وہ اربابِ مشاہدہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: جو لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایمان لے آئے مجھے ان پر تعجب نہیں آتا، مجھے تعجب ان پر آتا ہے جو آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کا معاملہ کچھ پوشیدہ نہیں تھا، آنحضرت ﷺ کے چہرۂ انور پر نظر پڑے اور ایمان دِل میں نہ اُترے۔

تو خیر مجھے تو اس حدیث سے یہ عرض کرنا تھا کہ فرشتوں کے بارے میں فرمایا کہ: وہ ایمان کیوں نہ لائیں؟ وہ تو اپنے رَبّ کے پاس رہتے ہیں، حضراتِ ملائکہ کو، فرشتوں کو حق تعالیٰ شانہٗ کے جاہ وجلال کا مشاہدہ ہے، ان حضرات کا آمین کہنا یا دُعا کرنا کتنے اِخلاص کا ہوگا، قرآنِ کریم میں ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ﴾ (المؤمن:۷)

ترجمہ: ''جو لوگ کہ اُٹھائے ہوئے ہیں عرشِ اِلٰہی کو اور اس کے ارد گرد والے فرشتے وہ تسبیح کہتے ہیں اپنے رَبّ کی حمد کے ساتھ اور اِستغفار کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ فرشتے جو حاملینِ عرش ہیں، وہ تمہارے لئے اِستغفار کرتے ہیں اور اِیمان والوں کے لئے اِستغفار کرتے ہیں۔

ہمارے حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں ایک قصیدہ ہے، اس میں ایک جگہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے کہتے ہیں کہ: آپ کی برکت سے اتنی تو رعایت ہوگئی ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں اور فرشتے اِستغفار کرتے ہیں، گناہ ہم کریں اور ہمارے لئے اِستغفار فرشتے کریں، یہ آپ کی بدولت ہوا، آپ کی برکت سے ہوا۔

تو حضراتِ ملائکہ یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا آمین کہنا اور دُعا کرنا کتنا اِخلاص پر مبنی ہوگا؟ وہ خود معصوم ہیں لیکن گناہگاروں کے لئے بخشش کی دُعا کرتی ہیں، اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے گناہگاروں کے لئے دُعائیں کرتے ہیں، اِستغفار کرتے ہیں، بخشش مانگتے ہیں، تو جس طرح فرشتے آمین کہتے ہیں تم بھی اس طرح آمین کہو، فرشتے بارگاہِ اِلٰہی میں حاضر ہیں، تم بھی ہاتھ باندھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ، فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے صفیں باندھے کھڑے ہیں، تم بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھے، صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاؤ۔

اس وقت تمہارا وجود، جبکہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے جماعت کی نماز میں صف باندھے کھڑے ہو، فرشتوں سے کم نہیں، تم فرشتوں سے بازی لے گئے ہو، وہ کھانے پینے کے محتاج نہیں، تم کھانے پینے کے محتاج ہو، وہ دُنیا کے دھندے کے محتاج نہیں، تم اپنی دُنیا کے دھندوں کے محتاج ہو، ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حکم کی بجا آوری کے لئے کسی چیز کو چھوڑ کر نہیں آنا پڑتا، تم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آئے ہو:

تر دامنی پہ اپنی اے زاہد نہ جائیو!
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

بندہ جب تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوجاتا ہے تو فرشتے پیچھے رہ جاتے ہیں، یہ آگے نکل جاتا ہے، فرشتے ان پر رشک کرتے ہیں، ملائکہ ان پر رشک کرتے ہیں، بلکہ ملائکہ تو ان کی خدمت پر مأمور ہیں، ان کا مقام بہت اُونچا ہے، لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اپنا مقام پہچانا نہیں، اپنے آپ کو گرا دیا ہے، ان کا مقام بہت اُونچا ہے، آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ نے ان کی چاکری کے لئے مقرّر کئے ہوئے ہیں، ان کی غلامی کے

لئے، ان کی خدمت کے لئے مقرّر کئے ہوئے ہیں، ان کا مقام بہت بلند ہے، تو یوں فرمایا: جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی اس کے لئے اس کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے، اِخلاص کے ساتھ اور بڑی توجہ کے ساتھ آمین کہا کرو، یہ حدیث شریف صحاحِ ستہ کی ہے۔

اِمام اور مقتدیوں کا وظیفہ

[حدیث:۲۱۴] ”عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اِذَا أَمَّنَ الْقَارِیُ فَأَمِّنُوْا۔“ (رواه البخاری، مشکوٰة حدیث ۷۶۴)

ترجمہ: ”صحیح بخاری شریف کی کتاب الدعوات میں روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جب قراءت کرنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ قراءت اِمام کرے، مقتدیوں کا وظیفہ آمین کہنا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دُعا کررہے تھے، قرآنِ کریم نے وہ دُعا نقل کی ہے:

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۸۸﴾ (یونس)

ترجمہ: ”اے اللہ! آپ نے فرعون اور فرعون کے لشکر کو، فرعون کے لوگوں کو دُنیا کی زیب و زینت اور مال عطا فرمائے ہیں، یا اللہ! اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ تیرے راستے سے لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں،... بجائے اس کے کہ خود مانیں اُلٹا دُوسروں کو بھی گمراہ کررہے ہیں... یا اللہ! ان کے مالوں کو مٹاڈال، ان کے دِلوں پر گرہ لگادے، اب یہ ایمان نہ لائیں جب تک یہ دردناک عذاب کو دیکھ نہ لیں۔“

جلال آگیا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، جلالِ موسوی کی دُعا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہاتھ اُٹھائے دُعا کررہے تھے اور بڑے بھائی ہارون ان کے ساتھ آمین کہہ رہے تھے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ (یونس:۸۹)

ترجمہ: ”تم دونوں کی دُعا قبول ہوگئی۔“

یوں کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دُعا اور فرعون کے غرق ہونے کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! تم دونوں کی دُعا قبول ہوگئی۔ اور ہم آج دُعا کرتے ہیں اور یہ

چاہتے ہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں اُگنی چاہئے، ابھی میں نے دُعا کی ہے اور ابھی یہ کام ہو جانا چاہئے، یہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی شان ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دُعا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کر رہے تھے اور حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام آمین کہہ رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں قرآنِ کریم کے الفاظ ہیں فرمایا: ﴿قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ تحقیق قبول ہوگئی تم دونوں کی دُعا۔ دُعا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تھی حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو صرف آمین کہی، دُعا دونوں کی بن گئی۔

فرشتوں کی جوابی آمین مغفرت کا سبب ہے

[حدیث:۲۱۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ آمِينَ وَقَالَتْ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ آمِينَ فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى غُفِرَ لَه مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔“ (صحیح بخاری ج:۳، ص:۲۴۶، حدیث نمبر: ۷۳۹، بَاب فَضْلِ التَّأْمِينِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت کسی نے آمین کہی اور فرشتوں نے بھی آسمان میں آمین کہی پھر موافق ہوگئی ایک آمین دوسری آمین کے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔“

[حدیث:۲۱۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، إِذَا قَالَ الْإِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَه مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔“

(صحیح بخاری ج:۳، ص:۲۴۸، حدیث نمبر: ۷۴۰، بَاب جَهْرِ الْمَأْمُومِ بِالتَّأْمِينِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ کہے تو تم کہو آمین، اس لئے کہ جس شخص کا قول ملائکہ کے قول کے موافق ہوگا اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔“

تشریح: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جب تم میں سے ایک آدمی آمین کہے اور آسمان پر فرشتے بھی آمین کہیں، ایک کی آمین دوسرے کی آمین کے موافق ہوجائے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یہی مفہوم دوسری حدیث کا بھی ہے کہ جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ کہے تو تم آمین کہو اس لئے کہ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے گی اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

یہ مضمون گذشتہ احادیث میں آچکا ہے اور میں نے وہاں بتایا تھا کہ ان احادیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ امام کے پیچھے آمین کہنی چاہیئے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ امام کی فاتحہ پر مقتدی آمین کہے گا اور ظاہر ہے امام کی فاتحہ میں مقتدی کا کچھ تو حصہ ہوگا کہ وہ اس کی فاتحہ پر آمین کہے گا ورنہ کیا ضرورت ہے؟ آپ اپنی دُعا مانگتے ہیں، میں اپنی دُعا مانگتا ہوں، سورۃ فاتحہ دعا ہے، ہر مقتدی اگر اپنی اپنی فاتحہ پڑھے اور امام کی فاتحہ اگر ان کے لئے نہ ہو تو پھر کسی کو کسی کی فاتحہ پر آمین کہنے کا کوئی معنی نہیں ہے، تمام مقتدیوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ امام کی فاتحہ ختم ہونے پر آمین کہیں، اس لئے کہ امام صرف اپنی طرف سے تنہا فاتحہ پیش نہیں کرسکتا تھا بلکہ پوری قوم کی طرف سے نمائندہ بن کر سوال کرر ہا ہے، فاتحہ میں سوال ہے اللہ تعالیٰ سے تو وہ درخواست صرف اپنی طرف سے پیش نہیں کرر ہا ہے بلکہ پوری قوم کی طرف سے درخواست پیش کرر ہا ہے اور پھر جب اس نے درخواست پیش کردی تو سب بیک زبان کہیں کہ ہم بھی اس کے ساتھی ہیں، ہماری طرف سے بھی قبول فرمائیے، آمین کا یہ مطلب ہے اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ یَا اللّٰہُ۔ اس کو قبول فرما۔

تیسری بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ آمین آہستہ کہی جائے گی، زور سے نہیں، ایک تو اس لئے کہ آمین دُعا ہے اور دعا میں اخفاء ہے، دُعا خفیہ کی جائے تو قبول ہوتی ہے اور لوگوں کو سنا کر کی جائے تو ایسی ہی ہوتی ہے، تو آمین اگر تم آہستہ کہو تو یہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہوا، ہاں کبھی تعلیم کے لئے اونچی پڑھی تو الگ بات ہے، دوسری بات یہ کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور ہمیں ان کی موافقت کا حکم ہے، موافقت وقت میں بھی ہوسکتی ہے یعنی جس وقت فرشتے آمین کہیں عین اس وقت تم بھی آمین کہو، اب فرشتوں کا تو وقت معلوم نہیں کیونکہ وہ اونچی نہیں کہتے، تو امام کی ﴿وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ ختم ہونے پر فوراً آمین کہو، غالباً اسی وقت فرشتے آمین کہتے ہیں اور اس آمین کو اتنا بھی نہ کھینچو کہ فرشتوں کی آمین ختم ہوجائے تمہاری ختم ہی نہ ہو، موافقت کے معنی یہی ہیں۔

تو ایک موافقت تو یہ ہے کہ وقت میں فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہماری آمین موافق ہوگئی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس کی موافق ہوگئی اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ دوسری یہ کہ موافقت آواز میں بھی ہوسکتی ہے، فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں تم بھی آہستہ آمین کہو، بہر حال آمین بہت بڑی فضیلت ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ یہود جتنا تمہاری آمین پر حسد کرتے ہیں اتنا کسی چیز پر حسد نہیں کرتے، آمین پر اس لئے حسد کرتے ہیں کہ امام نے فاتحہ پڑھی سب نے کہہ دیا آمین، سب کی طرف سے ہوگئی، اگر دس ہزار آدمی ہوں نماز میں شریک تو ایک ہی آمین کے لفظ سے دس ہزار فاتحہ ادا ہوگئی، یہود کو تو حسد کرنا چاہیئے، انعام ہے پھر اس آمین پر گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے تو یہ دولت یہودیوں کو کہاں مل سکتی ہے؟

نماز میں قراءت فرض ہے

[حدیث: ۲۱۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الصلاۃ، باب وجوب قرآۃ الفاتحہ، حدیث: ۵۹۹)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز نہیں مگر قراءت کے ساتھ۔“

[حدیث: ۲۱۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ......، لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ۔“ (صحیح مسلم ج: ۲، ص: ۳۵۳، حدیث نمبر: ۵۹۹، بَابُ وُجُوبِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَإِنَّهُ إِذَا لَمْ......)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز نہیں ہوتی بغیر قراءت کے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی قراءت کرنا، تلاوت کرنا یہ نماز میں فرض ہے لیکن کتنی مقدار فرض ہے اس میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہوا ہے، ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کہیں سے بھی مطلق قراءت کرلینا، آپ قرآن کریم کی تلاوت کرلیں تین آیت کی مقدار تو فرض ادا ہوجاتا ہے لیکن علی الخصوص سورۃ فاتحہ پڑھنا اور سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی چھوٹی سورت پڑھنا یا بڑی آیت پڑھنا یا تین آیتیں پڑھنا یہ مستقل واجب ہے، سورۃ فاتحہ بھی واجب ہے اگر کسی نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی بھول گیا تھا تو نماز واجب الاعادہ ہے اور اگر سورۃ فاتحہ پڑھ لی لیکن بعد میں جو قراءت کی جاتی ہے، سورۃ پڑھی جاتی ہے وہ بھول گیا تو واجب ترک ہوگیا اب یا تو سجدہ سہو کرلے یا پھر نماز کا لوٹانا ضروری ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کے نزدیک جیسا کہ دوسری روایت میں آتا ہے سورۃ فاتحہ فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، باقی قرآن کی تلاوت کرنا مستحب ہے، ہمارے حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تعجب کی بات ہے کہ سورۃ فاتحہ پر تو اتنا زور دے دیا کہ اس کو فرض قرار دے دیا اور باقی سارے قرآن کو مستحب کی مد میں رکھا، پورا قرآن مستحب کی مد میں، یہاں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تفقہ ان کی دقیقہ رسی اور ان کے ذہن کی بلندی معلوم ہوتی ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہر نماز میں سورۃ فاتحہ بھی واجب ہوتی اور ساتھ کے ساتھ ﴿الٓمٓ﴾ سے پورا قرآن یہ بھی واجب ہوتا کیونکہ سورۃ فاتحہ سورۃ المسئلۃ ہے یعنی درخواست کی سورت ہے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ یا اللہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا اور پورے کا پورا قرآن ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کی درخواست کا جواب ہے، جیسے ہم پہلے سوال لکھتے ہیں پھر اس کے آگے جواب لکھتے ہیں، تم نے کہا کہ ﴿الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾﴾ ''یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں یہ ہدایت ہے متقین کے لئے'' اگر تم ہم سے درخواست کرتے ہو کہ تمہیں ہدایت دیں تو پھر ہماری اس کتاب پر عمل کرو، یہاں سے لے کر آخر تک پورا قرآن اسی ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کا جواب ہے۔

تو ہمارے امام یہ فرماتے ہیں کہ عقل یہ کہتی تھی کہ ہر رکعت میں بندے اپنا سوال بھی دُہرائیں اور ساتھ کے ساتھ اللہ کا جواب بھی سنیں لیکن تیس پارے ہر رکعت کے کیسے پڑھا کریں گے؟ اس لئے فرمایا: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (المزمل:۲۰) پڑھ لیا کرو جتنا تمہیں آسان لگے اور چھوٹی سے چھوٹی سورت ﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾﴾ یہ ۲۸ حروف پر مشتمل ہے، اگر کوئی شخص اٹھائیس حروف پر مشتمل آیتیں پڑھ لے تو فرض ادا ہوجائے گا تو غرضیکہ ہمارے نزدیک سورۂ فاتحہ الگ واجب اور قرآنِ کریم کی چھوٹی سورت پڑھنا یا تین آیتیں پڑھنا یا ایک بڑی آیت پڑھنا یہ الگ واجب ہے۔

اِمام کے پیچھے قراءت نہیں ہے

[حدیث:۲۱۹] ''وَاِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا...... وفی روایة عن أبی هريرة وقتادة: وَاِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ، فَقُوْلُوْا: اٰمِيْنَ۔'' (مشکوٰۃ ص:۷۹)

ترجمہ: ''جب اِمام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: اور جب اِمام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تم ''آمین'' کہو۔''

تشریح: ہمارے اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِمام فاتحہ پڑھے، مقتدی آمین کہیں، یہ سب کی دُعا ہوگئی، سب کی طرف سے ہوگئی۔

حافظ ابنِ کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ شافعی المسلک ہیں، باوجود شافعی المذہب ہونے کے... اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قائل ہیں اِمام کے پیچھے مقتدی کے فاتحہ پڑھنے کے اور ہمارے اِمام قائل نہیں... اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

''وقد يحتج بهٰذه الاٰية من يقول ان تأمين المأموم على قرائة الفاتحة ينزل منزلة قرائتها لأن موسٰى دعا وهارون أمّن وقال: قَدْ أُجِيْبَتْ

دَّعْوَتُکُمَا فَاسْتَقِیْمَا۔" (تفسیر ابن کثیر ج:۲ ص:۴۳۹)

یعنی اس آیت میں دلیل ہے اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی کہ اِمام قراءت کرے، فاتحہ پڑھے اور مقتدی اس پر آمین کہیں تو یہ سب کی فاتحہ شمار ہوگی، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُعا کی تھی اور حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر آمین کہی تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں کی دُعا قبول ہوگئی۔

معلوم ہوا کہ صرف حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا نہیں تھی بلکہ دونوں کی دُعا تھی، اس طرح اِمام فاتحہ پڑھے اور مقتدی آمین کہیں تو یہ سب کی فاتحہ ہے۔

رُکوع کا طریقہ و تسبیح

[حدیث:۲۲۰] "عن سعد بن ابی وقاص: کُنَّا نَفْعَلُ ذٰلِکَ فَنُهِیْنَا عَنْهُ وَاُمِرْنَا اَنْ نَّضَعَ الْاَکُفَّ عَلَی الرُّکَبِ۔" (ترمذی ج:۱ ص:۵۹)

ترجمہ: "پہلے ہم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن پھر اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس کے بجائے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہوا۔"

تشریح: ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کے ساتھ نماز پڑھی اور نماز سے پہلے فرمایا: میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھ کر دِکھاؤں، جب رُکوع میں گئے تو اس طرح اُنگلیوں میں اُنگلیاں ڈال لیں اور دونوں اُنگلیوں کی مٹھی بنالی اور پھر ان دونوں کو گھٹنوں کے درمیان کرلیا، گھٹنوں پر نہیں رکھا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع پہنچی تو فرمایا: میرے بھائی ابنِ مسعود سچ کہتے ہیں:

"پہلے ہم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن پھر اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس کے بجائے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہوا۔"

یہ کام ذرا مشکل ہے (دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان رکھنا) اس لئے کہ اس میں ہاتھوں کا گھٹنوں کے اُوپر سہارا نہیں ہوتا، جس طرح ہم رُکوع کرتے ہیں، یعنی ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر رُکوع کرتے ہیں، اس میں ہاتھوں کا گھٹنوں کے اُوپر سہارا رہتا ہے، اور آدمی جتنا چاہے لمبا رُکوع کرسکتا ہے، یعنی اگر دونوں ہاتھوں کو جمع کرکے گھٹنوں کے درمیان دے دیا جائے تو اس سے سہارا نہیں ہوتا اور آدمی لمبا رُکوع نہیں کرسکتا، تو پہلے رُکوع کرنے کا ایسا حکم ہوگا، لیکن بعد میں حکم فرمادیا گیا کہ گھٹنوں کے اُوپر ہاتھ رکھو، یہ رُکوع کرنے کی ترکیب ہے۔

اس کے بعد رُکوع کے اندر تسبیح پڑھے: "**سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ**" یہ تین مرتبہ پڑھنا ادنیٰ درجہ ہے، اس سے زیادہ جتنا چاہے پڑھے، پانچ مرتبہ، سات مرتبہ، نو مرتبہ، گیارہ مرتبہ، لیکن جماعت کی فرض نماز میں

اس سے زیادہ نہ پڑھے، تاکہ مقتدیوں پر بار نہ ہو، لمبی نہ ہو، اپنی تنہا نماز میں خصوصاً رات کی نماز میں جتنا چاہے رُکوع لمبا کرے، جب تک چاہے پڑھتا رہے۔

رُکوع کی حالت میں اس کی نظر اس کے قدموں پر ہونی چاہئے، سجدے کی جگہ پر نہیں ہونی چاہئے، سجدے کی جگہ پر نظر رکھنا صرف قیام کی حالت میں ہوتی ہے، رُکوع کی حالت میں نہیں۔

رُکوع کی دُوسری دُعائیں

[حدیث:۱۲۲] ''اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَلَکَ خَشَعْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ أَسْلَمْتُ۔'' (مشکوٰۃ ص:۷۷ بحوالہ صحیح مسلم)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں نے آپ کے لئے رُکوع کیا، میں آپ کی خاطر جھکا، میں آپ پر ایمان لایا، اور میں نے اپنا سب کچھ آپ کے سپرد کردیا۔''

تشریح: یعنی میرے کان، میری آنکھیں، میری ہڈیاں، میرا گودا اور میرے پٹھے غرض کہ میرا گوشت پوست، میرا پورا وجود آپ کے سامنے جھکا ہوا ہے، جھکنے کا معنی ظاہر ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں میرے سامنے جھک گیا، یا یہ کہ ہم کسی کے سامنے جھکنے والے نہیں ہیں، پھر جھکنے کی ایک ظاہری شکل ہے اور ایک اس کی باطنی اور معنوی کیفیت ہے، تو رُکوع کے معنی جھکنے کے ہیں، جب اس نے ظاہری شکل جھکنے کی بنالی، اس کا فرض تو ادا ہوگیا، اب اس کے اندر جتنا خشوع پایا جائے گا، حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں جتنا جھکنے کا مضمون اس کے دِل میں پایا جائے گا، اتنا ہی اس کا رُکوع کامیاب ہوگا، اب یہ رُکوع مکمل کرلیا۔

اب رُکوع سے سر اُٹھائے اور ''سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہے۔ اگر اِمام ہے یا منفرد یعنی اپنی الگ نماز پڑھنے والا۔ اکیلی نماز پڑھنے والا تو ''سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' دونوں کہے اور اگر مقتدی ہے تو صرف ''رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' کہے۔

''سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کے معنی ہیں: سن لی ہے اللہ نے اس شخص کی بات جس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی، مطلب یہ ہے کہ جب رُکوع میں جھک کر تم اللہ تعالیٰ کی تعریف کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری بات: ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ''... پاک ہے میرا ربّ بڑی عظمت والا، میں اپنے عظمت والے ربّ کی پاکی بیان کرتا ہوں... سن لی ہے۔

رُکوع سے سر اُٹھاتے ہوئے ''سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کے بعد کہے ''اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' اس کے چار صیغے ہیں، یعنی چار طرح کے لفظ ہیں:

۱:...رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ.

۲:...اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ.

۳:...رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ.

۴:...اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ۔ یعنی ''حمد'' سے پہلے ''وٗ'' نہ ہو، شروع میں ''اللّٰهم'' نہ ہو، اور دونوں ہوں اور دونوں میں سے ایک ہو، ایک نہ ہو، یہ چار لفظ ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ چاروں الفاظ حدیث شریف میں منقول ہیں، ۱:...رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ، ۲:...اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ، ۳:...رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ، ۴:...اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ۔ ان سب سے افضل یہ آخری لفظ ہے، اس میں ''اَللّٰهُمَّ'' شروع میں کہا جائے اور ''رَبَّنَا'' کے بعد ''وَلَکَ الْحَمْدُ'' کہا جائے۔

''اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ'' کے معنی یہ ہیں کہ: اے اللہ! اے ہمارے رَبّ! آپ ہی کے لئے حمد ہے، آپ ہی کے لئے تسبیح ہے، آپ ہی کے لئے حمد ہے، رُکوع میں ہم آپ کے لئے تسبیح کہہ رہے تھے، آپ کے لئے حمد ہے، حمد کہی جاتی ہے کسی اِنعام کے ملنے پر، کسی نعمت کے ملنے پر، گویا رُکوع کی حالت میں اس کو کوئی اِنعام ملا تھا، گویا اس کا یہ شکر ادا کر رہا ہے، عام طور پر فرض نمازوں میں تو یہی کہا جاتا ہے ''اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفلی نماز میں خصوصاً تہجد کی نماز میں اس کے بعد بھی الفاظ منقول ہیں:

''اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ مِلأَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمِلأَ مَا بَيْنَهُمَا وَمِلأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْئٍ بَعْدُ۔''

(ترمذی ج:۱ ص:۶۱)

ترجمہ: ''اے اللہ! آپ کے لئے حمد ہے اتنی حمد جس سے آسمان بھر جائیں، اتنی حمد جس سے زمین بھر جائے، اتنی حمد جس سے آسمان و زمین کے درمیان کا خلا بھر جائے، اور اتنی حمد کہ ان کے علاوہ جو جو چیز آپ کے علم میں ہے سب بھر جائے۔''

''......أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔''

(مشکوٰۃ ص:۸۲، بحوالہ مسلم)

ترجمہ: ''اے اللہ! تو تعریف کا اور بزرگی کا اہل ہے، اور سب سے زیادہ مستحق ہے ان تعریفات کا جو بندے کریں، اور ہم سب کے سب آپ کے بندے ہیں، اے اللہ! آپ جو چیز عطا فرمائیں آپ کو کوئی روکنے والا نہیں، اور جس چیز کو روک دیں اس کو کوئی دینے والا نہیں، آپ پاک ہیں آپ کے مقابلے میں کسی کو اس کی قسمت کام نہیں آئے گی۔''

ان دُعاؤں کا پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، اگر یہ دُعائیں یاد ہوں تو بہت ہی اچھی بات ہے، ورنہ فرماتے ہیں کہ نفلی نماز میں "اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ" ہی کہتا رہے، جتنا دیر چاہے کہتا رہے، قومہ میں کھڑا ہو کر جتنی دیر تک چاہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ کہتا رہے، اور جب خوب جی بھر جائے تو اب اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائے، جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ سجدہ جو ہے یہ نماز کی جان ہے، سجدے میں جائے۔

رُکوع سے اُٹھنے کے بعد کیا کہے؟

[حدیث:۲۲۳] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔" (صحیح بخاری ج: ۳، ص: ۲۷۴، حدیث نمبر: ۷۵۴، باب فَضْلِ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب امام "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہے تو تم کہا کرو "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کیونکہ جس کا قول ملائکہ کے قول کے موافق ہوا اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جب امام "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہے تو تم "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہو کیونکہ جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو جائے گا اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے، یہی بات آمین کے متعلق بھی کہی۔

جب امام "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہے تو تم "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہو، اس سے ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھا ہے کہ امام کا وظیفہ "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہنا ہے، وہ "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" نہیں کہے گا اور مقتدی کا وظیفہ "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہنا ہے وہ "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" نہیں کہے گا، تقسیم اسی کی متقاضی ہے کہ بظاہر امام "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہے بظاہر تم "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہو، "ہم سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" نہیں کہتے امام کے پیچھے تو امام "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" نہیں کہے گا، یہ بات نقل کی گئی ہے حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ سے لیکن صحیح یہ ہے کہ امام بھی "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہے اور صاحبین کا قول بھی یہی ہے کہ "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کے بعد امام بھی "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہے۔

ایک تو ہمارے لئے فرشتے ہیں، دائیں بائیں والے تو اگر تیس آدمیوں کی یہ جماعت ہو تو ساٹھ اس میں یہ فرشتے ہو جائیں تو نوے کی جماعت بن جائے گی اور پھر کچھ فرشتے محافظ بھی ہیں جو انسان کے ساتھ رہتے ہیں وہ بھی شریک ہوتے ہیں اور پھر عصر اور فجر کی نماز میں یہ کراماً کاتبین کی ڈیوٹیاں بدلتی ہیں، دن

والے بھی ان دونمازوں میں موجود ہوتے ہیں اور رات والے بھی موجود ہوتے ہیں تو کراماً کاتبین کی تعداد ۴ ہوگئی فی آدمی، وہ بھی شریک ہوتے ہیں۔

جمعے کی نماز کے بارے میں آتا ہے کہ جو شخص پہلی گھڑی میں آئے اس کے لئے ایک اونٹ کی قربانی کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو بعد میں آئے اس کے لئے گائے کی قربانی کا اور جو اس کے بعد آئے اس کے لئے بکرے کی قربانی کا، جو اس کے بعد آئے اس کے لئے مرغی صدقہ کرنے کا اور جو اس کے بعد آئے اس کے لئے انڈا صدقہ کرنے کا یہاں تک کہ امام کا خطبہ شروع ہوجائے، وہ آنے والوں کا درجہ قائم کردیتے ہیں، گھڑیاں ان کی مقرر کی ہوئی ہوں گی، یہ پہلی گھڑی ہے، یہ دوسری، یہ تیسری، چوتھی پانچویں ان کے لئے آنے والوں کی حاضری لگاتے رہتے ہیں اور آخری وقت میں انڈے کا ثواب، پھر فرمایا کہ جب خطبہ شروع ہوتا ہے تو فرشتے صحیفے کو لپیٹ دیتے ہیں، ان کا دفتر بند ہوجاتا ہے، اب کوئی آئے تو اس کی حاضری خصوصی طور پر نہیں لگائی جاتی۔

کراماً کاتبین تو خیر اس کی آمد کو لکھیں گے لیکن خاص طور سے جو فرشتے جمعے کی حاضری کے لئے آتے ہیں ان کا نام نہیں لکھتے، بلکہ صحیفے لپیٹ کر ذکر کے سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں، نہ اس وقت وہ خود بولتے ہیں اور نہ کسی کو بولنے دیتے ہیں، نہ کسی کے بولنے کو لکھتے ہیں یہ فرشتے اور دوسرے فرشتے لکھتے ہیں کراماً کاتبین۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جمعے کی نماز میں مزید فرشتے آجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے جماعت میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں آیا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص جنگل میں جائے اور اس کے ساتھ کوئی نماز پڑھنے والا نہ ہو تو اس کو چاہئے اذان دے اقامت کہے اور جماعت شروع کردے، نامعلوم کتنے فرشتے اس کی اقتداء میں اللہ تبارک وتعالیٰ جمع فرمادیں گے، فرشتوں کا امام بن گیا، کوئی آدمی نہیں ملا تو یہ فرشتے جو نماز میں شریک ہوتے ہیں امام کے ''سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ'' کہنے پر ''اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' کہتے ہیں تم بھی کہو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم بھی کہو جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہوجائے گا، مطابق ہوجائے گا اس کے گذشتہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھی گناہ معاف فرمائے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''منہاج السنہ'' میں ایک جگہ لکھا ہے کہ غور کرو رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور پیچھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے تھے، آنحضرت ﷺ نے کہا: ''سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ'' اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیچھے کہا: ''رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' یا ''اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ'' اور اس ایک کلمہ کے کہنے پر ان کے گزشتہ گناہوں کی معافی ہوگئی۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بتاؤ کسی بعد میں آنے والے امتی کی نماز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے برابر ہوسکتی ہے؟ اور لوگ ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان اقدس

میں نامناسب باتیں کہہ جاتے ہیں، حالانکہ وہ کاتب وحی ہیں، ان کے حق میں آنحضرت ﷺ نے دُعا بھی فرمائی ہے، ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَھْدِیًا'' ''اے اللہ! اسے راہ دکھانے والا اور راہ دیکھا ہوا بنا۔''

اب یہاں سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ نماز میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے بندے پر کس قدر عنایات اور رحمتیں ہوتی ہیں، یہ خاص بارگاہ الٰہی کی حاضری ہے، آپ کسی بڑے آدمی سے ملاقات کے لئے جائیں تحفے تحائف لے جاتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے نماز کے دوران بندوں پر کتنی عنایتیں ہوتی ہیں اس کے لئے کسی قیاس اور پیمانے کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس کوئی پیمانہ ایسا نہیں جس کے ذریعے سے انعامات الٰہیہ کا ادراک کرسکیں، بس کچھ کچھ پتہ چلتا ہے ان عنایات کا، صرف ایک کلمے کے کہنے پر گزشتہ سارے گناہ معاف، آمین کے کہنے پر بھی اور ''رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' کہنے پر بھی۔

سجدے کا طریقہ و تسبیح

[حدیث: ۲۲۴] ''عن ابی ہریرۃ قال: قال أَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ فَأَکْثِرُوا الدُّعَاءَ۔'' (مسلم، مشکوۃ حدیث ۸۳۴)

ترجمہ: ''انسان کو اپنے رَبّ کا قرب سب سے زیادہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ سجدے میں ہو۔''

تشریح: سجدے میں جانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے زمین پر گھٹنے رکھے، پھر اپنے ہاتھ رکھے، اس کے بعد اپنی ناک رکھے، پھر پیشانی رکھے اور جب سجدے سے اُٹھنا ہو تو ترتیب اس کی اُلٹ رکھے، یعنی پہلے پیشانی کو اُٹھائے، ماتھے کو اُٹھائے، پھر ناک کو اُٹھائے، پھر ہاتھوں کو اُٹھائے، پھر گھٹنوں کو اُٹھائے۔

مرد کے لئے حکم یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں دونوں پاؤں کو کھڑا رکھے اور پاؤں کی اُنگلیاں قبلے کی طرف متوجہ رہیں، رانیں پنڈلیوں سے الگ رکھے، پیٹ رانوں سے الگ رہے، بازو پہلوؤں سے الگ رکھے، اور عین دونوں ہاتھوں کے درمیان سجدہ کرے، جس طرح نیت باندھتے وقت یہ حکم ہے کہ انگوٹھے کانوں کی لَو کے برابر ہوں، اسی طرح سجدے میں بھی یہ انگوٹھے کانوں کی لَو کی سیدھ میں، اور اُوپر کی اُنگلیاں کانوں کی لَو کے برابر ہوں اور ہاتھ کے نیچے کا حصہ کندھوں کے برابر ہو۔

عورتوں کے لئے حکم یہ ہے کہ جب وہ سجدے میں جائیں تو بیٹھ جائیں، اپنی سرین پر بیٹھ جائیں اور پاؤں دائیں طرف نکال دیں اور پھر بالکل سمٹ کر زمین سے چمٹ کر سجدہ کریں، ان کا پورا وجود آپس میں چمٹا ہوا اور ملا ہوا ہو، یعنی زمین کے ساتھ مل جائے، یہ عورتوں کے لئے حکم ہے، مردوں کا کھڑا سجدہ ہوتا ہے، مگر عورتوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

مرد اپنی اُنگلیاں سجدے کی حالت میں ملا کر رکھیں، جب سجدے میں پہنچ گئے تو اَب تین بار "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی" کہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے: "پاک ہے میرا رَبّ، جو سب سے عالی شان ہے"۔

آدمی جب سجدے میں ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

"انسان کو اپنے رَبّ کا قرب سب سے زیادہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ سجدے میں ہو۔"

اس سے زیادہ انسان کو اللہ کا قرب نہیں ہوتا، ممکن ہی نہیں، یعنی سجدے کی حالت میں جتنا آدمی کو اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اتنا کسی حالت میں نہیں ہوتا۔

سجدے کے دوران دُعا میں خوب کوشش کرو، اس لئے "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی" تین مرتبہ، پانچ مرتبہ، سات مرتبہ، نو مرتبہ یا گیارہ مرتبہ جتنا بار چاہے یہ کلمہ پڑھے اور پھر جو دُعائیں کرنا چاہے کرسکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ دُعا عربی زبان میں کرے، اپنی زبان میں نہ کرے ورنہ نماز فاسد ہوجائے گی۔

دُوسری شرط یہ ہے کہ دُعائیں ایسی کرے کہ جو قرآنِ کریم اور حدیث شریف کے الفاظ کے مشابہ ہوں، کوئی اوٹ پٹانگ دُعا نہ کرے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ایسی دُعائیں نہ کرے جو مخلوق سے مانگی جاسکتی ہوں، اللہ تعالیٰ سے وہ چیز نہ مانگے جو مخلوق سے مانگی جاسکتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک رات میں نے ٹٹول کر دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے بستر پر نہیں تھے، میں پریشان ہوگئی، گھر میں ہر وقت چراغ وغیرہ تو ہوتے نہیں تھے، اندھیرا ہوتا تھا، تو میں ڈھونڈتے ڈھانڈتے اندھیرے میں اِدھر اُدھر ہاتھ مار رہی تھی کہ میرے ہاتھ آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک کو لگے، آپ سجدے کی حالت میں تھے، پاؤں آپ کے سجدے کی حالت میں کھڑے تھے، اور آپ سجدے میں یہ دُعا فرما رہے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَأَعُوْذُ بِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ۔" (مشکوٰۃ ص:۸۴، بحوالہ صحیح مسلم)

ترجمہ: "یا اللہ! میں پناہ لیتا ہوں آپ کی رضامندی کی آپ کی ناراضی سے، اور میں پناہ لیتا ہوں آپ کی معافی کی آپ کی سزا سے، یعنی آپ کی سزا سے بچنے کے لئے آپ کی معافی کی پناہ لیتا ہوں، اور میں پناہ لیتا ہوں آپ کی آپ سے۔"

اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "جواہر القرآن" میں لکھتے ہیں کہ: اس دُعا میں آنحضرت ﷺ نے ترقی

فرمائی افعال سے صفات کی طرف، اور صفات سے استدلال کی طرف، یا اللہ میں پناہ لیتا ہوں آپ کی رضامندی کی آپ کی ناراضی سے، اور میں پناہ لیتا ہوں آپ کی معافی کی آپ کی سزا سے بچنے کے لئے، اور میں پناہ لیتا ہوں آپ کی آپ سے بچنے کے لئے۔

آپ نے کبھی دیکھا ہوگا کہ ماں بچے کو مارتی ہے اور بچہ ماں سے لپٹ رہا ہوتا ہے، وہ مارتی ہے اور یہ لپٹتا ہے، اس لئے کہ اس کو معلوم ہے کہ ماں کی مار سے بچنے کا طریقہ بھی ماں کی گود ہے، اتنی بات کو بچہ سمجھتا ہے، تو حق تعالیٰ شانہٗ سے اس کے قہر اور اس کے جلال سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ لینا، دراصل اللہ تعالیٰ کے جمال کی پناہ لینا ہے، یا اللہ! میں آپ کی تعریف شمار نہیں کرسکتا، اور آپ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے اپنی تعریف خود فرمائی۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے اور یہ دُعا فرما رہے تھے، حدیث کے مکمل الفاظ یہ ہیں:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: فَقَدْتُّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً مِّنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ یَدَیَّ عَلٰی بَطْنِ قَدَمَیْهِ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ یَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا أُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ أَنْتَ کَمَا أَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۸۴، بحوالہ صحیح مسلم)

میں نے کہا ہم کس چکر میں ہیں اور آپ کس عالم کو پہنچے ہوئے ہیں، ہم کس خیال میں اور آپ کس خیال میں ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دُعا بھی منقول ہے:

”اَللّٰهُمَّ لَکَ سَجَدْتُّ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ أَسْلَمْتُ، سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ تَبَارَکَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔“

(مشکوٰۃ ص:۷۷، بحوالہ صحیح مسلم)

ترجمہ: ”اے اللہ! میں نے آپ کے سامنے سجدہ کیا اور میں آپ کی ذات پر ایمان لایا اور میں آپ کے سامنے جھک گیا اور میں نے آپ کے سامنے اپنا سب کچھ سپرد کردیا... جب پاؤں میں پڑ گئے تو پیچھے کیا رہ گیا کسی کے پاؤں میں پڑ گئے تو پھر پیچھے کیا رہ گیا... اور پھر سجدہ کیا ہے میرے چہرے نے اس ذات کو جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور اس کی آنکھیں بنائیں، کان بنائے، پس کیا ہی بابرکت ذات ہے، جو سب کچھ پیدا کرنے والا ہے۔“

یہ اور اس کے علاوہ بہت ساری دُعائیں حدیث شریف میں منقول ہیں، آنحضرت ﷺ سجدے میں دُعائیں کرتے تھے۔ نمازی جو دُعائیں چاہے سجدے میں کرسکتا ہے، خواہ قرآنِ کریم کی ہوں یا حدیث شریف کی ہوں، لیکن فرض نماز میں نہ کرے، کیونکہ فرض نماز لمبی ہو جائے گی، نفلی نماز میں کرے، خاص طور پر تہجد کی نماز میں یہ دُعائیں کرے، آنحضرت ﷺ سے زیادہ تر دُعائیں تہجد کی نماز میں منقول ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں سجدہ کرنا، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اسی لئے بندے کو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قرب سجدے میں حاصل ہوتا ہے۔

سجدے میں چار چیزیں ہونی چاہئیں، یعنی چار کیفیتیں آدمی پر طاری ہونی چاہئیں:

پہلی کیفیت حیا کی ہے، آدمی جب شرمندہ ہوتا ہے تو اس کا سر جھک جاتا ہے، شرمندگی کے مارے سر جھکا دیتا ہے، اُوپر نہیں دیکھتا تو اَب جھکنے کی اس کے علاوہ تو کوئی صورت ہی نہیں رہی جب اس نے اپنا وجود ہی زمین پر گرادیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں پر حیا کی ایسی کیفیت غالب ہوجاتی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اگر یہ زمین پھٹ جائے تو میں سات زمینوں کے نیچے چلا جاؤں، شرمندگی کے مارے زمین میں چھپ جاؤں، تو سجدے میں ایک تو حیا کی کیفیت ہونی چاہئے۔

دُوسری اس کے ساتھ اُنس کی کیفیت ہونی چاہئے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے اُنس ہونا چاہئے، گویا وہ زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ:

نکل جائے دَم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دِل کی حسرت، یہی آرزو ہے!

یوں تصوّر کرے کہ گویا آسمانوں کے اُوپر پہنچ گیا، عرشِ معلیٰ سے اُوپر چلا گیا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کے پاؤں پکڑے ہوئے اس کے پاؤں پر سجدہ کر رہا ہوں، حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت اور اُنس کی کیفیت پیدا ہوجائے۔

تیسری کیفیت یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی، اس کے قلب اور اس کے دِل پر محیط ہوجائے۔

چوتھے یہ کہ اللہ کے مقابلے میں عبدیت اور نیازمندی کی کیفیت ہو، یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے، ہر عیب سے پاک ہے اور اس کے مقابلے میں میرا وجود حرفِ غلط ہے، میری ہر چیز ناپاک ہے، گندی ہے، پیٹ کے اندر گندگی ہے، میرے رگ و ریشے میں گندگی ہے، اُوپر چمڑا ہے، اندر گندگی ہے، میرے اخلاق گندے ہیں، میرے اعمال گندے ہیں، میرے افکار گندے ہیں، میرے خیالات گندے ہیں، سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے ناخن تک گندگی ہی گندگی ہے، لیکن مالک کی کیسی کرم نوازی ہے کہ سراپا نجاست کو اپنی بارگاہ میں جھکنے کی توفیق عطا فرمادی، جو ذات سب سے زیادہ پاک ہے، پاکوں

کی پاک ہے، اس نے اپنی بارگاہِ عالی میں اس قطرۂ ناپاک کو جس کی ابتدا گندی، جس کی انتہا گندی، جو گندگیوں کا مجموعہ ہے، اس نے اپنی بارگاہ میں سر رکھنے کی توفیق عطا فرمادی، یہ ''سبحان'' کا مضمون ہے۔

دُوسرا مضمون ''ربی'' میرا ربّ ہے، میرا پروردگار ہے، مجھے پالنے والا ہے، اس کے بے شمار اِنعام واحسان ہیں، چونکہ اپنے محسن کے ساتھ محبت ہوتی ہے، اُنس ہوتا ہے، اس لئے اس میں اُنس کا مضمون بھی ہوا اور وہ سب سے زیادہ عالی شان ہے، اس میں عظمت کا مضمون بھی ہوا۔ تو شیخ فرماتے ہیں کہ بعض سجدہ کرنے والوں پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ شرم اور حیا کی وجہ سے گویا زمین میں گڑے جارہے ہیں اور بعض سجدہ کرنے والوں پر اُنسِ اِلٰہی کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے، گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قدم پر سجدہ کررہے ہیں۔ بعض پر عظمتِ اِلٰہی کی تجلی ہوتی ہے، تو آدمی میں جتنا یہ مضمون بڑھتا چلا جائے گا، اتنا ہی اس کا سجدہ کامل ہوتا چلا جائے گا، لیکن یہ اس وقت ہوگا، جب ان چیزوں کا استحضار ہو اور اپنے سامنے ان چیزوں کو رکھے، اگر سجدے کی حالت میں پڑا ہوا تو ہے، لیکن خیالات نہ معلوم کہاں کہاں جارہے ہیں؟ اس سے گو سجدے کا فرض تو ادا ہوجائے گا، لیکن سجدے کے وہ انوار حاصل نہ ہوں گے، جو سجدے سے تمہیں لینا چاہئے تھے، وہ نہیں ملے، یہ ایک سجدہ اگر قبول ہوجائے تو اللہ تعالیٰ بیڑا پار کردیں گے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے: بھائی! اور نہیں، زیادہ نہیں تو نماز کے آخری سجدے میں کم از کم اِستحضار کرلیا کرو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پڑا ہوا ہوں، ایک لمحے کے لئے بھی اِستحضار ہوگیا تو سمجھو کہ بیڑا پار ہے، اس سے خشیت پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، اُنسِ اِلٰہی پیدا ہوگا، اپنے گناہوں سے شرم آئے گی اور خود اپنے وجود سے بھی شرم آئے گی، کبر وغیرہ جتنے امراض ہیں سب نکل جائیں گے، یہ اکڑ وغیرہ جتنی ہے، سب نکل جائے گی۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آرام باغ کی مسجد میں ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز کے وقت دُعا مانگ رہا تھا، ایسی اچھی دُعا مانگ رہا تھا، مجھے ایسا لگا گویا فرشتہ آسمان سے آگیا ہے، وہ دُعا مانگ رہا تھا، اتنے میں ایک بوڑھا شخص ضعیف العمر اُٹھا... شاید بے چارے کی نظر کم ہوگی... اور وہ گزرتے ہوئے اس نوجوان سے ذرا سا ٹکرا گیا، تو وہ اپنی دُعا چھوڑ کر کہنے لگا: ''اندھا ہوگیا ہے؟ کیا نظر نہیں آتا، آنکھیں پھوٹ گئی ہیں، داڑھی رکھی ہوئی ہے۔'' حضرت فرماتے تھے کہ جب میں نے اس کی یہ بات سنی تو میں کانپ گیا، میں نے سوچا کہ یہ تو اس کے اندر شیطان آگیا، میں تو سمجھا تھا کہ یہ فرشتہ ہے، اس کے اندر تو شیطان ہے۔ ارے تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے یہ سب کچھ بھی کرتے ہو، پھر دِل میں کبر بھی رہ جاتا ہے؟ پھر اپنے دِل میں کبر بھی رہ جاتا ہے؟ کہ مخلوقِ خدا تمہارے سامنے پھر ذلیل ہے، کیا یہ سجدہ ہے؟ پھر ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی'' کیوں کہتے ہو؟ جھوٹ کیوں بولتے ہو؟ خدا کے سامنے سجدے میں پڑ کر کیوں جھوٹ بولتے

ہو؟ نہیں بھائی! سجدے میں جب ہم کہیں "سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡأَعۡلٰی" تو ہمارا عجز کا مضمون ہمارے دِل میں پیدا ہو، ہماری عاجزی کا مضمون ہمارے دِل میں پیدا ہو، ہماری بے کسی کا مضمون ہمارے دِل میں پیدا ہو، اور ہم واقعتہً یہ سمجھیں کہ مجھ سے زیادہ بُرا کوئی ہے نہیں اور تجھ سے زیادہ کوئی اچھا نہیں، آپ سے زیادہ کوئی بڑا نہیں اور مجھ سے کوئی چھوٹا نہیں پھر تو بات بنی۔ بھائی! خدا کیسا منے بندہ، بندہ بنے، اللہ تعالیٰ سے کوئی بڑا نہیں، اور مجھ سے کوئی چھوٹا نہیں، اللہ سے کوئی اچھا نہیں، اور مجھ سے زیادہ کوئی بُرا نہیں، اللہ سے زیادہ کوئی پاک نہیں، مجھ سے زیادہ کوئی گندہ نہیں، یہ مضمون دِل میں پیدا ہوجائے، جتنا دِل میں یہ مضمون پیدا ہوگا اتنا سجدہ کامل ہوگا، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، آمین!

دوسجدوں کے درمیان جلسہ کا بیان

دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اس کو "جلسہ" کہتے ہیں، اور یہ واجب ہے، دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان کے ساتھ بیٹھنا یعنی اپنی جگہ پر بیٹھ جانا یہ واجب ہے، اگر آدمی دونوں سجدوں کے درمیان نہ بیٹھے تو اس کی نماز مکروہِ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی، یعنی اس نماز کا لوٹانا واجب ہوگا۔

رُکوع سے کھڑے ہوکر قومہ کرنا اور سجدے سے اُٹھ کر بیٹھنا یہ دونوں واجب ہیں، ان دونوں میں اعتدال بھی واجب ہے، اگر کوئی شخص رُکوع سے سیدھا سجدے میں چلا گیا تھا، اطمینان کے ساتھ سیدھا کھڑا نہیں ہوا تو اس نے واجب ترک کردیا، اسی طرح اگر کوئی شخص دونوں سجدوں کے درمیان نہیں بیٹھا اس نے بھی واجب چھوڑ دیا، پھر اگر یہ شخص بیٹھنے کے قریب تھا اور دوبارہ سجدے میں چلا گیا تو دُوسرا سجدہ ادا ہوگیا، اور اگر سجدے ہی کے قریب تھا، بیٹھنے کے قریب نہیں تھا اور سجدے میں چلا گیا تو اس کا دُوسرا سجدہ ادا ہی نہیں ہوا، ایک ہی سجدہ اس کا ہوا۔

بہرکیف! دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا لازم ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اور بہت سے لوگ اس معاملے میں غفلت سے کام لیتے ہیں، دونوں سجدوں کے درمیان ٹھیک طرح سے نہیں بیٹھتے بلکہ جھکے جھکے دوبارہ سجدے میں چلے جاتے ہیں۔

دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے بعد جلسے کے اندر یہ دُعا پڑھنا:

"اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَارۡحَمۡنِیۡ وَاھۡدِنِیۡ وَعَافِنِیۡ وَارۡزُقۡنِیۡ۔"

(مشکوٰۃ ص: ۸۴، بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

ترجمہ: "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحمت فرما، مجھ کو ہدایت عطا فرما، مجھ کو عافیت عطا فرما، مجھ کو رِزق عطا فرما۔"

اور بعض روایتوں میں یہ دو لفظ زیادہ آتے ہیں: ''یا اللہ! میرے نقصان کی تلافی فرما، اور میری پردہ پوشی فرما۔''

یہ دُعا مستحب ہے، لیکن اگر کوئی جلسے کے اندر دُعا نہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں، لیکن پڑھنا مستحب ہے، زیادہ لمبا نہ پڑھ سکے تو ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ'' یا اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، پڑھ لے، اتنا بھی نہ ہو تو ''رَبِّ اغْفِرْ لِیْ'' (مشکوٰۃ ص: ۸۴، بحوالہ نسائی و دارمی) ہی کہہ لے کہ: اے اللہ! میری مغفرت فرما۔ یہ کہنا اِمام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے، اس لئے نہایت ہی اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر یہ دُعا پڑھنی چاہئے۔ چاہے فرض نماز میں ان کلمات کو لمبا نہ کرے، لیکن سنّت اور نفل میں یہ تمام کلمات کہے، اس کے بعد دوبارہ سجدہ کرے۔

نماز کے افعال میں صرف سجدہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک رکعت میں مکرّر رکھا ہے، یعنی سجدہ دوبار رکھا ہے، سورۂ فاتحہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے، لیکن وہ ہر رکعت میں ایک بار ہے، اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھنے لگے تو سجدۂ سہو لازم آجائے گا، سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بس وہ ایک ہی بار پڑھو، قرآنِ کریم کی تلاوت جتنی چاہو کرتے رہو، اگر ایک سورت کو مکرّر پڑھنا چاہو تب بھی اجازت ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن فرض نماز میں مکرّر نہ پڑھا جائے۔

نماز میں رُکوع ہے ایک بار ہے، رُکوع کرنے کے بعد آپ دوبارہ رُکوع میں چلے جائیں تو سجدۂ سہو لازم آجائے گا، رُکوع دوبار نہیں، لیکن سجدہ دوبار ہے، دونوں سجدے فرض ہیں، اگر آدمی ایک سجدہ کرنا بھول جائے تو جب تک کہ سلام نہیں پھیرتا اس سجدے کو کرلے، جہاں بھی اس کو یاد آئے سجدہ کرکے اپنی نماز پوری کرلے، بعد میں سجدۂ سہو بھی کرے، اور اگر کسی نے کسی بھی رکعت میں دو سجدوں میں سے ایک سجدہ نہیں کیا تو اس کی نماز باطل ہوگئی، وہ نماز دوبارہ پڑھے۔ خلاصہ یہ کہ نماز میں دونوں سجدے فرض ہیں۔

میں نے کہا کہ نماز کے ارکان میں سے ایک رکعت میں صرف سجدے کو اللہ تعالیٰ نے مکرّر فرمایا ہے، مکرّر کے معنی ہیں: دوبار۔ اب اس راز کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے؟

لیکن بات یہ ہے کہ ایک سجدے کے بعد جب آدمی بیٹھا تو جو قرب اس کو سجدے میں نصیب ہوا تھا اور حق تعالیٰ شانہٗ کے لطف و عنایت کا جو مشاہدہ اس نے سجدے میں کیا تھا، اب اس کا جی نہیں چاہتا کہ دوبارہ سجدہ کئے بغیر اُٹھ جائے، گویا بندہ اجازت کے طور پر کہتا ہے: ''اجازت ہو تو ایک سجدہ اور کرلوں!'' حکم دیا گیا کہ تمہاری خواہش ہے تو ہاں! ایک سجدہ اور کرو، یہ تم پر فرض کرتے ہیں۔

دوبار سے زیادہ ایک رکعت میں سجدے کرنے کی اجازت نہیں دی، ورنہ طبیعت تو یہی چاہتی ہے کہ آدمی بار بار سجدے ہی کرتا رہے۔ فرمایا: نہیں! اب رکعت پوری کرو، پھر سجدے میں جاؤ تو سجدہ ایسی لذیذ

چیز ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں پر لطف وعنایت فرماتے ہوئے سجدے کی نہ صرف اجازت دے دی بلکہ فرض کر دیا اور دو سجدے کر لئے۔

اب دُوسرے سجدے سے اُٹھ کر کے بیٹھ جائے اور ذرا سا بیٹھ کر پھر کھڑا ہو، یہ طریقہ حضراتِ شافعیہ کے نزدیک ہے، ہمارے نزدیک نہیں ہے۔ اصل میں آخری زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے کہ دُوسرے سجدے کے بعد ذرا سا بیٹھ جاتے تھے اور بیٹھ کر کے پھر اُٹھتے تھے، اس جلسے کو جلسۂ اِستراحت کہا جاتا ہے یعنی آرام لینے کا جلسہ، حضراتِ شافعیہ کے نزدیک یہ سنّت ہے لیکن ضروری نہیں، اور ہمارے نزدیک یہ بذاتِ خود سنّت نہیں بلکہ عذر کی بنا پر ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ۔“

(ترمذی ج:۱ ص:۶۴)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ سے ہی یہ معمول رہا تھا کہ آپ اپنے قدموں کے پنجوں پر اُٹھتے تھے، یعنی سجدے سے پنجوں پر اُٹھتے تھے یعنی بیٹھتے نہیں تھے۔“

لیکن آخری زمانے میں کچھ وقت ایسا بھی گزرا کہ بیٹھنے لگے تھے، تو ہمارے اِمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیٹھنا عذر کی بنا پر تھا، سنّت کی بنا پر نہیں تھا۔

بہرحال! شافعیہ کے نزدیک جب دُوسرے سجدے کے بعد آدمی ”اللہ اکبر“ کہہ کر بیٹھے گا اور جلسۂ اِستراحت کرے گا تو ذرا سا بیٹھنے کے بعد جب قیام کے لئے اُٹھے گا تو دوبارہ اللہ اکبر نہیں کہے گا، بلکہ اسی طرح کھڑا ہو جائے گا۔

ہمارے نزدیک بھی اگر کوئی شخص دُوسرا سجدہ کرنے کے بعد بھول کر بیٹھ جائے اور اتنا ذرا سا بیٹھے جتنا شافعیہ کا جلسۂ اِستراحت ہوتا ہے تو اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا، لیکن اگر زیادہ بیٹھ جائے گا تو سجدۂ سہو لازم آ جائے گا۔

زیادہ اور کم بیٹھنے کی مقدار تین تسبیح کی ہے، تین مرتبہ ”سبحان اللہ“ اطمینان کے ساتھ کہنے کی مقدار سے اگر کم بیٹھے گا تو سجدۂ سہو لازم نہیں آئے گا۔

اسی طرح صلوٰۃ التسبیح میں بھی دس تسبیحات بیٹھ کر پڑھی جاتی ہیں، چونکہ وہ ذکر کے لئے بیٹھنا ہے، اس لئے اس بیٹھنے کی بنا پر بھی ہمارے نزدیک سجدۂ سہو لازم نہیں آتا، اور جب ان دس تسبیحات کو پڑھنے کے بعد اُٹھے تو ”اللہ اکبر“ کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ بغیر ”اللہ اکبر“ کہے اُٹھے، اس لئے کہ دُوسرے سجدے سے اُٹھنے کے بعد ایک دفعہ ”اللہ اکبر“ کہہ لی تھی، وہی کافی ہے، دوبارہ تکبیر نہ کہے۔

سجدہ سات جوڑوں پر ہوتا ہے

[حدیث:۲۲۵] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَةِ أَعْظُمِ الْجَبْھَةِواشار بیدہ علی انفه وَالْیَدَیْنِ وَالرُّکْبَتَیْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَیْنِ وَلَانَکْفِتِ الثِّیَابَ وَلاالشعرَ۔"

(متفق علیہ، مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۹۰، حدیث ۹۹۰)

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم کیا گیا ہے کہ سجدہ کروں سات جوڑوں پر، پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں قدموں کی انگلیاں اور ہم کپڑوں کو نہ سمیٹیں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔"

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے سات جوڑوں پر یعنی سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پیشانی، دونوں ہاتھ پاؤں کے پنجے اور دونوں گھٹنے، پیشانی میں ماتھا بھی داخل ہے اور ناک کی کونگل بھی، سجدے میں ماتھے کا لگانا اور ناک کا لگانا دونوں کا ضروری ہے، اگر کسی کو کوئی عذر ہو جس کی وجہ سے وہ ناک زمین پر نہیں رکھ سکتا تو مجبوری ہے ورنہ ناک لگانا بھی ضروری ہے، جس طرح کہ سجدے میں ماتھا لگانا ضروری ہے، اسی طرح دونوں ہاتھوں کے پنجے زمین پر لگنے چاہئیں، دونوں گھٹنے زمین پر لگنے چاہئیں الّا یہ کہ کوئی عذر ہو اور دونوں پاؤں کے پنجے یعنی انگلیاں یہ زمین کو لگنی چاہئیں۔

یہاں ایک چھوٹا سا مسئلہ سمجھ لیں کہ اگر کوئی شخص سجدے میں دونوں پاؤں نہ لگائے یا ایک پاؤں لگاتا ہے ایک نہیں لگاتا تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اگر پاؤں ویسے ہی اُٹھ گئے تھے لیکن پھر فوراً ہی واپس لگا لئے (تین مرتبہ تسبیح کی مقدار سے قبل) تو نماز ہو جائے گی۔ بہر حال سجدے میں پاؤں کے پنجے کا اُٹھانا صحیح نہیں، اسی طرح دونوں ہاتھ لگانا زمین پر یہ ضروری ہے لیکن کلائیاں نہیں لگائے، ہاں! اگر کوئی عذر ہے تو الگ بات ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل سنّت تو یہ ہے کہ کہنیوں کو اوپر یعنی کھڑا رکھے یہاں تک کہ اس کے درمیان میں اور زمین کے درمیان میں اتنا فاصلہ ہو کہ درمیان میں سے بکری کا بچہ گزر جائے یعنی اتنا کشادہ ہونا چاہئے۔

(ہاں سجدے میں جاتے ہوئے گھٹنوں، پھر ہاتھ پھر پیشانی کا رکھنا مسنون ہے، البتہ بعض روایات میں قیام سجدے میں جاتے ہوئے پہلے ہاتھ پھر گھٹنے وغیرہ کی تفصیل سنن نسائی کی روایات میں ہے،

اس لئے وہ بھی جائز ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی وہی ہے، اور شاید یہ بڑھاپے میں ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!)۔

تشہد یعنی التحیات کا طریقہ

[حدیث:۶۲۶] ”اَلتَّحِیَاتُ لله وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِیْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ“

(مشکوٰۃ ص:۸۵، بحوالہ بخاری ج:۲ ص:۹۲۶، و مسلم)

ترجمہ وتشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مختلف صیغے اور الفاظ منقول ہیں، جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل کیا ہے، التحیات کے یہ الفاظ جو ہم پڑھتے ہیں یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے، صحیح بخاری (ج:۲ ص:۹۲۶) میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ تشہد سکھایا تھا، اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، مصافحہ کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا، ہمارا یہ تشہد مسلسل بالمصافحہ ہے، چنانچہ حاشیہ ترمذی میں ہے:

”وَذَکَرَ ابْنُ الْهُمَامِ قَالَ أَبُوْ حَنِیْفَةَ: أَخَذَ حَمَّادُ بِیَدِیْ وَعَلَّمَنِیْ التَّشَهُّدَ، وَقَالَ حَمَّادُ: أَخَذَ اِبْرَاهِیْمُ بِیَدِیْ وَعَلَّمَنِیْ التَّشَهُّدَ، وَقَالَ اِبْرَاهِیْمُ: أَخَذَ عَلْقَمَةُ بِیَدِیْ وَعَلَّمَنِیْ التَّشَهُّدَ، وَقَالَ عَلْقَمَةُ: أَخَذَ عَبْدُاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ بِیَدِیْ وَعَلَّمَنِیْ التَّشَهُّدَ، قَالَ عَبْدُاللهِ: أَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِیْ وَعَلَّمَنِیْ التَّشَهُّدَ کَمَا یُعَلِّمَنِیْ السُّوْرَةَ، فَکَانَ یَأْخُذُ بِالْوَاوِ وَالْاَلِفِ وَاللَّامِ۔“

(حاشیہ سنن ترمذی ج:۱ ص:۶۵)

ترجمہ: ”علّامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے اُستاذ اور میرے شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ نے تشہد سکھایا تھا اس حالت میں کہ میرا ہاتھ ان کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، حماد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مجھے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے تشہد سکھایا تھا اس حالت میں کہ میرا ہاتھ ان کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مجھے علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے تشہد سکھایا اس حال میں کہ میرا ہاتھ ان کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تشہد سکھایا اس حال میں کہ میرا ہاتھ ان کے دونوں ہاتھوں کے درمیان

تھا، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد سکھلایا اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا، مصافحہ کر رہے تھے اور اس طرح تشہد سکھلایا کہ جس طرح مجھے سورۃ سکھاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم واؤ، الف اور لام کی غلطی پر بھی گرفت فرماتے تھے۔"

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ تشہد بالمصافحہ ہے، یعنی ہر ایک نے مصافحہ کرتے ہوئے سکھایا۔ اور ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"عَلَّمَنِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ وَکَفِّیۡ بَیۡنَ کَفَّیۡهِ التَّشَهُّدَ کَمَا یُعَلِّمُنِی السُّوۡرَةَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ۔" (بخاری ج:۲ص:۹۲۶)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآنِ کریم کی سورت سکھاتے تھے۔"

اس تشہد میں چار چیزیں ہیں، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سلام ہے، جب کسی کے سامنے جاتے ہیں، بیٹھتے ہیں، تو السلام علیکم کہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کو سلام ہم کیسے کہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"کُنَّا اِذَا صَلَّیۡنَا خَلۡفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ قُلۡنَا: اَلسَّلَامُ عَلَی اللهِ... وَفِیۡ رِوَایَةٍ... اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبۡرَئِیۡلَ وَمِیۡکَائِیۡلَ اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ وَّفُلَانٍ......"

(بخاری ج:۱ص:۱۱۵)

ترجمہ: "جب ہم نماز ختم کیا کرتے تھے تو ہم یوں کہتے تھے: اللہ تعالیٰ کو سلام، جبرئیل کو سلام، میکائیل کو سلام، فلاں کو سلام، فلاں کو سلام۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کو سلام کہتے ہو، اللہ تعالیٰ خود سلام ہیں۔"

جب نماز سے فارغ ہوکر بیٹھو تو پھر آپ نے یہ تشہد سکھائی، یہ کہا کرو: "التحیات للہ والصلوات والطیبات ...الخ" یعنی تمام تحیات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، تمام صلوات اور تمام طیبات اللہ کے لئے ہیں۔

تحیات: جمع ہے تحیۃ کی، عربی زبان میں تحیہ سلام کو کہتے ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہاں تحیات سے مراد ہے قولی عبادتیں، یعنی تمام وہ عبادتیں جو زبان سے ادا کی جاتی ہیں، جیسے تسبیح، تمجید، تکبیر وغیرہ جو جو بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، اللہ تعالیٰ کی بزرگی، اللہ تعالیٰ کی تسبیح زبان سے کی جاسکتی ہے، التحیات کا لفظ سب کو شامل ہے، تمام وہ عبادتیں جو زبان سے ادا کی جاسکتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

صلوات: جمع ہے صلوٰۃ کی، صلوٰۃ نماز کو کہتے ہیں، یعنی تمام نمازیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بدنی عبادتیں ہیں، یعنی تمام وہ عبادتیں جو بدن سے ادا کی جاتی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

طیبات: جمع ہے طیبہ کی اور طیبہ کے معنی ہیں: پاکیزہ چیز، اس سے مراد مالی عبادتیں ہیں۔ یعنی جو عبادتیں زبان سے ادا کی جاتی ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جو عبادتیں بدن سے کی جاتی ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور جو عبادتیں مال کے ذریعے کی جاتی ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، یہ ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سلام۔

دُوسرا فقرہ ہے "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" یعنی سلام ہو آپ پر، اے نبی! اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر۔

جب یہ الفاظ کہو تو اپنے دِل کی آنکھوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کرو، یہاں لوگ حاضر و ناظر کا مسئلہ لئے پھرتے ہیں، ہر جگہ حاضر کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، پہلے دِل کے سامنے تو حاضر و ناظر کرلو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِستحضار کرو، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے بیٹھے ہیں، اور میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں۔

"السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

"یعنی سلام ہو آپ پر اے نبی! اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں ہوں آپ پر۔"

یہاں ایک نکتہ اور ایک مسئلہ ذکر کرتا ہوں۔

مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں غیر اللہ سے خطاب کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، نماز اوّل سے لے کر آخر تک اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، نماز اوّل سے لے کر آخر تک ذکرِ اِلٰہی ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا تھا کہ:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ﴾ (طٰهٰ:۱۴)

"اور قائم کرو نماز کو میرے ذکر کے لئے۔"

نماز میں کسی اور سے کوئی واسطہ نہیں ہے، نماز میں بندے کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے واسطہ نہیں، چنانچہ اگر کسی آدمی کا نام "یحییٰ" ہو اور اس کو بلانے کے لئے کوئی آدمی نماز میں کہہ دے "یا یحییٰ!" تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی، کیونکہ اس لفظ سے غیر اللہ کو خطاب کر رہا ہے اور نماز میں غیر اللہ کو خطاب کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اب نکتہ یہ ہے کہ یہاں تشہد میں آخر کیا وجہ ہے کہ حضور ﷺ سے خطاب کیا جاتا ہے مگر نماز باطل نہیں ہوتی، چنانچہ ہم التحیات میں کہتے ہیں: "السلام علیک ایھا النبی" یعنی سلام ہو آپ پر اے نبی!

آپ جانتے ہیں نا! کہ کوئی آدمی قریب آجائے اور نماز میں ہی نمازی اس کو کہے "السلام علیک" یا "السلام علیکم" تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی، یعنی نماز میں کسی کو سلام کہنے سے نماز ٹوٹ جائے گی، لیکن بندہ نماز میں تشہد میں بیٹھ کر کہتا ہے: "السلام علیک ایھا النبی" اور جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ یہ دُعا خود حضور ﷺ نے سکھائی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب تک آنحضرت ﷺ دُنیا میں تشریف فرما تھے ہم "السلام علیک ایھا النبی" کہا کرتے تھے:

"فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا: اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔"

(بخاری ج:۲ ص:۹۲۶)

ترجمہ: "لیکن جب آنحضرت ﷺ دُنیا سے پردہ فرماگئے تو ہم "السلام علیک" کے بجائے "السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پڑھتے تھے، یعنی سلام ہو نبی ﷺ پر اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔"

لیکن یہ بات چلی نہیں، آپ جانتے ہیں کہ آج کوئی بھی نماز میں "السلام علی النبی" نہیں کہتا، کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ذوق سے یہ کہنا شروع کردیا ہوگا، لیکن بعد میں یہ بات چلی نہیں، وہی "السلام علیک ایھا النبی" رہا۔

نکتہ اس میں یہ ہے جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، بقول شیخ کے التحیات جو ہے نا! مقرالوصول ہے، یعنی پہنچنے کے بعد ٹھہرنے کی جگہ ہے، یعنی نماز کی سیر کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں پہنچ گئے ہو، اور وہاں پہنچ کر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ پہلے ہی بارگاہِ الٰہی میں موجود ہیں، اور یوں نظر آیا کہ جتنے فیوض لوگوں کو ملے تھے سب اسی ذاتِ عالی کی برکت سے ملے تھے، اور جس کو کچھ ملا انہی کے قدموں کی خاک کی وجہ سے ملا، یوں سمجھو کہ ہم بارگاہِ الٰہی میں بیٹھ گئے ہیں اور اس شہنشاہ کے دربار میں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پہلے سے ہی موجود ہیں، ہم نے جہاں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سلام عرض کیا، ممکن نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو سلام نہ کہتے، کیونکہ جو کچھ ہمیں ملا ہے یہ انہیں کے طفیل سے ملا ہے، اس لئے "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہا جاتا ہے۔

یہاں سے بعض دوستوں کی اس تہمت کی بھی قیمت معلوم ہوجائے گی، جو یہ کہتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا دِل میں خیال آنا یہ مناسب نہیں ہے، نعوذ باللہ!

اس بات کی حقیقت کو ان بے چاروں نے نہ کبھی سمجھا، نہ ہی یہ سمجھ سکتے ہیں، اور نہ ہی اس کے سمجھنے کی اِستعداد رکھتے ہیں، جو بات میں ذکر کر رہا ہوں ذرا انہی سے پوچھ لو کہ ان کے ذہن میں یہ بات کبھی آئی ہے؟ اور یہ نماز اسی طرح پڑھا کرتے ہیں؟ اللہ کے بندو! بات کو کچھ سوچ کے تو کہا کرو، کسی پر تہمت بھی لگانی ہو تو کچھ سوچ کے تو لگاؤ۔

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں آتا؟ جب ہم ایسی آیات پڑھیں گے تو کیا حضور ﷺ کا تصوّر نہیں آئے گا؟ اور کیا دُوسرے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے گرامی قرآنِ کریم میں نہیں آتے؟ جب ہم قرآنِ کریم سوچ کر پڑھیں گے: "یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ" تو ہمارے ذہن میں کیا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصوّر نہیں آئے گا؟ تو یہ کیسی تہمت ہے کہ حضور ﷺ کا خیال آنا نامناسب ہے، نعوذ باللہ!

آنحضرت ﷺ کو سلام عرض کیا، بھائی! بارگاہِ اِلٰہی میں تو تمام مقربین موجود ہیں، تم بھی اس زُمرے میں آگئے ہو، فرماتے ہیں کہ: "السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین" دیکھئے ہم پر بھی سلام اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام کہا جارہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم یہ کہو گے "السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین" تو یہ تمہاری دُعا آسمان اور زمین کے تمام مقبول بندوں کو پہنچ جائے گی۔ یہاں شیخ نے بھی اشارہ کیا ہے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں بھی تھوڑا سا اس پر لکھا ہے کہ یہ جو جماعت کی نماز ہے اس میں تمام نمازیوں کے انوار مجتمع ہوجاتے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس کی حیثیت مرآۃ متعاکسہ کی ہوجاتی ہے، یعنی ایک آئینہ اِدھر ہے، ایک آئینہ اُدھر ہے، دونوں آئینے ایک دُوسرے کے سامنے رکھ دیئے، اب تم اس طرف دیکھو تو ایک لمبی لائن آئینوں کی نظر آئے گی، ہماری نظر ختم ہوجاتی ہے وہ لائن ختم نہیں ہوتی، اُدھر دیکھو تو اُدھر بھی لائن، ایک کا عکس دُوسرے پر اور دُوسرے کا تیسرے پر، ایک دُوسرے کا عکس پڑ کر ایک طویل لائن ہوجاتی ہے، یعنی ختم نہ ہونے والی لائن، شیخ فرماتے ہیں کہ یہ جو ہے نا! "السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین" یہ کہتے ہوئے تم اپنے ساتھیوں کا بھی تصوّر کرو، نہیں! بلکہ رُوئے زمین پر جتنے نماز پڑھنے والے ہیں گویا سب کو ایک صف میں شامل سمجھو، ان کا بھی تصوّر کرو، اسی طرح آسمان کے فرشتے بھی اس میں شامل کرو، انسان ہوں، ملائکہ ہوں، یا جنات ہوں، جتنے عباد اللہ الصالحین ہیں ان سب کے لئے کہو: "السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین" اور اللہ تعالیٰ کے تمام بندے جب ایک دُوسرے کے لئے یہ دُعا کریں گے تو تم خود غور کرو کہ میزان کہاں پہنچ جائے گا، بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس صف میں شامل ہیں۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت فرماتے ہیں کہ: بھائی! تم بڑے خوش قسمت ہو، ہم لوگ بڑے خوش قسمت ہیں، ایک بندہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی عباد اللہ الصالحین میں شامل

کرلیں، اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندے یہ دُعائیں کررہے ہیں اور یہ پانچ وقت کررہے ہیں اور تشہد میں کر رہے ہیں، عباد اللہ الصالحین میں شامل ہوجاؤ، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں شامل ہوجاؤ، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے لئے دُعائیں کررہے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے لئے دُعائیں کررہے ہیں، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے لئے دُعائیں کررہے ہیں، ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش تمام انبیائے کرام یہ دُعائیں کررہے ہیں، تمام اہلِ ایمان دُعائیں کررہے ہیں، کوئی حد ہے، کوئی ٹھکانا ہے، اور جس شخص کے لئے اتنی مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے اتنے بندے دُعائیں کررہے ہیں، اس سے بڑا خوش قسمت کون ہوسکتا ہے؟

تشہد کے بعد کی دُعائیں

[حدیث:۲۲۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ......، إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ أَرْبَعٍ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔“

(صحیح مسلم ج:۳، ص:۲۴۶، حدیث نمبر:۹۲۴، بَاب مَا يُسْتَعَاذُ مِنْهُ فِي الصَّلَاةِ)

[حدیث:۲۲۸] وَيُرْوٰى: إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ أَرْبَعٍ، مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔“

(صحیح مسلم ج:۳، ص:۲۴۸، حدیث نمبر:۹۲۶، بَاب مَا يُسْتَعَاذُ مِنْهُ فِي الصَّلَاةِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص التحیات سے فارغ ہوتو اللہ تعالیٰ کی پناہ لے تین چار چیزوں سے، یوں کہے کہ: اے اللہ! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں عذاب جہنّم سے، عذاب قبر سے، زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح الدجال کے شر سے۔“

”اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے ایک آدمی آخری تشہد سے فارغ ہوتو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے، جہنّم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح الدجال کے شر سے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ آخری التحیات سے جب فارغ ہوجاؤ، (یعنی پہلے التحیات پڑھو ”عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ“ تک، اس کے بعد درود شریف پڑھو درود ابراہیمی، اس کے بعد فرمایا کہ) چار چیزوں سے پناہ مانگا کرو اور یوں کہا کرو: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا

وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔ دوسری حدیث شریف میں پانچ چیزوں کا تذکرہ آیا ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

"اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ" یا اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخ کے عذاب سے، "وَأَعُوذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ" اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے "وَأَعُوذُ بِکَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ" اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں مسیح الدجال کے فتنے سے "وَأَعُوذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ" اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنے سے۔

یہ چار چیزیں ہوئیں جن کا تذکرہ اس حدیث میں آیا ہے اور پانچویں چیز جس کا تذکرہ دوسری حدیث میں آیا ہے وہ ہے: "اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِکَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ" یا اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں گناہ سے اور تاوان سے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! تاوان اور قرض سے آپ بہت پناہ مانگتے ہیں؟ فرمایا کہ جب آدمی مقروض ہوتا ہے یا تاوان پڑ جاتا ہے تو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے، اچھا میں کل دے دوں گا، دس دن میں دے دوں گا اور نہیں دیتا بلکہ دینے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا، جھوٹ بولتا رہتا ہے، جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور یہ اسلامی اخلاق کے بالکل منافی ہے۔ بہرحال ان پانچ چیزوں سے بڑے اہتمام سے پناہ مانگنی چاہئے، جہنّم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، مسیح الدجال کے فتنے سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے۔

علماء فرماتے ہیں کہ زندگی کا فتنہ یہ ہے کہ آدمی کو نیک اعمال کی توفیق نہ ہو اور کفار کا مسلمانوں پر غلبہ ہو جائے اور موت کا فتنہ یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو، نعوذ باللہ۔ اللہ پناہ میں رکھے۔ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی عورت آئی تھی میرے پاس کچھ مانگنے کے لئے، میں نے اس کو دے دیا، مجھے کہنے لگی: اللہ تجھے قبر کے عذاب سے پناہ میں رکھے، میں نے کہا: قبر کا عذاب؟ وہ کیا ہوتا ہے؟ میں نے ارادہ کر لیا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائیں گے تو آپ ﷺ سے پوچھوں گی، آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے اس یہودی عورت کا قصہ ذکر کیا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: "عَائِشَةُ! إِنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقٌّ۔" "اے عائشہ! بے شک قبر کا عذاب برحق ہے۔" اللہ اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔

فرض نمازوں کے بعد اپنی حاجات کے لئے دُعا مانگو

[حدیث:۲۲۹] "عن عبد اللہ بن مسعود: اِحْمِلُوْا حَوَائِجَکُمْ عَلَی الْمَکْتُوْبَةِ۔" (کنز العمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۴۳)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی ضرورتوں کو اپنی نمازوں پر اُٹھا رکھو!''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو بھی ضرورت تمہیں پیش آئے فرض نماز پڑھنے کے بعد وہ ضرورت مانگو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائیں گے۔ جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہو تو نمازِ حاجت پڑھ لو، نماز حاجت پڑھ کر خوب گڑگڑا کے مانگو، کسی کام کو کرنے کے لئے دوسرے اسباب کو اختیار کرنا ممنوع نہیں ہے، لیکن اصل چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے والے بنو، اس سے مانگنا ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کی ذاتِ عالی کے سوا کوئی نبی یا ولی، کوئی آسمان والا یا زمین والا، دینے والا نہیں، وہی ایک دینے والا ہے، وہی ایک حاجت پوری کرنے والا ہے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: تمہیں کوئی تکلیف پہنچی، کوئی مصیبت پہنچی تو کہو: لا الٰہ الا اللہ، کیونکہ اس تکلیف کو پہنچانے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور دوبارہ پھر کہو لا الٰہ الا اللہ، کیونکہ اس تکلیف کو ہٹانے والے بھی اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہٹانے والا نہیں ہے۔

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: اپنی حوائج، اپنی ضروریات کو نماز پر اُٹھا رکھو، نماز کا وقت آئے، نماز پڑھو اور نماز پڑھ کر جو مانگنا ہے اللہ تعالیٰ سے مانگو، اپنی چیزیں، اپنی حاجتیں، اپنی ضرورتیں سوچ کر رکھا کرو کہ آج نماز میں یہ چیز مانگنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: ایک نماز دوسری نماز کے لئے کفارہ ہے، یعنی ایک نماز سے لے کر دوسری نماز کے درمیان میں جتنے گناہ ہوئے یہ نماز ان سب کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

نماز میں بات کرنے کی اجازت نہیں

[حدیث:۲۳۰] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟۔''

(صحیح بخاری ج: ۳، ص: ۱۳۷، حدیث نمبر: ۶۷۳، بَاب هَلْ يَأْخُذُ الْإِمَامُ إِذَا شَكَّ بِقَوْلِ النَّاسِ)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہتے ہیں؟''

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے، غالباً عصر کی یا ظہر کی نماز تھی، اس میں راوی کو تردد ہے، دو رکعتیں پڑھی تھیں یا تین رکعتیں پڑھی تھیں، اس میں بھی تردد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غصے میں تھے اور لکڑی پر اس طرح ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے اور ایک روایت میں ہے کہ گھر میں چلے گئے اور جو ذرا جلدی کرنے والے لوگ تھے وہ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے ''قُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ

قُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ" نماز مختصر ہوگئی، تھوڑی ہوگئی، کہتے ہیں کہ نماز میں حضرت ابوبکر وحضرت عمر بھی تھے، لیکن ان کو ہمت نہیں ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ کو کہہ سکیں۔

ایک صحابی ذوالیدین کہلاتے تھے جن کے ہاتھ لمبے لمبے تھے، بعض ان کو ذوالشمالین کہتے تھے اور آنحضرت ﷺ ان کو ذوالیدین کہتے تھے، وہ پاس جا کے کہنے لگے: "أَقُصِرَتِ الصَّلَاۃُ أَمْ نَسِیتَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ!" نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں یارسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ" نہ نماز مختصر ہوئی ہے نہ میں بھولا ہوں، کہنے لگے یارسول اللہ! پھر تو آپ بھول گئے ہیں، صحابہ سے پوچھا: "أَصَدَقَ ذُو الْیَدَیْنِ؟" ذوالیدین ٹھیک کہتے ہیں؟ کہا: یارسول اللہ! بات تو ٹھیک کہتے ہیں۔

طحاوی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا، انہوں نے دوبارہ اقامت کہی اور آپ ﷺ نے وہ بقیہ نماز پوری کی، اس میں بہت جھگڑے والا مسئلہ ہے کہ نماز کی حالت میں بولنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی زمانے میں نماز میں بولنا جائز ہوتا تھا اور یہ واقعہ بھی اسی وقت کا ہے، چنانچہ یہ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں شہید ہوگئے ہیں، یہ جنگ اُحد سے پہلے کا واقعہ ہے اور بعد میں احکام مستحکم ہوگئے اور نماز میں بولنا بند کر دیا گیا۔

اِمامت کا اہل کون ہے؟

[حدیث: ۲۳۱] "عَنْ أَبِیْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَۃَ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْأَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ فَإِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَۃِ سَوَاءً فَأَعْلَمُھُمْ بِالسُّنَّۃِ فَإِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّۃِ سَوَاءً فَأَقْدَمُھُمْ ھِجْرَۃً فَإِنْ کَانُوْا فِی الْھِجْرَۃِ سَوَاءً فَأَقْدَمُھُمْ سِلْماً وَلَا یَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ فِیْ سُلْطَانِہٖ وَلَا یَقْعُدُ فِیْ بَیْتِہٖ عَلٰی تَکْرِمَتِہٖ إِلَّا بِإِذْنِہٖ" (رواہ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، باب ۲۴۰، حدیث: ۱۴۲۱)

ترجمہ: "حضرت ابومسعود عقبۃ بن عامر الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قوم کی امامت کرائے وہ شخص جو اُن میں سے سب سے بڑا قاری ہو کتاب اللہ کا، اگر قراءت میں برابر ہوں تو جو ان میں بڑا عالم ہو سنّت کا' اور اگر سنّت میں برابر ہوں تو جو ہجرت میں سب سے آگے ہو، اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو اور کوئی بھی شخص کسی شخص کی امامت نہ کرے اس کی عملداری میں اور نہ بیٹھے اس کے بیٹھک میں اس کی عزت کی جگہ، مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔"

تشریح: اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ: قوم کی امامت کرائے۔ ①: وہ شخص جو کہ

کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری ہو، اگر قراءت میں برابر ہوں تو ② جو سنّت کا سب سے بڑا عالم ہو، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو ③ جو ہجرت میں مقدم ہو، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو ④ جس کی عمر زیادہ ہو، یہ تو ایک چیز ہوئی، دوسری چیز یہ کہ کوئی آدمی اس کے زیر تسلط علاقے میں امامت نہ کرائے الاّ یہ کہ وہ آگے کردے، اسی طرح اگر کسی کے گھر میں جائے تو عزت کی جگہ پر نہ بیٹھے الاّ یہ کہ اس کو بٹھادے۔

اس حدیث میں جو ترتیب بیان کی گئی ہے کہ سب سے بڑا قاری، دوسرے نمبر پر جو سنّت کا سب سے بڑا عالم ہو، تیسرے نمبر پر جو ہجرت میں سب مقدم ہو، چوتھے نمبر پر جو عمر میں زیاد ہو، ہماری فقہ کی کتابوں میں تھوڑا سا فرق لکھا ہے، وہ یہ کہ امامت کرائے جو سنّت کا سب سے بڑا عالم ہو اور اگر اس میں برابر ہوں تو جو قرأت میں سے زیادہ ہو یعنی یہاں قراءت کو انہوں نے سب سے پہلے ذکر کیا ہے اور عالم سنّت کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا ہے جبکہ فقہ میں سنّت کے عالم کو پہلے نمبر پر اور قراءت کے جاننے والے کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ تمام علوم کا سرچشمہ تو قرآن کریم ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو قرآنِ کریم کا سب سے بڑا عالم ہوتا تھا وہ قاری ہی ہوتا تھا، لیکن بعد کے زمانے میں ترتیب بدل گئی' ایک آدمی قراءت تو خوب کرتا ہے لیکن عالم نہیں ہے، مسائل مستحضر نہیں ہیں، تو ترتیب یوں بدل گئی، بہرکیف! سب سے پہلے وہ شخص جو کہ سنّت کا سب سے بڑا ماہر ہو اور اگر اس میں دونوں برابر ہوں تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ قرأت کس کی اچھی ہے؟ اس میں بھی اگر برابر ہوں تو پھر دیکھا جائے گا کہ ہجرت میں کون مقدم ہے؟ اگر اس میں بھی اکٹھے ہوں تو پھر دیکھا جائے گا کہ عمر کس کی زیادہ ہے؟ درّ مختار میں اس طرح ترتیب وار تقریباً کوئی پندرہ نمبر ذکر کردیئے ہیں۔

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ کوئی شخص کسی کے زیر تسلط علاقے میں امام نہ بنے بلکہ جو آدمی حاکم ہو وہ امام بنے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لئے گئے تو وہ کہنے لگے: حضرت نماز پرھائیں، نماز کا وقت تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے عالم ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ حضرت! نماز پڑھائیں، فرمایا: نہ بھائی! ہم تم سے ملنے کے لئے آئے ہیں، تم ہی نماز پڑھاؤ گے۔

لیکن آج کل اس کا خیال نہیں کیا جاتا، کسی امام مسجد کے محراب میں اس کی اجازت یا طیبِ خاطر کے بغیر آگے نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح اگر کسی مسجد میں امامت پر لڑائی ہوجائے تو احق بالامامۃ کے اوصاف کو دیکھ کر آسانی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

تو ایک تو یہ فرمایا کہ کسی کے زیر سلطنت علاقے میں دوسرا آدمی امامت نہ کرے الاّ یہ کہ وہ پکڑ کر کے آگے کردے وہ دوسری بات ہے، اسی طرح ایک حکم یہ بیان فرمایا کہ کسی کی عزت کی جگہ پر نہ بیٹھے، کسی

کی کوئی خاص نشست ہے، خاص سیٹ ہے اس پر نہ بیٹھے الاّ یہ کہ وہ پکڑ کر کے بٹھائے تو دوسری بات ہے۔

جماعت کی نماز میں تمام ذمہ داری اِمام کی ہے

[حدیث:۲۳۲] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ......، يُصَلُّونَ لَكُمْ فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ وَإِنْ أَخْطَئُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ۔“ (صحیح بخاری ج:۳، ص:۱۰۳، حدیث نمبر: ۶۵۳، بَاب إِذَا لَمْ يُتِمَّ الْإِمَامُ وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے امام تمہارے لئے نماز پڑھتے ہیں اگر وہ ٹھیک پڑھیں تو تم کو اجر ملے گا اور اگر وہ غلطی کریں تو تمہارے لئے تو اجر ہے اور ان پر وبال ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ تمہارے امام تمہارے آگے ہو کر نماز پڑھاتے ہیں، اب وہ سیدھی پڑھاتے ہیں یا اُلٹی پڑھاتے ہیں یہ انہی کو معلوم ہوگا یا اللہ کو معلوم ہے، اگر وہ صحیح پڑھائیں تو تم کو اجر مل گیا اور اگر انہوں نے غلطی کی ہو تو تمہیں اجر مل ہی گیا البتہ ان پر وبال ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائیں۔

ہم لوگ امام بن کر آگے نماز پڑھاتے ہیں، آپ لوگ تو بڑے آرام سے پیچھے کھڑے ہیں، امام نے رکوع کرلیا تم نے بھی رکوع کرلیا، امام سجدے میں چلا گیا تم بھی اس کے پیچھے چلے گئے، اللہ اللہ خیر سلا۔ غلط پڑھایا یا صحیح پڑھایا یہ تو اس کو یا اللہ کو معلوم ہے، جہری نمازوں میں پھر بھی پتہ چل جاتا ہے لیکن سری نمازوں میں کچھ بھی پتہ نہیں چلتا، اس لئے فرمایا کہ یہ تمہارے امام تمہارے آگے ہوتے ہیں اور نماز پڑھاتے ہیں، تو اگر وہ ٹھیک پڑھائیں تو تمہیں ثواب مل گیا اور اگر وہ غلط نماز پڑھاتے ہیں تو تمہارا اجر کہیں نہیں گیا لیکن وبال ان پر ہوگا حتیٰ کہ اگر کسی آدمی نے بے وضو نماز پڑھا دی تو تمہیں تو اجر مل گیا لیکن امام کے ذمے وبال ہوگا اپنا بھی اور پوری جماعت کا بھی۔

دو آدمیوں کی جماعت میں بڑا اِمامت کے لائق ہے

[حدیث:۲۳۳] ”عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا۔“

(صحیح بخاری ج:۳، ص:۴۸، حدیث نمبر:۶۱۸، بَاب اثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ)

ترجمہ: ”حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب نماز کا وقت آئے تو اذان کہو پھر اقامت کہو تم دونوں میں سے جو بڑا ہو وہ امام بن جائے۔“

تشریح: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مالک ابن حویرث رضی اللہ عنہ باہر سے مسافر آئے ہوئے تھے ان کے ساتھ ان کا ایک اور رفیق تھا، ایک مہینے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیویاں یاد آتی ہوں گی، ایک مہینے کے بعد فرمایا اچھا تم جاؤ، خود ہی ارشاد فرمایا بہت سی دعائیں دیں اور نصیحتیں فرمائیں جن میں ایک یہ تھی: إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا وَ أَقِيمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا جب نماز کا وقت آجائے تو اَذان کہا کرو پھر اقامت کہو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امام بن جایا کرے، نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرو، پورے سفر میں بھی اسی طرح نماز پڑھتے جاؤ، وقت نماز کا ہو جائے تو اَذان کہو پھر اقامت کہو اور تم میں سے جو بڑا ہے وہ امام بن جائے کیونکہ علم میں دونوں برابر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مہینہ رہے تھے اور دونوں اکٹھے ہی تھے، تو جو کچھ حاصل کیا وہ بھی اکٹھا حاصل کیا، ورنہ قاعدہ یہ ہے کہ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ کہ قوم کی امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری ہو لیکن قاری اس زمانے میں عالم بھی ہوتا تھا، جس کو کتاب اللہ سب سے زیادہ آتی ہو، ثُمَّ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ پھر جو سنّت کا سب سے بڑا عالم ہو، ثُمَّ أَكْبَرُهُمْ سِنًّا پھر جس کی عمر زیادہ ہو، تو چونکہ یہ حضرات برابر تھے اس لئے فرمایا کہ تم میں سے وہ آدمی جس کی عمر بڑی ہے وہ امام بن جائے۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سفر میں بھی جماعت مسنون ہے، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر دو ہی آدمی ہوں تو دونوں جماعت کرالیں اور بڑا امام بن جائے، اور اگر تین ہوں تو ایک آگے ہو جائے، دو پیچھے ہو جائیں۔

اِمام کو چاہئے کہ وہ نماز میں تخفیف کرے

[حدیث:۲۳۴] "فَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيْرَ وَاِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيْضَ وَاِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيْفَ وَاِنَّ فِيهِمْ ذَا الْحَاجَةِ، فَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ وَحْدَهٗ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ۔" (مشکوٰۃ ص:۱۰۱)

ترجمہ: "تم میں سے جو شخص امام بنے اس کو چاہئے کہ نماز ذرا ہلکی پڑھائے، اس لئے کہ جماعت میں بوڑھے بھی ہوں گے، بیمار بھی ہوں گے، کمزور بھی ہوں گے اور ضرورت مند بھی ہوں گے (ان کو اپنی نماز کے بعد کسی کام سے جانا ہے) اور جب تم اپنی نماز پڑھو تو جتنی چاہو لمبی کرو۔"

تشریح: دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم، ایک صحابی کو نصیحت فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِهِمْ!" (مشکوٰۃ ص:۶۵) "تم جب امام بنو تو جماعت میں جو سب سے زیادہ کمزور آدمی ہو اس کی اقتدا

کرو۔'' یعنی ''اس کی اقتداء کرو'' کا مطلب یہ ہے کہ گویا تم اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہو اور وہ نماز پڑھا رہا ہے، یعنی جماعت میں جو سب سے زیادہ کمزور آدمی ہو اس کی رعایت رکھتے ہوئے نماز پڑھاؤ۔ بعض بیمار ہوتے ہیں، ان کی رعایت بھی ضروری ہے۔ اس لئے نماز لمبی بھی ذرا مناسب کی جائے، اتنی لمبی نہ کی جائے کہ لوگ بیچارے اُکتا جائیں یا بیمار وغیرہ تنگ آجائیں۔

اِمام کے آنے کے بعد نماز کا قیام

[حدیث: ۶۳۵] ''عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ......، إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي۔'' (صحیح بخاری ج: ۳، ص: ۱۷، حدیث نمبر: ۶۰۱، بَاب مَتَى يَقُومُ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْإِمَامَ عِنْدَ الْإِقَامَةِ)

ترجمہ: ''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ جن کا نام حارث بن ربیع ہے سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اقامت ہوجائے تو تم نہ اُٹھا کرو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ جب نماز کی اقامت ہو تو کھڑے نہ ہوجایا کرو جب تک کہ مجھے نہ دیکھ لیا کرو، بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ شریف جنوب کی طرف تھا مدینہ طیبہ کے اور مشرق کی جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دولت کدہ جو مسجد سے ملا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتیں گھر میں ادا فرماتے، حجرہ شریفہ میں ادا فرماتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کو بلانے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اچھا آرہا ہوں، یہ آکر اقامت شروع کردیتے تھے اور اقامت ہوئی تو سب کے سب نمازی کھڑے ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھا نہیں لگتا تھا (کہ میرے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں) اس لئے فرمایا کہ جب تک مجھے نہ دیکھ لیا کرو اس وقت تک کھڑے نہ ہوجایا کرو۔ یہ تو اس حدیث شریف کا مطلب ہوا، اب ذرا آیئے کہ کس وقت کھڑا ہونا چاہئے؟ تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جب تک پوری اقامت نہ ہو کھڑے نہ ہوجایا کرو، **مُکَبِّر** کھڑے ہوکر تکبیر کہہ رہا ہے جب پوری اقامت کہہ لے تو کھڑے ہوجاؤ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ** پر کھڑے ہوجائیں اور جب **قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ** کہے **مُکَبِّر** تو امام **اللهُ أَكْبَرُ** کہہ دے کیونکہ جب **قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ** کہا ''نماز کھڑی ہوگئی'' تو یہ اس وقت سچی ہوگی جب وہ **اللهُ أَكْبَرُ** کہہ دے۔

ہمارے بریلوی بھائی اسی پر عمل کرتے ہیں، بیٹھے رہتے ہیں جب تک **حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ** نہ کہہ دیں اور جب **قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ** کہتے ہیں تو نماز شروع ہوجاتی ہے اور صفیں کس وقت درست کی جائیں گی؟ معلوم ہوا کہ ہر موقع پر یہ حکم نہیں ہے جبکہ صفوں کو درست کرنا یہ زیادہ ضروری ہے۔

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں درست کیا کرتے تھے گویا ہمارے ذریعے تیر کو سیدھا کرنا چاہتے ہیں، یہ نہایت ہی مبالغہ ہے، یعنی صف پر رکھ کر تیروں کو سیدھا کیا جاسکتا ہے، تیر کی طرح سیدھی صف، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ ہم نے صفوں کو سیدھا کرلیا، ایک دن دیکھا کہ آدمی صف سے آگے ہے ذرا سے آگے بڑھا یا ڈانٹ کر فرمایا کہ اللہ کے بندے صفیں سیدھے کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو بدل دیں گے چہرے کو بدل دیں گے۔

ہماری کتابوں میں "حی علی الصلٰوۃ" پر اُٹھنا اور "قد قامت الصلٰوۃ" پر امام کا نماز شروع کردینا مستحبات میں لکھا ہے، اب یہاں چند اُمور قابلِ غور ہیں:

۱:...... دُوسرے جز یعنی "قد قامت الصلٰوۃ" پر نماز شروع کرنے کے بجائے ختم اقامت تک تأخیر کرنے کو ایک عارض کی وجہ سے اصح لکھا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"وَلَوْ أَخَّرَ حَتّٰى أَتَمَّهَا لَا بَأْسَ بِهِ اِجْمَاعًا، وَهُوَ قَوْلُ الثَّانِيْ وَالثَّلَاثَةِ وَهُوَ اَعْدَلُ الْمَذَاهِبِ كَمَا فِيْ شَرْحِ الْمَجْمَعِ لِمُصَنِّفِهٖ وفِي الْقِهِسْتَانِي مَعْزِيًا والخلاصة انه الأصح۔"

علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں:

"(قوله انه الأصح) لأن فيه محافظة على فضيلة متابعة المؤذن واعانة له على الشروع مع الامام۔" (ردالمحتار ج:۱ ص:۴۷۹)

پس جس طرح ایک عارض کی وجہ سے اس تأخیر کو اعدل المذاہب اور اصح قرار دیا گیا ہے، اسی طرح "حی علی الصلٰوۃ" سے قبل قیام کو تسویۂ صفوف کی خاطر اصح کہا جائے، کیونکہ تسویۃ الصفوف کی شدید تاکید آئی ہے۔

۲:...... علّامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ "درمختار" میں ذکر کیا ہے کہ "حی علی الصلٰوۃ" پر اُٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے تأخیر نہ کی جائے، تقدیم کی نفی مقصود نہیں، ان کی عبارت یہ ہے:

"(قوله والقيام لامام ومؤتم ... الخ) مسارعة لامتثال امره والظاهر انه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى لو قام اول الاقامة لا بأس وحرر۔" (طحطاوی حاشیہ درمختار ج:۱ ص:۲۱۵)

۳:...... ان دونوں اُمور سے قطع نظر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ "مستحب" اس فعل کو کہتے ہیں جس کے تارک کو ملامت نہ کی جائے، مگر اہلِ بدعت نے اس فعل کو اپنا شعار بنالیا ہے، اور عملاً اس کو فرض و واجب کا درجہ دے رکھا ہے، اس کے تارکین پر نہ صرف ملامت کی جاتی ہے، بلکہ ان کے خلاف اشتہار بازی بھی کی

جاتی ہے، کسی مستحب میں جب ایسا غلوّ کیا جانے لگے تو اس کا ترک کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ بہرحال اس پر طرفین کو تحمل اور برداشت سے کام لینا چاہئے، لڑائی جھگڑا مومن کی شان نہیں ہے۔

نمازی کا اپنے آگے سترہ رکھنا

[حدیث: ۲۳۶] ”عَنْ أَبِي ذَرٍّ......، إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَإِنَّهُ يَسْتُرُهُ إِذَا كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ فَإِنَّهُ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ.......“

(صحیح مسلم ج:۳، ص:۸۲، حدیث نمبر: ۷۸۹، بَاب قَدْرِ مَا يَسْتُرُ الْمُصَلِّي)

ترجمہ: ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہوا نماز پڑھتا ہو تو اس کے لئے آڑ ہوجاتی ہے وہ چیز جو کہ کجاوے کی لکڑی کے برابر کی ہو، پس اگر اس کے سامنے کجاوے کی آخر کی لکڑی جیسی چیز نہ ہو تو بات یہ ہے کہ اس کی نماز کو قطع کردیتا ہے گدھا، عورت اور کالا کتّا۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ نمازی کے درمیان اور قبلے کے درمیان سترہ ہو جس کی طرف آڑ لے کر نمازی نماز پڑھ رہا ہے اور وہ سترہ اتنا ہونا چاہئے کہ ایک تو نظر آئے اگر وہ نظر نہ آئے تو وہ سترہ نہیں ہے، دوسری یہ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ رحل کہتے ہیں کجاوہ کو، تپلی سی چیز ہے، جس کے اوپر پالان رکھا جاتا ہے اس کو کہتے ہیں رحل کجاوہ، تو اونٹ اسی طرح اُٹھا کر چلادیا کرتے تھے اور اس کے پیچھے ایک لکڑی ہوتی ہے وہ پیچھے سے آدمی کو گرنے سے بچاتی ہے۔

تو ایک ہاتھ ہونی چاہئے کم از کم، آدمی کو نماز پڑھنی ہو اور لوگوں کے گزرنے کے لئے بھی جگہ دینی ہے تو قبلے کے درمیان اور اپنے کھڑے ہونے کی جگہ کے درمیان کوئی چیز رکھ لے، لکڑی رکھ لے کوئی چیز رکھ لے، کوئی کپڑا رکھ لے جو کم از کم ایک ہاتھ ہو، اگر یہ نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قطع کردیتا ہے نماز کو گدھا، عورت اور کاٹنے والا کتّا۔

قطع کردیتا ہے نماز کو، تمام امام اس پر متفق ہیں سوائے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ان چیزوں سے نماز نہیں ٹوٹتی مگر نماز صحیح نہ رہے گی تو نماز کے ٹوٹ جانے کا کیا مطلب ہے؟

علماء فرماتے ہیں کہ آدمی کے درمیان اور اللہ کے درمیان جو تعلق رابطہ خاص ہوتا ہے وہ ٹوٹ جاتا ہے، اگر کوئی ہمارے سامنے سے گزر جائے تو رابطہ ٹوٹ جائے گا، اگر اس سرے سے باہر سے گزر جائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی، کتّا کاٹنے والا گزر جائے یا اس طرح گدھا گزر جائے تو علماء فرماتے ہیں کہ نماز تو نہیں

ٹوٹتی لیکن ایک خاص ربط جو اللہ کے ساتھ ہوتا ہے وہ ٹوٹ جاتا ہے، گدھا گزر جائے تو بھی اس لئے کہ تم دیکھتے ہو جب نمازی کو دیکھتا ہے تو ہینگنے لگتا ہے اور اس کا ہینگنا علامت ہے شیطان کو دیکھنے کی۔

اور تیسرا کاٹنے والا کتّا، کلب اسود فرمایا، کالا کتّا۔ بعض نے کہا کہ یہ شیطان ہے اس لئے اس کو کالا کتّا کہا، اور بعض نے کہا کہ یہ کنایہ ہے باؤلا ہونے سے، باؤلا گزر جائے، اگر یہ رُکوع کو جائے تو یہ وسوسہ آئے گا کہ یہ لوٹ کے نہ آجائے، سجدہ ہوگا اس میں بھی یہی وسوسہ ہے تو ان تمام وساوس سے بچانے والی چیز سترہ ہے اگرچہ ہوگا تو وہی جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو تمام وساوس ختم ہو گئے، اس لئے ان چیزوں سے نماز کا قطع ہونا جو مراد لیا گیا ہے اس کا معنی ہے رابطے کا قطع ہونا، آدمی کی ایک تانت بندھی ہوئی ہوتی ہے اللہ کے ساتھ وہ ٹوٹ جاتی ہے اور یہیں سے یہ بات معلوم ہوجانی چاہئے کہ نماز میں جو وساوس آتے ہیں وہ بھی توڑ دیتے ہیں نماز کو اس نماز کو جس کی بات ہورہی ہے، بعض مرتبہ یہ وسوسہ آتا ہے کہ تین رکعتیں ہوئی ہیں یا چار ہوئی ہیں؟ تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ آدمی کا نماز میں جو خالص رابطہ تھا وہ ٹوٹ گیا ہے، اسی طرح جو حضرات نماز کے لئے آتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ اپنے تمام خیالات کو چھوڑ کر آئیں اور صرف اللہ سے ملاقات کا وقت ہے، ملاقات کریں باقی کام بعد میں ہوتے رہیں گے۔

[حدیث:۶۳۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ....، يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ وَيَقِي ذٰلِکَ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ۔“

(صحیح مسلم ج:۳، ص:۸۳، حدیث نمبر:۷۹۰، باب قَدْرِ مَا يَسْتُرُ الْمُصَلِّي)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز کو کاٹ دیتی ہیں تین چیزیں کتّا، عورت اور گدھا، اور بچاتا ہے اس سے ایسی چیز جو کجاوے کی پچھلی لکڑی کے برابر ہو۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ تین چیزیں آدمی کی نماز کو توڑ ڈالتی ہیں: ایک کتّا، دوسری عورت اور تیسرا گدھا۔ اور فرمایا کہ اس سے بچنے کے لئے اتنی لکڑی آدمی اپنے سامنے رکھ لے جتنا کہ کجاوہ ہوتا ہے یعنی زمین سے تقریباً ڈیڑھ ہاتھ تک۔

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ تم لوگوں نے ہمیں اچھا بدلہ دیا کہ ہمیں کتوں اور گدھوں کے ساتھ ملا دیا۔ مقصد یہ ہے کہ آدمی کی توجہ الی اللہ نہیں رہتی، سامنے سے عورت گزر جائے تو خیال بٹ جائے گا تو آدمی متوجہ الی اللہ نہیں رہتا، اور یہاں قطع کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ یہ مقصود ہے کہ ان تینوں چیزوں سے آدمی کی اللہ کی طرف توجہ نہیں رہتی، اس لئے کہ کتّا اس سے بھی آدمی کو ڈر لگتا ہے، اور عورت ہے، اس کی طرف متوجہ ہوگیا طبیعت بٹ جائے گی، اور گدھا ہے وہ پاس سے گزرا تو اس سے بھی

شرارت کا اندیشہ ہے تو غرضیکہ مقصود یہ ہے کہ توجہ الی اللہ نہیں رہے گی، توجہ الی اللہ کا منقطع ہونا مقصود ہے، باقی نماز ٹوٹتی نہیں ہے اور فرمایا کہ اگر آدمی سترہ رکھ لے اپنے سامنے تو دھیان نہیں بٹتا، اسی لئے سترہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ آدمی اپنی نماز کی طرف متوجہ رہے اور چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

جمعہ کی فضیلت واحکامات

[حدیث: ۲۳۸] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَی الْجُمُعَةَ فَصَلّٰی مَا قُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ أَنْصَتَ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَعَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰی وَفَضْلَ ثَلَاثَةِ أَیَّامٍ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الجمعة، حدیث ۱۸۷۴)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے غسل کیا پھر نماز جمعہ کے واسطے مسجد میں آیا، پھر اس نے سنتیں پڑھیں، جتنی اس کی قسمت میں تھیں پھر چپ بیٹھا رہا یہاں تک کہ امام خطبہ پڑھ چکا پھر امام کے ساتھ فرض نماز پڑھی، اس کی مغفرت ہوئی اس وقت سے دوسرے جمعہ تک اور تین دن اور بھی۔“

[حدیث: ۲۳۹] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بُدْنَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الثَّانِیَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشاً أَقْرَناً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ كَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بِیْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ یَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔“

(متفق علیہ، مسلم: کتاب الجمعة، حدیث ۱۸۵۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے دن غسل جنابت کیا، پھر اول وقت مسجد میں آیا تو ایسا ہے جیسے اس نے اُونٹ قربان کیا، جو دُوسری گھڑی میں آیا وہ ایسا ہے جیسے اس نے گائے قربان کی، جو تیسری گھڑی میں آیا وہ ایسا ہے جیسے اس نے سینگ والا دُنبہ قربان کیا، جو چوتھی گھڑی میں آیا ایسا ہے جیسا کہ اس نے مرغی قربان کی، اور جو پانچویں گھڑی میں آیا وہ ایسا ہے جیسا اس نے انڈا صدقہ کیا، پھر جب امام خطبہ پڑھنے کے واسطے نکلا تو فرشتے

خطبے اور نماز کی سنن کے لئے دروازہ چھوڑ کر مسجد میں آجاتے ہیں۔‘‘

[حدیث: ۲۴۰] ’’عَنْ سَلْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيبٍ ثُمَّ رَاحَ وَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَصَلّٰى مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى۔‘‘ (رواہ البخاری حدیث ۱۲۹۹)

ترجمہ: ’’حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے غسل کیا جمعہ کے دن اور پاک صاف ہوا جتنی صفائی اس سے ہوسکی، پھر تیل لگایا یا خوشبو، پھر مسجد میں گیا اور دو بیٹھنے والوں میں جدائی نہ کی، پھر نماز پڑھی، جتنی مقدر میں تھی، پھر جب امام منبر پر آیا تو خاموشی سے خطبہ سنتا رہا، تو اس شخص کی مغفرت ہوگئی اس وقت سے پچھلے جمعہ تک۔‘‘

تشریح: ان تینوں حدیثوں کا مضمون ایک ہی ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد سویرے جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خوب پاک صاف ہوکر جائے۔ ’’غسل الجنابة‘‘ کا مطلب ہے ایسا غسل کرے جس طرح جنابت کا غسل کیا جاتا ہے (یعنی خوب اچھی طرح اور اہتمام کے ساتھ) اس طرح غسل کرکے جائے۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ کوئی خوشبو گھر میں ہو تو وہ لگا کر جائے، چوتھا حکم یہ ہے کہ پہلی گھڑی میں جانے کی کوشش کرے، پہلی گھڑی میں جانے کا ثواب اُونٹ کی قربانی کے برابر، دُوسری گھڑی میں جانے کا ثواب گائے کی قربانی کے برابر، تیسری گھڑی میں جانے کا دُنبے کی قربانی کے برابر اور چوتھی اور پانچویں گھڑی میں جانے کا ثواب ہے مرغی اور انڈا صدقہ کرنے کے برابر۔

بعض عقل مندوں نے اس سے مرغی کی قربانی کو ثابت کرنا چاہا ہے، میں نے کہا کہ: جب مرغی کی قربانی ہوجاتی ہے تو پھر انڈے کی بھی قربانی ہوجانی چاہئے، یہاں قربانی نہیں بلکہ صدقہ مراد ہے، کیونکہ قربانی کے خاص جانور متعین ہیں۔

اب ان گھڑیوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، بعض اکابر فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت سے جمعہ کے وقت تک اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کرلیا جائے، سورج نکلنے سے لے کر جمعہ تک کے وقت کو پانچ حصوں میں تقسیم کرلیا جائے، تو پہلا حصہ پہلی گھڑی، دُوسرا حصہ دُوسری گھڑی، الیٰ آخرہ۔

بعض نے فرمایا کہ یہ ساعاتِ لطیفہ ہیں، یعنی چھوٹی چھوٹی گھڑیاں ہیں، مقصود اس سے یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے سب سے پہلے آؤ، اور تمہارے درجات کی ترتیب جمعہ کو آنے کی ترتیب سے قائم ہوگی، یہ

دیکھیں گے کہ جمعہ میں کیسے آتا ہے؟ کتنے نمبر کے مسلمان ہیں آپ؟ وہ ترتیب اسی سے قائم ہوگی، اور اس کا اثر یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جیسا کہ میں نے بتایا تھا کہ وہاں بھی جمعہ ہوا کرے گا، اور اللہ تعالیٰ بنفسِ نفیس خطبہ ارشاد فرمایا کریں گے، ہر آدمی اللہ تعالیٰ کا کلام پاک براہ راست سنے گا اور براہِ راست اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا، تو وہاں بھی یہ درجات قائم ہوں گے جو پہلے آنے والے ہوں گے ان کو صفِ اول میں جگہ ملے گی اور جو بعد میں آنے والے ہوں گے ان کو پچھلی صفوں میں۔

اس حدیث میں ایک بات یہ بتائی گئی ہے کہ مسجد میں پہنچ کر دو آدمیوں میں تفریق نہ کرے، یعنی دو آدمی مل کر بیٹھے ہیں، یہ آکر بیچ میں گھستا ہے، زبردستی دو آدمیوں کے بیچ میں جگہ بناتا ہے، وہ دو دوست ہیں، دو بھائی ہیں، باپ بیٹا ہیں، تمہیں کیا معلوم کون ہیں یہ؟ تم دو آدمیوں کے بیچ میں گھستے ہو، ہاں! اگر درمیان میں جگہ موجود ہے، فاصلہ ہے تو وہاں بیٹھ سکتے ہو، زبردستی دو آدمیوں کے درمیان جگہ نہیں لینی چاہئے۔

اور دُوسری احادیث میں ہے:

"وَلَمْ يَتَخَطَّ رِقَابَ النَّاسِ" (مسند احمد بن حنبل، کنز العمال: ۲۱۲۳۰)

ترجمہ: "لوگوں کی گردنوں کے اُوپر سے پھلانگ کر نہیں گیا، جہاں جگہ ملی وہیں بیٹھ گئے۔"

لیکن اگر پہلی صف میں جگہ موجود ہے اور لوگ پیچھے بیٹھے ہیں تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ کر آگے نکلو، کیونکہ یہ ان کی کوتاہی ہے کہ وہ آگے کیوں نہیں بیٹھے، جگہ کیوں چھوڑی انہوں نے؟

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: چھٹی چیز یہ کہ آکر بیٹھ گیا اور جتنی نماز اس کے لئے مقدر تھی پڑھی، دو چار چھ، یہاں تک کہ جب امام نکلا تو یہ خاموش رہا، آکر اپنے ذکر میں مشغول رہا، باتیں نہ کیں، تو فرمایا اس جمعہ سے لے کر اگلے جمعہ تک کی اور تین دن مزید اس کی بخشش ہوگئی، دس دن کے گناہ معاف ہوگئے۔

ایک مضمون یہاں یہ آیا ہے کہ فرشتے نمبروار آنے والوں کا نام لکھتے رہتے ہیں، اور جب امام خطبے کے لئے نکل آتا ہے تو وہ اپنے دفتر بند کردیتے ہیں، لکھنا چھوڑ دیتے ہیں، اور خطبہ سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن کی حاضری کا رجسٹر اللہ تعالیٰ کے یہاں الگ رکھا ہوا ہے، ایک تو یہ ہمارے کراماً کاتبین ہیں، دائیں بائیں کندھے والے، ان کے علاوہ ایک جمعہ کی حاضری کا رجسٹر ہے، وہاں دیکھا جائے گا کہ یہ آدمی پورے سال یا عمر میں کس نسبت سے جمعہ کے لئے آیا؟ اس کے مطابق نمبر لگائیں گے، اول، دوم، سوم، یہ تو انعام لینے والے ہوتے ہیں، اور پھر درجات ہوتے ہیں، اعلیٰ اوسط، اعلیٰ درجے کا پاس، درمیانے درجے کا پاس اور ادنیٰ درجے کا پاس، اور پھر بعض فیل بھی ہوجاتے ہیں، ہمارے مدرسے میں حاضری کا رجسٹر ہے اور وہ طالب علم جنہوں نے پورے سال ایک بھی سبق کا ناغہ نہیں کیا ان کو انعام دیا جاتا ہے، خواہ کسی درجے سے متعلق ہوں، تو یہ جمعہ کی رجسٹر کی جو حاضری لی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہی ہے،

تمہیں بتانے کے لئے کہ تم فلاں جمعہ میں فلاں وقت پہنچے، فلاں جمعہ فلاں وقت پہنچے، لہٰذا اول وقت آنے کا اہتمام کیا جائے۔

ایک بات یہ معلوم ہوگئی کہ جولوگ امام کے جمعہ کا خطبہ شروع ہونے کے بعد تشریف لاتے ہیں، ان کا جمعہ تو ہوجائے گا، جمعہ کا ثواب ان کو ضرور ملے گا لیکن ریکارڈ میں نہیں آئیں گے، یعنی جمعہ کی حاضری کے لئے جو دفتر مخصوص ہے اور جمعہ کا جو ریکارڈ مہیا کیا جاتا ہے اس میں اس کا نام درج نہیں ہوگا اور کسی شخص کا اس دفتر میں نام نہ آئے تو بڑے افسوس کی بات ہے، اس لئے حتی الوسع جمعہ کے لئے پہلے سے پہلے آنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اِحیاء العلوم'' میں بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جمعہ کی تیاری میں اکابر کے ذوق مختلف رہے ہیں، بعض حضرات تو آج کا جمعہ ختم ہوا تو ہفتے کے دن سے اگلے جمعہ کی تیاری شروع کردیتے تھے، اور بہت سے مشائخ جمعہ کی تیاری جمعرات کے دن سے ہی شروع کردیتے تھے، اور کچھ لوگ شروع کرتے ہیں جب جماعت کھڑی ہوجائے!

مسلمانوں کے لئے جمعہ کا تقرر

[حدیث: ۲۶۲] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ....، أَضَلَّ اللهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا فَكَانَ لِلْيَهُودِ يَوْمُ السَّبْتِ وَكَانَ لِلنَّصَارٰى يَوْمُ الْأَحَدِ فَجَاءَ اللهُ بِنَا فَهَدَانَا اللهُ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ فَجَعَلَ الْجُمُعَةَ وَالسَّبْتَ وَالْأَحَدَ وَكَذٰلِكَ هُمْ تَبَعٌ لَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ۔'' (صحیح مسلم ج: ۴، ص: ۳۳۲، حدیث نمبر: ۱۴۱۵، بَاب هِدَايَةِ هَذِهِ الْأُمَّةِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہکا دیا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جمعے کے دن سے جو تم سے پہلے تھے، پس یہودیوں کے لئے ہفتے کا دن ہوا، نصاریٰ کے لئے اتوار کا دن، پھر اللہ تعالیٰ ہمیں لائے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے جمعے کے دن کی ہدایت فرمائی، پس اللہ تعالیٰ نے یہ تین دن مقرر کئے جمعہ، ہفتہ، اتوار، ایسے ہی لوگ ہمارے تابع ہوں گے قیامت والے دن، ہم لوگ دنیا والوں میں سے سب سے پیچھے آئے اور قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے، ہمارے لئے اور ایک روایت میں ہے کہ ہمارے بارے میں تمام مخلوق سے پہلے فیصلہ کردیا جائے گا۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا تھا کہ ان تین دنوں میں سے کوئی دن اپنی عبادت کے لئے اختیار کرلو، یہودیوں نے ہفتہ کا دن اختیار کرلیا اور وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کرنا شروع کیا اتوار کے دن، اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات، جمعہ چھ دن اور ساتواں دن ہفتے کا، اس دن اللہ تعالیٰ فارغ ہو چکے تھے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے چھٹی کی، چونکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ساتھ تھے انہوں نے اپنے اجتہاد ہی سے اس دن کو مقرر کر دیا، اس کے بعد نمبر آیا عیسائیوں کا، انہوں نے اتوار کا دن مقرر کرلیا اور اتوار کے دن مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے عقیدے کے مطابق نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صلیب پر لٹکایا گیا اتوار کو، لہٰذا انہوں نے کہا کہ یہ بڑا مقدس دن ہے، بہت ہی اچھا دن ہے، واقعی بہت اچھا دن ہے بقول ان کے ان کے نبی کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا، اس سے زیادہ مبارک دن کون سا ہوگا؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ان دونوں قوموں کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا، ہدایت نہیں کی ہمیں ہدایت کی، ہم بعد میں آئے لیکن اصل بات کو پہنچ گئے، وہ یہ کہ یہ جمعے کا دن تھا اور اللہ تعالیٰ نے ترتیب عجیب کردی کہ اصل دن جمعے کا دن تھا، ہم تو جمعے کو چھٹی کرتے ہیں اور ہمارے بعد ایک دن بعد یہودی چھٹی کرتے ہیں اور دو دن بعد نصرانی چھٹی کرتے ہیں، فرمایا: اسی طرح ہم سب سے بعد میں آئے لیکن سب سے آگے نکل گئے، چونکہ ہم نے جمعے کا دن اختیار کرلیا، جمعے کا دن ہفتے سے پہلے اور اتوار سے پہلے آتا ہے تو قیامت کے دن بھی ہم آگے ہوں گے، ہمارے پیچھے یہودی ہوں گے، ان سے پیچھے نصرانی ہوں گے، اس لئے فرمایا کہ نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ، ہم سب سے پیچھے آئے لیکن سب سے آگے نکل گئے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا صرف اتنی بات ہوئی کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہمیں بعد میں ملی لیکن ہم آگے نکل گئے، سابق وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار بھٹو صاحب نے جمعے کی چھٹی مقرر کردی تھی، یہ آخری وقت میں گویا ایک خیر کا کام وہ کر گیا اور ہمارے نواز شریف صاحب اس کے بالکل اُلٹ نکلے، اس کی بدبختی یہاں سے شروع ہوئی کہ بھٹو نے جمعے کی چھٹی کی تھی کم سے کم یہی رہنے دیتا لیکن اس کو بدل دیا، ہم نے اس مکافات کے جہاں میں یہ بہت دفعہ تجربہ کیا ہے کہ تل چھٹ پینے والوں کے ساتھ جو اُلجھتا ہے وہ گر پڑتا ہے۔

جمعے کے دن کو روزہ کے لئے خاص نہ کرو

[حدیث:۲۴۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي وَلَا تَخُصُّوا يَوْمَ

الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ"۔

(رواه مسلم: كتاب الصيام، باب كراهية صيام يوم الجمعة۔ حديث: ۱۹۳۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تمام راتوں میں سے جمعہ کی رات کو شب بیداری کے لئے خاص نہ کرو، اور تمام دنوں کے درمیان جمعہ کے دن کو روزے کے لئے خاص نہ کرو، الا یہ کہ کوئی ایسا دن ہو جس میں تم میں سے کوئی آدمی اس میں روزہ رکھتا ہو اس میں جمعہ کا دن آن پڑے“۔

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: جمعہ کی رات کو خاص کرنا عبادت کے لئے تمام راتوں کو چھوڑ کر اور جمعہ کے دن کو روزے کے لئے خاص کرنا باقی دنوں کو چھوڑ کر ایسا نہ کیا کرو، اس لئے کہ جمعہ کا دن اور جمعہ کی رات ہر چند کہ افضل ہے، سید الایام اور سید اللیالی ہے لیکن جو بات شریعت نے بتائی ہے اسی کے مطابق عمل کرو، اپنی طرف سے نہ گھڑو کہ چونکہ جمعہ کا دن افضل ہے اس لئے اس دن روزہ رکھنا بھی افضل ہوگا یہ نہیں، کیونکہ شریعت نے کوئی خاص عبادت جمعہ کی رات کو جو دوسری راتوں میں نہ ہوتی ہو اور خاص روزہ جمعہ کے دن کا جو دوسرے دنوں میں نہ رکھا جاتا ہو اس کی تلقین نہیں فرمائی، اس لئے یہ سمجھنا کہ جمعہ کا دن چونکہ افضل ہے اس لئے روزہ رکھنا بھی افضل ہوگا اور چونکہ جمعہ کی رات ہفتے کی راتوں میں سے افضل ترین رات ہے لہٰذا اس رات عبادت کرنا بھی افضل ہوگا، یہ غلط بات ہے، اسی بناء پر علماء نے لکھا ہے کہ شب معراج اور شب براءت میں عبادت کے لئے مساجد میں جمع ہونا بدعت ہے، یہ فقہاء حکمائے اُمّت ہیں۔ یہیں سے تمہیں معلوم ہوگا کہ دین کو کس طرح خالص، صاف اور ستھرا رکھا ہے حضرات علماء اور فقہاء نے، دین میں ہماری خواہشات شامل نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اسی طرح کھرا اور سونے کی طرح چمک دار ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھا، سونے پر ہزار سال گزر جائیں تو کیا وہ کھوٹا ہو جائے گا پرانا ہونے کی وجہ سے؟ سونا سونا ہی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین الحمدللہ! جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تروتازہ تھا، آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے اور اس میں کوئی آمیزش نہیں ہونے دی گئی۔

یہاں سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ بدعتی لوگ اہل حق کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ ہم اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ جلوس نکالنے اور بازاروں میں نعرے لگانے کی شریعت نے اجازت نہیں دی، میں نے اپنی کتاب ”اختلاف اُمّت اور صراط مستقیم“ میں ”عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور دوسری رسموں پر بھی۔ یہ حدیث تمہارے سامنے ہے یہ علمائے حق کا احسان ہے کہ انہوں نے دین کو کھرا کا کھرا رکھا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کو ”سید الایام“ فرمایا ہے، پورے ہفتے میں جمعہ کا دن سب سے افضل دن ہے اور سال کے دنوں میں سب سے افضل عرفہ کا دن ہے، سب سے افضل ترین دن ہے اور اگر

عرفہ اور جمعہ جمع ہوجائیں تو سبحان اللہ! نور علی نور، لیکن فرمایا کہ اس دن خاص طور سے روزہ نہ رکھو تا کہ کسی کے دل میں غلط عقیدہ پیدا نہ ہو۔

جمعہ سے پہلے کی سنتیں

[حدیث:۲۴۴] ''.....عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ سُلَيْكٌ الْغَطَفَانِيُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَعَدَ سُلَيْكٌ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَكَعْتَ رَكْعَتَيْنِ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: قُمْ فَارْكَعْهُمَا۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ: قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَتَجَوَّزْ فِيهِمَا۔'' (صحیح مسلم ج:۴، ص:۳۷۳، حدیث نمبر:۱۴۴۸، ۱۴۴۹، بَابُ التَّحِيَّةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو دو رکعتیں پڑھ چکا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، فرمایا: اُٹھ، دو رکعتیں پڑھ اور ایک روایت میں ہے کہ دو رکعتیں پڑھ اور ان میں اختصار کر۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیک سے فرمائی تھی جب وہ جمعے کے دن آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن منبر پر تشریف فرما تھے، سُلیک آئے اور آکر بیٹھ گئے، نماز نہیں پڑھی۔''

تشریح: یہ حدیث سلیک غطفانی کی ہے، اس لئے آپ نے دیکھا ہوگا یہ شافعی حضرات ادھر امام خطبہ پڑھ رہا ہوتا ہے اور ادھر یہ سنتیں شروع کردیتے ہیں، ان نوافل کا بہت اہتمام کرتے ہیں اور کوئی سنتیں نہیں پڑھتے لیکن اس کا بہت اہتمام کرتے ہیں، سلیک غطفانی آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے، وہ آئے اور آکر بیٹھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَرَكَعْتَ رَكْعَتَيْنِ؟ تو نے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟ اس نے کہا: نہیں پڑھیں۔ فرمایا: قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ اُٹھ دو رکعتیں پڑھ وَتَجَوَّزْ فِيهِمَا اور ذرا مختصر سی پڑھ۔

اب مسئلہ سمجھو ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام جب عربی خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھا ہوتو نہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے نہ بولنے کی اجازت ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ کوئی شخص بات کررہا تھا جمع میں تو کسی نے اس کو کہا ''چپ'' صرف اتنا لفظ فرمادیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اتنا لفظ بھی اس نے بولا تو اس کے جمعے کا ثواب باطل ہوگیا یعنی جمعے کا خطبہ ایسا ہے جیسا کہ نماز، جیسے نماز میں بولنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے ایسے ہی جمعے کے خطبے میں بات کرنے سے جمعے کا ثواب باطل ہوجاتا ہے، ہمارے حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کم از کم دس پندرہ احادیث مجھے معلوم ہیں جن کو میں حوالے کے طور پر پیش کرسکتا ہوں کہ ایک آدمی آیا اور آکر بیٹھ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہیں فرمایا کہ اُٹھ کر دو

رکعتیں پڑھ۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص جو منبر کے سامنے دروازہ تھا اس سے داخل ہوا اور آتے ہی کہنے لگا: **هَلَكَتِ الْعَيَالُ يَا رَسُوْلَ اللهِ** بال بچے مر گئے فاقے سے، قحط ہو گیا، دُعا کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی اور بارش شروع ہو گئی اور مسلسل سات دن بارش ہوتی رہی۔ اگلے جمعہ میں اسی دروازے سے پھر وہی آدمی آیا اور پھر وہی کہا: **هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ** مال ہلاک ہو گئے بارش کی وجہ سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا انگلی کا اشارہ فرمایا خطبہ دیتے ہوئے: **اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَ لَا عَلَيْنَا** یا اللہ بارش اطراف پر ہی ہو، ہمارے اوپر نہ ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس طرح جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی گھومتی تھی میں نے دیکھا کہ بادل اتنی جگہ سے چھٹ گیا ہے اور سامنے ایسا ہو گیا جیسے تاج ہوتا ہے، ارد گرد بارش ہو رہی ہے اور مدینہ خالی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، خطبے میں فرمایا: **اِجْلِسُوْا** بیٹھ جاؤ! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر تھے وہاں آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہنچی وہیں بیٹھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبداللہ آگے آجاؤ، وہ آگے آکر بیٹھ گئے، اس قسم کے متعدد واقعات ایسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ تم دو رکعتیں پڑھو۔

ایک سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا **قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ!** اُٹھ دو رکعتیں پڑھ! اور ان کو اس وجہ سے فرمایا تھا کہ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے حالت خستہ تھی، حالت بُری تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے چندے کی اپیل کرنا چاہتے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُٹھو دو رکعتیں پڑھو تاکہ سب کو نظر آجائے ان کی حالت۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی خطبے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیک غطفانی کے لئے چندے کی اپیل کی اور لوگوں نے چندہ دینا شروع کیا اور ڈھیر لگ گیا، کسی خطبے میں یہ اجازت ہے کہ عین خطبے کے دوران چندہ کیا جائے؟ بہر حال ہمارے امام فرماتے ہیں کہ یہ خصوصیت تھی سلیک غطفانی کی، دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں تھا۔

جمعے کے دن کی سنتوں کا بیان

[حدیث: ۴۲۵] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّياً بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعاً۔“ (رواہ مسلم حدیث ۲۰۲۶)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو جمعہ کے بعد نماز پڑھنی ہو، وہ چار رکعت کے بعد پڑھے۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا ہے: جس کو جمعہ کے بعد نماز پڑھنی ہو، وہ چار رکعتیں پڑھے۔ جمعہ کے بعد سنتیں کتنی ہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، بلکہ خود ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار سنتیں جمعہ کے بعد پڑھے، یہ اس حدیث کے مطابق فرمایا۔ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت امام کے سب سے بڑے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ دو پڑھے، اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں کو جمع کرلو، بڑے امام اور چھوٹے امام دونوں کے قول کو جمع کرلو، پہلے چار پڑھے پھر دو پڑھے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس پر عمل ہے۔

جمعہ کے خطبہ کے دوران نماز کا حکم

[حدیث:٢٤٦] ''......جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ......، إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَدْ خَرَجَ الْإِمَامُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ۔''

(صحیح مسلم ج:٤، ص:٣٧٢، حدیث نمبر:١٤٤٧، بَابُ التَّحِيَّةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی آدمی آئے جمعہ کے دن اور امام خطبے کے لئے نکل چکا ہو تو چاہئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے اور امام خطبے کے لئے نکل چکا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے تحیۃ المسجد، حضرات شافعیہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ان دو رکعتوں پر بہت زور دیتے ہیں لیکن ہمارے ہاں نہیں ہیں، یہ حدیث کی اور فقہ کی بحثیں ہیں بہت طویل، یہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے، ایک شخص آئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ اُٹھو دو رکعتیں پڑھو، ان کی بہت خستہ قسم کی حالت تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے اپیل کی چندے کی، لوگوں نے چندہ دیا حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اپنا کپڑا اُتار کر دے دیا بلکہ ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جمعے ان کے لئے اپیل کی، احناف کہتے ہیں کہ یہ صرف ان کے لئے خاص تھا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ قانون ہے، جو بھی آئے وہ دو رکعتیں پڑھے، ہم نے کہا قانون نہیں ہے خاص حالت کے بارے میں فرمایا۔

صحابہ کرام خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کا یہ عمل نہیں تھا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کم از کم مجھے بیس واقعات ایسے محفوظ ہیں کہ جن میں آنے والے آئے اور دو رکعتیں نہیں پڑھیں، صحیحین

میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ممبر پر تشریف فرما تھے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، خطبے کے دوران فرمایا: اِجْلِسُوْا بیٹھ جاؤ، کچھ لوگ کھڑے ہوں گے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے مسجد کے دروازے سے باہر تھے وہیں بیٹھ گئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر، آنحضرت ﷺ کی نظر مبارک پڑی تو آپ ﷺ نے ان کو بلوایا "تَعَالَ یَا عَبْدَاللّٰہِ!" "عبداللہ آجاؤ اندر!" ان سے نہیں فرمایا کہ "صَلُّوْا رَکْعَتَیْنِ!" "دو رکعتیں پڑھو!"

صحیح بخاری میں اور احادیث کی دوسری کتابوں میں قصہ موجود ہے، آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ایک آدمی اس دروازے سے جو منبر کے سامنے تھا داخل ہوا، داخل ہوتے ہی کہنے لگا یارسول اللہ! خشک سالی سے فصلیں تباہ ہوگئیں ھَلَکَتِ الْأَمْوَالُ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بارش عطا فرمائے، آپ ﷺ نے وہیں کھڑے ہوئے ہاتھ اُٹھائے اور دعا فرمائی اس کو نہیں فرمایا صَلُّوْا رَکْعَتَیْنِ دو رکعتیں پڑھو۔ حضور ﷺ دُعا مانگ رہے تھے، دُعا مانگتے مانگتے بارش شروع ہوگئی بادل کا ایک ٹکڑا نہیں تھا آسمان پر، اور لوگ بھیگتے ہوئے گھروں کو گئے اور پھر مسلسل سات دن تک بارش ہوتی رہی۔ اگلے جمعہ آنحضرت ﷺ پھر خطبہ دے رہے تھے، اسی دروازے سے وہی شخص یا کوئی دوسرا شخص داخل ہوا، کہنے لگا: یارسول اللہ! مر گئے دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بارش بند کردیں، آنحضرت ﷺ نے ایسا اشارہ فرمایا: اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَ لَا عَلَیْنَا یا اللہ اردگرد بارش ہو ہم پر بارش نہ ہو اَللّٰھُمَّ عَلَی الْآکَامِ وَ الْجِبَالِ وَ الْآجَامِ وَ الظِّرَابِ وَ الْأَوْدِیَةِ وَ مَنَابِتِ الشَّجَرِ یا اللہ ٹیلوں پر بارش ہو، پہاڑوں پر بارش ہو، جہاں درخت اُگتے ہیں وہاں بارش ہو، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ سورج نکل آیا اور مدینہ کے چاروں طرف بارش ہورہی تھی مگر مدینہ پر نہیں تھی، اس کو بھی نہیں فرمایا تھا کہ "قُمْ فَصَلِّ رَکْعَتَیْنِ!" "دو رکعتیں پڑھو!"

نمازِ جنازہ شفاعت کا سبب بن جاتی ہے

[حدیث: ۲۴۷] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عنہما مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ یَمُوْتُ فَیَقُوْمُ عَلٰی جَنَازَتِہٖ أَرْبَعُوْنَ رَجُلاً لَا یُشْرِکُوْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا إِلَّا شَفَّعَھُمُ اللّٰہُ فِیْہِ۔"

(رواہ مسلم، مشکوۃ حدیث ۱۵۷۲)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں کوئی ایسا مسلمان مرد جو مر جائے پھر اس کے جنازے پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جو شریک نہیں ٹھہراتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو، مگر اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس کے حق میں ضرور قبول فرمائیں گے۔"

تشریح: جو مسلمان مرجائے اس پر چالیس مسلمان جنازہ پڑھیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے تھے، اللہ تعالیٰ ان چالیس آدمیوں کی شفاعت اس کے حق میں قبول فرمائیں گے، اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ میت کا جنازہ پڑھنا ان کے لیے شفاعت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر، مسلمانوں پر اس کو فرض کفایہ بنادیا ہے یعنی کوئی مسلمان انتقال کر جائے تو اس کا جنازہ پڑھا جائے فرض کفایہ ہے، بالغ آدمی ہوں، مرد ہوں، عورتیں ہوں، نابالغ ہوں، اگر ایک آدمی بھی اس کا جنازہ پڑھ لے تو فرض کفایہ ادا ہوجائے گا اور اگر کوئی بھی نہ پڑھے ویسے کسی مسلمان کو دفن کر دیا جائے تو سارے کے سارے مسلمان گناہ گار ہوں گے۔ تو نماز جنازہ حقیقت میں میت کے لیے شفاعت ہے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جس شخص کی مسلمان نماز جنازہ پڑھیں اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمالیتے ہیں اور فرمایا ''اَنْتُمُ الشُّھَدَاءُ فِی الْاَرْضِ!'' ''تم اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو روئے زمین پر!'' اللہ تعالیٰ یہ نماز جنازہ ہر ایک کو نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی شفاعت اس کے حق میں قبول فرمائے۔

ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ نمازِ جنازہ پڑھنے والے مسلمان ایسے ہونے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں، شرک نہ کرتے ہوں اس لئے لوگ وصیت کر کے جاتے ہیں کہ میرا جنازہ فلاں آدمی پڑھائے، کسی نیک آدمی کے بارے میں وصیت کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں فرمایا کہ جس میت پر تین صفیں مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو اس حدیث کو روایت کرتے ہیں وہ کسی جنازے میں شریک ہوتے تھے تو تین صفیں بنالیتے تھے، چاہے آدمی تھوڑے ہی ہوں، کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات پوری ہوجائے کہ جس پر تین صفیں مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھیں اس کی اللہ تعالیٰ بخشش فرمادیتے ہیں۔

رات کی تاریکی سے نفع ونقصان اُٹھانے والے

[حدیث:۲۴۸] ''عَنْ طَارِقِ بْنِ شِھَابٍ اَنَّہٗ بَاتَ عِنْدَ سَلْمَانَ یَنْظُرُ اجْتِھَادَہٗ، فَقَامَ یُصَلِّیْ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ فَکَأَنَّہٗ لَمْ یَرَ الَّذِیْ کَانَ یَظُنُّ، فَذَکَرَ لَہٗ ذَالِکَ، فَقَالَ سَلْمَانُ: حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ! فَاِنَّھُنَّ کَفَّارَاتٌ لِھٰذِہِ الْجِرَاحَاتِ مَا لَمْ یُصِبِ الْمُقْتَلَۃَ فَاِذَا اَمْسَی النَّاسُ کَانُوْا عَلٰی ثَلَاثِ مَنَازِلَ: فَمِنْھُمْ مَنْ لَہٗ وَلَا عَلَیْہِ، وَمِنْھُمْ مَنْ عَلَیْہِ وَلَا لَہٗ، وَمِنْھُمْ مَنْ لَا لَہٗ وَلَا عَلَیْہِ، فَرَجُلٌ اِغْتَنَمَ ظُلْمَۃَ اللَّیْلِ وَغَفَلَۃَ النَّاسِ فَقَامَ یُصَلِّیْ حَتّٰی اَصْبَحَ فَذَالِکَ لَہٗ وَلَا عَلَیْہِ، وَرَجُلٌ اِغْتَنَمَ غَفَلَۃَ النَّاسِ وَظُلْمَۃَ اللَّیْلِ فَرَکِبَ رَأْسَہٗ فِی الْمَعَاصِیْ

فَذَالِکَ عَلَیْہِ وَلَا لَہٗ، وَرَجُلٌ صَلَّى الْعِشَاءَ وَنَامَ فَذَالِکَ لَا لَہٗ وَلَا عَلَیْہِ، فَاِیَّاکَ وَالْحَقْحَقَۃَ! وَعَلَیْکَ بِالْقَصْدِ وَدَاوِمْ!" (کنز العمال ج:۸حدیث:۲۱۶۳۶)

ترجمہ وتشریح: یعنی طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: میں ایک دن قصداً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مہمان رہا، میرا مقصد یہ تھا کہ ان کی رات کی عبادت کو دیکھوں، عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے اور ایسے سوئے کہ اُٹھے ہی نہیں، رات کا آخری حصہ جب باقی رہ گیا تو اُٹھے اور اُٹھ کر صبح صادق ہونے تک تہجد کی نماز پڑھی، میرا خیال تھا کہ یہ تو بہت عبادت کرنے والے بندے ہوں گے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس خطرے کو محسوس کر گئے اور فرمایا: پانچ نمازوں کی پابندی کرلو اور اس کے بعد یہ جو رات آتی ہے ناں! یہ تین قسم کے آدمیوں کے لئے آتی ہے، بعض آدمی وہ ہیں کہ رات ان کے لئے ہے، ان پر وبال نہیں لوگوں کے سکون کو، لوگوں کے آرام کو رات کے اندھیرے کو اور رات کی تاریکی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ہے، مالک کے دروازے کو کھٹکھٹانے کا وقت ہے، اور بعض ایسے ہیں کہ رات ان کے لئے وبال ہے، ان کے لئے نفع نہیں ہے، اس لئے کہ رات کا وقت ہوتا ہے لوگ اپنے ٹھکانے پر جاتے ہیں، سکون ہوجاتا ہے، رات چھا جاتی ہے تو ان کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتا، ڈاکے ڈالنے کے لئے بہت اچھا وقت ہے، چوری کرنے کے لئے، کسی کا گھر لوٹنے کے لئے، بہت اچھا وقت ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ رات ان کے لئے وبال ہے، رحمت نہیں ہے۔ اور تیسرے قسم کے آدمی وہ ہیں جن کے لئے رات نہ وبال ہے نہ رحمت، سو گئے صبح ہوگئی اللہ! اللہ! خیر صلہ! رات صرف سونے کے لئے ہے اور کسی چیز کے لئے ہے یا پھر آج کل ٹی وی دیکھنے کے لئے ہے، یا پھر ریڈیو پر خبریں وغیرہ سننے کے لئے ہے، یا پھر لوگوں کی باتیں کرنے کے لئے، رات آدھی گزر گئی ہم سو گئے اور پھر ایسے سوئے کہ صبح کو آنکھ نہیں کھلی۔

بہت سارے دوست شکایت کرتے ہیں کہ جی صبح فجر کی نماز کے لئے آنکھ نہیں کھلتی، سورج نکل آتا ہے، نماز قضا ہوجاتی ہے، کیوں نہ قضا ہو؟ اس لئے کہ ہمارے نزدیک رات کمائی کا وقت ہی نہیں ہے، کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں جن کے لئے رات کمائی کا وقت ہے۔ مصنف عبدالرزاق نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: جب نماز کا وقت ختم ہوجاتا ہے تو ہم اپنے آپ کو گناہوں کے ساتھ جلانا شروع کردیتے ہیں، یہاں تک کہ نماز کا وقت آجاتا ہے تو ہم نماز پڑھ کر اس آگ کو بجھا دیتے ہیں، ٹھنڈا کردیتے ہیں، پھر اگلا معاملہ شروع ہوجاتا ہے۔

تہجد کی نماز کی فضیلت وحکم

[حدیث:۲۴۹] "عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ مَنْ خَافَ أَنْ لَّا یَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ

فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُوْمَ اٰخِرَهُ فَلْيُوتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلٰوةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذٰلِكَ أَفْضَلُ۔" (رواہ امسلم: حدیث ۱۲۵۴)

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ اندیشہ رکھتا ہو کہ وہ آخر رات میں نہیں اٹھ سکے گا، اس کو چاہئے کہ اول رات میں وتر پڑھ لیا کرے، اور جس کو رات کے آخری حصے میں اُٹھنے کا گمان ہو، وہ وتر آخر رات میں پڑھے، اس واسطے کہ آخر رات کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور آخر رات کی نماز بہت بہتر ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: جو شخص رات کے آخری حصے میں اُٹھنے کی توقع نہ رکھتا ہو، بھروسہ نہ رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھ لیا کرے، یعنی عشاء کے بعد سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرے۔ اور جس شخص کو بھروسہ ہو آخرِ شب میں اُٹھنے کا وتر اس وقت پڑھا کرے، اس لئے کہ وہ وقت ایسا ہے کہ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور فرشتے اس کی دُعا پر آمین کہتے ہیں، اور یہ صورت افضل ہے۔

کسی عمل کی افضلیت یا تو اس کی اپنی ذات کی وجہ سے ہوتی ہے، یا مکان کی وجہ سے ہوتی ہے، یا زمان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ نماز افضل ہے روزے سے، اپنی ذات کے اعتبار سے، یا یہ کہ فرض افضل ہے نفل سے، اپنی ذات کے اعتبار سے۔ اور گھر میں ایک نماز کا ایک ثواب ملتا ہے اور مسجد میں پچیس یا ستائیس گنا ثواب ملتا ہے، یہ فضیلت مکان کے لحاظ سے ہوئی، بیت المقدس میں ایک ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک روایت کے مطابق ایک ہزار اور ایک روایت کے مطابق پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے، ابن ماجہ کی روایت میں پچاس ہزار کا ثواب ہے اور کعبہ شریف کی مسجد میں، مسجد حرام میں ایک نماز کا لاکھ گنا ثواب ملتا ہے۔ اور زمان کے اعتبار سے اس کی مثال جیسے: رمضان میں ستر گنا اجر بڑھا دیا جاتا ہے، ہر ایک عمل کو ستر کے ساتھ ضرب دیتے ہیں۔ اور کبھی عوارض کی وجہ سے عمل کا اَجر بڑھ جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکل کر پیسے کا خرچ کرنا اپنے اُوپر یہ سات لاکھ گنا درجہ رکھتا ہے اور نماز روزے کا درجہ بڑھ جاتا ہے۔

وتر اَوّلِ شب میں پڑھے جاسکتے ہیں، لیکن آخرِ شب میں وتر پڑھنا بہت افضل ہے، اس لئے کہ وہ وقت بہت افضل ہے، وتر وتر ہی ہے، لیکن آخرِ شب میں پڑھنے سے ان میں فضیلت آجاتی ہے۔

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹﴾ (بنی اسرائیل)

ترجمہ: ''رات کے کچھ حصے میں تہجد کیا کیجئے، (تہجد کا معنی ہے سو کر اُٹھنے کے بعد نماز وعبادت میں مشغول ہونا، یہ ایک اضافی،) زائد چیز ہے آپ کے لئے، (آپ کی اُمّت کے لئے حکم نہیں) قریب ہے کہ آپ کا پالنہار آپ کو مقامِ محمود عطا فرمائے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اُمّت پر لازم نہیں، چوبیس گھنٹوں کے اوقات میں سب سے افضل ترین وقت وہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت میں نماز فرض نہیں فرمائی، بندوں پر شفقت کرتے ہوئے، البتہ یہ کہہ دیا کہ چلو تمہاری دوڑ دیکھتے ہیں کہ کون اس وقت بستر چھوڑ کر ہماری بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے۔

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ (الم سجدہ:۱۶)

ترجمہ: ''الگ رہتے ہیں ان کے پہلوان کے بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر کے مارے اور لالچ کے مارے۔''

اُمید وبیم کی کیفیت کے ساتھ ہمیں پکارتے ہیں۔

اور سورۂ مزمل میں ارشاد فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۟ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۟ۙ﴾ (المزمل)

دیکھو! میں کیا ترجمہ کر رہا ہوں؟ اے مزمل! چادر اوڑھنے والے، پوری رات کا قیام کیجئے مگر تھوڑا سا حصہ چھوڑ لیجئے، کتنا حصہ چھوڑ لیں؟ ''نصفہ'' آدھی رات چھوڑ لیا کیجئے، آدھی رات آرام کر لیا کیجئے، یا اس میں کچھ کم چھوڑ لیجئے یا اس پر اضافہ کر لیجئے، یعنی یہ کہ اگر آپ نصف رات قیام کر لیں گے اور نصف چھوڑ دیں گے تو یہ پہلی صورت ہوگی۔ اور اگر آپ دو تہائی رات قیام کریں گے اور ایک تہائی چھوڑ دیں گے تو یہ دُوسری صورت ہوگی۔ اور اگر ایک تہائی رات قیام کریں گے اور دو تہائی چھوڑ دیں گے تو یہ تیسری صورت ہوگی۔

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۟ؕ﴾ (المزمل:۴) ''اور قرآن کریم کو خوب ترتیل کے ساتھ پڑھئے''

رمضان کے حافظ کی طرح نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو پڑھتے ہی ترتیل سے تھے، ہماری طرح تو پڑھتے نہیں تھے۔

ایک صاحب نے کہا کہ: میں تین دن میں قرآن ختم کرتا ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو چہرہ سرخ ہوگیا، فرمایا: جس طرح شعر پڑھتے ہیں اس طرح پڑھتے ہوگے۔

قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھا کیجئے، یہ حکم آپ کو اس لئے دے رہے ہیں کہ:

﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۟﴾ (المزمل:۵)

ترجمہ: ''ہم ڈالنے والے ہیں آپ پر، نازل کرنے والے ہیں آپ کی طرف ایک

بہت بھاری بات۔"

اس کا بوجھ اُٹھانے کے لئے اِستعداد پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور وہ تہجد کی نماز میں ہوگی، قرآن کا بوجھ آپ جب اُٹھا سکیں گے جب رات کا قیام کریں گے، رات کی ریاضت کریں گے۔

دُوسری بات یہ کہ:

﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا﴾ (المزمل)

رات کا قیام، اس میں دو باتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ نفس خوب روندا جاتا ہے، اس سے نفس کی رگڑائی خوب ہوتی ہے اور دل اور زبان کی موافقت خوب ہوتی ہے، سکون کا وقت ہے، اطمینان ہے، رات کا سناٹا ہے، کوئی شور وشغب نہیں، کسی پرندے کے پھڑکنے کی بھی آواز نہیں آتی، ایسی تنہائی میں محبوب سے باتیں کرنے کا مزا ہے، جبکہ پہرے دار بھی سو گئے ہوں، تو ایک تو دل اور زبان کی موافقت خوب ہوتی ہے، دُوسرے نفس خوب پامال ہوتا ہے اور بات بہت صاف نکلتی ہے۔

اور تیسری وجہ یہ کہ: ﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا﴾ (المزمل)۔

آپ کو دن میں بڑا کام رہتا ہے، فارغ ہی نہیں ہو پاتے، ہم سے باتیں کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، تو دن میں آپ کو کام بہت ہے، فرصت نہیں ملتی، رات کو کچھ ہم سے باتیں کرلیا کیجئے۔

تو یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے حکم تھا لازم، ایک فرض کے درجے میں اور اُمّت کے لئے یہ حکم حضور ﷺ کی اقتدا میں مسنون ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورت کا ابتدائی حصہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور آخری حصہ ایک سال تک مؤخر رہا:

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ﴾ (المزمل:۲۰)

گھڑیاں تو ہوتی نہیں تھیں اس زمانے میں کہ اتنے بجے ہیں، اتنی رات باقی ہے اور ضیاء صاحب کے بقول پانچ بج کر اٹھائیس منٹ پر روزہ کا وقت ختم ہوگا۔ تو حکم دیا کہ آدھی رات تو معیار ہے، اب تھوڑا کم کرلو یا زیادہ کرلو تو تمہیں اختیار ہے، لیکن اس خیال سے کہ آدھی رات پوری ہوجائے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساری رات ہی لگے رہتے، کہیں کمی نہ ہوجائے، لہٰذا اَب فرمایا:

"اِن ربک یعلم..." بے شک آپ کا ربّ جانتا ہے کہ آپ قیام کرتے ہیں قریب قریب دو تہائی رات۔ اندازہ کرو کہ دو تہائی رات قیام میں گزرے اور ایک تہائی بیٹھ گئے، یا آرام کیا آدھی رات اور ایک تہائی رات عبادت، اور ایک جماعت ان لوگوں کی جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی آپ کے ساتھ قیام کرتے ہیں۔ رات اور دن کا ٹھیک اندازہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، آپ اندازہ کرتے کرتے پوری رات ہی گزار دیتے ہیں، یہ مجاہدہ اللہ تعالیٰ

نے رسول اللہ ﷺ سے بمعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پورے ایک سال تک لیا، آخر میں فرمایا:

﴿عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ﴾ (المزمل:۲۰)

اللہ کو معلوم ہے کہ تم چل نہیں سکتے، اللہ نے تم پر عنایت فرمائی اور چھٹی دے دی، اب وہ پابندی نہیں رہی کہ اتنا قیام کرو، جتنا چاہو کرو:

﴿عَلِمَ اَنۡ سَيَكُوۡنُ مِنۡكُمۡ مَّرۡضٰى﴾

ترجمہ: ''اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے بعض لوگ بیمار ہوں گے۔''

﴿وَاٰخَرُوۡنَ يَضۡرِبُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ يَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ﴾

ترجمہ: ''اور کچھ وہ ہوں گے جو زمین میں سفر کریں گے معاش کی تلاش کے لئے۔''

﴿وَاٰخَرُوۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾

ترجمہ: ''اور کچھ وہ ہیں جو قتال فی سبیل اللہ میں لگے ہوئے ہیں۔''

ان کے لئے اب یہ پابندی بڑی مشکل ہوجائے گی، اس لئے اب وہ پابندی اُٹھالی گئی کہ اب جتنا چاہو قیام کرو۔

بہرکیف! اس میں اختلاف ہوا کہ کیا آپ ﷺ پر تہجد بعد میں بھی فرض رہی، یا بعد میں تخفیف ہوگئی؟ عام علمائے کرام کا خیال ہے کہ بعد میں آپ ﷺ پر بھی تخفیف کردی گئی تھی، مزید تاکید تھی آپ کے لئے، اس لئے آپ ﷺ نے کبھی تہجد چھوڑی نہیں سوائے مزدلفہ کی رات کے، اس میں آتا نہیں ہے کہ تہجد پڑھی تھی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں لکھا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ نے اس رات میں تہجد ضرور پڑھی ہوگی اس لئے کہ یہ رات بہت ہی افضل رات ہے، آنحضرت ﷺ اس کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔

لیکن نہیں! یہ ان کی رائے ہے، اس سے اتفاق نہیں، اس لئے کہ اندازہ کرو کہ ظہر کا وقت ہوتے ہی آپ ﷺ نے عرفات میں خطبہ دیا تھا، نماز پڑھائی ظہر اور عصر دونوں کو جمع کرکے، اور پھر اس وقت سے ناقہ پر سوار ہوگئے اور پورا دن اسی حالت میں گزارا تھا، پورے کا پورا آدھا دن وقوف کیا، پھر وہاں سے چلے غروبِ آفتاب کے بعد اور عشاء کے بعد مزدلفہ پہنچے، چھ میل کا راستہ طے کرکے، گویا کہنا چاہئے کہ دو پہر کو ناقہ پر سوار ہوئے اور تقریباً رات کے دس بجے وہاں نزول فرمایا، یہ آنحضرت ﷺ کی ہمت تھی، دن ڈھلتے ہی نماز پڑھائی، پھر وقوف فرمایا، پھر آفتاب غروب ہوا، پھر وہاں سے رات گئے مزدلفہ پہنچے، تقریباً دس بجے، پھر وہاں اُتر کر مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں، اور صبح پھر مشاغل تھے، جوں ہی فجر طلوع ہوئی اذان کہلوائی، نماز پڑھی اور اس کے بعد پھر مشغول ہوگئے، پھر وہاں سے سیدھے جمرۂ عقبہ پر پہنچے، وہاں رمی کی، رَمی کرکے منحر

پر آئے، تریسٹھ اُونٹ نحر فرمائے، اپنی عمر کے سالوں کے حساب سے، پھر بال اُتر وائے، پھر فوراً مکہ مکرمہ پہنچے، جا کر طواف کیا، سعی کی، ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی، یا واپس منیٰ آ کر، اس میں بڑا جھگڑا ہوا ہے، دونوں قسم کی روایات آتی ہیں۔ غرضیکہ تہجد سے بڑھ کر مشاغل آنحضرت ﷺ کے لئے تھے، اس لئے اگر چند گھنٹے آنحضرت ﷺ نے استراحت فرمائی ہو اور اس رات تہجد کے لئے نہ اُٹھے ہوں تو کوئی بعید نہیں۔ اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قیاس پوری طرح چلتا نہیں۔ بہرکیف! آخرِ شب میں تہجد پڑھنا افضل ہے۔

نمازِ وتر اور تہجد کا بیان

[حدیث:۶۵۰] "عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ: فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْبِئِيْنِيْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنَّا نُعِدُّ لَهٗ سِوَاكَهٗ وَطَهُوْرَهٗ فَيَبْعَثُهُ اللهُ مَا شَاءَ أَنْ يَّبْعَثَهٗ مِنَ الَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ تِسْعَةَ رَكَعَاتٍ لَايَجْلِسُ فِيْهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللهَ تَعَالٰى وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْماً يُسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَتِلْكَ إِحْدٰى عَشَرَ رَكْعَةً يَا بُنَيَّ"

(مشکوۃ:حدیث:۱۱۸۸)

ترجمہ: "سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کے وتر کے بارے میں پوچھا، فرماتی ہیں کہ: ہم آنحضرت ﷺ کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے پھر جب اللہ آپ کو اُٹھاتا آپ ﷺ اُٹھتے اور تہجد کی نماز نو رکعتیں پڑھتے تھے اور آٹھویں رکعت میں بیٹھتے ذکر و اذکار اور تسبیح کرتے، سلام نہیں پھیرتے تھے، التحیات پڑھنے کے بعد کھڑے ہو جاتے تھے، نویں رکعت ملاتے تھے، اس کے بعد آپ سلام پھیرتے تھے اور دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ تو یہ کُل گیارہ رکعتیں ہوئیں اے میرے بیٹے!"

تشریح: ان گیارہ رکعتوں میں سے چھ رکعتیں نوافل کی ہوتی تھی صلوٰۃ اللیل کی اور اس میں آنحضرت ﷺ طویل قراءت کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ بہت سارا قرآن پڑھ لیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رات کو نماز پڑھ رہے تھے تو میں بھی ساتھ کھڑا ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے سورۃ البقرہ ختم کی، سورۃ ال عمران ختم کی، سورۃ النساء ختم کی، رکوع کرنے بھی نہیں آتے تھے، یہاں تک کہ میری نیت خراب ہونے لگی، کسی نے کہا کہ نیت خراب ہونے کا کیا

مطلب؟ کہا کہ میرا جی چاہا کہ میں نماز توڑ کر اپنی الگ پڑھ لوں، یہ نوجوان تھے دبلے پتلے بھی تھے، آنحضرت ﷺ کا بدن مبارک ذرا تھوڑا بھاری بھی تھا اور آپ ﷺ ان کی نسبت سن رسیدہ تھے لیکن نماز کا ایسا ذوق نصیب فرمایا تھا کہ طویل رکعتیں پڑھتے تھے، تو چھ رکعتیں تو آنحضرت ﷺ صلوٰۃ اللیل کی پڑھتے تھے اور اللہ جانے اس میں کتنا وقت لگاتے ہوں گے اور کتنی طویل قراءت کرتے ہوں گے، پھر دو رکعتیں پڑھتے تھے، یعنی وتر کی نماز دو رکعتیں پڑھنے کے بعد التحیات پر بیٹھ کر سلام نہیں پھیرتے تھے بلکہ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔

نویں رکعت پر التحیات پڑھ کر، درود شریف پڑھ کر، دُعا پڑھ کر سلام پھیرتے تھے، اور اتنا اُونچا سلام پھیرتے تھے کہ ہمیں سنائی دیتا تھا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، تو یہ کُل گیارہ رکعتیں ہوئی۔ جب آنحضرت ﷺ کا بدن مبارک زیادہ بھاری ہو گیا تو چار رکعتیں پڑھتے تھے اور تین رکعتیں وتر کی، تو کُل سات ہوئیں اور دو رکعتیں بعد کی نو ہوئیں، تو پہلے زمانے میں آنحضرت ﷺ گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور اس زمانے میں نو رکعت پڑھتے تھے، اس نماز میں اگر بیٹھ کر کے قراءت کرتے تھے تو بیٹھ کر رکوع اور سجدہ بھی کرتے تھے اور کھڑے ہو کر قراءت کرتے تھے تو کھڑے ہو کر رکوع اور سجدہ بھی کرتے تھے۔

اس کے بعد فرماتی ہیں یہاں تک کہ مجھے معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی ساری رات نماز نہیں پڑھی بلکہ کچھ حصہ رات کا آرام کرتے تھے اور کچھ حصہ رات کا نماز کے لیے مشغول ہوتا تھا، جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ آنحضرت ﷺ رات کے تین حصے کرتے تھے۔ ایک حصہ اپنی ذات کے لیے ہوتا تھا اور اس کو بھی اُمّت کے لیے خرچ فرماتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضور اکرم ﷺ کے پاس اس تنہائی میں حاضر ہوتے تھے اور دیر تک مشورے ہوتے رہتے تھے۔

لوگوں کی ضرورتیں پیش کی جاتی تھیں، جس سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ آرام فرماتے تھے، ایک حصہ ازواج مطہرات کے لئے ہوتا تھا، اور ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہوتا تھا۔

حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جہاں تک کہ مجھے معلوم ہے آنحضرت ﷺ نے ساری رات نماز نہیں پڑھی۔ کسی رات میں کبھی ایسا اتفاق ہو گیا ہو گا تو الگ بات ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ساری رات ایک ہی آیت کی تلاوت کرتے ہوئے گزار دی:

﴿اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾﴾

(المائدۃ)

ترجمہ: ”اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ معاف کر دیں تو

آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔''

آنحضرت ﷺ رو رہے تھے اور یہی بار بار پڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ ساری رات گزر گئی، اسی آیت کو دُہراتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کے معاملے کو کوئی نہیں سمجھ سکتا، کوئی نہیں جان سکتا اور ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ الگ الگ ہوگا، جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور وہ آخر بالغ ہونے کی حالت میں مرے ہیں ان میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ نہ ہو، ہر ایک کے ساتھ اپنا معاملہ ہوگا، جس کو چاہیں پکڑ لیں جس کو چاہیں معاف کر دیں۔ ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ﴾ اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

بہرحال آنحضرت ﷺ نے روتے ہوئے ساری رات اس آیت میں گزار دی ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ﴾ اگر تو ان کو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اگر تو معاف فرما دے ﴿فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۱۸﴾ تو تُو زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے، ایک بہت نیک تھا اور ایک بیچارہ ہمارے جیسا تھا، وہ نیک آدمی ہمیشہ اس کو نصیحت کرتا رہتا کہ میاں! تم گناہ کے کام میں مشغول رہتے ہو اس سے باز آجاؤ اور وہ کہہ دیتا کہ تم میرا معاملہ میرے مالک پر چھوڑ دو، اس نیک آدمی کو ایک دن غصہ آیا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا اللہ تعالیٰ تجھے نہیں بخشے گا، اللہ نے موت کے فرشتے کو حکم دیا کہ دونوں کی روح قبض کرلے اور وہ دونوں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوئے، اس گناہ گار سے فرمایا: کہ تو کیوں گناہ کرتا تھا؟ اس نے کہا کہ: یا اللہ! آپ کی رحمت کے سہارے، فرمایا: جا بخش دیا، معاف کر دیا اور دوسرے صوفی جی سے کہا کہ: تو نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نہیں بخشے گا؟ تیری اتنی جرات کہ میرے بارے میں تو قسم کھا کے کہتا ہے؟ لے جاؤ اس کو دوسری طرف، اس لئے عرض کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات کا معاملہ وہی جانتے ہیں، کسی کو نہ تو حقیر سمجھنا چاہئے اور نہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں نڈر رہنا چاہیے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ بس نیک اعمال کرتے رہو اور ڈرتے رہو، خدانخواستہ کسی بات پر پکڑ ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی ساری رات نماز نہیں پڑھی کہ پوری رات اس میں خرچ کر دیں اور سوائے رمضان کے کبھی کسی پورے مہینے کے روزے نہیں رکھے، صحابہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ روزہ شروع کرتے تھے تو ہم آپس میں کہتے تھے کہ افطار نہیں کریں گے اور افطار کرتے تھے یعنی روزہ نہیں رکھتے تھے تو ہم سمجھتے تھے کہ روزہ نہیں رکھیں گے لیکن آنحضرت ﷺ کسی مہینے کو بھی اپنے روزے سے محروم نہیں فرماتے تھے، ہر مہینے میں روزہ رکھتے تھے اور خاص طور سے ہفتے میں پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے تھے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ پیر کو اور جمعرات کو روزہ ضرور رکھتے ہیں

تو ارشاد فرمایا کہ پیر کے دن میں پیدا ہوا ہوں تو اللہ کے شکر کے لئے روزہ رکھتا ہوں اور جمعرات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے عمل پیش ہوتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل اس حالت میں پیش ہو کہ میرا روزہ ہو، اسی طرح ایام بیض کے روزے رکھنے کا بھی معمول تھا، تیرہ، چودہ، پندرہ، یہ ایام بیض کہلاتے ہیں، یعنی ان دنوں کی راتیں سفید ہوتی ہیں، روشن ہوتی ہیں۔

یحییٰ ابن سعید کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عشاء کے بعد وتر پڑھ لیتے تھے اور جاگ آتی تو دو دو رکعتیں پڑھتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ وتر کس وقت پڑھتے ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! میں تو عشاء کے بعد ہی وتر پڑھ لیتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کس وقت پڑھتے ہو؟ فرمایا کہ: میں تو آخری شب میں پڑھتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ مسکرائے اور ارشاد فرمایا: انہوں نے یعنی ابوبکر نے احتیاط پر عمل کیا، پتہ نہیں ہے آخری وقت پر آنکھ کھلے گی یا نہیں کھلے گی اس لئے بہتر ہے کہ اسی وقت پڑھ لئے جائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے افضل وقت کو اختیار کر لیا کیونکہ اس وقت وتر پڑھنا سب سے افضل ہے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں نماز میں مشغول تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ آہستہ قراءت کر رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُونچی آواز سے قراءت کر رہے تھے، فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر! ہم رات کو آئے تم آہستہ قراءت کر رہے تھے، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "**اسمع من انادی**" میں جس کے ساتھ مناجات کر رہا تھا اس کو سنا رہا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم بہت اُونچی قراءت کر رہے تھے تو کہنے لگے: "**إِنِّي أُوقِظُ الْوَسْنَانَ وَأَطْرُدُ الشَّيْطَانَ**" (سنن الترمذی: باب قرآۃ اللیل، حدیث: ۴۰۹) شیطان کو دفع کر رہا تھا کیونکہ آدمی آہستہ قراءت کرے تو شیطان وسوسے بھی ڈالتا ہے اور کبھی کبھی نیند بھی آجاتی ہے اور اونگھنے والوں کو جگا رہا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے دونوں کی بات سنی اور بات سن کر فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے: تم تھوڑا اُونچا پڑھا کرو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: تم تھوڑا آہستہ پڑھا کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خادم، حضرت اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جتنا اللہ کو منظور تھا، نماز پڑھتے رہتے تھے لیکن جب آدھی رات ہوتی تو خود بھی اٹھتے اور گھر والوں کو بھی اٹھاتے کہ چلو نماز کا وقت ہو گیا ہے اور ساتھ کے ساتھ یہ آیت شریفہ تلاوت فرماتے:

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝۱۳۲﴾ (طٰہٰ)

یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور خود بھی جمو نماز پر، لا نسئلک رزقا ہم تجھ سے رزق کمانا نہیں چاہتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آدھی رات میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو نماز پڑھتے رہتے اور پھر اپنے خادم سے کہتے نافع صبح ہو گئی ہے کہ نہیں؟ وہ کہتے نہیں، ابھی نہیں ہوئی، تو بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے، پھر پوچھتے کہ صبح ہو گئی ہے؟ وہ کہتے نہیں، پھر ذکر کرتے رہتے اور آخر میں جب صبح ہو جاتی تو کہتے کہ صبح ہو گئی ہے پھر اٹھ کر صبح کی نماز پڑھتے۔

ابو غالب کہتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ کم سے کم تہائی قرآن پڑھ لیا کروں۔ میں نے کہا حضرت وقت تو اب بہت تھوڑا رہ گیا۔ تہائی قرآن کیسے پڑھ سکتا ہوں؟ فرمایا قل ھواللہ پڑھ لو تو تہائی قرآن کا ثواب مل جاتا ہے، کم سے کم قل ھواللہ کے ساتھ تو پڑھ لیا کرو، تہجد کی نماز دو رکعتیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ تہجد کی نماز اس طرح پڑھتے تھے جس طرح امام مسجد میں قراءت کرتا ہے۔ بہت ٹھہر ٹھہر کر، آہستہ آہستہ اور تہجد کی نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ مغرب کی اَذان کے بعد عشاء کی اَذان کا وقت ہوتا ہے جب اتنا وقت رہ جاتا یعنی فجر میں اتنا وقت رہ جاتا تھا تو اس وقت آپ وتر پڑھتے تھے۔

تہجد کے وقت کا عمل

[حدیث: ۲۵۱] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ....، إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحْ صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔“ (صحيح مسلم ج: ۴، ص: ۱۶۶، حديث نمبر: ۱۲۸۷، بَاب الدُّعَاءِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ وَقِيَامِهِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رات کو قیام کرے یعنی تہجد پڑھے تو اس کو چاہئے کہ پہلے دو رکعتیں ہلکی پھلکی پڑھ لے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا ہے کہ: رات کو جب آدمی نماز شروع کرے تو اس سے پہلے دو رکعتیں ہلکی پھلکی پڑھے، اس کے بعد اپنی مفصل نماز جتنی پڑھنی ہے پڑھے، مگر اس سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے سے طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے گا اور تہجد کے وقت جو ایک خاص قسم کی سستی ہوتی ہے وہ دور ہو جائے گی، تو تہجد کی نماز کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس کی ابتداء بالکل چھوٹی چھوٹی دو رکعتوں سے کرے پھر طویل رکعتیں پڑھے۔

ساری عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول مبارک تھا کہ پہلی دو رکعتیں بالکل ہلکی پھلکی پڑھتے تھے

اور بمشکل اس میں ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ تلاوت فرماتے تھے، اس کے بعد اپنی اصل نماز یعنی تہجد شروع کرتے تھے اور وہ ماشاء اللہ ایسی ہوتی تھی کہ بعض دفعہ پہلی رکعت بھی لگتا تھا ختم ہونے میں نہیں آتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود اپنا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، مجھے کیا سوجھی کہ میں نیت باندھ کر ساتھ کھڑا ہو گیا، پھر خیال تھا کہ آپ سورۃ بقرۃ پڑھیں گے لیکن سورۃ بقرۃ ختم ہو گئی میں نے کہا چلو آگے آل عمران ختم ہو گی، یہ بھی ختم ہوئی اگلی سورۃ شروع کر دی، میں نے کہا چلو اس سورت کے کسی رکوع پر ختم کریں گے یہاں تک کہ مجھے برے برے خیالات آنے لگے، کسی نے کہا کہ حضرت کیا خیال آنے لگے؟ فرمایا کہ کیا خیال آتے؟ یہی کہ نماز چھوڑ کے الگ ہو جاؤں، پھر کہتا کہ پڑھتا رہوں پھنس گئے ہیں، پھر مزے کی بات یہ ہے کہ رکعت پوری ہوئی تو اب رکوع ہی ختم نہیں ہو رہا، جتنا قیام کیا تھا پھر اتنا رکوع کیا، پھر اتنا سجدہ کیا، پھر اتنا جلسہ کیا اور اب ایک رکعت ماشاء اللہ پوری ہوئی۔

ذرا اندازہ فرمالیجئے! کہ کتنا وقت لگا ہو گا اور ہمیں یہ چیزیں لغو اور لایعنی معلوم ہوتی ہیں، ہم کہتے ہیں کہ جی! بس آدمی کو کام کرنا چاہئے، کسی جگہ دھرنا دینا چاہئے، نظام کو بدلنا چاہئے، یہ کرنا چاہئے وہ کرنا چاہئے لیکن جو کرنا چاہئے وہ نہیں کرتے، ہم جو کچھ کرتے ہیں اس کا نتیجہ صفر نکلتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ آئے تھے ربیع الاول میں وہ سال خالی گزر گیا، اگلے سال جہاد فرض ہوا، رمضان تھا، گرمی کا موسم تھا اور رمضان اور روزہ اس میں حکم دیا لڑو، تین سو تیرہ لڑنے والے، دو گھوڑے، آٹھ تلواریں اور نیزے، یہ ۲ رمضان ہے، ۵ رمضان کو عمرۃ القضاء ہوا، نیت باندھ کے نکلے تھے لیکن درمیان میں توڑنی پڑی، سات رمضان آٹھ رمضان کو مکہ فتح ہو گیا، یہ وہی مکہ تھا جس سے نکالا گیا تھا، وہی مکہ تھا جس میں دو سال پہلے رمضان میں جانے نہیں دے رہے تھے، بہر حال یہ کام کرنے کا کام ہے، وہ تو نبوت تھی اور معجزہ تھا لیکن ہمارے پاس نبوت نہیں، معجزہ نہیں، ہمارے پاس صرف ایک چیز تھی، وہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف نقل اتار کے دکھا دینا، ہم میں تو کچھ بھی نہیں رہا۔

آج ہمارے تصوّرات بدل گئے، ہمارے عقائد بدل گئے، نظریات بدل گئے، ہم کہتے ہیں کہ جی! تدابیر سے ہوتا ہے، تسبیحات سے کیا ہوتا ہے؟ میری تسبیح پڑھنے سے بھی کچھ ہوتا ہے؟ جی ہاں! میری تسبیح پڑھنے سے ہی ہوتا ہے، محض تدابیر سے کچھ نہیں ہوتا، اگر کوئی غلط فہمی میں ہے تو اس کو کہہ دے جا کے اب بھی کہہ دے کہ اس کے طرز عمل سے کچھ نہیں بنے گا، کچھ بھی نہیں بنے گا، بنے گا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بنے گا، ۲ھ میں رمضان میں جہاد شروع ہوا اور صرف ۶ سال میں پورا عرب فتح ہو گیا مکہ کیا فتح ہوا پورا عرب فتح ہو گیا۔

تو تدبیر اور اعتماد علی اللہ دونوں مسنون ہیں، تسبیح اور تدبیر دونوں کو جمع کریں پھر دیکھیں اللہ کی قدرت کا کرشمہ!

اِشراق اور چاشت کی نماز کی فضیلت

[حدیث:۲۵۲] ”عَنْ اُمِّ هَانِیٍ قَالَتْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَیْتَهَا یَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰی ثَمَانِیَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ اَرَ صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَیْرَ اَنَّهٗ یُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ“ (متفق علیہ، مشکوۃ حدیث ۱۲۳۴)

ترجمہ: ”حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن میرے گھر داخل ہوئے، غسل کیا اور آٹھ رکعات نماز پڑھی، میں نے اس سے زیادہ مختصر نماز پڑھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا لیکن رکوع اور سجدہ کامل فرمایا۔“

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ام ہانی، (جن کا نام فاختہ ہے) وہ ارشاد فرماتی ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح مکہ کے سال گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما رہے تھے، غسل سے فارغ ہوئے، ایک بڑی چادر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لپٹے ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں چاشت کی نماز پڑھی۔

[حدیث:۲۵۳] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ صَلٰوةَ الضُّحٰی اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ“ (رواہ مسلم، مشکوۃ حدیث ۱۲۳۵)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعتیں چاشت کی پڑھا کرتے تھے۔“

تشریح: انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی چھ رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور جب سے چھ رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے میری چاشت کی چھ رکعتیں قضا نہیں ہوئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چاشت کی رکعتیں چھ بھی ثابت ہیں، چار بھی ثابت ہیں اور آٹھ بھی ثابت ہیں۔

نمازِ اشراق کا بیان

ایک روایت میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا وہ جلدی واپس آیا اور غنیمت بھی خاصی لایا۔ لوگوں کو بہت تعجب ہوا کہ اتنی جلدی آنے والا لشکر جتنا مال غنیمت لے کر آئے ہم نے نہیں دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تمہیں بتاؤں کہ ان سے جلدی آنے والا اور ان سے زیادہ غنیمت لانے والا کون سا لشکر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتائیے۔ فرمایا کہ: جو شخص فجر کی نماز جماعت کے

ساتھ پڑھے اور پڑھ کر پھر اپنی جگہ بیٹھا رہے یہاں تک کے اشراق کا وقت ہو جائے، اشراق کی دو رکعتیں پڑھے تو یہ سب سے جلدی آنے والا اور سب سے بڑی غنیمت لانے والا ہے (کنزالعمال جلد ۷، صفحہ ۳۳۴)۔

صلوۃ الشکر

حضرت عبد اللہ بن ابی عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں، حضرت عبد اللہ بن ابی عوف رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھیں تو ان کی اہلیہ نے کہا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھی ہیں کہنے لگے جس دن فتح مکہ کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھی تھیں اور جس دن ابو جہل کے قتل کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی اس دن بھی آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ یہ دو رکعتیں شکرانے کی تھیں۔

کسی موقعے پر آدمی کو کوئی خوشی کی چیز ملے، خوشی کی خبر پہنچے تو اس پر سجدہ شکر ادا کرنا معمول ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکیلا سجدہ کرنا کافی نہیں بلکہ دو رکعتیں پڑھ لینا جس میں سجدہ ہوگا یہ ضروری ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر بھی اور ابو جہل کے قتل کے موقع پر بھی دو رکعتیں پڑھیں۔

سننِ مؤکدہ اور نوافل کی فضیلت کا بیان

[حدیث: ۶۵۴] ”عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّي لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيضَةٍ إِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ أَوْ إِلَّا بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ“ (رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب فَضْلِ السُّنَنِ الرَّاتِبَةِ قَبْلَ الْفَرَائِضِ، حدیث: ۱۱۹۹)

ترجمہ: ”حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں جو فرض نماز کے علاوہ بارہ رکعتیں یومیہ نفل پڑھا کرے مگر اس کے لیے اللہ تعالیٰ گھر بنادیں گے جنّت میں یا یہ ارشاد فرمایا کہ اس کے لیے گھر بنایا جائے گا جنّت میں۔“

تشریح: اس حدیث میں جو حضرت اُمِّ حبیبہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کہ: کوئی مسلمان دن رات میں فرض نماز کے علاوہ نفلی نماز (یعنی سنّت) بارہ رکعتیں پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت میں گھر بنائیں گے یا یہ کہ جنّت میں اس کے لئے گھر بنایا جائے گا، ایک جنّت کی بشارت دے دی دوسرے اس بارہ رکعت پڑھنے پر خصوصی مکان کی بشارت ملی۔

دو رکعتیں سنّت تم لوگ فجر میں پڑھتے ہو، چار رکعتیں اور دو رکعتیں ظہر میں پڑھتے ہو، (نفل نہیں

ذِکر کررہا، سنتوں کا ذِکر کررہا ہوں) آٹھ یہ ہوگئیں، دو رکعتیں مغرب میں پڑھتے ہو اور دو رکعتیں عشاء کے بعد سنتوں کی پڑھتے ہو، اس طرح یہ بارہ رکعت ہوئیں، اگر ان بارہ رکعتوں کا احترام کروگے تو حق تعالیٰ شانہٗ جنّت میں محل بنائیں گے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ بہت اُونچے اکابر میں سے ہیں، یہ ارشاد فرماتے تھے کہ: حق تعالیٰ شانہٗ نے سنتیں جو رکھی ہیں یہ فرائض کی تکمیل کے لئے رکھی ہیں، تاکہ فرضوں کی تکمیل ہوجائے اور نوافل رکھے ہیں سنتوں کی تکمیل کے لئے اور آداب و مستحبات رکھے ہیں نوافل کی تکمیل کے لئے، جو شخص نوافل کا اہتمام نہیں کرتا وہ سنتوں کا اہتمام نہیں کرے گا، اور جو سنتوں کا تارک ہو، رفتہ رفتہ فرائض بھی اس سے غائب ہوجائیں گے۔ اور ساتھ ہی فرمایا ہے کہ: نوافل رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے سنتوں کی تکمیل کے لئے۔

صلوٰۃ الاوّابین

[حدیث:۲۵۵] ”عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوْءٍ عُدِلْنَ لَهٗ بِعِبَادَةِ ثِنْتَىْ عَشَرَةَ سَنَةً۔“ (رواہ الترمذی حدیث ۳۷۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان کے درمیان کوئی بری بات نہ کرے تو اسے بارہ سال تک عبادت کا ثواب ملے گا۔“

تشریح: اس حدیث میں اوابین کی فضیلت بیان کی گئی ہے، امام نسائی نے اسناد جید کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مغرب اور عشاء کے درمیان حاضر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ رکعتیں نفل نماز پڑھیں یعنی نماز اوابین۔

پھر یہ اپنی اپنی ہمت ہے کہ چھوٹی چھوٹی رکعتیں پڑھ لیں یا بڑی بڑی پڑھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پورا وقت مغرب سے لے کر عشاء تک کا جو تقریباً تہائی رات ہوتی ہے، نماز میں مصروف کردیا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد فرماتے ہیں کہ: میرے والد ماجد عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مغرب اور عشاء کے درمیان چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے: میں نے اپنے محبوب کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جس کی وجہ سے میں اس کو نہیں چھوڑتا۔

حضرت عمر بن یاسر رضی اللہ عنہ ان کے بہت زیادہ فضائل ہیں، مسجدِ نبوی کی تعمیر ہورہی تھی اور تعمیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے، پتھر ڈھوڈھو کر لاتے تھے، سب سے پہلا پتھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا،

دوسرا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور تیسرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، یہ خلافت کی طرف اشارہ تھا۔

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد کے پتھر ڈھونے والوں میں سے تھے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! آپ یہ کام نہ کریں، آپ کی جگہ میں کروں گا، چنانچہ اپنے حصے کا بھی پتھر اٹھاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کا بھی پتھر اٹھاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان جو شخص نماز پڑھتا ہے۔ فرشتے اس کا گھیرا ڈال لیتے ہیں، یہ نماز اوابین کہلاتی ہے۔

صلوٰۃ الحاجت، حاجت کی نماز کا بیان

[حدیث:۲۵۶] ”عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ اِلَی اللہِ اَوْ اِلٰی اَحَدٍ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ فَلْیَتَوَضَّأْ فَلْیُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِیُصَلِّ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ لِیُثْنِ عَلَی اللہِ تَعَالٰی وَ لِیُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِیَقُلْ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ للہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، اَسْأَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَمُنْجِیَاتِ اَمْرِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔“ (رواہ الترمذی حدیث ۴۱۶)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو کوئی ضرورت پیش آجائے اللہ کی طرف سے یا کسی بندہ کی طرف سے، اس کو چاہیئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھی طرح وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ کی حمد وثناء کرے اور درود شریف پڑھے پھر اللہ کی بارگاہ میں اس طرح عرض کرے: ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا حلیم ہے کریم ہے، پاک ومقدس ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے اور اللہ ہی کے لئے ہیں دونوں جہاں کی تعریفیں، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان چیزوں کا جو تیری رحمت کا سبب ہوں اور جو تیری بخشش اور مغفرت کا ذریعہ بنیں اور تجھ سے مانگتا ہوں ہر نیکی اور اس سے فائدہ اٹھانا، اور ہر گناہ ومعصیت سے سلامتی مانگتا ہوں، اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے اور میری ہر فکر و پریشانی دور کردے اور میری ہر حاجت جس

سے تو راضی ہو اس کو پورا کر دے یا ارحم الراحمین۔‘‘

تشریح: آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ الحاجۃ کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ: آدمی خوب اچھی طرح وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نفل پڑھے، نماز سے فارغ ہو کر حق تعالیٰ شانہ کی حمد و ثنا کرے، رسول اللہ ﷺ پر دُرود شریف پڑھے، مسلمانوں کے لئے دُعائے مغفرت کرے اور خوب توبہ، اِستغفار کے بعد یہ دُعا پڑھے:

”لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، اَسْاَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَمُنْجِیَاتِ اَمْرِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔“

ترجمہ: ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا حلیم ہے کریم ہے، پاک و مقدس ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے اور اللہ ہی کے لئے ہیں دونوں جہاں کی تعریفیں، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان چیزوں کا جو تیری رحمت کا سبب ہوں اور جو تیری بخشش اور مغفرت کا ذریعہ بنیں اور تجھ سے مانگتا ہوں ہر نیکی اور اس سے فائدہ اٹھانا، اور ہر گناہ و معصیت سے سلامتی مانگتا ہوں، اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے اور میری ہر فکر و پریشانی دور کر دے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا کر دے یا ارحم الراحمین۔‘‘

اس کے بعد اپنی حاجت کے لئے خوب گڑگڑا کر دُعا مانگے، اگر صحیح شرائط کے ساتھ دُعا کی تو اِن شاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں ایک صحابی تھے جن کا نام تھا ”ابو المغلق“ بڑے پرہیزگار آدمی تھے، نیک آدمی تھے، تجارت کیا کرتے تھے، کچھ اپنا مال لے لیا، کچھ کسی کا مال لے لیا اور حصے کے مطابق اس کا منافع جو بنتا ہے وہ دے دیا، ایک دفعہ وہ تجارت کے لئے نکلے، سامان ساتھ تھا تو راستے میں ان کو ایک ڈاکو ملا، اس نے کہا کہ سامان یہاں رکھ دو اور میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

وہ بزرگ صحابی فرمانے لگے کہ تم نے مجھے قتل کر کے کیا لینا ہے؟ یہ مال پڑا ہے لے جاؤ، تم مال ہی لینا چاہتے ہو، لے جاؤ! مجھے قتل کر کے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟ کہنے لگا: نہیں! میں نے تجھے قتل کرنا ہے، فرمانے لگے: بہت اچھا! تو پھر مجھے ذرا نماز پڑھ لینے دو، چنانچہ چار رکعت نماز پڑھی، اس وقت نماز کتنی لذیذ معلوم ہوئی ہوگی؟ یہ انہی کو معلوم ہوگا۔

سیّدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو جب حجاج بن یوسف قتل کرنے لگا تو فرمانے لگے: مجھے دو رکعت نماز

پڑھ لینے دو، دو رکعت نماز پڑھی اور پھر فرمایا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ نماز کو لمبا کرتا مگر تم کہو گے کہ نماز لمبا کر رہا ہے موت سے ڈرتے ہوئے، حضرت خبیب بن ارت رضی اللہ عنہ ان کو اہل مکہ نے شہید کیا تھا ان کا لمبا واقعہ ہے، جب قتل کے درپے ہوئے تو حضرت فرمانے لگے کہ مجھے دو رکعت نفل پڑھ لینے دو، دو رکعت نماز پڑھی، ابو جہل نے یا کسی اور نے کہا کہ تم اتنا کہہ دو کاش میری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا جاتا اور مجھے چھوڑ دیا جاتا، تو کہنے لگے پاگل ہو گئے ہو، میں تو یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، وہاں بیٹھے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کانٹا چبھے، میں تو یہ بھی نہیں چاہوں گا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے ان کو سولی دی گئی درخت پر لٹکا دیا تھا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا کہ:

فَلَسْتُ أُبَالِیْ حِیْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا

عَلٰی أَیِّ شَقٍّ کَانَ فِی اللهِ مَصْرَعِیْ

ترجمہ: ''مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہے جبکہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جاتا ہوں کہ میں کس کروٹ پر گرتا ہوں۔''

اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر ہے، یہ جان دینا اسی کی خاطر ہے، اگر وہ چاہے تو ٹوٹی ہوئی ہڈیوں میں برکت ڈال سکتا ہے، میرا جسم تو بہت کمزور ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربانی دینے کے قابل بھی نہیں، لیکن اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ٹوٹی ہوئی ہڈیوں میں برکت ڈال سکتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ وَھُوَ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے قتل کے لئے نماز کی سنّت جاری کی یعنی قتل ہونے سے پہلے نماز پڑھی۔

تو حضرت ابو المغلق فرمانے لگے کہ بھائی تم مجھے قتل کر کے کیا لو گے تمہیں سامان چاہئے، سامان لے لو، وہ کہنے لگا کہ میں قتل کروں گا۔ فرمایا: مجھے نماز پڑھنے دو، دو رکعت نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد دُعا کی، دُعا یہ تھی:

''یَا وَدُوْدُ یَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ یَا فَعَّالُ لِمَا یُرِیْدُ أَسْئَلُکَ بِعِزَّتِکَ الَّتِیْ لَا تُرٰی وَمُلْکِکَ الَّذِیْ لَا یُرْعَمُ وَبِنُوْرِکَ الَّذِیْ مَلَأَ أَرْکَانَ عَرْشِکَ اَنْ تَکْفِیَنِیْ مِنْ شَرِّ هٰذَا اللِّصِّ یَا مُغِیْثُ أَغِثْنِیْ''

ترجمہ: ''اے محبت کرنے والے! اے عرش مجید کے مالک! اے وہ ہستی کہ جس چیز کا ارادہ کرے اس کو کر ڈالتا ہے! میں سوال کرتا ہوں تیری عزّت کا واسطہ دے کر جس کا غلط نیت سے قصد نہیں کیا جا سکتا، اور تیری سلطنت کا واسطہ دے کر دُعا کرتا ہوں جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور میں تیرے اس نور کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تمام ارکانِ عرش کو

پر کر رکھا ہے، سوال میرا یہ ہے کہ تو اس ڈاکو کے شر سے میری حفاظت فرما، اے فریاد کو پہنچنے والے! میری فریاد کو پہنچ!''

یہ چھوٹی سی دُعا تھی جو تین دفعہ کہی، تین دفعہ دُعا کرنا تھا کہ ایک گھڑسوار نظر آیا، اس نے آتے ہی اپنے حربے کے ساتھ اس چور کو قتل کر دیا، پھر اس صحابی کے پاس آیا، ان صحابی نے کہا کہ تم کون ہو بھائی؟ کہنے لگے: میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں، جب تو نے پہلی دفعہ دُعا کی تو آسمان کے دروازے ملنے لگے، جب دوسری دفعہ دُعا کی تو آسمان والوں میں شور مچ گیا، اور جب تو نے تیسری مرتبہ دُعا کی تو میں نے کہا: یا اللہ! جو دُعا کر رہا ہے اس شخص کی کفایت کے لئے مجھے بھیج دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری دُعا منظور کی، میں فوراً اُترا، (ایک لمحہ میں آنا ہوتا ہے فرشتوں کا، دیر نہیں لگتی اور جب مظلوم بندہ دُعا کرتا ہے تو وہ سیدھی آسمان پر جاتی ہے اور اس آسمان سے بھی اُوپر جاتی ہے، اس سے بھی اُوپر جاتی ہے، یہاں تک کہ عرشِ الٰہی تک پہنچ جاتی ہے،)۔ پھر اس فرشتے نے کہا کہ تمہیں خوشخبری ہو اور اس بات کا یقین کرو کہ جو شخص وضو کرے چار رکعتیں پڑھے اور یہ دُعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی دُعا منظور فرمالیں گے، چاہے پریشان ہو، چاہے آفت رسیدہ ہو، چاہے مظلوم ہو، کسی حالت میں بھی ہو اللہ تعالیٰ اس کی دُعا منظور فرمالیں گے، یہ نماز حاجت کا بیان تھا۔

بھائی! یہ دُعا مجھے تو یاد نہیں، کسی اللہ تعالیٰ کے بندے کو ہمت ہو تو یہ دُعا یاد کر لے، کسی بھی مصیبت کے وقت میں یہ دُعا کیا کرو، چار رکعتیں پڑھو، تازہ وضو کرو، اچھی طرح وضو کرو اور پھر خشوع و خضوع کے ساتھ چار رکعتیں پڑھو اور پھر یہ دُعا کرو اِن شاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کفایت فرمائیں گے۔

بہر حال جب بھی کوئی کام اور ضرورت پیش آئے تو صلوٰۃ الحاجت پڑھو، مجھے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں شہید ہو گئے، شہید ہونے سے پہلے اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے کہ: بیٹا! میرے ذمے قرضہ ہے، میرے یہ قرضے ادا کر دینا اور قریش کے لوگوں سے مدد کے لئے کہنا، دوسرے لوگوں سے نہ کہنا اور جب کبھی تمہیں مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے دُعا کرنا، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سمجھ نہیں سکا، میں نے کہا: ابّا جان! آپ کے مولیٰ کون ہیں؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا، یعنی فرمایا کہ میرا مولیٰ اللہ ہے۔

میرے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ مجھے ایک دفعہ اپنے گھر لے گئے، اپنی بیٹھک میں اور یہ قصہ مجھے سنایا اور سنانے کے بعد فرمایا کہ جب تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے مدد مانگنا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب بھی مجھے مشکل پیش آتی میں کہتا ''**یا مولَی الزبیر!**'' میرا یہ کام کر، اے زبیر کے مولیٰ! میرا یہ کام کر دو۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کہا کہ: تم یہ کہنا کہ اے محمد یوسف بنوری کے مولیٰ! یہ کام کر دو، یہ وظیفہ مجھے دیا تھا۔

کوئی حاجت ہو کوئی ضرورت ہو تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا بھی طریقہ بتایا ہے۔ ثمامہ ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بیٹھا تھا، ان کی زمین کا نگران آیا اور آ کے کہنے لگے کہ حضرت بارش ہوئی نہیں، اتنی خشک سالی ہے کہ کچھ پوچھو نہیں، بارش نہیں ہو رہی، فرمایا: پانی لاؤ، پانی منگوایا، وضو کیا، وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں، پوچھنے لگے کہ کہیں بادل نظر نہیں آیا؟ کہنے لگے: نہیں، پھر دو رکعتیں اور پڑھیں، پھر پوچھتے رہے، اس طرح تیسری مرتبہ، یا چوتھی مرتبہ اس آدمی نے کہا کہ پرندے کے پر جتنا ایک بادل آیا ہے، فرمایا ہو جائے گا، دیکھتے ہی دیکھتے بادل چھا گیا اور بارش ہونے لگی، جب بارش ہو چکی تو ایک صاحب کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور ذرا چکر لگا کے آؤ اور دیکھو کہ کہاں تک بارش ہوئی ہے، چنانچہ ان صاحب نے چکر لگایا اور آ کر بتایا کہ جہاں تک حضرت کی زمین ہے وہاں تک بارش ہوئی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیمار ہو گیا، اتنا شدید بیمار تھا کہ کچھ پوچھو نہیں، میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ یا رسول اللہ! میں بہت سخت بیمار ہوں، فرمایا: لیٹ جاؤ، مجھے لٹا دیا اور تھوڑا سا کپڑا جو اوڑھے ہوئے تھے میرے اوپر دے دیا اور خود نماز پڑھنے لگے، نماز پڑھ کے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے دنیا بھی مانگ لی ہے، دین بھی مانگ لیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دن ہے اور آج کا دن میں کبھی بیمار نہیں ہوا۔ سبحان اللہ۔

صلوٰۃ التسبیح کا بیان

[حدیث:۲۵۷] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: اَنْ تُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ تَقْرَأُ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَسُوْرَۃٍ فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَۃِ فِیْ اَوَّلِ رَکْعَۃٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ خَمْسَ عَشْرَۃَ مَرَّۃً ثُمَّ تَرْکَعُ فَتَقُوْلُھَا وَاَنْتَ رَاکِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَکَ مِنَ الرُّکُوْعِ فَتَقُوْلُھَا عَشْرًا ثُمَّ تَھْوِیْ سَاجِداً فَتَقُوْلُھَا وَاَنْتَ سَاجِداً عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَکَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُھَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُھَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَکَ فَتَقُوْلُھَا عَشْرًا فَذٰلِکَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ تَفْعَلُ ذٰلِکَ فِیْ اَرْبَعِ رَکَعَاتٍ۔" (رواہ الترمذی، حدیث ۱۲۵۲)

ترجمہ وتشریح: اس روایت میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ بیان فرما رہے ہیں، ہر مسلمان بندہ کو چاہئے کہ وہ صلاۃ التسبیح کا اہتمام کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ: چار رکعت نماز

نفل کی نیت باندھو، پہلی رکعت میں "سبحانک اللھم" پڑھنے کے بعد "اعوذ باللہ، بسم اللہ، الحمد" شریف پڑھو، اس کے بعد کوئی سورۃ پڑھو، چھوٹی سورۃ پڑھو یا بڑی سورت، تمہاری مرضی، اپنی اپنی ہمت ہے، جتنا گڑ ڈالوگے اتنا میٹھا ہوگا، اس کے بعد: "سُبْحَانَ اللہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکْبَرُ" پندرہ دفعہ پڑھو، اس کے بعد رکوع میں چلے جاؤ، رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم" جتنی دفعہ چاہو پڑھو، تمہاری مرضی، گیارہ دفعہ پڑھو، اکیس دفعہ پڑھو، یا زیادہ پڑھو، جب تم نے رکوع کی تسبیحات پڑھ لیں تو اس کے بعد دس مرتبہ پڑھو: "سُبْحَانَ اللہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکْبَرُ" رکوع سے کھڑے ہوگئے "سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہا اور اس کے بعد دس مرتبہ پھر تسبیحات پڑھو، "سُبْحَانَ اللہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکْبَرُ" پھر اس کے بعد سجدے میں چلے گئے، سجدے میں جانے کے بعد، سجدے کی تسبیحات پڑھیں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" جس طرح میں نے کہا کہ جتنا چاہو پڑھو، جب تم نے یہ تسبیحات پڑھ لیں، اس کے بعد دس مرتبہ پڑھو: "سُبْحَانَ اللہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکْبَرُ" پھر پہلے سجدے سے اٹھنے کے بعد بیٹھ کر دس مرتبہ پڑھو، "سُبْحَانَ اللہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکْبَرُ" پھر دوسرے سجدے میں سجدے کی تسبیحات پڑھنے کے بعد دس مرتبہ پڑھو، "سُبْحَانَ اللہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکْبَرُ" پھر دوسرے سجدے کے بعد اٹھ کر دس بار پڑھو، "سُبْحَانَ اللہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکْبَرُ" یہ کل پچھتّر مرتبہ ہوگئیں، اب کھڑے ہوجاؤ، اسی ترتیب کے ساتھ دوسری رکعت پوری کرو، اس کے بعد قعدہ اولیٰ میں التحیات پڑھ لی، اس کے بعد درود شریف بھی پڑھ لو، اس کے بعد چاہو تو دعا بھی پڑھ لو سلام پھیرنے سے پہلے، غرض یہ کہ ہر ایک رکعت میں پچھتّر مرتبہ یہ تسبیحات پڑھی جاتی ہیں، اس طرح چار رکعتوں میں تین سو مرتبہ ہوجاتی ہیں۔

یہ صلوٰۃ التسبیح ہے، اس کی پابندی کرلو، اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی عطا فرمائے، برکتیں عطا فرمائے اور اگر عادت ہی بن جائے تو بہت ہی اچھی بات ہے، دن کو پڑھو، رات کو پڑھو، اگر دن کو پڑھو تو زوال سے پہلے پہلے پڑھ لو، اور اگر رات کو پڑھو تو جب چاہو پڑھو۔

صلوٰۃ الوسطیٰ

[حدیث:۲۵۸] "عَنْ عَلِیٍّ..... شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللہُ قُبُوْرَھُمْ وَ بُیُوْتَھُمْ نَارًا قَالَہٗ یَوْمَ الْخَنْدَقِ۔"

(متفق علیہ، مسلم حدیث ۱۳۱۵)

ترجمہ: ”حضرت علی کرم اللہ جہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں نے ہمیں مشغول رکھا صلوٰۃِ وسطیٰ یعنی نمازِ عصر سے، اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے، (نعوذ باللہ) یہ بات آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی غزوۂ خندق کے دن۔“

تشریح: غزوہ خندق کے دن آنحضرت ﷺ عصر، مغرب اور عشاء تین نمازیں وقت پر نہیں پڑھ سکے، عشاء کی نماز میں کافی تاخیر ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے یہ تین نمازیں اکھٹی ملا کر پڑھائیں خندق کے دن اور پھر یہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے ہمیں نمازِ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز بھی نہیں پڑھنے دی۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عصر کی نماز ”صلوٰۃ الوسطیٰ“ کہلاتی ہے، تقریباً پچاس اقوال ہیں اس مسئلے میں کہ نمازِ وسطیٰ کون سی ہے ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (البقرۃ:۲۳۸) قرآنِ کریم میں ہے، اس سلسلے میں علماء کے تقریباً پچاس اقوال ہیں، مگر زیادہ راجح قول یہ ہے کہ اس سے نمازِ عصر مراد ہے اور یہی ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نمازِ ظہر مراد ہے، ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”صلوٰۃِ وسطیٰ“ عصر کی نماز ہے اور اس حدیث پاک سے حضرت امام کی تائید ہوتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے ہمیں مشغول رکھا ”صلوٰۃِ وسطیٰ“ یعنی صلوٰۃ عصر سے۔

کھانا سامنے آنے اور قضائے حاجت کے وقت نماز کا حکم

[حدیث:۲۵۹] ”......فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ......، لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ۔“ (صحيح مسلم ج: ۳، ص: ۱۸۲، حديث نمبر: ۸۶۹، بَاب كَرَاهَةِ الصَّلَاةِ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ الَّذِي يُرِيدُ أَكْلَهُ فِي...)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز نہیں کھانے کی موجودگی میں اور نہ اس حالت میں کہ اس سے تقاضا کر رہی ہوں دو خبیث چیزیں یعنی پیشاب پاخانہ۔“

تشریح: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ارشاد فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے نماز نہیں ہوتی کھانے کی موجودگی میں اور نہ اس حالت میں جبکہ دو خبیث چیزیں زور کر رہی ہوں، یعنی انسانی حوائج کا تقاضہ، نماز نہیں ہوتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ کامل نماز نہیں ہوتی، کھانے کی موجودگی میں اس لئے کہ کھانا

رکھا ہوا ہو تم کہو کہ نماز پڑھ لیں نماز میں تمہارا دھیان کھانے کی طرف ہوگا، پڑھو گے نماز اور دھیان ہوگا کھانے کی طرف۔

ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے کھانے کو نماز بنانا بہتر سمجھتا ہوں بنسبت نماز کو کھانا بنانے سے، کھانا کھاتے ہوئے یہ کہنا کہ جلدی جلدی کھاؤ نماز پڑھنی ہے، تو یہ کھانا بھی نماز میں شامل ہوگا کیونکہ دھیان نماز میں لگا ہوا ہے اور نماز پڑھ لو جلدی سے کیونکہ کھانا تیار ہے تو یہ نماز بھی کھانے کی مد میں شامل ہوگئی، البتہ اگر کسی شخص کو زیادہ اشتہاء نہیں ہے، بھوک نہیں ہے، جیسا کہ ہم لوگوں کا حال ہوتا ہے، ہر وقت معدہ بھرا ہی ہوتا ہے تو اس صورت میں بہتر ہے کہ کھانا چھوڑ کر نماز پڑھی جائے، چونکہ کھانے کا کوئی خاص تقاضہ تو ہے نہیں کہ بھائی پہلے کھانا نمٹاؤ اور اسی طرح اگر پاخانہ و پیشاب کا تقاضا ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

علمائے کرام تو فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ تمام چیزیں جو مشغول کرنے والی ہوں اور نماز سے ہٹانے والی ہوں ان کی موجودگی میں نماز نہیں ہوتی اور مدعا یہ ہے کہ آدمی کو تمام چیزوں سے فارغ ہو کر اور خالی الذہن ہو کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہیئے، لیکن ہمارا حال تو کچھ اور ہے، ہم تو فارغ نہیں ہوتے، دوسرے کاموں کو اصل مقصد سمجھتے ہیں لیکن نماز کو ہم مقصد کا کام نہیں سمجھتے کہ دنیا کے غیر ضروری کاموں سے فارغ ہو کر نماز میں جائیں، اس لئے نماز کی حالت میں باہر کی دنیا ہمارے سامنے ہوتی ہے اور پھر لوگ اظہار تشویش کرتے ہیں کہ نماز میں وسوسے بہت آتے ہیں۔

نا میرا بھائی! وسوسے آتے نہیں بلکہ پہلے سے تمہارے دل میں موجود ہیں جب تم نے ''اللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہہ کر نماز شروع کر دی تو گویا بجلی کا بٹن دبا دیا اور روشنی ہوگئی، اب چوہے، بلے اور کھٹمل، لال بیگ سب نظر آنے لگے اندر سے بھاگتے ہوئے یہ حشرات الارض، نماز کے اندر خیالات نہیں آتے بلکہ خیالات میں نماز آتی ہے، خیالات کا ایک طوفان برپا ہے ہمارے دل میں اور ایسا بحر محیط جس کا کوئی کنارہ نہیں، سوچنے بیٹھ جاؤ تو سلسلہ ختم نہیں ہوگا، اسی حالت میں نماز شروع کر دی اور نماز شروع کر کے بھی ہم زبان سے تو کہتے ہیں، الفاظ ادا کرتے ہیں نماز کے لیکن دل دوسری طرف لگا ہوا ہے وسوسے نہیں آئیں گے تو کیا آئے گا میرے بھائی؟

ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نماز میں خشوع حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے فارغ ہو جاؤ کہ میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہو رہا ہوں، کھڑکی کھول کر، دروازہ کھول کر اندر دربار لگا ہوا ہے وہاں حاضر ہو رہا ہوں، ''اللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہہ کر دروازہ کھولا اور ثناء پڑھ کر دربار میں داخل ہو گیا، یہ ثناء اللہ کی بارگاہ میں سلام ہے، تم نے ثناء کہی گویا سلام کیا، حکم ہوا کہ: کیسے آنا ہوا، کیا چاہتے ہو؟ کہا: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①﴾ سے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑤﴾

تک، صراط مستقیم کی درخواست کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے صراط مستقیم اپنی کتاب میں بیان کر دیا اس کو پڑھ لو، پڑھ لیا، اچھا پڑھ کے ہمیں بھی سناؤ کیا پڑھا تم نے؟ کچھ تو پڑھے گا نا، کوئی سورۃ، کوئی آیت پڑھے گا، ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا﴾ (الکھف:۱۰۷) جو لوگ کہ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہوں گے ان کے لئے جنّت الفردوس کے بالاخانے ہیں، مہمانی کے لئے ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا﴾ تم نے کہا مہمانی کا مطلب یہ ہے کہ اس کو چلتا کر دیں گے ایک دو دن میں؟ نہیں! ہمیشہ رہیں گے اس میں ﴿لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾﴾ نہیں چاہیں گے وہاں سے بدلنا، نہ ان کو نکالیں گے نہ وہ نکلیں گے، یہ ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ﴾ کی تشریح ہو رہی ہے۔

تو گویا جب نماز میں داخل ہوا تو اللہ سے مناجات شروع کر دی، دھیان اسی پڑھنے پر، ترجمے پر لگائے گا تو خیالات ادھر ادھر نہیں بھٹکیں گے۔

مسجد کے فضائل و آداب

بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت

[حدیث:۲۶۰] ”عَنۡ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهُ مَنۡ أَکَلَ الۡبَصَلَ وَالثُّوۡمَ وَالۡکُرَاثَ فَلَا یَقۡرَبَنَّ مَسۡجِدَنَا فَإِنَّ الۡمَلَائِکَةَ تَتَأَذّٰی مِمَّا یَتَأَذّٰی مِنۡهُ بَنُوۡ آدَمَ۔“

(رواہ مسلم، حدیث ۱۱۴۶)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو پیاز، لہسن اور گندنا کھاوے سو ہماری مسجد کے نزدیک ہرگز نہ آوے، اس واسطے کہ فرشتے بھی اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں جس چیز سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔“

[حدیث:۲۶۱] ”عَنۡ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهُ مَنۡ أَکَلَ ثُوۡمًا أَوۡ بَصَلًا فَلۡیَعۡتَزِلۡنَا، أَوۡ قَالَ لِیَعۡتَزِلۡ مَسۡجِدَنَا، أَوۡ قَالَ لِیَقۡعُدۡ فِیۡ بَیۡتِهٖ۔“ (مسلم، حدیث ۱۱۴۵)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص

لہسن یا پیاز کھاوے وہ ہم سے الگ رہے، یا ہماری مسجد سے الگ رہے، یا اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔"

[حدیث: ۲۶۲] "عَنْ أَنَسٍ وَأَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرُبَنَّ مَسْجِدَنَا۔" (مسلم، حدیث ۱۱۴۳)

ترجمہ: "حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس درخت یعنی لہسن سے کھاوے وہ ہمارے مسجد میں نہ آوے۔"

تشریح: ان تینوں حدیثوں کا مضمون ایک ہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لہسن، پیاز، گندنا، ان تین چیزوں کا ذکر آتا ہے حدیث میں اور باقی چیزوں کو اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے، جو شخص کھائے ان کو تو وہ ہماری مسجد میں نہ آئے، اور ایک روایت میں ہے کہ ہم سے الگ تھلگ رہے، آدمیوں کے پاس نہ بیٹھے، اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھے، اور ایک روایت میں ہے کہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے ایذا ہوتی ہے جن سے انسانوں کو ایذا ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ منہ سے بدبو آئے گی، مسجد میں آئے گا اور جو اس کے برابر میں کھڑا ہو گا اس کو ایذا پہنچے گی، فرشتوں کو بھی ایذا پہنچے گی اس لئے ازراہِ کرم وہ مسجد میں تشریف نہ لائیں، اور یہی حکم ہے ان تمام چیزوں کا جن سے بدبو آتی ہے، بعض اوقات سگریٹ پینے والے کے ساتھ کھڑا ہونا پڑتا ہے تو نماز پوری کرنا مشکل ہو جاتی ہے، اور اسی بنا پر علماء نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے بدن سے بدبو آتی ہو اس کو عام مجالس میں نہیں جانا چاہئے، اور اسی بنا پر علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص میں کوئی ایسا عیب ہو جس سے لوگوں کو گھن آتی ہو اس کو مسجد میں نہیں آنا چاہئے، کسی بیچارے کو کوڑھ کا مرض ہو، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ عافیت رکھے، ہر چند کہ یہ اس میں معذور ہے، لیکن ایک طبعی چیز ہے کہ دیکھنے والوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اپنے رُفقاء اور ہم نشینوں کی رعایت کی کتنی تاکید کی گئی ہے، ہماری کسی حرکت سے اپنے ہم نشینوں کو ایذا نہیں ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

نماز کے لئے مسجد میں جانے کی فضیلت

[حدیث: ۲۶۳] "عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ مَنْ تَطَهَّرَ فِیْ بَیْتِهٖ ثُمَّ مَضٰی فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ لِیَقْضِیَ فَرِیْضَةً مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰہِ كَانَتْ خُطْوَتَاهُ إِحْدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِیْئَةً وَالْأُخْرٰی تَرْفَعُ دَرَجَةً۔"

(رواہ مسلم: کتاب المساجد، بَاب الْمَشْيِ إِلَى الصَّلَاةِ، حدیث: ۱۰۷۰)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو شخص وضو یا غسل کر کے اپنے گھر میں پاک ہوا، پھر کسی مسجد میں گیا نماز فرض پڑھنے کو تو اس کے دونوں قدموں کا حال یہ ہوگا کہ ایک قدم سے گناہ مٹے گا اور دُوسرے قدم سے درجہ بلند ہوگا۔‘‘

تشریح: اس حدیث شریف میں مسجد میں جانے کی فضیلت بیان کی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جو شخص گھر سے پاک صاف ہوکر یعنی غسل با وضو کر کے اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کے لئے یعنی مسجد کے لئے نکلے، اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضے کے لئے یعنی فرض نماز ادا کرنے کے لئے تو غسل یا وضو کر کے خوب اچھی طرح، پھر کسی فرض ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف چلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اس کے گھر سے نکلنے سے لے کر مسجد تک پہنچنے تک ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا جائے گا اور دُوسرے قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا چلا جائے گا۔

قبیلہ بنوسلمہ کے لوگ مسجد سے دُور رہتے تھے، ان کا ارادہ ہوا کہ اپنے محلے کے مکان بیچ کر مسجد کے قریب مکان لے لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلاکر ارشاد فرمایا:

’’بَنِیْ سَلَمَۃَ! دِیَارَکُمْ تُکْتَبُ اٰثَارُکُمْ‘‘ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: ’’اے بنی سلمہ کے لوگو! اپنے ہی گھروں میں رہو، بیچو نہیں، جتنے دُور سے آتے ہو تمہارے نشانِ قدم لکھے جاتے ہیں۔‘‘

جس شخص کے مسجد کی طرف چلنے پر اس کا یہ اکرام کیا جارہا ہو، اس کے منزل پر پہنچنے پر اس کا کتنا اکرام ہوگا؟ ابھی راستے میں ہے اس کا اکرام شروع ہوگیا۔ جب کبھی دُنیا کے بڑے آتے ہیں تو راستوں میں قالینوں کے فرش بچھا دیئے جاتے ہیں، لیکن ایسا فرش بھی کبھی کسی نے بچھایا؟ جو شخص اللہ کا فرض ادا کرنے کے لئے اللہ کے گھر کے ارادے سے چلتا ہے اللہ تعالیٰ نیکیاں دینے اور گناہ مٹانے کا فرش اس کے لئے بچھا دیتے ہیں، اور اس لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: گھر سے وضو کر کے مسجد میں آنے والا ایسا ہے جیسا کہ کوئی اپنے گھر سے احرام باندھ کر بیت اللہ کی طرف جائے، یہاں سے اہلِ مسجد کی اور خود مساجد کی قدر و منزلت معلوم ہوتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کا لفظ نہیں بولا، بلکہ ’’فی بیت من بیوت اللہ‘‘ فرمایا، اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی زیارت کے لئے یا اس میں نماز ادا کرنے کے لئے، ان کو اللہ کا گھر فرمایا اور اس میں بھی اس اکرام کی طرف اشارہ فرمایا گیا ایک یہ کہ مسجد میں جانے والا اللہ کے گھر میں جاتا ہے، اور کوئی کسی کے گھر میں جائے تو اس کا مہمان کہلاتا ہے، اور مہمان کی خاطر مدارات کرنا شیوۂ انسانیت ہے، شیوۂ شرافت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ گھر آئے ہوئے کسی کو کچھ نہیں کہا جاتا، اگر کسی کو کچھ الزام دینا ہو تو اس کے گھر جا کر کہا جاتا ہے، جب اپنے گھر آئے تو اس کو الزام نہیں دیتے، اگر کسی کو ناراضگی کا اظہار کرنا ہے تو اس کے گھر جا کر کرو۔ یہ انسانوں کے زمانے کی باتیں ہیں، اس زمانے کی باتیں نہیں ہیں، کسی سے اظہارِ رنجش کرنا ہے تو اس کے گھر جا کر کرو اور جو تمہارے گھر میں چل کر آیا اس کے سامنے اظہارِ رنجش نہیں، غصہ اگر ہے بھی تو رکھو لیکن اس کا اظہار مت کرو، قانونِ شرافت کے خلاف ہے۔

تو جو شخص کہ پاک صاف ہو کر مسجد کے لئے چلتا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جاتا ہے، اور اللہ اپنے گھر آنے والے سے اپنی ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس کا اکرام لازم ہوتا ہے، وہ مہمان ہے اور اکرام کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کوئی کسی کے گھر جا کر یہ کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی، معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں، مجھ سے کوتاہی ہوئی تھی، فلاں موقع پر آپ کی حق تلفی ہوئی تھی، میں معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں، تو وہ کیا کہے گا؟ یہاں آپ لوگ مسجد میں آتے ہیں، چاہے کوئی جھوٹے منہ سے ہی کہہ دے یا اللہ! معاف کردے، دل میں ہمارے معلوم نہیں مضمون ہوتا ہے یا نہیں؟ لیکن زبان پر یہ الفاظ جاری ہوتے ہیں:

”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔“

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے بخش دے اور تمام اہل ایمان کو، اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا اور میری دعاؤں کو قبول فرما، اے اللہ! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور تمام اہل ایمان کو جس دن کہ حساب قائم ہو“

سب گھر سے پاک صاف ہو کر آئے ادائے فریضہ کے لئے، اور اللہ کے گھر میں آئے اپنی بندگی کے اقرار کے لئے کہ یا اللہ! غلطیاں ہوگئیں ہیں، معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں، تو اکرام کا کم سے کم درجہ ہے کہ بخشش کی سند مل جائے، ”قوموا مغفورا لکم“ جاؤ سب کی بخشش ہوگئی، اِن شاءاللہ!

اور یہ جو فرمایا کہ: کسی فرض کو ادا کرنے کے لئے، اس میں دو اشارے ہیں، ایک یہ کہ فرائض مساجد ہی میں ادا ہوتے ہیں، گھر پر نہیں، اگر کوئی شخص گھر پر نماز ادا کرتا ہے اور مسجد کی حاضری سے اسے کوئی عذر مانع نہیں ہے تو اس کی نماز قبول نہیں، گو فقہی طور پر تو نماز ہو جائے گی، یہ نہیں کہیں گے کہ نماز ہوئی ہی نہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ تو یہ ہے کہ نماز ہوتی ہی نہیں، مگر احناف کا فتویٰ یہ ہے کہ نماز فقہی طور پر تو ہو جاتی ہے، لیکن قبول نہیں، قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رضامندی کا ذریعہ بنے۔

اور دُوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ مساجد فرائض پنج گانہ کے لئے ہیں، نوافل کے لئے نہیں، البتہ تراویح کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالالتزام تراویح کی نماز مساجد میں پڑھی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھائی، گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوام نہیں فرمایا، تو تراویح کی نماز اور پنج گانہ نماز اس کے لئے مساجد بنائی گئی ہیں، ان کے علاوہ دُوسری نمازوں کا ادا کرنا اگر انفرادی طور پر ہو تو جائز ہے، نفل سنتیں پڑھنا جائز ہے، لیکن افضل ہے گھر پر پڑھنا بشرطیکہ گھر میں رکاوٹ نہ ہو، ورنہ مسجد میں پڑھنا افضل ہوگا، گھر کا ماحول ٹھیک ہو، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ:

"لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا" (سنن ابوداؤد و مسند احمد بن حنبل)

بلکہ ان کے لئے اپنی نماز کا کچھ حصہ رکھا کرو، اور جو نمازیں اجتماعی ادا کی جاتی ہیں جیسے عیدین کی نماز ہے، کسوف کی اور جنازے کی نماز ہے، ان کے متعلق ہمارے امام فرماتے ہیں مسجد میں اس کو پڑھنا مکروہ ہے، مساجد ان کے لئے نہیں، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولِ گرامی بھی ان نمازوں کو مسجد میں پڑھنے کا نہیں تھا، کبھی کوئی عذر پیش آجائے تو دُوسری بات ہے، جیسے بارش وغیر کا عذر آگیا، کوئی ڈھنگ کی جگہ نہیں ملتی تو مسجد میں پڑھ لی، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا، ورنہ مصلّٰی جنائز مستقل بنا ہوا تھا، جہاں آج کل سوق التمر ہے، یہاں مصلّٰی جنائز تھا، یعنی جنازہ گاہ۔

مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنا منع ہے

[حدیث: ۲۶۴] "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَنْ سَمِعَ رَجُلاً يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ: لَا رَدَّهَا اللهُ عَلَيْكَ، فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا۔"

(رواہ مسلم: کتاب المساجد، بَاب النَّهْيِ عَنْ نَشْدِ الضَّالَّةِ، حدیث: ۸۸۰)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کو سنے کہ وہ گم شدہ چیز کو مسجد میں تلاش کرتا ہے تو اس سے یوں کہے: نہ لوٹائے اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھ کو، اس لئے کہ مسجدیں اس واسطے نہیں بنائی گئیں۔"

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں کسی گم شدہ چیز کو تلاش کرے، کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی، اب وہ مسجد میں کھڑا ہوکر اعلان کرے کہ: "بھائیو! میری ایسی چیز اگر کسی کو ملی تو مجھے دیدے" جو شخص اس طرح مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو سنا جو ایسا کر رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَا رَدَّهَا اللهُ إِلَيْكَ" "نہ واپس کرے اللہ تعالیٰ اس چیز کو تیری طرف"

اب اگر یہاں ''لا'' کو الگ کر دو اور بعد والے کو الگ کر دو، تو دو فقرے بن جائیں گے، یعنی جب آپ ﷺ نے اس کو اعلان کرتے سنا تو فرمایا: ''ناں''! مطلب یہ کہ ایسا نہ کر۔ اور آگے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھ کو واپس کر دے'' یعنی تیری چیز تجھ کو واپس مل جائے۔ اور اگر ''لا'' کو وقف کر کے نہیں بلکہ آگے والے جملے سے ملا کر پڑھ لیا جائے تو مطلب ہے: ''نہ واپس کرے اللہ تعالیٰ تجھ کو تیری چیز'' تو پھر یہ بدُعا ہوگی۔ یہاں دونوں احتمال لکھے ہیں علماء نے، ایک یہ کہ پہلے منع فرمایا، پھر اس کو دُعا دی کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو تیری چیز واپس کرے۔ اور دُوسرا احتمال یہ بھی لکھا ہے کہ یہ دو فقرے نہیں بلکہ یوں کہا کہ: ''نہ واپس کرے اللہ تعالیٰ تجھ کو تیری چیز'' یہاں تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی کو سنا، اور دُوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُمّت کو حکم فرمایا کہ جو شخص اپنی گم شدہ چیز کو مسجد میں تلاش کرے، اس سے کہو کہ: اللہ تعالیٰ نہ لوٹائے تجھ کو تیری چیز۔

یہاں بھی وہی دونوں احتمال ہیں کہ اس کو کہو کہ: ''ناں! ایسا نہ کر، بلکہ اللہ تعالیٰ تیری چیز واپس کرے'' اس کے بعد فرمایا کہ اس لئے کہ مسجدیں اس کے واسطے نہیں بنائی گئیں۔ چونکہ یہاں بندے جمع ہیں چنانچہ اعلان کر دو یہاں گم شدہ چیز کا، یہاں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا جائز نہیں۔ اور ہمارے دیہاتوں میں بے چارے لوگ ایسے سیدھے ہوتے ہیں، مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر لگ گیا، کسی کا بچھڑا گم گیا، اس کا بھی اعلان ہو رہا ہے مسجد میں، کبھی کسی اور بات کا، یہ چیز جائز نہیں۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ وہ چیز باہر گم ہوئی ہو مسجد میں اس کا اعلان کرے اور ایک یہ کہ مسجد میں کسی کی کوئی چیز گری ہوئی مل گئی تو اس کا یہ اعلان کیا جائے کہ فلاں شی کسی کی ملی ہے، جن صاحب کی ہو، وہ لے لے، یہ دُوسری صورت جائز ہے، کیونکہ یہ گم شدہ چیز کا تلاش کرنا نہیں ہے، بلکہ مالک کو پہنچانا ہے۔ حضراتِ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو لقطہ یعنی گری پڑی چیز مل جائے، اس کو چاہئے کہ عام مجمع میں جا کر اس کا اعلان کرے، مساجد میں جا کر اس کا اعلان کرے کہ مجھے اس قسم کی چیز ملی ہے، کسی صاحب کی ہو تو مجھ سے لے لے۔ ٹھیک پتہ نہ بتائے تاکہ ہر ایک آدمی دعویٰ نہ کر سکے کہ میری چیز ہے۔ یوں کہہ دے کہ مجھے کچھ رقم ملی ہے اور جب کوئی کہے کہ میری ہے تو اس سے پوچھے کہ کتنی رقم تھی؟ بٹوہ کیسا تھا؟ تھیلا کیسا تھا؟ تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے یا غلط ہے؟ اللہ معاف کرے! پیسوں کا نام سن کر ہر ایک کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔

تو خیر یہاں میں یہ مسئلہ عرض کر رہا تھا کہ مسجد میں گم شدہ چیز کا تلاش کرنا جائز نہیں، لیکن جس کو گم شدہ چیز ملی ہو وہ اعلان کر سکتا ہے کہ مجھے ایک چیز ملی ہے، جس کی ہے وہ لے لے اور میری جان چھوٹے۔

دُوسری بات یہ کہ اگر اس فقرے ''لَا رَادَّهَا اللهُ'' کو بدُعا قرار دیا جائے تو اس سے ثابت ہوگا کہ بعض لوگوں کی حرکت ایسی ہوتی ہے کہ بدُعا کی مستحق ہوتی ہے، حالانکہ آنحضرت ﷺ تو کسی کے لئے بدُعا

نہیں کرتے تھے، خصوصیت کے ساتھ اپنی اُمّت کے لئے، لیکن بعض لوگوں کا طرزِ عمل ایسا ہوتا ہے کہ وہ بددُعا کا مستحق ہوتا اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسجد میں کسی گم شدہ چیز کو تلاش کرنا کتنا سنگین معاملہ ہے کہ اس پر رسول اللہ ﷺ بددُعا فرماتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ: مسجدیں اس کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو چیزیں مسجد کے شایان نہیں ان سے مساجد کو پاک رکھنا چاہئے۔

﴿فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ﴾ (النور:۳۶)

مسجدوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے مکانات ہیں جن کے بارے میں اللہ نے حکم بیان فرمایا کہ ان کو اُونچا کیا جائے، یعنی ان کو بلند کیا جائے۔

عمارت کو نہیں بلکہ رِفعتِ شان مراد ہے، کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے، یعنی اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے۔ مسجد کے اندر ایسی حرکت کرنا جو ادبِ شاہی کے خلاف ہو، دُرست نہیں، نازیبا ہے، یہیں سے مسجد کے آداب کے بارے میں ایک کلیہ ہاتھ آجائے گا۔

یہ دیکھ لو کہ یہ چیز مسجد کے ادب کے لائق ہے، مسجد میں بیٹھ کر قہقہے لگانا، مذاق کرنا، دُنیاوی باتیں کرنا، گپ شپ لگانا، اور اِدھر اُدھر کے تبصرے کرنا، لغو اور لایعنی کرنا، یہ ساری چیزیں آدابِ مسجد کے منافی ہیں، اسی طرح ناپاک کپڑے یا ناپاک چیز مسجد میں لانا، ناپاک آدمی جس کو غسل کی حاجت ہو اس کا مسجد میں آنا، یہ ٹھیک نہیں، ایک حدیث میں فرمایا:

”جَنِّبُوْا مَسَاجِدَکُمْ مَجَانِیْنَکُمْ وَصِبْیَانَکُمْ!“

(مصنف عبدالرزاق، کنز العمال: ۲۰۸۳۵)

ترجمہ: ”اپنی مسجدوں کو بچّوں اور دیوانوں سے بچا کر رکھا کرو!“

چھوٹے بچّے جو بے چارے پیشاب وغیرہ نہیں جانتے، ایسے بچّوں کو احتیاط سے لانا چاہئے مسجد میں کہ مسجد کو ملوث نہ کردیں۔

مسجد کی طرف پیدل آنے کی فضیلت

[حدیث:۲۶۵] ”عَنْ أُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ إِنَّ لَکَ مَا احْتَسَبْتَ قَالَہٗ لِرَجُلٍ کَانَ یَمْشِیْ إِلٰی مَسْجِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا یَرْکَبُ وَیَرْجُوْ فِیْ أَثَرِہٖ أَجْرًا۔“ (رواہ مسلم: کتاب المساجد، بَاب فَضْلِ کَثْرَۃِ الْخُطَا إِلَی الْمَسَاجِدِ، حدیث:۱۰۶۶)

ترجمہ: ’’حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ: تجھ کو ملے گا جس کا تو ثواب چاہتا ہے، یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے فرمائی تھی جو پیدل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آتے تھے اور سوار نہیں ہوتے اور اپنے قدموں میں ثواب کی اُمید رکھتے تھے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک صاحب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تشریف لاتے تھے اور سردی ہو یا گرمی، دوپہر کی عرب کی چلچلاتی دُھوپ میں پیدل آتے تھے، کسی نے ان سے کہا: آپ سواری لے لیجئے، اس پر سوار ہو جایا کیجئے! فرمایا کہ: ہمارے زمین پر قدم لگیں گے تو ان پر اَجر ملے گا، سواری پر وہ اَجر نہیں ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا: ’’ان لک ما احتسبت‘‘ بس اتنا ہی ٹکڑا ہے حدیث کا، بے شک تیرے لئے ہے وہ چیز جس کے لئے تو نے نیت کی، یعنی ہر قدم پر ثواب کا ملنا تو نے جو یہ نیت کی ہے یہ ثواب اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ لیا۔

مسجد آنے کا ہر قدم لکھا جاتا ہے

[حدیث:۲۲۶] ’’عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ إِنَّ لَکُمْ لِکُلِّ خُطْوَۃٍ دَرَجَۃً، قَالَہٗ لِرَھْطِ جَابِرٍ وَقَدْ أَرَادُوْا أَنْ یَّبِیْعُوْا بُیُوْتَھُمْ فَیَقْرَبُوْا مِنَ الْمَسْجِدِ۔‘‘ (رواہ مسلم: کتاب المساجد، بَاب فَضْلِ کَثْرَۃِ الْخُطَا إِلَی الْمَسَاجِدِ، حدیث:۱۰۶۷)

ترجمہ: ’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارے لئے ہر قدم پر ایک درجہ ہے، یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قوم کے لوگوں کو، ان لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ اپنی زمین بیچ کر مسجد کے قریب آ کر رہیں۔‘‘

تشریح: یہ حدیث بھی اسی مضمون کی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قوم نے جن کے مکانات مسجد سے دُور فاصلے پر تھے، ان لوگوں نے ارادہ کیا کہ دُور کے مکان بیچ کر مسجد کے قریب لے لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا: وہیں رہنے دو، ہر قدم پر تمہارے لئے ایک درجہ لکھا جاتا ہے، جتنے قدم اُٹھاؤ گے مسجد کی طرف اتنی ہی نیکیاں لکھی جائیں گی، چنانچہ انہوں نے اپنے مکان فروخت نہیں کئے، دُور ہی رکھے۔ ’’خطوۃ‘‘ کہتے ہیں ایک قدم اُٹھا کر رکھنا، صحابہ میں سے بعض اکابر ایسے تھے جو مسجد کو آتے وقت چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے تھے، بجائے بھاگ کر آنے کے چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہر قدم پر ثواب ملتا ہے، ایک نیکی لکھی جاتی ہے، ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے،

اگر آپ کے گھر سے مسجد تک سو قدم ہیں تو اس کا معنی یہ کہ آتے ہوئے سو نیکیاں مل گئیں، سو گناہ مٹائے گئے، سو درجے بلند ہوئے اور جاتے ہوئے بھی، ہر آمد و رفت پر یہی معاملہ۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: میں نے خواب میں اپنے رب کو دیکھا، مجھ سے فرمایا: اس وقت ملاء اعلیٰ کے فرشتوں میں کس سلسلے میں گفتگو ہو رہی ہے؟ میں نے کہا: مجھے معلوم نہیں! اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھا (جیسا کہ اس کی شان کے مطابق ہو، یہ متشابہات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات ہماری عقل سے بالاتر ہیں) یہاں تک کہ اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی، پھر پوچھا کہ: اب بتاؤ! میں نے کہا: درجات میں بحث کر رہے ہیں، اس کی برکت سے تمام عالم مجھ پر روشن ہوگیا اور منکشف ہوگیا، ان میں سے ایک درجہ بلند کرنے والی چیز کثرت سے مساجد کی طرف قدم اُٹھانا، یہ مساجد کی طرف قدم اُٹھانا درجات کے بلند کرنے والی چیز ہے (مشکوٰۃ، کنز العمال: ۱۱۵۱، درمنثور)۔

اور کثرت سے قدم اُٹھانا اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ آدمی دُور سے آئے گا تو کثرت سے قدم اُٹھائے گا، اور دوسری صورت یہ کہ بکثرت آمد و رفت ہو، یہ مساجد کی طرف آنا خصوصاً رات کی تاریکی میں قیامت کے دن روشنی کا سبب ہوگا، فرمایا:

”بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ إِلَى الْمَسَاجِدِ فِى الظُّلَمِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

(السنن الکبریٰ للبیہقی، مشکوٰۃ، کنز العمال: ۲۰۲۳۵)

ترجمہ: ”خوشخبری سنادو ان لوگوں کو جو اندھیری راتوں میں مسجدوں کی طرف آتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کو کامل نور عطا کیا جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔

تحیۃ المسجد

[حدیث: ۲۶۷] ”عَنْ أَبِي قَتَادَةَ ... إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ۔“ (صحیح بخاری ج: ۲، ص: ۲۲۸، حدیث نمبر: ۴۲۵، بَاب إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ.....)

ترجمہ: ”حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں جائے تو دو رکعتیں پڑھے بیٹھنے سے پہلے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو دو رکعتیں پڑھے، اس کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں اور یہ پڑھنا مستحب ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ شرط ہے کہ امام اس وقت خطبے میں

مشغول نہ ہو اور کراہت کا وقت نہ ہو، عصر کے بعد اگر کوئی آدمی آتا ہے تو چونکہ عصر کے بعد نوافل پڑھنا جائز نہیں تو یہ تحیۃ المسجد پڑھنا اس کے لئے صحیح نہیں ہوا، کوئی آدمی فجر کی سنتیں گھر پر پڑھ کر آتا ہے تو یہاں آ کر نماز فجر سے پہلے بھی تحیۃ المسجد نہیں پڑھ سکتا کیونکہ صبح صادق ہو جانے کے بعد فجر کے فرضوں سے پہلے فجر کی دو سنتوں کے علاوہ اور کسی نفل کا پڑھنا جائز نہیں اور فجر کی نماز کے بعد طلوع تک نوافل ممنوع ہیں، اسی طرح اگر نصف النہار کا وقت ہو سورج سر پر ہو طلوع یا غروب کا وقت ہو کہ اس وقت سجدہ کرنا ممنوع ہے، اس وقت اگر کوئی شخص مسجد میں آتا ہے تو اس کو تحیۃ المسجد پڑھنا ممنوع ہوگا۔

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دُعا

[حدیث:۲٦۸] ”عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ أَوْ عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ......، إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔“ (صحیح مسلم ج:۴، ص:۲۸، حدیث نمبر: ۱۱٦۵، بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ)

ترجمہ: ”حضرت ابوحمید یا ابواُسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو یہ دُعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اے اللہ کھول دے میرے لئے دروازے اپنی رحمت کے اور جب مسجد سے نکلے تو کہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ یا اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کے فضل اور رزق کا۔

تشریح: اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو تو داخل ہوتے وقت اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ یہ دُعا پڑھے اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے باہر نکلے تو یہ دُعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ یا اللہ میں آپ سے آپ کا فضل اور رزق مانگتا ہوں، مسجد سے جائے گا تو دنیا کے دھندے کے لئے جائے گا چاہے گھر میں جائے، مسجد میں داخل ہوتے وقت درود شریف پڑھے اور یہ دُعا پڑھے اور دایاں پاؤں پہلے رکھے یہ آداب مسجد میں سے ہے اور داخل ہو کر کہ اگر نماز کا وقت مکروہ نہ ہو تو مستحب ہے دو رکعت پڑھ لے تحیۃ المسجد کے نام سے اور اگر لوگ نماز، ذکر و اذکار اور تلاوت میں مشغول ہوں تو ان کو سلام کر کے پریشان نہ کرے بلکہ آہستہ سے کوئی شخص بیٹھا ہو تو اس کو اتنا سلام کہے کہ صرف اس تک آواز جائے سلام کی بس، مسجد میں شور نہ ہو، مسجد سے جائے تو پہلے بایاں پاؤں باہر رکھے اور یہاں بھی بِسْمِ اللهِ پڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے اور پھر یہ دُعا پڑھے: بِسْمِ اللهِ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ، اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ اور وہاں بھی بِسْمِ اللہِ پڑھے، درود شریف پڑھے اور یہ دُعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ جتنی دیر بیٹھے اعتکاف کی نیت سے بیٹھے: جب تک میں مسجد میں ہوں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں، ذکر میں اور چیز کی باتوں میں مشغول رہے گپ نہ لگائے مسجد میں۔

مساجد اللہ کے ذکر کے لئے ہوتی ہیں

[حدیث: ۲۶۹] ”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللہُ عَنْهُ، إِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِّنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَلَا الْقَذَرِ إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللہِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ“۔

(رواہ مسلم: کتاب الطهارة، بَاب وُجُوبِ غَسْلِ الْبَوْلِ، حدیث: ۴۲۹)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک یہ مسجدیں صلاحیت نہیں رکھتیں پیشاب اور ناپاکی میں سے کسی چیز کی، یہ تو صرف اللہ کے ذکر نماز اور قرآن کریم کی تلاوت کے لئے ہے“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے، ایک دیہاتی گنوار مسجد نبوی میں آئے تھے، آ کے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر دعا کرنے لگے:

”اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّداً، وَّلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَداً“

ترجمہ: ”یا اللہ! مجھ پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم فرما، اور ہمارے ساتھ اور کسی پر رحم نہ فرما۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دیہاتی کی یہ دعا سنی تو فرمایا: تو نے بڑی کشادہ چیز کو تنگ کر دیا ہے، تیرا خیال تھا کہ اگر سب پر تقسیم کر دی گئی تو تجھے حصہ نہیں ملے گا۔ اس کے بعد وہ صاحب اُٹھے اور مسجد کے کونے میں جا کر پیشاب کرنے لگے، صحابہ کرام دوڑے روکنے کے لئے‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَهْ مَهْ لَاتُذْرِمُوْهُ“ مت روکو، مت روکو اس بے چارے کا پیشاب بند نہ کرو، اس کو پیشاب کرنے دو، اس نے پیشاب کرلیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی کا ڈول لیکر اس پر بہادو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اتنی مٹّی اُٹھانے کا حکم فرمایا جہاں پیشاب تھا وہاں کی مٹّی اُٹھائی اور زمین برابر کر کے اس پر مزید پانی بہادیا، اور پھر اس کو بلایا اور فرمایا کہ: یہ جو مساجد ہیں نا! ان میں پیشاب اور گندگی ڈالنا ٹھیک نہیں ہے، یہ تو اللہ کے ذکر کے لئے نماز کے لئے اور تلاوت قرآن کے لئے ہیں، یہاں گندگی نہیں ڈالا کرتے، مسجد میں پیشاب نہیں کیا کرتے۔

یہ حدیث بہت سے نفیس فوائد پر مشتمل ہے، سب سے اہم بات یہ کہ مسجد میں گندگی نہیں لانی

چاہئے، اسی لئے ناپاک کپڑا پہن کر مسجد میں مت آؤ، جس کو غسل کی حاجت ہو اس ناپاک آدمی کو بھی مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، اور بھی کوئی گندگی کی چیز مسجد میں لانا جس سے بدبو آتی ہے، صحیح نہیں ہے۔

یہ ہمارے پٹھان بھائی نسوار کھایا کرتے ہیں، میں نے دیکھا ہے کہ وہ مسجد میں ڈبیہ نکال کر سامنے رکھ لیتے ہیں پھر اُٹھا کر لے جاتے ہیں، شاید ان کا خیال یہ ہے کہ ڈبیہ اگر جیب میں ہوگی تو نماز مکروہ ہوجائے گی، اگر اس میں سے بدبو آتی ہو تو اس کو مسجد میں بھی نہیں رکھنا چاہئے، اس کو مسجد میں بھی نہیں لانا چاہئے اور جیب میں رکھنے سے بھی نماز مکروہ اس لئے ہوگی کہ اس میں سے بدبو آئے گی، ورنہ وہ کوئی ناپاک اور نجس چیز تو نہیں ہے۔ اسی لئے فقہاء نے کہا کہ چھوٹے بچوں کو جن کو پاکی اور ناپاکی کا پتا نہیں ہے، مسجد میں نہ لایا جائے، پتا نہیں کس وقت پیشاب کردیں؟

گھروں میں عبادت کا حکم

[حدیث: ۶۷۰] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، لَاتَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفُرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِىْ تُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ۔“ (رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی البیت۔ حدیث: ۱۳۰۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے گھروں کو قبریں نہ بنایا کرو، بے شک شیطان بھاگ جاتا ہے اس گھر سے جس میں سورۃ بقرۃ پڑھی جائے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، ایک یہ کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ کہ قبرستان کا سناٹا ہے، وہاں سے کوئی ذکر کی آواز نہیں آتی۔

علماء فرماتے ہیں کہ گھروں کو قبرستان بنانے کا مطلب ہے وہاں نماز اور تلاوت کا نہ ہونا۔ اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ: جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ جس گھر میں آسیب کا اندیشہ ہو یا جنات کا یا شیطان کے عمل دخل کا، وہاں سورۂ بقرہ پڑھا کرو، مولویوں سے تعویذ دَم دُرود کرانے کے بجائے یہ دَم کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ: ”اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ“ بہت گہرے علم اور حکمت پر مبنی ہے، اس لئے کہ اگر تمہارا گھر چوبیس گھنٹے اللہ کے نام اور اس کے ذکر سے، نماز سے اور تلاوت سے، دینی مسائل کے مذاکرے سے خالی رہتا ہے تو وہ قبرستان ہے، یہ زندوں کی آبادی نہیں مُردوں کا شہر ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

"مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَایَذْکُرُہٗ کَمَثَلِ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ"

(صحیح البخاری، مشکٰوۃ، درمنثور)

ترجمہ: "جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ وہ زندہ ہے اور اللہ کا ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔"

جس گھر میں اللہ کا ذکر نہیں گویا کہ مقبرہ بن گیا، اور جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ زندوں کی آبادی اور زندوں کی بستی ہے، ہمارے گھروں میں بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، نماز کی فضاء ہو، تلاوت کی فضاء ہو، دینی مسائل کا مذاکرہ ہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتیں کی جائیں، جو کچھ ہوتا ہے وہ آپ کو معلوم ہے مجھے کہنے کی ضرورت نہیں، معلوم نہیں کہ روٹی کھاتے وقت بھی لوگوں کو اللہ کا نام لینے کی توفیق ہوتی ہوگی یا نہیں؟ پورے گھر میں ایک بھی نمازی نہیں، مرد بھی نمازی نہیں، عورتیں بھی نمازی نہیں تو اس قبرستان میں لوگوں کا گزارہ کیسے ہوتا ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ (ابوداؤد، مسند احمد بن حنبل، مشکٰوۃ، کنز العمال) جب وہ ذکر سے خالی ہوں گے تو قبرستان ہوں گے اور اگر وہاں اعمال دوزخ والے ہو رہے ہیں تو وہ دوزخ کا نمونہ بنے گا، حضور اقدس ﷺ تو قبرستان بنانے سے منع کر رہے ہیں ظاہر بات ہے کہ دوزخ بنانا اس سے بدرجہ اولیٰ ہوگا، ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ لوگ مرنے کے بعد یہاں سے جہنّم میں جائیں گے حالانکہ وہ اب بھی جہنّم میں ہیں، ان کے اردگرد جہنّم کے اعمال محیط ہیں، ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ۝۴۹﴾ (التوبۃ) اور بے شک جہنّم کافروں کا گھیراؤ ڈالے ہوئے ہے ان کے اردگرد، یہی اعمال بد جہنمیوں والے اعمال بھڑک اُٹھیں گے اور دوزخ بن جائیں گے۔

اس حدیث پاک سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس طرح حسی چیزوں کا احساس پیدا ہوتا ہے، برف رکھی ہو تو ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے، آگ جل رہی ہو تو گرمی اور تپش ہوتی ہے، اسی طرح اعمال کی بھی تاثیریں ہیں، ہمارے گھروں پر گھروں کے در و دیوار پر خود ہمارے وجود پر اور ہماری زندگی میں، البتہ بدن سن ہو گیا ہو تو اس کو فالج کہتے ہیں، بعض دفعہ ویسے ہی سو جاتا ہے، سن ہو جاتا ہے، تو پھر اس پر سردی گرمی اثر نہیں کرتی، جو جسم کا حصہ مفلوج ہو گیا ہے اس کو اگر کاٹ بھی دیں تو اس کو تکلیف نہیں ہوگی، کیونکہ اندر احساس نہیں ہے۔ تو نیک اور بد اعمال کی تاثیریں موجود ہیں، لیکن قلوب سن ہو گئے ہیں، ان کی حس باقی نہیں رہی، اگر کبھی کسی کے گھر جاتا ہوں تو آپ یقین کریں پانچ منٹ بیٹھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ میں ایک کرنل کے گھر گیا، ایسا دل لگتا تھا کہ مجھے گھر سے ذکر کی خوشبو آ رہی ہے، تب انہوں نے وہاں کی پوری کیفیت بتائی، ماشاء اللہ بہت جی خوش ہوا، اور سورہ بقرہ سے شیطان بھاگتا ہے، خود بھی پڑھو اور گھروں میں خواتین سے کہو بلکہ قرآن کریم باقاعدگی سے پڑھو تو اس میں ساری سورتیں آ جائیں گی اور

سارے فضائل تمہیں حاصل ہو جائیں گے۔

اے کاش! کہ مسلمانوں کے گھروں میں ذکر اور تلاوت کی فضا بن جائے، میں اکثر دوستوں کو جو اصلاحی تعلق قائم کرتے ہیں ان کو تاکید کرتا ہوں کہ اپنے گھر میں ''بہشتی زیور'' کا مذاکرہ کیا کریں، ایک ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب فضائل کی ہے ''فضائل اعمال''، اس سے فضائل معلوم ہوں گے، ایک ''بہشتی زیور'' ایک ایک مسئلہ پڑھو، سمجھو اور سوچو کہ یہ پہلے سے معلوم تھا اس پر عمل ہے، فقہی مسئلہ ہے، اگر عمل ہے، الحمدللہ! آگے چلو، اور اگر پہلے سے مسئلہ معلوم نہیں تھا یا معلوم تھا، لیکن عمل نہیں تھا تو پھر اپنے نفس کو ملامت کرو، اور اللہ سے معافی مانگو کہ دین کا مسئلہ ہے، ہم اس سے غافل ہیں، اس طرح پوری کتاب کا مذاکرہ کرو تو پھر دیکھو کہ تمہاری اصلاح ہوتی ہے یا نہیں؟ زندگیوں میں انقلاب آتا ہے یا نہیں؟

عورتوں کا مسجد آنا

[حدیث: ۱۷۶] ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ، لَاتَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰہِ مَسَاجِدَ اللّٰہِ۔'' (متفق علیہ، مسلم حدیث ۸۸۲)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے منع نہ کیا کرو۔''

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ: اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو، یعنی عورتیں اگر مسجد میں آکر نماز پڑھنا چاہیں تو تم روکو نہیں، ان کا مسجدوں میں آنا گویا جائز ہے، صحیح ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ یوں فرمایا کہ: عورت کا میری مسجد میرے پیچھے نماز پڑھنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کا کتنا ثواب ہے، اس کا تو کوئی اندازہ نہیں کر سکتا، ایک نماز اگر کسی خوش قسمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں مل جائے تو ساری عمر کیا عمر نوح کی ساری نمازیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ میری مسجد میں میرے پیچھے نماز پڑھنے کے بجائے عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اور ایک ہوتا ہے اپنے گھر کا صحن، ایک اپنے گھر کا برآمدہ، ایک ہے کوٹھڑی، ایک ہے پچھلی کوٹھڑی، تو میرے پیچھے میری مسجد میں نماز پڑھنے کے بجائے عورت کا اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور صحن سے اپنے برآمدے میں پڑھنا، برآمدے سے اندر کی کوٹھڑی میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

ایک خاتون کہنے لگیں کہ: یا رسول اللہ! مجھے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فلانے کی ماں! مجھے معلوم ہے کہ تجھے میرے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق ہے، لیکن عورت کا

اپنے صحن میں نماز پڑھنا میرے پیچھے نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے، اور اپنے کوٹھے کے اندر نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے، اور پچھلے حجرے میں نماز پڑھنا کوٹھے میں نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، السنن الکبریٰ للبیہقی، طبرانی) یہ خاتون اپنے گھر گئیں اپنے شوہر اور اپنے بچے کو جمع کیا اور کہنے لگیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنی ہے، میرے لئے گھر کی پچھلی کوٹھڑی میں نماز کی جگہ بنادو جہاں میں نماز پڑھا کروں۔ اور پھر مدّت العمر وہ اس کوٹھڑی سے نہ نکلیں یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔

یہ حضور ﷺ کے زمانے کی خواتین صحابیات تھیں، پھر ان کو رسول اللہ ﷺ سے دین بھی سیکھنا تھا، زمانہ پاکیزہ تھا، اس کے باوجود آنحضرت ﷺ ان کے لئے مسجد میں آنے کو پسند نہیں کرتے تھے، لیکن یہ بھی فرماتے کہ ان کو روکو نہیں، آتی ہیں تو آنے دو، یہ خود ہی رکیں تم نہ روکو، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ وہ اپنی بیوی کو روکنا چاہتے تھے لیکن حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی تھا، انہوں نے اس کی ایک تدبیر یہ کی کہ عشاء کی نماز میں وہ جارہی تھیں، روشنیاں تو ہوتی نہیں تھیں اور حضور ﷺ کی نماز بھی تہائی رات میں ہوتی تھی، اندھیری رات تھی تو یہ راستے میں چھپ کر بیٹھ گئے، جب پاس سے گزرنے لگیں ان کو پہچان تھی کی یہ میری بیوی ہیں تو پیچھے سے کپڑا پکڑ کر کھینچ دیا وہ تو جو ہونا تھا ہوا، عورت ذات، رات کو کسی نے کپڑا کھینچا تو اس پر کیا گزری ہوگی، اگلے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: چلو نماز کے لئے نہیں چلنا؟ کہا: نہیں! پوچھا کیوں؟ کہا کہ: وقت کچھ اچھا نہیں! اس تدبیر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے روکا، ورنہ یہ تو جانے کی بہت شوقین ہوتی ہیں، حرم میں سب سے پہلے پہنچتی ہیں، یہاں میں دیکھتا ہوں کہ نماز پڑھتی ہی نہیں ہیں اور وہاں بھاگی چلی جارہی ہیں تین بجے، سر پر مصلیٰ رکھا ہوا ہے، اور صبح تڑکے تین بجے حرم کو بھاگی چلی جارہی ہیں، حالانکہ ان کو کوئی اللہ کا بندہ بتائے کہ تم اپنے گھر میں پڑھو، ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تمہیں اپنے گھر میں ملے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

"لَوْ رَأٰی رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ بَعْدَهٗ لَمَنَعَهُنَّ عَنِ الْمَسَاجِدِ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِیْ إِسْرَائِيْلَ"۔ (صحیح بخاری)

یہ صحیح بخاری میں حضرت اُمّ المؤمنین کا ارشاد ہے، اگر دیکھ لیتے رسول اللہ ﷺ ان چیزوں کو جو ایجاد کی ہیں ان عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت ﷺ کے تقریباً ۴۵ سال بعد انتقال ہوا ہے، یہ اپنے زمانے کے بارے میں فرمارہی ہیں کہ عورتوں نے جو کچھ کرنا شروع کردیا ہے اگر حضور ﷺ اس کو دیکھ لیتے، تو ان کو مسجدوں سے منع کردیتے جیسے کہ منع کیا گیا تھا بنی اسرائیل کی عورتوں کو۔

اس لئے چاروں ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ عورتوں کا جماعت کی نماز میں جانا مکروہ ہے، البتہ غیر مقلد بہت اشتہار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عورتیں ضرور جایا کریں۔ اچھا بھئی!

[حدیث:۶۷۲] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا، إِذَا اسْتَأْذَنَتْ اِمْرَأَةُ أَحَدِكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا۔“ (متفق علیہ، مسلم حدیث ۸۸۰)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانا چاہے تو وہ اس کو روکے نہیں۔“

[حدیث:۶۷۳] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا، إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ إِلَى الْمَسَاجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الصلاۃ، بَاب خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ، حدیث: ۶۶۹)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم سے تمہاری بیویاں رات کے وقت مسجد جانے کی اجازت چاہیں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔“

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں فرمایا کہ: عورتیں اگر مسجد جانے کی اجازت چاہیں تو ان کو روکو نہیں، مسجد جانے کی اجازت دے دو۔ یہ مسئلہ اوپر تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں، بھلا زمانہ تھا، بعد میں فقہاء نے فرمایا کہ ان کا جانا مکروہ ہے جمعہ اور جماعت ان سے ساقط ہے۔

کتابُ الزَّکاۃ

(زکوٰۃ کا بیان)

زکوٰۃ کی فرضیت واہمیت

فوائد ومسائل

[حدیث:۶۷۴] ”قَالَ عَبْدُاللہ: قَالَ رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلیٰ خَمْسٍ: شَھَادَۃُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءُ الزَّکٰوۃِ وَحَجُّ الْبَیْتِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ۔“

(رواہ البخاری ومسلم واللفظ لہٗ ج:۱ ص:۳۲)

ترجمہ: ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ①: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ②: نماز قائم کرنا۔ ③: زکوٰۃ ادا کرنا۔ ④: بیت اللہ کا حج کرنا۔ ⑤: رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔“

قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۴﴾ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ط ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾

(التوبہ)

ترجمہ: ”جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں

خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ جس دن ان سونے، چاندی کے خزانوں کو جہنّم کی آگ میں تپا کر ان کے چہروں، ان کی پشتوں اور ان کے پہلوؤں کو داغا جائے گا، (اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ تھا تمہارا مال جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، پس اپنے جمع کئے کی سزا چکھو۔"

[حدیث:۶۷۵] "مَنْ اَدّٰی زَکٰوۃَ مَالِہٖ فَقَدْ ذَھَبَ عَنْہُ شَرُّہٗ"۔

(کنز العمال حدیث:۱۵۷۷۸، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۶۳)

ترجمہ: "جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی، اس نے اس کے شر کو دُور کردیا۔"

[حدیث:۶۷۶] "عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا اَدَّیْتَ زَکٰوۃَ مَالِکَ فَقَدْ قَضَیْتَ مَا عَلَیْکَ۔"

(ترمذی ج:۱ ص:۷۸، ابنِ ماجہ ص:۱۲۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ کراچی)

ترجمہ: "جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی تو تم پر جو ذمہ داری عائد ہوتی تھی، اس سے تم سبکدوش ہوگئے۔"

[حدیث:۶۷۷] "عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ اَحَدٍ لَا یُؤَدِّیْ زَکٰوۃَ مَالِہٖ اِلَّا مُثِّلَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شُجَاعًا اَقْرَعُ حَتّٰی یُطَوَّقَ عُنُقَہٗ"۔

(سننِ نسائی ج:۱ ص:۳۳۳، وسننِ ابنِ ماجہ ص:۱۲۸، واللفظ لہ)

ترجمہ: "جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، قیامت میں اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا، اور اس کی گردن سے لپٹ کر گلے کا طوق بن جائے گا۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

"اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعہ محفوظ کرو، اپنے بیماروں کا صدقے سے علاج کرو، اور مصائب کے طوفانوں کا دُعا و تضرع سے مقابلہ کرو۔" (ابوداؤد)

تشریح: زکوٰۃ، اسلام کا اہم ترین رُکن ہے، قرآنِ کریم میں اس کی بار بار تاکید کی گئی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں بھی اس کی اہمیت و افادیت اور اس کے ادا نہ کرنے کے وبال کو بہت ہی نمایاں کیا گیا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے جتنے اَحکام اپنے بندوں کے لئے مقرّر فرمائے ہیں ان میں بے شمار حکمتیں ہیں جن کا انسانی عقل احاطہ نہیں کرسکتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا فریضہ عائد کرنے میں بھی بہت سی حکمتیں رکھی

ہیں، اور سچی بات یہ ہے کہ یہ نظام ایسا پاکیزہ ومقدس اور اتنا اعلیٰ وارفع ہے کہ انسانی عقل اس کی بلندیوں تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہے، یہاں چند عام فہم فوائد کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

۱:...... آج پوری دُنیا میں سوشلزم کی بات ہو رہی ہے، جس میں غریبوں کی فلاح و بہبود کا نعرہ لگا کر انہیں متمول طبقے کے خلاف اُکسایا جاتا ہے، اس تحریک سے غریبوں کا بھلا کہاں تک ہوتا ہے؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے، مگر یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امیر وغریب کی یہ جنگ صرف اس لئے پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے متمول طبقے کے ذمہ پسماندہ طبقے کے جو حقوق عائد کئے تھے ان سے انہوں نے پہلوتہی کی، اگر پورے ملک کی دولت کا چالیسواں حصہ ضرورت مندوں میں تقسیم کردیا جائے اور یہ عمل ایک وقتی سی چیز نہ رہے، بلکہ ایک مسلسل عمل کی شکل اختیار کرلے، اور امیر طبقہ کسی ترغیب وتحریص اور کسی جبر واکراہ کے بغیر ہمیشہ یہ فریضہ ادا کرتا رہے اور پھر اس رقم کی منصفانہ تقسیم مسلسل ہوتی رہے تو کچھ عرصے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ غرباء کو امیروں سے شکایت ہی نہیں رہے گی، اور امیر وغریب کی جس جنگ سے دُنیا جہنّم کدہ بنی ہوئی ہے، وہ اس نظام کی بدولت راحت وسکون کی جنّت بن جائے گی۔

میں صرف پاکستان کی ملّتِ اسلامیہ سے نہیں، بلکہ دُنیا بھر کے انسانوں اور معاشروں سے کہتا ہوں کہ وہ اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کو نافذ کرکے اس کی برکات کا مشاہدہ کریں اور سرمایہ دار ملکوں کی جتنی دولت کمیونزم کا مقابلہ کرنے پر صَرف ہو رہی ہے وہ بھی اسی مد میں شامل کرلیں۔

۲:...... مال و دولت کی حیثیت انسانی معیشت میں وہی ہے جو خون کی بدن میں ہے، اگر خون کی گردش میں فتور آجائے تو انسانی زندگی کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے، اور بعض اوقات دِل کا دورہ پڑنے سے انسان کی اچانک موت واقع ہوجاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر دولت کی گردش منصفانہ نہ ہو، تو معاشرے کی زندگی خطرے میں ہوتی ہے، اور کسی وقت بھی حرکتِ قلب بند ہوجانے کا خوف طاری رہتا ہے۔ حق تعالیٰ نے دولت کی منصفانہ تقسیم اور عادلانہ گردش کے لئے جہاں اور بہت سی تدبیریں ارشاد فرمائی ہیں، ان میں سے ایک زکوٰۃ وصدقات کا نظام بھی ہے، اور جب تک یہ نظام صحیح طور پر نافذ نہ ہو اور معاشرہ اس نظام کو پورے طور پر ہضم نہ کرلے تب تک نہ دولت کی منصفانہ گردش کا تصوّر کیا جاسکتا ہے، اور نہ معاشرہ اختلال وزوال سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

۳:...... پورے معاشرے کو ایک اکائی تصوّر کیجئے، اور معاشرے کے افراد کو اس کے اعضاء سمجھئے، آپ جانتے ہیں کہ کسی حادثے یا صدمے سے کسی عضو میں خون جمع ہوکر منجمد ہوجائے تو وہ گل سڑکر پھوڑے پھنسی کی شکل میں پیپ بن کر بہ نکلتا ہے۔ اسی طرح جب معاشرے کے اعضاء میں ضرورت سے زیادہ خون جمع ہوجاتا ہے تو وہ بھی سڑنے لگتا ہے، اور پھر کبھی تعیش پسندی اور فضول خرچی کی شکل میں نکلتا ہے، کبھی

عدالتوں اور وکیلوں کے چکر میں ضائع ہوتا ہے، کبھی بیماریوں اور اسپتالوں میں لگتا ہے، کبھی اُونچی اُونچی بلڈنگوں اور محلات کی تعمیرات میں برباد ہوجاتا ہے (اور اس بربادی کا احساس آدمی کو اس وقت ہوتا ہے جب اس کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوجاتے ہیں اور اسے بیک بینی و دوگوش یہاں سے باہر نکال دیا جاتا ہے)۔

قدرت نے زکوٰۃ و صدقات کے ذریعہ ان پھوڑے پھنسیوں کا علاج تجویز کیا ہے، جو دولت کے انجماد کی بدولت معاشرے کے جسم پر نکل آتی ہیں۔

۴:...... اپنے بنی نوع سے ہمدردی، انسانیت کا عمدہ ترین وصف ہے، جس شخص کا دِل اپنے جیسے انسانوں کی بے چارگی، غربت و افلاس، بھوک، فقر و فاقہ اور تنگ دستی و زبوں حالی دیکھ کر نہیں پسیجتا، وہ انسان نہیں جانور ہے، اور چونکہ ایسے موقعوں پر شیطان اور نفس، انسان کو انسانی ہمدردی میں اپنا کردار ادا کرنے سے باز رکھتے ہیں، اس لئے بہت کم آدمی اس کا حوصلہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کمزور بندوں کی مدد کے لئے امیر لوگوں کے ذمہ یہ فریضہ عائد کردیا ہے، تاکہ اس فریضۂ خداوندی کے سامنے وہ کسی نادان دوست کے مشورے پر عمل نہ کریں۔

۵:...... مال، جہاں انسانی معیشت کی بنیاد ہے، وہاں انسانی اخلاق کے بنانے اور بگاڑنے میں بھی اس کو گہرا دخل ہے، بعض دفعہ مال کا نہ ہونا انسان کو غیر انسانی حرکات پر آمادہ کردیتا ہے، اور وہ معاشرے کی ناانصافی کو دیکھ کر معاشرتی سکون کو غارت کرنے کی ٹھان لیتا ہے۔

بعض اوقات وہ چوری، ڈکیتی، سٹہ اور جوأ جیسی قبیح حرکات شروع کردیتا ہے، کبھی غربت و افلاس کے ہاتھوں تنگ آکر وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھولینے کا فیصلہ کرلیتا ہے، کبھی وہ پیٹ کا جہنّم بھرنے کے لئے اپنی عزّت و عصمت کو نیلام کرتا ہے، اور کبھی فقر و فاقہ کا مداوا ڈھونڈنے کے لئے اپنے دین و ایمان کا سودا کرتا ہے، اسی بنا پر ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

"کَادَ الْفَقْرُ أَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا۔" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ ص:۴۲۹، وعزاہ فی الدر المنثور ج:۶ ص:۴۲۰، ابن ابی شیبۃ والبیہقی فی شعب الایمان وذکرہ الجامع الصغیر، معزیًا الی ابی نُعیم فی الحلیۃ، وقال السخاوی طرفہ کلھا ضعیف کما فی المقاصد الحسنۃ وفیض القدیر شرح جامع الصغیر ج:۴ ص:۵۴۲، وقال العزیزی (ج:۴ ص:۲) ھو حدیث ضعیف، وفی تذکرۃ الموضوعات للشیخ محمد طاھر الفتنی (۱۷۴) ضعیف ولٰکن صح من قول ابی سعید)

یعنی "فقر و فاقہ آدمی کو قریب قریب کفر تک پہنچادیتا ہے۔" اور فقر و فاقہ میں اپنے منعمِ حقیقی کی ناشکری کرنا تو ایک عام بات ہے۔

یہ تمام غیر انسانی حرکات، معاشرے میں فقر و فاقہ سے جنم لیتی ہیں، اور بعض اوقات گھرانوں کے گھرانوں کو برباد کر کے رکھ دیتی ہیں، ان کا مداوا ڈھونڈنا معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری ہے، اور صدقات و زکوٰۃ کے ذریعے خالقِ کائنات نے ان بُرائیوں کا سدِباب بھی فرمایا ہے۔

۶:......اس کے برعکس بعض اخلاقی خرابیاں وہ ہیں جو مال و دولت کے افراط سے جنم لیتی ہیں، امیرزادوں کو جو جو چونچلے سوجھتے ہیں، اور جس قسم کی غیر انسانی حرکات ان سے سرزد ہوتی ہیں، انہیں بیان کرنے کی حاجت نہیں، صدقات و زکوٰۃ کے ذریعے حق تعالیٰ نے مال و دولت سے پیدا ہونے والی اخلاقی برائیوں کا بھی انسداد فرمایا ہے، تاکہ ان لوگوں کو غرباء کی ضروریات کا بھی احساس رہے اور غرباء کی حالت ان کے لئے تازیانۂ عبرت بھی ہے۔

۷:......زکوٰۃ و صدقات کے نظام میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے وہ مصائب و آفات ٹل جاتی ہیں جو انسان پر نازل ہوتی رہتی ہیں، اسی بنا پر بہت سی احادیثِ شریفہ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ صدقہ سے رَدِّ بلا ہوتا ہے، اور انسان کی جان و مال آفات سے محفوظ رہتی ہے۔

عام لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی شخص بیمار پڑ جائے تو صدقے کا بکرا ذبح کر دیتے ہیں، وہ مسکین یہ سمجھتے ہیں کہ شاید بکرے کی جان کی قربانی دینے سے مریض کی جان بچ جائے گی، ان لوگوں نے صدقے کے مفہوم کو نہیں سمجھا، صدقہ صرف بکرا ذبح کر دینے کا نام نہیں، بلکہ اپنے پاک مال سے کچھ حصہ خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی ضرورت مند کے حوالے کر دینے کا نام ہے، جس میں ریا و تکبر اور فخر و مباہات کی کوئی آلائش نہ ہو، اس لئے جب کوئی آفت پیش آئے، صدقے سے اس کا علاج کرنا چاہئے، آپ جتنی ہمت و استطاعت رکھتے ہیں تو بازار سے اس کی قیمت معلوم کر کے اتنی قیمت کسی محتاج کو دے دیجئے، یا بکرا ہی خرید کر کسی کو صدقہ کر دیجئے، الغرض بکرے کو ذبح کرنے کو رَدِّ بلا میں کوئی دخل نہیں، بلکہ بلا تو صدقے سے ٹلتی ہے، اس لئے صرف شدید بیماری نہیں، بلکہ ہر آفت و مصیبت میں صدقہ کرنا چاہئے، بلکہ آفتوں اور مصیبتوں کے نازل ہونے سے پہلے صدقے سے ان کا تدارک ہونا چاہئے، ہمارا متمول طبقہ جس قدر دولت میں کھیلتا ہے، بدقسمتی سے آفات و مصائب کا شکار بھی اسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔

اس کا سبب بھی یہی ہے کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ٹھیک ادا نہیں کرتے، اور جتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے، اتنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

۸:......زکوٰۃ و صدقات کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے مال و دولت میں برکت ہوتی ہے، اور زکوٰۃ و صدقات میں بخل کرنا آسمانی برکتوں کے دروازے بند کر دیتا ہے، حدیث میں ہے کہ: ''جو قوم زکوٰۃ روک لیتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر قحط اور خشک سالی مسلط کر دیتا ہے، اور آسمان سے بارش بند ہو جاتی

ہے‘‘ (طبرانی، حاکم)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ چار چیزوں کا نتیجہ چار چیزوں کی شکل میں ہوتا ہے:

۱:- جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اس پر دُشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

۲:- جب وہ ما انزل اللہ کے خلاف فیصلے کرتی ہے، تو قتل و خونریزی اور موت عام ہو جاتی ہے۔

۳:- جب کوئی قوم زکوٰۃ روک لیتی ہے تو ان سے بارش روک لی جاتی ہے۔

۴:- جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو زمین کی پیداوار کم ہو جاتی ہے اور قوم پر قحط مسلط ہو جاتا ہے (طبرانی)۔

خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ کا تجویز فرمودہ نظامِ زکوٰۃ و صدقات انقلابی نظام ہے، جس سے معاشرے کو راحت و سکون کی زندگی نصیب ہو سکتی ہے، اور اس سے انحراف کا نتیجہ معاشرے کے افراد کی بے چینی و بے اطمینانی کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔

۹:...... یہ تمام اُمور تو وہ تھے جن کا تعلق دُنیا کی اسی زندگی سے ہے، لیکن ایک مؤمن جو سچے دِل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو، یہ دُنیوی زندگی ہی اس کا منتہائے نظر نہیں، بلکہ اس کی زندگی کی ساری تگ و دو آخرت کی زندگی کے لئے ہے، وہ اس دارِ فانی کی محنت سے اپنا آخرت کا گھر سجانا چاہتا ہے، وہ اس تھوڑی سی چند روزہ زندگی سے آخرت کی دائمی زندگی کی راحت و سکون کا متلاشی ہے۔ عام انسانوں کی نظر صرف اس دُنیا تک محدود ہے، اور وہ جو کچھ کرتے ہیں صرف اسی دُنیا کی فلاح و بہبود کے لئے کرتے ہیں، جس منصوبے کی تشکیل کرتے ہیں، محض اس زندگی کے خاکوں اور نقشوں کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صدقات و زکوٰۃ کے ذریعہ اہلِ ایمان کو آخرت کے بینک میں اپنی دولت منتقل کرنے کا گُر بتایا ہے، زکوٰۃ و صدقات کی شکل میں جو رقم دی جاتی ہے وہ براہِ راست آخرت کے بینک میں جمع ہوتی ہے، اور یہ آدمی کو اس دن کام آئے گی جب وہ خالی ہاتھ یہاں کی چیزیں یہیں چھوڑ کر رُخصت ہوگا:

’’سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا‘‘

اس لئے بہت ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنی دولت یہاں سے وہاں منتقل کرنے میں پیش قدمی کرتے ہیں۔

۱۰:...... انسان دُنیا میں آتا ہے تو بہت سے تعلقات اس کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، ماں باپ کا رشتہ، بہن بھائیوں کا رشتہ، عزیز و اقارب کا رشتہ، اہل و عیال کا رشتہ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن مؤمن کا ایک رشتہ اپنے خالق و محسن اور محبوبِ حقیقی سے بھی ہے، اور یہ رشتہ تمام رشتوں سے مضبوط بھی ہے اور پائیدار بھی، دُوسرے سارے رشتے توڑے بھی جاسکتے ہیں اور جوڑے بھی جاسکتے ہیں، مگر

یہ رشتہ کسی لمحے نہ توڑا جا سکتا ہے نہ اس کا چھوڑنا ممکن ہے، یہ دُنیا میں بھی قائم ہے، نزع کے وقت بھی رہے گا، قبر کی تاریک کوٹھری میں بھی رہے گا، میدانِ محشر میں بھی اور جنّت میں بھی، جوں جوں زندگی کے دور گزرتے اور بدلتے رہیں گے، یہ رشتہ قوی سے قوی تر ہوتا جائے گا، اور اس کی ضرورت کا احساس بھی سب رشتوں پر غالب آتا جائے گا۔ اس رشتے کی راہ میں سب سے بڑھ کر انسان کی نفسانی خواہشات حائل ہوتی ہیں، اور ان خواہشات کی بجا آوری کا سب سے بڑا ذریعہ مال ہے، زکوٰۃ وصدقات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کی خواہشات کو کم سے کم کرنا چاہتے ہیں، اور بندے کا جو رشتہ اس کے ساتھ ہے اس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانا چاہتے ہیں، اس لئے جو صدقہ کسی فقیر و مسکین کو دیا جاتا ہے، وہ دراصل اس کو نہیں دیا جاتا، بلکہ یہ اپنی مالی قربانی کا حقیر سا نذرانہ ہے، جو بندے کی طرف سے محبوبِ حقیقی کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب بندہ صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دستِ رضا سے قبول فرماتے ہیں اور پھر اس کی پرورش فرماتے رہتے ہیں، قیامت کے دن وہ صدقہ رائی سے پہاڑ بنا کر بندے کو واپس کر دیا جائے گا۔ پس حیف ہے! ہم بارگاہِ رَبّ العزّت میں اتنی معمولی سی قربانی پیش کرنے سے بھی ہچکچائیں اور حق تعالیٰ شانہ کی بے پایاں عنایتوں اور رحمتوں سے خود کو محروم رکھیں۔

اُوپر کی سطور سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوگئی کہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں، بلکہ ایک اعلیٰ ترین عبادت ہے، بعض لوگوں کے ذہن میں زکوٰۃ کا ایک نہایت گھٹیا تصوّر ہے، وہ اس کو حکومت کا ٹیکس سمجھتے ہیں، جس طرح کہ تمام حکومتوں میں مختلف قسم کے ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں، حالانکہ زکوٰۃ کسی حکومت کا عائدہ ٹیکس نہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کی ضروریات کے لئے اس کو عائد کیا ہے، بلکہ حدیث میں صاف طور پر ارشاد ہے کہ زکوٰۃ مسلمانوں کے متمول طبقے سے لے کر ان کے تنگ دستوں کو لوٹا دی جائے گی۔

اسی طرح یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ زکوٰۃ دینے والے فقراء و مساکین پر کوئی احسان کرتے ہیں، ہرگز نہیں! بلکہ خود فقراء و مساکین کا مالداروں پر احسان ہے کہ ان کے ذریعے سے ان لوگوں کی رُقوم خدائی بینک میں جمع ہو رہی ہیں، اگر آپ کسی کو بینک میں جمع کرانے کے لئے کوئی رقم سپرد کرتے ہیں تو کیا آپ اس پر احسان کر رہے ہیں؟ اگر یہ احسان نہیں تو غرباء کو زکوٰۃ دینا بھی ان پر احسان نہیں!

پہلی اُمتوں میں جو مال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرانے کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، اس کا استعمال کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں تھا، بلکہ وہ سوختنی قربانی کہلاتی تھی، اسے قربان گاہ میں رکھ دیا جاتا تھا، اب اگر آسمان سے آگ آکر اسے راکھ کر جاتی تو یہ قربانی کے قبول ہونے کی علامت تھی، اور اگر وہ چیز اسی طرح پڑی رہتی تو اس کے مرۡدود ہونے کی نشانی تھی۔ حق تعالیٰ نے اس اُمّتِ مرحومہ پر یہ خاص عنایت فرمائی ہے کہ اُمراء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ جو چیز حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنا چاہیں اسے ان کے فلاں فلاں بندوں (فقراء و

مساکین) کے حوالے کردیں۔ اس عظیم الشان رحمت کے ذریعہ ایک طرف فقراء کی حاجات کا انتظام کردیا گیا اور دُوسری طرف اس اُمّتِ مرحومہ کے لوگوں کو رُسوائی اور ذِلت سے بچالیا گیا، اب خدا ہی جانتا ہے کہ کون پاک مال سے صدقہ کرتا ہے؟ اور کون ناپاک مال سے؟ کون ایسا ہے جو محض رضائے الٰہی کے لئے دیتا ہے؟ اور کون ہے جو نام ونمود اور شہرت وریا کے لئے؟ الغرض زکوٰۃ ٹیکس نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرانہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے قرضِ حسن فرمایا ہے: ''کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے؟ پس وہ اس کے لئے اس کو کئی گنا بڑھادے'' (البقرۃ)۔

یہاں صدقات کو ''قرضِ حسن'' سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح قرض واجب الادا ہے، اسی طرح صدقہ کرنے والوں کو مطمئن رہنا چاہئے کہ ان کا یہ صدقہ بھی ہزاروں برکتوں اور سعادتوں کے ساتھ انہیں واپس کردیا جائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کو کسی کی احتیاج ہے، یہی وجہ ہے کہ صدقہ فقیر کے ہاتھوں میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے، اور فقیر گویا اس دینے والے سے وصول نہیں کر رہا، بلکہ یہ اس کی طرف سے دیا جارہا ہے جو سب کا داتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ جب زکوٰۃ ٹیکس نہیں، بلکہ خالص عبادت ہے، تو حکومت کو اس کا انتظام کیوں تفویض کیا جائے؟ اس سوال کا جواب ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے، مگر یہاں مختصر طور پر اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام پورے معاشرے کو ایک اکائی قرار دے کر اس کا نظم ونسق اسلامی حکومت کے سپرد کرتا ہے۔ اس لئے وہ فقراء ومساکین جو اسلامی معاشرے کا جزو ہیں ان کی ضروریات کا تکفّل بھی اسلامی معاشرے کی قوّتِ مقتدرہ کے سپرد کرتا ہے، اور اس کفالت کے لئے اس نے صدقات وزکوٰۃ کا نظام رائج فرمایا ہے، فقراء ومساکین کی کفالت کی سب سے بڑی ذمہ داری حکومت پر عائد کی گئی ہے، اس لئے اس مد کے لئے مخصوص رقم کا بندوبست بھی حکومت کا فریضہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حکومت کی جانب سے صدقات کی وصولی وانتظام پر مقرّر ہوں، حدیثِ پاک میں ان کو ''غازی فی سبیل اللہ'' کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (ابوداوٴد، ترمذی) جس میں ایک طرف ان کی خدمات کو سراہا گیا ہے، اور دُوسری طرف ان کی نازک ذمہ داری کا بھی انہیں احساس دلایا گیا ہے۔ یعنی اگر وہ اس فریضے کو جہاد فی سبیل اللہ سمجھ کر ادا کریں گے تب اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوں گے، اور اگر انہوں نے اس مال میں ایک پیسے کی بھی خیانت روا رکھی تو انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خدائی مال میں خیانت کے مرتکب ہورہے ہیں، جو ان کے لئے آتشِ دوزخ کا سامان ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: ''جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرّر کیا، اور اس کے لئے ایک وظیفہ بھی مقرّر کردیا، اس کے بعد اگر وہ اس مال سے کچھ لے تو وہ غنیمت میں خیانت کرنے والا ہوگا۔'' (ابوداوٴد)

زکوٰۃ کے چند مسائل

زکوٰۃ ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر فرض ہے، اس کے مسائل حضراتِ علمائے کرام سے اچھی طرح سمجھ لینے چاہئیں، میں یہاں چند مسائل درج کرتا ہوں، مگر عوام صرف اپنے فہم پر اعتماد نہ کریں، بلکہ اہلِ علم سے اچھی طرح تحقیق کرلیں۔

۱:......اگر کسی شخص کی ملکیت میں ساڑھے باون تولے (۶۱۲ء۳۵ گرام) چاندی یا ساڑھے سات تولے (۸۷ء۵ گرام) سونا ہے، یا اتنی مالیت کا نقد روپیہ ہے یا پھر اتنی مالیت کا مالِ تجارت ہے، تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

۲:......اگر کسی شخص کے پاس کچھ چاندی ہو، کچھ سونا ہو یا کچھ روپیہ یا کچھ مالِ تجارت ہو، اور ان سب کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولے (۶۱۲ء۳۵ گرام) چاندی کے برابر ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

۳:......کارخانے اور فیکٹری وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ نہیں، لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے، اسی طرح جو خام مال کارخانے میں موجود ہو، اس پر بھی زکوٰۃ ہے۔

۴:......سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ ہے، چنانچہ سونے چاندی کے زیور، سونے چاندی کے برتن حتّٰی کہ سچا گوٹا، ٹھپّا، اصلی زری، سونے چاندی کے بٹن، خواہ کپڑوں میں لگے ہوئے ہوں، ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے۔

۵:......کارخانوں اور ملوں کے حصص پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، جبکہ ان حصص کی مقدار بقدرِ نصاب ہو یا دُوسری قابلِ زکوٰۃ چیزوں کو ملاکر نصاب بن جاتا ہو، البتہ مشینری اور فرنیچر وغیرہ استعمال کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، اس لئے ہر حصے دار کے حصے میں اس کی جتنی قیمت آتی ہے، اس کو مستثنٰی کرکے باقی کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

۶:......سونا چاندی، مالِ تجارت اور کمپنی کے حصص کی جو قیمت زکوٰۃ کا سال پورا ہونے کے دن ہوگی، اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

۷:......سال کے اوّل و آخر میں نصاب کا پورا ہونا شرط ہے، اگر درمیان سال میں رقم کم ہوجائے تو اس کا اعتبار نہیں۔

مثلاً: ایک شخص سال شروع ہونے کے وقت تین ہزار روپے کا مالک تھا، تین مہینے کے بعد اس کے پاس پندرہ سو روپے رہ گئے، چھ مہینے بعد چار ہزار روپے ہوگئے، اور سال کے ختم پر ساڑھے چار ہزار روپے کا مالک تھا، تو سال پورا ہونے کے وقت اس پر ساڑھے چار ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب ہوگی، درمیان سال میں

اگر رقم گھٹتی بڑھتی رہی، اس کا اعتبار نہیں۔

۸:...... پراویڈنٹ فنڈ پر وصول یابی کے بعد زکوٰۃ فرض ہے، وصول یابی سے پہلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں۔

۹:...... صاحبِ نصاب اگر پیشگی زکوٰۃ ادا کر دے، تب بھی جائز ہے، لیکن سال کے دوران اگر مال بڑھ گیا تو سال ختم ہونے پر زائد رقم ادا کر دے۔

زکوٰۃ کے مصارف:

۱:...... زکوٰۃ صرف غرباء و مساکین کا حق ہے، حکومت اس کو عام رفاہی کاموں میں استعمال نہیں کر سکتی۔

۲:...... کسی شخص کو اس کے کام یا خدمت کے معاوضے میں زکوٰۃ کی رقم نہیں دی جاسکتی، لیکن زکوٰۃ کی وصولی پر جو عملہ حکومت کی طرف سے مقرّر ہو، ان کا مشاہرہ اس فنڈ سے ادا کرنا صحیح ہے۔

۳:...... حکومت صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرے گی، اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ ہر شخص اپنی صوابدید کے مطابق ادا کرسکتا ہے۔

(کارخانوں اور ملوں میں تیار ہونے والا مال، تجارت کا مال اور بینک میں جمع شدہ سرمایہ ''اموالِ ظاہرہ'' ہیں، اور جو سونا، چاندی، نقدی گھروں میں رہتی ہے، ان کو ''اموالِ باطنہ'' کہا جاتا ہے۔)

۴:...... کسی ضرورت مند کو اتنا روپیہ دے دینا جتنے پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، مکروہ ہے، لیکن زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

زکوۃ وصدقات کی فضیلت

زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے، اور حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے، اور نہ دینے سے مال ناپاک رہتا ہے، اور خدا تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی میں زکوٰۃ نہ دینے کے بہت سے وبال بیان فرمائے گئے ہیں، ایسا مال سانپ کی شکل میں مال دار کو کاٹے گا اور کہے گا کہ میں تیرا وہی مال ہوں جس کو تو جمع کرتا تھا اور خدا تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتا تھا۔

قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ میں زکوٰۃ وصدقات کے بڑے فضائل بیان کئے گئے ہیں، اور زکوٰۃ نہ دینے پر شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں، ان کی تفصیل حضرت شیخ سیّدی و مرشدی مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجرِ مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ کی کتاب ''فضائلِ صدقات'' میں دیکھ لی جائے، یہاں اختصار کے پیشِ نظر

ایک ایک آیت اور حدیث فضائل میں، اور ایک ایک آیت اور حدیث وعید میں نقل کرتا ہوں۔

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾﴾

(البقرۃ)

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانے کی حالت جس سے (فرض کرو) سات بالیں جمیں (اور) ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں جاننے والے ہیں۔ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو (اس پر) اِحسان جتاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے) اس کو آزار پہنچاتے ہیں، ان لوگوں کو ان (کے اعمال) کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ یہ مغموم ہوں گے۔''

(ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

''عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَصَدَّقَ بِعِدْلِ تَمَرَةٍ مِنْ كَسْبِ طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ، فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّیْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ۔ متفق علیہ۔''

(مشکوٰۃ ص:۱۶۷ باب فضل الصدقہ)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص ایک کھجور کے دانے کے برابر پاک کمائی سے صدقہ کرے، اور اللہ تعالیٰ صرف پاک ہی کو قبول فرماتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دست میں لے کر قبول فرماتے ہیں، پھر اس کے مالک کے لئے اس کی پرورش فرماتے ہیں، جس طرح کہ تم میں سے ایک شخص اپنی گھوڑی کے بچے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ (ایک کھجور کے دانے کا صدقہ قیامت کے دن) پہاڑ کے برابر ہوجائے گا۔''

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ

وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴿۳۵﴾

(التوبہ)

ترجمہ: ’’جولوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، سو آپ ﷺ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔ کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں (اوّل) تپایا جاوے گا، پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا، یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔‘‘

(ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّیْ زَكٰوةَ مَالِهٖ اِلَّا جَعَلَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِیْ عُنُقِهٖ شُجَاعًا۔ ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهٗ مِنْ كِتَابِ اللهِ: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ الْاٰيَةِ۔‘‘ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، مشکوٰۃ ص:۱۵۷، کتاب الزکوٰۃ)

ترجمہ: ’’حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کی آیت ہمیں پڑھ کر سنائی۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے: اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لئے اچھی ہوگی، بلکہ یہ بات ان کی بہت بُری ہے، وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنا دیئے جائیں گے اس کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا۔‘‘

(آل عمران:۱۸۰، ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

زکوٰۃ کے بارے میں غلط پروپیگنڈا

[حدیث:۶۷۸] ’’عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْءُ دُوَلًا، وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا، وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ، وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ، وَاَدْنٰى صَدِيْقَهٗ وَاَقْصٰى اَبَاهُ، وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ، وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ، وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ

اَرْذَلُهُمْ، وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ، وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَشُرِبَ الْخُمُوْرُ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ، وَزَلْزَلَةً، وَخَسْفًا، وَمَسْخًا، وَقَذْفًا، وَآيَاتٌ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ۔" (جامع الترمذی ج:۲ ص:۴۴)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب فئے کو دولت، امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دیا جائے، غیرِ دین کے لئے علم سیکھا جائے، آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے، دوست کو قریب اور باپ کو دور کرنے لگے، مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، بدکار آدمی اپنے قبیلہ کا سردار ہو جائے، اور قوم کا چودھری سب سے رذیل آدمی بن جائے، آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جائے، گانے والی عورتیں اور گانے بجانے کا سامان پھیل جائے، شرابیں (بے دھڑک) پی جانے لگیں اور اُمّت کا پچھلا حصہ، پہلے حصہ (سلف صالحین) پر لعن طعن کرنے لگے تو اس وقت ان امور کا انتظار کرو: سرخ آندھی، زلزلہ، زمین میں دھنس جانا، شکل بگڑ جانا، آسمان سے پتھر برسنا اور ان کے علاوہ دیگر نشان جو اس طرح پے در پے واقع ہوں گے جیسے کسی تسبیح (ہار) کا دھاگہ ٹوٹ جانے سے اس کے دانے پے در پے گرنے لگتے ہیں۔"

[حدیث:۶۷۹] "عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِيْ خَمْسَ عَشَرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ۔ قِيْلَ: وَمَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: اِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا، وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا، وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ، وَبَرَّ صَدِيْقَهٗ وَجَفَا اَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ، وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ، وَاتُّخِذَتِ الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ اَوْ خَسْفًا اَوْ مَسْخًا!" (ترمذی شریف ج:۲ ص:۴۴)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب میری اُمّت پندرہ کام کرنے لگے گی اس وقت اس پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ پندرہ چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: جب غنیمت دولت بن جائے،

امانت کو غنیمت کی طرح لوٹا جانے لگے، زکوٰۃ کو تاوان اور ٹیکس سمجھا جائے، مرد اپنی بیوی کا کہا مانے اور ماں سے بدسلوکی کرے، دوست سے وفاداری اور باپ سے بے وفائی برتے، مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، سب سے کمینہ آدمی قوم کا نمائندہ کہلائے، آدمی کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لئے کی جائے، شراب نوشی عام ہوجائے، ریشمی لباس پہنا جائے، گانے والی عورتیں اور گانے بجانے کا سامان رکھا جائے اور اُمّت کا پچھلا حصہ پہلوں کو بُرا بھلا کہنے لگے، اس وقت سرخ آندھی، زمین میں دھنسنے یا شکلوں کے بگڑنے کا انتظار کرنا چاہئے!''

تشریح: آج سے کوئی چودہ پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ حضرت استاذ دام ظلہم کی خدمت میں مشکوٰۃ شریف پڑھتے وقت پہلی دفعہ حدیث مندرجہ بالا نظر کے سامنے آئی تو میرا وہمی ذہن فوراً یہ سوچنے لگا کہ یا اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پتھر کی لکیر ہے، اپنا ایمان ہے کہ جو کچھ فرمایا ہو کر رہے گا، لیکن یہ آخر کیسے ہوجائے گا کہ مسلمان کہلانے والے زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دے دیں؟ تاہم دل کو یوں تسلی مل گئی کہ یہاں زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دینے سے مراد ضروری نہیں کہ واقعۃً اسے ٹیکس ہی کہا جائے، بلکہ یہ مطلب بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ لوگ زکوٰۃ سے ٹیکس کا سا معاملہ کرنے لگیں اور اس کی ادائیگی میں گرانی محسوس کرنے لگیں۔ مگر زمانہ کی بوقلمونی ملاحظہ کیجئے کہ چند سال کی معمولی مدت نے انسانی مزاج میں کتنا تغیر، کتنا فساد اور کتنا فتور برپا کردیا کہ چند ہی سال پہلے جس امر کو میری سادہ مزاجی کسی صاحبِ ایمان کی طرف منسوب کرنے پر آمادہ نہ ہوتی تھی، آج بعض نام نہاد مسلمان پوری توانائی سے بار بار اسی کی رٹ لگا رہے ہیں کہ زکوٰۃ ٹیکس ہے، ٹیکس ہے، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ النِّفَاقِ وَ الشِّقَاقِ!

سب سے پہلے آسمانِ مغرب کا یہ ''اِلہام''، ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ڈائیریکٹر جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب بالقابہ کے قلب پر میک گل یونیورسٹی میں ''اِلقا'' ہوا، اور انہوں نے رسائل اور اخبارات میں اس ''اِلہامی علم'' کی اشاعت فرمائی۔

اس کے بعد ان کے کئی ''مسترشدین'' نے اس پر خامہ فرسائی کے جوہر دکھائے، نئے نئے نکتے پیدا کئے اور ''ادراک وفہم''، ''تعبیر وتاویل'' اور ''تحقیق وتفتیش'' کا دریا بہا ڈالا۔

ہمارے لئے یہ معما ابھی تک ناقابلِ فہم ہے (اور ہمارے خیال میں ہر وہ شخص جس کے دل میں کسی حد تک ایمانی رمق موجود ہے اس کے نزدیک بھی یہ امر کبھی قرینِ عقل نہیں ہوسکتا) کہ اسلام کے حقائق جو میرے اور زید وعمرو کے باپ دادا پر نہیں، بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے، انہیں محض لفظی گورکھ دھندے سے کیونکر مسخ کیا جاسکتا ہے؟ یعنی زکوٰۃ کا نام اگر ٹیکس رکھ دیا جائے، سود کو منافع کہہ دیا جائے،

شراب کو آبِ طہور سے موسوم کر دیا جائے تو محض کسی کے یہ نام رکھ لینے سے زکوٰۃ ٹیکس کیسے بن جائے گی؟ اور ٹیکس کو زکوٰۃ کا مرتبہ بلند کیونکر مل جائے گا؟ سود منافع میں داخل ہو کر حلال اور طیب کیسے ہو جائے گا؟ اور شراب شربت کا حکم کیونکر حاصل کر لے گی؟ یا اگر خام عقل، کج فہم اور کوتاہ اندیش لوگوں کے رسم و رواج کو ''سنّتِ جاریہ'' کا اسم شریف دے دیا جائے تو وہ ''سنّتِ نبوی'' میں داخل ہو کر دین اسلام کی بنیاد کیسے بن جائے گی؟ یا اگر چند ملکوں یا ایک ملک کے چند ڈاکٹروں کی اجتماعی خواہشات اور ہوا و ہوس پر ''اجماع'' کا لقب چسپاں کر دیا جائے تو وہ واقعتاً دینی سند کی حیثیت کیونکر حاصل کر لے گا؟ یا اگر کسی پڑھے لکھے آدمی کی قرآن کریم پر آزادانہ مشق ستم کے ساتھ اجتہاد کا دم چھلّہ لگا دیا جائے تو کیا وہ سچ مچ قابل اعتبار قرار پائے گا؟ اور اس نئے مجتہد صاحب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے آنکھیں ملانے اور ان کے ہم پلہ ہونے کی صلاحیت اس نام نہاد اجتہاد سے پیدا ہو جائے گی؟ کافی غور و فکر کے بعد بھی ہم یہ سمجھنے سے معذور رہے ہیں کہ اسلام اور اسلامی حقائق کو اس مسخرہ پن کی بازی گری کی نذر کر کے انہیں تحریفی تیشوں سے تراشنے اور لفظی گورکھ دھندوں سے الجھانے کی گنجائش کب سے اور کیونکر پیدا ہو گئی؟

زکوٰۃ ہی کو لیجئے! ہر مسلم و غیر مسلم جانتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام میں زکوٰۃ نہ صرف یہ کہ اہم ترین عبادت ہے بلکہ دین اسلام کا بنیادی رکن بھی ہے۔ صحیحین کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے:

۱:......کلمہ طیبہ کی (دل و زبان سے) شہادت دینا۔

۲:......نماز قائم کرنا۔

۳:......زکوٰۃ دینا۔

۴:......حج کرنا۔

۵:......رمضان کے روزے رکھنا۔''

اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ نماز اور زکوٰۃ کے مابین خاص ربط اور تعلق ہے۔ ان کے اسی خاص تعلق کے پیش نظر قرآن حکیم نے چالیس سے زائد اور بقول بعض اسّی (۸۰) مقامات میں ان دونوں کو یکجا ذکر کیا۔ قرآن مجید میں کئی جگہ آپ ان پانچ ارکان میں سے صرف زکوٰۃ کا ذکر پائیں گے، زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے اجر و ثواب اور زکوٰۃ کے بارے میں تساہل پسندوں کی تہدید اور عذاب کا بیان بھی جگہ جگہ ملے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر، مشہور اور صحیح احادیث مقدسہ میں زکوٰۃ کے فضائل، زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر دنیوی، برزخی اور اخروی ذلت اور رسوائی کی تفصیلات، اس کے نصاب، اس کی مقدار اور اس کے مصارف کا

تفصیلی بیان پوری شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک علماء، صلحاء، فقہاء ومحدثین اس کی عبادتی حیثیت، اس کے خاص نصاب اور خاص مقدار کو، جو ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعین فرمادی گئی، بغیر کسی ردّ و بدل اور کمی بیشی کے مانتے چلے آئے، کیا اس پاکیزہ عبادت اور دین اسلام کے رکن اعظم کو ٹیکس قرار دے کر اس میں تبدیلی اور اضافہ کے مشورے دینا نرا مسخرہ پن نہیں؟ پھر اس سلسلہ میں پیش کردہ لفظی گورکھ دھندے اپنے اندر کوئی وزن رکھتے ہیں؟ اور ''رکن اسلام'' میں ''عمل جراحی'' کا مشورہ دینے والے ''دانایانِ تیز ہوش'' کیا خود دینِ محمدی کا حلیہ بگاڑ دینے کی خدمت سرانجام دینے میں مصروف نہیں ہیں؟ کیا ان کا طرزِ عمل اور اندازِ تحقیق، اسلام کے ہاتھ پاؤں، ناک، کان، ہونٹ اور زبان کاٹ کر اور اسے تڑپا تڑپا کر کند چھری سے ذبح کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ اور جب آج کی مہذب دنیا میں کسی چوہڑے چمار کے ساتھ بھی اس کے اعضا کاٹ کر مُثلہ (بدشکل) بنانے کا یہ ناروا سلوک ناقابل برداشت تصور کیا جاتا ہے، تو ''اسلامِ معظیم'' کے ساتھ یہ بدسلوکی کیسے برداشت کرلی جاتی ہے؟ اور اسلام کی مرمت کرنے والے بے رحم قصابوں کے ہاتھ میں نام نہاد ''تحقیقات'' اور ''آزاد اجتہاد'' کی یہ کند چھریاں کیوں دی جاتی ہیں؟ جن سے وہ آئے دن اسلام کے کسی نہ کسی جوڑ بند کو کاٹ کر لطف اندوز ہوتے ہیں، اور کٹے ہوئے اعضاء کی تصویریں، رسائل اور اخبارات میں شائع کرتے ہیں، اور اپنے اجتہادی کارناموں پر دادِ تحسین کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

اب ذرا بحث کے دوسرے رخ پر نظر کیجئے! قرآن مجید کی کسی آیت، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد، اسلامی تاریخ کی چودہ صدیوں میں کسی صحابی، کسی تابعی، کسی امام، کسی مجتہد، کسی فقیہ اور کسی معتبر عالم کے فتویٰ میں یہ ذکر کبھی آپ کی نظر سے گزرا کہ ''زکوٰۃ بھی ایک ٹیکس ہے'' اور اسے نام نہاد ضروریات کی آڑ لے کر تبدیل کیا جاسکتا ہے؟ اور یہ کہ اگر اسے تبدیل نہ کیا گیا تو یہ ہوجائے گا، وہ ہوجائے گا، آسمان ٹوٹ پڑے گا، زمین ہل جائے گی اور دنیا تہہ و بالا ہوجائے گی؟ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مقدسہ میں اور اُمّتِ محمدیہ کے قابل اعتماد علماء کے اقوال میں یہ افسانہ کہیں نہیں ملتا، تو آج چودہ سو سال بعد کون سا قرآن نازل ہوگیا، جس کی روشنی میں ''نیا اسلام'' پیش کرنے والے محقق، لوگوں کو یہ بتلاتے ہیں کہ: ''زکوٰۃ بھی ایک ٹیکس ہے اور اس کی شرح میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن تو زکوٰۃ کے بارے میں ٹیکس کا نظریہ پیش کرنے والوں کو ''صریح منافق'' قرار دیتا ہے، چنانچہ سورہ توبہ میں اس منافق کا مفصل تذکرہ موجود ہے، جس نے اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے زکوٰۃ کے بارے میں کہا تھا: ''یہ تو محض ٹیکس ہے، یہ تو ٹیکس ہی کی بہن معلوم ہوتی ہے، اچھا تم جاؤ میں غور کروں گا۔'' جانتے ہو! کہ اس ''ٹیکسی مجتہد'' میں غور کروں گا کی منطق الاپنے والے پر قرآن نے کیا فتویٰ عائد کیا؟ سنو اور گوش ہوش سے سنو...!

﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ﴾ (التوبہ)

ترجمہ: ''سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کردیا جو خدا کے پاس جانے کے دن تک (دم مرگ تک) رہے گا، اس سبب سے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''

پھر قرآن مجید کی اسی سورت میں یہ نظریہ ان لوگوں کی طرف منسوب فرمایا گیا ہے جن کے کفر و نفاق کی شدت پر نفریں کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّیَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآىِٕرَ ؕ ....الخ﴾ (التوبہ)

ترجمہ: ''(ان منافقین میں) دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو ان اَحکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔ اور ان (مذکورہ منافقین) دیہاتیوں میں سے بعض ایسا ہے کہ جو کچھ خرچ کرتا ہے، اس کو (مثل جرمانہ) سمجھتا ہے اور تم مسلمانوں کے واسطے گردشوں کا منتظر رہتا ہے۔''

پہلی آیت میں ''زکوٰۃ ٹیکس ہے'' کے نعرہ کو دروغ بافی (صریح جھوٹ) اور دائمی نفاق کا موجب قرار دیا گیا ہے، اور دوسری آیت میں انفاق فی سبیل اللہ، جس کا اہم فرد زکوٰۃ ہے، تاوان، ٹیکس، جزیہ اور جرمانہ قرار دینے کا منشا بدترین درجہ کا کفر و نفاق اور اَحکامِ اِلٰہیہ کے حقائق سے فطری ناواقفی اور جہالت بتلایا گیا ہے۔

اِرشاداتِ نبوّت میں سے ایک ارشاد آغاز کلام میں نقل کرچکا ہوں، جس میں زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دینے پر من جملہ دیگر امور کے پے در پے عذاب و عتاب نازل ہونے کے خطرہ سے آگاہ فرمایا گیا ہے، اور اس میں یہ اشارہ بھی دیا گیا ہے کہ یہ نظریہ مسلمانوں کے دورِ انحطاط، مسخ شدہ عقلیت اور بہیمانہ خواہشات کے ''جذبہ بے جا'' کی پیداوار ہوگا، اس لئے کہ اس نظریہ کا تذکرہ جن امور کے ساتھ فرمایا گیا، اور ان پر جس قسم کے بدترین مصائب کے خطرہ کی نشاندہی اس حدیث میں فرمائی گئی ہے وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کے زمانہ عروج، صحیح عقلیت اور صالح جذبات کے ماحول میں پیدا نہیں ہوسکتے، میرا خیال ہے کہ ٹیکسی نظریہ کی قباحت

کے لئے یہی حدیث کافی ہے، جس کی صداقت پر دورِ حاضر کی نام نہاد ترقی اور اس کے مہیب عواقب نے مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔

علاوہ ازیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے بارے میں جو موقف اختیار کیا اس سے ٹیکس، ٹیکس کا برخود غلط پروپیگنڈا کرنے والوں کا شرعی حکم ہمیشہ کے لئے واضح ہوگیا۔ صدیقی دورِ خلافت میں منع زکوٰۃ کا جو فتنہ اٹھا تھا اس میں ان فتنہ پردازوں کا نظریہ یہ نہیں تھا کہ اسلام میں زکوٰۃ کا سرے سے وجود ہی نہیں، بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ زکوٰۃ میں اگرچہ کسی درجہ میں عبادتی پہلو بھی پایا جاتا ہے لیکن وہ دراصل ایک ٹیکس ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قومی ضروریات کے لئے نافذ کیا تھا، حافظ العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''ان کا خیال یہ تھا کہ زکوٰۃ دراصل ایک مالی ٹیکس ہے، جس طرح بادشاہ اپنی رعایا سے مختلف قسم کے مالی ٹیکس وصول کیا کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی وصولی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرۂ اختیار میں تھی، اور اب جبکہ ہم نے اپنے میں سے والی چن لئے ہیں تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہوگئی اور دیگر مالیاتی ٹیکسوں کی طرح زکوٰۃ کا معاملہ بھی والی اور حاکم وقت کی رائے پر ہے۔'' (فیض الباری ج:۱ ص:۱۰۹)

لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے تمام رفقاء نے زکوٰۃ کے بارے میں اس نظریہ کے پیش کرنے والوں کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا اور ان کے خلاف لشکر کشی کی اور ان سے وہی معاملہ کیا جو مرتدین کی جماعت سے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ''بَابُ مَنْ أَبٰی قَبُولَ الْفَرَائِضِ وَمَا نُسِبُوْا إِلَی الرِّدَّةِ'' (جو لوگ فرائض کے قبول کرنے سے انکار کریں ان کا اور ان کے ارتداد کا بیان) کا عنوان قائم فرما کر زکوٰۃ میں ٹیکس کی تاویل کا پیوند لگانے والوں کے ارتداد کی تصریح فرمائی (بخاری شریف ج:۲ ص:۱۰۲۳ مطبوعہ کراچی)۔

ان تمام بیانات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ٹیکس کا پرچار کرنے والے دوستوں کا یہ پروپیگنڈا اسلام کی نظر میں کہاں تک قرین عقل ودانش اور مبنی برصواب ہے۔

اب اس موضوع پر ایک اور پہلو سے غور کیجئے! انگریز نے اپنے دور اقتدار میں سیاست، معاشرت اور اقتصاد کے جس راستہ پر مسلمانوں کو ڈالا، ظاہر ہے کہ اس کے پیش نظر اسلام سے ہمدردی کا معمولی جذبہ بھی نہ تھا۔ اس نے ہمارے ممالک اسلامیہ میں جس قسم کے تعلیمی، عدالتی، معاشرتی اور اقتصادی نظام جاری کئے، ان میں نہ تو کتاب وسنّت سے روشنی حاصل کرنے کا سوال پیدا ہوتا تھا، نہ اسلامی مزاج کے برقرار رکھنے کا کوئی تصور سامنے رکھا گیا تھا، آزادی کے بعد ہم غلامی کے سیاہ دور کے جبراً مسلط کردہ فرنگی نظام میں کوئی معتدبہ

تبدیلی پیدا کردینے کی جرأت مردانہ تو نہیں کرسکے البتہ اس دور کے ہر نظامِ زندگی پر اسلام کی ''چھاپ'' لگادینے کو تحقیقی کارنامہ تصور کرنے لگے ہیں، مثلاً یہ کہ دورِ غلامی کے نظامِ تعلیم میں کسی خاص تبدیلی پر ہم قادر نہ ہوسکے، طرزِ تعلیم سے لے کر نصابِ تعلیم تک کا اکثر حصہ موروثی ہے، البتہ بڑے فخر سے ہمارے اسکول اور کالج کے صدر دروازوں پر: ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَۃٍ'' لکھا جانے لگا ہے، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مقدس اسی تعلیم کے بارے میں صادر ہوا تھا جو ہمیں صاحب بہادر سے ورثہ میں ملی۔

اسی طرح تاجِ فرنگ نے جو نظامِ معیشت رائج کیا، اس کی بنیاد اسلامی تعلیم کا لحاظ رکھے بغیر سرمایہ داری پر رکھی گئی، اور اسی سرمایہ دارانہ نظام کی کوکھ سے بینک کے سودی نظام نے جنم لیا، اور اس سے متوسط اور نچلے طبقہ کی معیشت کا تباہ ہوجانا بالکل منطقی تھا۔ سرمایہ دار جتنا قوی سے قوی تر ہوتا گیا، غریب اسی نسبت سے افلاس اور ناداری کی چکی میں برابر پستا چلا گیا، آزادی کے بعد بجائے اس کے کہ ہم اسلام کا عادلانہ نظامِ معیشت اپناتے، اور انگریز کے مسلط کردہ معاشی نظام اور اس کے فرزند ارجمند ''بینک کے سودی نظام'' پر تھوک دیتے، ہوا یہ کہ اس نظام کو علیٰ حالہٖ رکھ کر اسے ''اسلام'' ثابت کرنے پر تحقیقات شروع کردی گئیں اور آزاد اجتہاد کی قوت سے بینک کے سود پر نہ صرف حلال اور طیب بلکہ واجب اور ضروری کی چھاپ لگادی گئی، بالکل یہی صورتِ حال مالیاتی نظام میں واقع ہوئی، مغربی فرمانرواؤں نے اسلام کے مالیاتی نظام کی ادنیٰ پروا کئے بغیر بلاامتیاز مذہب وملت، مملکت کے تمام شہریوں پر جزیہ اور ٹیکس عائد کیا، مسلمان بے چارے ایک طرف زکوٰۃ، عشر اور صدقات ادا کرتے جو ان کے دینی وظائف اور مذہبی فرائض تھے، اور دوسری طرف برٹش گورنمنٹ ان سے مختلف اقسام کے ٹیکس وصول کرتی، آزادی کا سورج طلوع ہوجانے کے بعد ہماری دینی حمیت، ملی غیرت اور مذہبی احساس کا تقاضا یہ ہونا چاہئے تھا کہ اس ٹیکسیشن نظام پر لات مار کر اس کی جگہ اسلام کے مالیاتی نظام کو لاتے، اہلِ اسلام سے زکوٰۃ، عشر اور صدقات وصول کرتے، اور غیرمسلم ذمیوں سے جزیہ اور خراج وصول کرتے اور اسلام نے آمدنی کے جس شعبہ کے لئے جو مدات متعین فرمائی تھیں، پوری دیانتداری، خداخوفی اور کامل احتیاط کے ساتھ ان ہی میں خرچ کرتے، لیکن ہم موروثی نظامِ مالیت میں ادنیٰ تبدیلی کئے بغیر یہ چاہتے ہیں کہ دورِ غلامی کا مالیاتی نظام جوں کا توں رہے، مگر اس پر اسلام کا ''ٹھپہ'' لگادیا جائے، یوں:

رند کے رند رہے، ہاتھ سے جنّت نہ گئی!

یہ ہے ہمارے ''ٹیکسی'' دوستوں کی تحریک کا پس منظر! انگریز کے عطا کردہ ٹیکسیشن نظام کو اسلام ثابت کرنے کے لئے بحث وتمحیص کی ساری تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے کہ: ''زکوٰۃ ٹیکس ہے!'' اس لئے جو ٹیکس بھی عائد کیا جائے گا وہ زکوٰۃ ہی کا مقدس نام حاصل کرے گا۔ لطف یہ ہے کہ اس ''ماڈرن زکوٰۃ'' کی نہ کوئی مقدار معین ہے، نہ اس کا کوئی مصرف طے شدہ ہے، بس جو ٹیکس لگایا جائے گا اور جہاں خرچ کردیا جائے گا

اسے ''زکوٰۃ شریف'' ہی کہا جائے گا، ورنہ اسلام خطرے میں ہے، مزید برآں یہ کہ اس تفتیش کی بھی ضرورت نہیں کہ یہ ٹیکس کس شخص سے وصول کیا جاتا ہے؟ اور کس مال پر عائد کیا جاتا ہے؟ شراب اور افیون کے ٹھیکیداروں سے جو ٹیکس وصول کیا جائے، سینما کے ناچ اور گانے پر جو ٹیکس لگایا جائے اور ملک کے غیر مسلم باشندوں سے جو ٹیکس وصول کیا جائے، اس قسم کے تمام ٹیکسوں کو بھی اسلامی رکن ''زکوٰۃ'' کے تحت لانا ہوگا، ورنہ اسلامی تحقیقات اور ''ماڈرن اجتہاد'' کے کس بل نہیں نکلیں گے:

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است!

اس مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی توجہ طلب ہے، اور وہ یہ کہ ہمیں گہرے غور وفکر اور انتہائی عقل وبصیرت سے زکوٰۃ اور ٹیکس کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے دونوں کے اوصاف ذاتیہ اور لوازم قریبیہ کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے کہ جو اصحابِ فکر ونظر زکوٰۃ پر بھی ''ایں ہم بچہ شیر است'' کا خود غرضانہ دعویٰ کرتے ہیں، ان کا یہ پروپیگنڈا کہاں تک حقیقت پسندانہ ہے؟ میں چاہتا تھا کہ اس موضوع پر کوئی صاحبِ بصیرت قلم اٹھاتا، تاکہ میرے جیسے طالب علم کی ژولیدہ بیانی کی حاجت نہ رہتی، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! آیئے اپنی پرواز کی حد تک دونوں پر غور کرلیں، اور یہ نظریہ ذہن میں رکھیں کہ اگر کوئی بات غلط ہوگی یا اندازِ بیان میں کسی جگہ سقم ہوگا تو ہمارے اکابر خود ہی تصحیح فرمالیں گے۔

زکوٰۃ

۱:...... زکوٰۃ خدا تعالیٰ کا وہ فریضہ ہے جو بندوں پر فریضۂ عبدیت کی حیثیت سے فرض فرمایا گیا ہے۔

۲:...... زکوٰۃ ابتدائے نزول سے لے کر آج تک اعلیٰ ترین عبادت کا تصور اپنے اندر رکھتی ہے۔

۳:...... فرضیت زکوٰۃ کا ہدفِ اصلی خدا تعالیٰ کی رضا طلبی اور آخرت کی سرخروئی ہے۔

۴:...... زکوٰۃ صرف اہل ایمان پر فرض کی گئی ہے۔

۵:...... زکوٰۃ میں مال کی پاکیزگی کا تصور ہمہ وقت سامنے رکھا گیا ہے، یعنی زکوٰۃ صرف مالِ حلال پر فرض ہے، کسبِ حرام سے زکوٰۃ ادا کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

۶:...... زکوٰۃ میں یہ ضمانت دی گئی ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے مال میں برکت ہوگی، حق تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائیں گے اور اس کا مال پاک ہوجائے گا، جیسا کہ قرآن وحدیث کے نصوص اس پر شاہد ہیں۔

۷:...... زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر حق تعالیٰ کی ناراضی، آخرت کی ذلت اور رسوائی اور جہنّم کے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔

۸:...... زکوٰۃ صرف اس مال پر لی جاتی ہے جس میں نمو کی صلاحیت ہو، یعنی نقدی، مالِ تجارت اور

مواشی جو نسل کشی کے لئے ہوں، اس لئے زرعی، صنعتی اور اہل حرفہ کے آلات جو تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ استعمال کے لئے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں لی جاتی۔

۹:...... زکوٰۃ اس شرط کے ساتھ عائد ہوتی ہے کہ اس مال پر سال گزر جائے، گویا سال میں دو دفعہ زکوٰۃ نہیں۔

۱۰:...... زکوٰۃ صرف اسی مال پر فرض ہوتی ہے جو قرض اور حاجات اصلیہ سے زائد ہو، فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس ہزار روپیہ ہے اور سال بھر کے اخراجات کے بعد بھی اس کے پاس اتنی مالیت بچ رہتی ہے لیکن وہ پانچ صد روپیہ کا مقروض ہے تو اس پر پانچ صد روپے کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

۱۱:...... زکوٰۃ جن اموال پر فرض کی گئی ہے ان کی فہرست محدود ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ گدھے اور خچر کی زکوٰۃ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ: ”ان کے بارے میں مجھ پر کچھ نہیں نازل کیا گیا۔“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اموالِ زکوٰۃ کی معین فہرست خدا تعالیٰ کی نازل فرمودہ ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کا بھی دخل نہیں، کسی دوسرے کی تو بات ہی کیا ہے۔

۱۲:...... زکوٰۃ خاص مالیت اور خاص نصاب پر فرض ہوتی ہے جو کسی کے اجتہاد کا نتیجہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی جانب سے نازل فرمودہ ہیں، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔

۱۳:...... زکوٰۃ اپنی معین مقدار رکھتی ہے جو حسب تصریح احادیث منزل من اللہ ہے اور چودہ صدیوں تک اس کا محفوظ رہنا اس کی بجائے خود ایسی دلیل ہے جس کے جھٹلانے والے پر دماغی توازن کھو بیٹھنے کا شبہ ہوتا ہے۔

۱۴:...... زکوٰۃ چونکہ اپنے نصاب، اپنے تشخص اور دائرۂ نفاذ کے لحاظ سے منزل من اللہ ہے، اس لئے کسی حاکم، امام، خلیفہ بلکہ خود نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی اس کے کل یا بعض کے معاف اور ساقط کردینے کا اختیار نہیں دیا گیا۔

۱۵:...... زکوٰۃ کا مصرف مسلمان حاجت مند ہوسکتا ہے، اس لئے نہ وہ غیر مسلم پر خرچ کی جاسکتی ہے نہ کسی غیر حاجت مند مسلمان کا اس میں کوئی حق ہے۔

۱۶:...... زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ سے نہ خود منتفع ہوسکتا ہے، نہ اس کے خاص متعلقین جن کے ساتھ ان کے منافع مشترک ہیں، بلکہ زکوٰۃ دے کر اگر فقیر سے شکریہ کی توقع رکھے تو اجر باطل ہوجاتا ہے۔

ٹیکس

۱:...... ٹیکس انسانی ذہن کی ایجاد ہے جو اسلام سے پہلے بھی اور بعد از اسلام بھی غیر مسلم سلاطین اور

حکام کی جانب سے نافذ کیا جاتا رہا۔

۲:......ٹیکس میں عبادت کا ادنیٰ تصور بھی کسی ملک اور کسی قوم نے کسی زمانہ میں کبھی پیش نہیں کیا۔

۳:......ٹیکس میں رضائے خداوندی اور فلاحِ آخرت کے سوال کا دُور دُور تک بھی کہیں پتا نشان نہیں ملتا، اس کا وجود دنیا اور صرف دنیا میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

۴:......ٹیکس میں کسی مذہب وملت کی تمیز نہ کبھی کی گئی، نہ اب کی جاتی ہے۔

۵:......ٹیکس میں یہ تصوّر سرے سے مفقود ہے، اسے حلال وحرام کی بحث سے کوئی سروکار نہیں، وہ ہر خبیث اور طیب پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔

۶:......ٹیکس برکت، حفاظت اور مال کی صفائی کی ضمانت کا بوجھ اُٹھانے سے قطعاً عاری ہے، برکت اور حفاظتِ خداوندی اس کی لغت سے خارج ہیں۔

۷:......ٹیکس ان لوگوں کی طرف سے بھی جو خدا اور آخرت کے قائل ہی نہیں اسی طرح عائد کیا جاتا ہے جس طرح قائلین کی جانب سے، جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ ٹیکس میں خدا خوفی اور فکرِ آخرت کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں۔

۸:......ٹیکس اس تفتیش میں مبتلا نہیں ہوتا، اس لئے بھاری قسم کے ٹیکس صرف آلات استعمال پر لگائے جاتے ہیں۔

۹:......ٹیکس اس شرط سے آزاد ہے، بہت سے ٹیکس ایک ہی چیز پر سال میں کئی کئی دفعہ بھی وصول کئے جاسکتے ہیں۔

۱۰:......ٹیکس کو اس امر کی کوئی پرواہ نہیں کہ یہ مال اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد بھی ہے یا نہیں؟ اور اس شخص کے ذمہ کچھ قرض تو نہیں، وہ اس تمام بحث میں پڑے بغیر کل آمدنی (منافع) پر نافذ ہوجائے گا۔

۱۱:......ٹیکس اپنے دائرۂ اختیار کی حد بندی کا قائل نہیں، وہ صرف اموال پر نہیں بلکہ ذوات پر بھی عائد ہوسکتا ہے اور شادی ٹیکس، چولہا ٹیکس، پیدائش ٹیکس، تک پھیل جاتا ہے، اور اگر کسی شہر میں داخلے کا اتفاق ہوجائے یا کسی دریا کے مصنوعی پل کو عبور کرنے کی نوبت آجائے تو ’’آدمی ٹیکس‘‘ سے ’’مرغی ٹیکس‘‘ تک اس کی حدود وسیع ہوجاتی ہیں، الغرض وہ اپنی طویل وعریض فہرست میں ہمہ وقت مزید در مزید اضافہ کا خواستگار رہتا ہے۔

۱۲:......ٹیکس اس پابندی کا بھی قائل نہیں، وہ نصاب کی تعیین میں خدا کا محتاج نہیں بلکہ جتنی مالیت پر اس کا جی چاہے وہ نافذ ہوسکتا ہے، آپ اپنے عزیز کے لئے ایک سیر گھی شہر میں لے جائیں، تو اس پر بھی

ٹیکس حق طلبی کا دعویٰ کرسکتا ہے۔

۱۳:......ٹیکس اس قید سے بھی آزاد ہے، وہ ہر سال چھ مہینے بعد نئے اضافوں کی شکل میں اضعافاً مضاعفہ بڑھتا رہتا ہے۔

۱۴:......ٹیکس اربابِ اقتدار کے دائرۂ اختیار کی چیز ہے، اس لئے وہ اسے کُلًّا یا بعضاً ساقط کردینے میں بااختیار ہیں کیونکہ وہ کسی مرحلہ میں بھی وحی الٰہی کا پابند نہیں (اور ماتحت افسران کا رشوت وغیرہ لے کر کم اندراج کرنا تو ایک عام بات ہے)۔

۱۵:......ٹیکس امیر، غریب، مستحق غیر مستحق سب کے مفاد پر خرچ کیا جاتا ہے۔

۱۶:......ٹیکس کے منافع میں ٹیکس دینے والا بھی بدستور شریک رہتا ہے بلکہ صحیح لفظوں میں ہر شخص کی طرف سے ٹیکس کی ادائیگی صرف ان اجتماعی فوائد کے حصول کے لئے ہوتی ہے، جو اس کی طرف عائد ہوتے ہیں، یا اربابِ اقتدار کی جانب سے ان کا یقین دلایا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کن چیزوں پر فرض ہے اور مسئلۂ زکوٰۃ کے بعض پہلو

ان دنوں بعض ایسی تحریریں دیکھنے میں آئی ہیں جن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ زکوٰۃ اگر انفرادی طور پر ادا کی جائے تو ادا نہیں ہوتی، اور بعض انتہا پسندوں نے یہاں تک لکھ ڈالا ہے کہ انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کرنا حکومت کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے، یہ فتنہ بڑی شدت سے اٹھایا جارہا ہے، اس مسئلہ کی صحیح وضاحت تو اکابر اہل فتویٰ ہی کرسکتے ہیں، ان ہی کا یہ منصب ہے، تاہم علمائے کرام کی توجہ کے لئے مسئلہ زکوٰۃ پر چند سطور پیش خدمت ہیں۔

اسلامی شریعت نے مسلمانوں کے جن اموال پر زکوٰۃ فرض کی ہے، اصولی طور پر ان کی چار قسمیں ہیں:

۱:... مویشی: یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری۔

۲:... زرعی پیداوار: غلہ، پھل، سبزی ترکاری۔

۳:... اموالِ تجارت۔

۴:... نقدی، یعنی سونا، چاندی خواہ کسی شکل میں ہوں، یا ان کے متبادل سکّے۔

شریعت نے یہ بات اچھی طرح واضح کردی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا ''نصاب'' کتنا ہے، جس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ کتنی مقدار میں واجب ہوگی؟ اس کے وجوب ادائیگی کی کیا شرائط ہیں؟ اور اسے کہاں خرچ کرنا صحیح ہے، کہاں نہیں؟ ان امور کی پوری تفصیل ''فقہ'' میں موجود ہے۔

فقہائے اسلام کی اصطلاح میں اول الذکر دو قسموں ... مویشی اور زرعی پیداوار ... کو ''اموالِ

ظاہرہ'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ مالک کے لئے ان کا چھپالینا عادتاً ممکن نہیں ہے، اور مؤخر الذکر دو قسمیں ... اموالِ تجارت اور نقدی... گو''اموالِ باطنہ'' کہلاتی ہیں، البتہ مالِ تجارت کو اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے تو وہ بھی اموالِ ظاہرہ کی صف میں آجاتا ہے۔

شریعت کے احکام چونکہ ظاہر پر جاری ہوتے ہیں، باطن پر نہیں، اسی اصول کے پیشِ نظر مسلمانوں کو اس کا پابند کیا گیا کہ وہ سوائم (مویشیوں) اور زرعی پیداوار کی زکوٰۃ بیت المال میں جمع کریں، اور اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ میں ان پر یہ جبر نہیں کیا گیا، بلکہ انہیں اختیار دیا گیا کہ خواہ وہ اسے خود تقسیم کریں، یا بیت المال میں جمع کرائیں۔ چنانچہ جب تک شرعی بیت المال قائم رہا، اسی قاعدے پر عمل ہوتا رہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی شخصیت چونکہ مسلمانوں کے لئے مرجعِ عقیدت تھی اس لئے وہ نہ صرف اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ بلکہ صدقاتِ نافلہ بھی ان ہی حضرات کی خدمت میں پیش کرنا اپنی سعادت اور موجبِ مقبولیت سمجھتے تھے، چنانچہ آیتِ کریمہ:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ﴾ (التوبہ:۱۰۳)

ترجمہ: ''لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس وجہ سے اور دعا دے ان کو بے شک تیری دعا ان کے لئے تسکین ہے۔''

صدقاتِ نافلہ ہی کے حق میں نازل ہوئی، جیسا کہ اس کی شانِ نزول اور علمائے تفسیر کی تصریحات سے واضح ہے۔ (اس آیت کے تحت تفسیر درمنثور، روح المعانی، تفسیر قرطبی وغیرہ ملاحظہ فرمائیے)۔

لیکن خلافتِ راشدہ کے بعد جب حکمرانوں میں نہ وہ مرجعیت کی شان باقی رہی، نہ ان کے ہاں زکوٰۃ کے جمع کرنے اور خرچ کرنے میں شریعت کے نازک احکام کی رعایت کا لحاظ رہا، فطری طور پر عوام میں یہ سوال اٹھا کہ ان کو دینا صحیح بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین رحمۃ اللہ علیہم موجود تھے، ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا، بعض حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ زکوٰۃ ان ہی کے سپرد کردی جائے اور بعض حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ چونکہ وہ شرعی مصارف پر خرچ نہیں کرتے اس لئے زکوٰۃ اپنے طور پر ادا کرنی چاہئے، وہ زمانہ پھر غنیمت تھا، پھر بعد کے زمانے میں جب شرعی بیت المال کا ڈھانچہ یکسر ٹوٹ گیا تو علمائے اُمّت نے تمام اموال کی زکوٰۃ بطورِ خود دینے کا فتویٰ دیا۔

مندرجہ بالا بحث سے جو نکات منقح ہو کر سامنے آتے ہیں، اب ہم دلائل کی روشنی میں ان کا مطالعہ کریں گے۔

۱:...... اگر ملک میں اسلامی حکومت اور شرعی بیت المال قائم ہو اور شریعت کے احکام کی پوری

رعایت رکھتے ہوئے اسلامی حکومت زکوٰۃ وصول کرتی ہو اور اس کے صحیح مصارف پر خرچ کرتی ہو تو بلاشبہ وہ ''اموالِ ظاہرہ'' کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرسکتی ہے، لیکن اموالِ باطنہ سونے چاندی اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ کے مطالبہ کا اسے شرعاً حق حاصل نہیں ہے، بلکہ یہ خود اصحابِ اموال کی صوابدید پر ہوگا، وہ چاہیں تو بطور خود تقسیم کریں، اور چاہیں تو بیت المال میں جمع کرادیں۔ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اسی پر عمل ہوا اور تمام اُمّت اس پر متفق ہے۔

چنانچہ امام ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۲۲۴ھ) ایک بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''وقد فرقت السنة بينهما، الا ترىٰ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد كان يبعث مصدقيه الى الماشية فياخذونها من اربابها بالكره منهم والرضا، وكذالك كانت الائمة بعده وعلىٰ منع صدقة الماشية قاتلهم ابوبكر، ولم يأت عن النبى صلى الله عليه وسلم، ولا عن احد بعده انهم استكرهوا الناس علىٰ صدقة الصامت الا ان يأتوا بها غير مكرهين، انما هى اماناتهم يؤدونها، فعليهم اداء العين والدين، لانها ملك ايمانهم، وهو مؤتمنون عليها۔ واما الماشية فانها حكم يحكم بها عليهم، وانما تقع الاحكام فيما بين الناس على الاموال الظاهرة وهى فيما بينهم وبين الله على الظاهرة والباطنة جميعا، فاى الحكمين اشد تباينا مما بين هذين الامرين؟

ومما يفرق بينهما ايضًا: ان رجلا لو مر بماله الصامت علىٰ عاشر، فقال: ليس هو لى، او: قد اديت زكوٰته، كان مصدقا علىٰ ذالك ولو ان رب الماشية قال للمصدق: قد اديت صدقة ماشيتى، كان له ان لا يقبل قوله وان يأخذ منه الصدقة، الا ان يعلم انه قد كان قبله مصدق، فى اشباه لهٰذا كثيرة۔''

(كتاب الاموال ص: ۴۳۹)

ترجمہ: ''اور سنّت نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے، آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے عاملین زکوٰۃ کو مویشیوں کے پاس تو بھیجتے تھے جو ان کے مالکوں سے خوشی ناخوشی زکوٰۃ وصول کرتے تھے، یہی دستور آپ ﷺ کے بعد کے خلفاء کا رہا، اور مویشیوں کی زکوٰۃ روکنے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین سے جنگ کی، لیکن آنحضرت ﷺ یا آپ ﷺ کے بعد کسی امام سے منقول نہیں کہ انہوں نے سونے چاندی کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے کسی کو مجبور کیا ہو، ہاں لوگ اپنی خوشی سے لے

آتے تو قبول کرلی جاتی۔ یہ تو ان کی امانتیں تھیں جن کو وہ خود ادا کرتے تھے، چنانچہ نقد اور قرض دونوں کی زکوٰۃ کا ادا کرنا ان ہی کے ذمہ تھا، کیونکہ وہ ان ہی کی ملکیت تھی اور وہی اس کے امین تھے،لیکن جہاں تک مویشیوں کا معاملہ ہے وہ تو ایک فیصلہ ہے جو ان پر نافذ کیا جائے گا، اصول یہ ہے کہ لوگوں پر احکام کا اطلاق صرف ''اموالِ ظاہرہ'' پر ہوتا ہے اور ''اموالِ باطنہ'' کے بارے میں لوگوں کا معاملہ ظاہراً و باطناً اللہ کے سپرد ہے (وہ جانیں اور ان کا خدا، حکومت کو ان سے کوئی واسطہ نہیں) اب بتلایئے کہ اموالِ ظاہرہ و باطنہ میں جو فرق ہے اس سے بڑھ کر فرق اور کون سی دو چیزوں میں ہوسکتا ہے؟ ان دونوں قسموں میں ایک اور فرق یہ بھی ہے، اگر کوئی شخص بے جان دولت (اموالِ باطنہ) لے کر عاشر کے پاس سے گزرے اور وہ یہ کہے کہ یہ میرا نہیں، یا یہ کہ میں اس کی زکوٰۃ ادا کرچکا ہوں تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر مویشیوں کا مالک صدقہ وصول کرنے والے سے کہے کہ میں اپنے مویشیوں کی زکوٰۃ از خود ادا کرچکا ہوں تو محصل کو حق حاصل ہے کہ اس کی بات قبول نہ کرے اور اس سے صدقہ وصول کرے، الا یہ کہ اسے معلوم ہو کہ اس سے پہلے کوئی اور محصل یہاں تھا، اس قسم کے بہت سے فرق ان دونوں قسموں میں موجود ہیں۔''

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''قال ابو عبید: فکل ھٰذہ الآثار التی ذکرناھا: من دفع الصدقة الی ولاة الامر، ومن تفریقھا ھو معمول به وذالک فی زکوٰة الذھب والورق خاصة ای الامرین فعله صاحبه کان مؤدیا للفرض الذی علیه، وھٰذا عندنا ھو قول اھل السنة والعلم من اھل الحجاز والعراق وغیرھم فی الصامت، لان المسلمین مؤتمنون علیه کما ائتمنوا علی الصلاة۔

واما المواشی والحب والثمار فلا یلیھا الا الائمة ولیس لربھا ان یغیبھا عنھم وان ھو فرقھا ووضعھا مواضعھا فلیست قاضیة عنه، وعلیه اعادتھا الیھم، فرقت بین ذالک السنة والآثار۔ الا تریٰ ان ابابکر الصدیق (رضی اللہ عنه) انما قاتل اھل الردّة فی المھاجرین والانصار علیٰ منع صدقة المواشی، ولم یفعل ذالک فی الذھب والفضة۔'' (کتاب الاموال ص:۵۷۳)

ترجمہ: ''ہماری ذکر کردہ ان تمام روایات کے بموجب زکوٰۃ حکام کو دینا یا اسے بطور

خود تقسیم کر دینا دونوں پر عمل رہا ہے، لیکن یہ حکم سونے چاندی... اموال باطنہ ... کے ساتھ مخصوص ہے، ان کا مالک مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا کر دے وہ اپنے ذمہ عائدشدہ فرض سے عہدہ برآ ہوگا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اہل حجاز وعراق وغیرہ تمام محدثین وفقہا سیم وزر... اموالِ باطنہ ...کے بارے میں اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ اس بارے میں مسلمانوں کو اسی طرح امین تصور کیا جائے گا جس طرح کہ انہیں نماز کے بارے میں امین سمجھا جاتا ہے۔

باقی رہا مویشیوں، غلوں اور پھلوں... اموالِ ظاہرہ... کا معاملہ! سو اس کی زکوٰۃ حکام ہی وصول کریں گے، ان اموال کے مالکوں کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ ان کی زکوٰۃ حکام سے چھپا رکھیں، اور اگر مالک ان کی زکوٰۃ بطور خود ادا کریں گے تو عہدہ برآ نہیں ہوں گے بلکہ حکام کے مطالبہ پر انہیں دوبارہ دینا ہوگی۔

ان دونوں قسموں... اموالِ ظاہرہ واموالِ باطنہ ...کے درمیان یہ فرق سنّتِ (نبوی) اور آثارِ صحابہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں مویشیوں کی زکوٰۃ روکنے پر تو مانعین سے جنگ کی، لیکن سونے چاندی کے معاملہ میں ایسا نہیں کیا۔''

ایک اور جگہ امام ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ وہ احادیث جن میں عاشر (ٹیکس لینے والے) کی مذمت وارد ہوئی، ذکر کرتے ہوئے اس کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد جاہلیت کے وہ تجارتی ٹیکس ہیں جو عرب وعجم کے بادشاہ، تاجروں سے وصول کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے ذریعہ اس کو باطل قرار دیا اور ڈھائی فیصد زکوٰۃ فرض ہوئی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مسلمانوں پر ٹیکس نہیں، ٹیکس تو یہود ونصاریٰ پر ہوگا۔''

اب جو حاکم لوگوں سے زکوٰۃ فرض لیتا ہے وہ عاشر کا مصداق نہیں ہوگا، لیکن جب وہ اصل زکوٰۃ سے زائد کا مطالبہ کرے تو اس نے لوگوں کا مال ناحق وصول کیا اس لئے وہ عاشر کی وعید میں داخل ہوگا۔

اسی طرح اگر مسلمان اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ اپنی خوشی سے محصل کو لا کر دیں، اور وہ قبول کرلے تو وہ ان احادیث کی وعید میں داخل نہیں ہوگا، لیکن جب حاکم اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ لوگوں سے زبردستی وصول کرلے تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ عاشر کی وعید میں داخل ہوگا۔ خواہ چالیسویں حصہ سے زیادہ وصول نہ بھی کرے، کیونکہ سونے چاندی... اموالِ باطنہ ...کے بارے میں خصوصی سنّت یہی رہی ہے کہ اس میں لوگوں کو ان کی امانت ودیانت پر چھوڑ دیا جائے (کہ وہ فی ما بینھم وبین اللہ بطور خود ادا کریں)۔

چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عامل کو لکھا تھا:

''جو شخص تمہارے پاس نہیں لاتا، اللہ تعالیٰ اس سے خود حساب کرنے والا ہے۔''

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''ہم جس سے بھی (اموالِ باطنہ کی) زکوٰۃ لیتے ہیں اس کی صورت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی خوشی سے ہمیں لاکر دے دیتا ہے۔'' (کتاب الاموال ص:۵۳۱)

امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اموالِ ظاہرہ و اموالِ باطنہ پر طویل کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہی ہے جو امام ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں مویشی اور زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے لئے تو عامل مقرر کئے جاتے تھے، لیکن یہ کہیں ثابت نہیں کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ پر عامل مقرر کئے گئے ہوں۔ علاوہ ازیں خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صاف اعلان کردیا تھا کہ لوگ ان اموال کی زکوٰۃ بطور خود ادا کریں، یہ چونکہ ایک خلیفۂ راشد کا فیصلہ ہے اس لئے بحکمِ نبوی پوری اُمّت پر نافذ العمل ہوگا (احکام القرآن ج:۱ ص:۱۵۵)۔

امام ابوالحسن الماوردی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۴۵۰ھ) فرماتے ہیں:

''والاموال المزکوٰۃ ضربان، ظاھرۃ وباطنۃ۔ فالظاھرۃ ما لا یمکن اخفائہ کالزروع والثمار والمواشی۔ والباطنۃ ما امکن اخفائہ من الذھب والفضۃ وعروض التجارۃ۔ ولیس لوالی الصدقات نظر فی زکوٰۃ المال الباطن، وارباہ احق باخراج زکوٰتہ منہ الا یبذلھا ارباب الاموال طوعا فیقبلھا منھم، ویکون فی تفریقھا عونا لھم ونظرہ مختص بزکوٰۃ الاموال الظاھرۃ، یؤمر ارباب الاموال بدفعھا الیہ۔'' (الاحکام السلطانیہ ص:۱۰۹)

ترجمہ: ''جن اموال پر زکوٰۃ فرض ہے ان کی دو قسمیں ہیں: ظاہرہ، باطنہ۔ ظاہرہ سے مراد وہ اموال ہیں جن کا اخفاء ممکن نہیں جیسے: غلہ، پھل اور مویشی۔ اور باطنہ سے مراد وہ اموال ہیں جن کا اخفاء ممکن ہے، یعنی سونا، چاندی، مالِ تجارت۔ ''اموالِ باطنہ'' کی زکوٰۃ سے متولی صدقات کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ مالک ان کی زکوٰۃ بطورِ خود ادا کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں، البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے اسے لاکر دیں تو قبول کرے گا، اور اس کی تقسیم میں ان کی مدد کرے گا، اس کے اختیارات کا دائرہ صرف ''اموالِ ظاہرہ'' تک محدود ہے، ان اموال کے مالکوں کو حکم ہوگا کہ ان کی زکوٰۃ محصل کے سپرد کریں۔''

شیخ الاسلام محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مہذب میں لکھتے ہیں:

"قال الشافعی والاصحاب رحمهم الله تعالیٰ: للمالک ان یفرق زکوٰة ماله الباطن بنفسهٖ وهٰذا لا خلاف علیه، ونقل اصحابنا فیه اجماع المسلمین۔ والاموال الباطنة هی الذهب والفضة والرکاز وعروض التجارة وزکوٰة الفطر۔ فی زکوٰة الفطر وجه انها من الاموال الظاهرة۔"

(المجموع شرح المہذب ج:۶ ص:۱۶۴)

اکابر اُمّت کی ان عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام کی عادلانہ حکومت صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ میں تصرف کا حق رکھتی ہے، اسی کا مطالبہ کرسکتی ہے، اور لوگوں کو اس کا پابند کرسکتی ہے کہ وہ یہ زکوٰۃ شرعی بیت المال میں جمع کرائیں۔ اس کے برعکس "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ مالک خود تقسیم کریں گے، حاکم اس پر جبر نہیں کرسکتا، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو امام عبید رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق وہ امام عادل نہیں کہلائے گا بلکہ وہ "عاشر" کا مصداق ہوگا جس کی مذمت احادیث میں آتی ہے، اور جسے جہنّم کی وعید سنائی گئی ہے۔

سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سنّت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور اجماعِ ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہ کا یہی فیصلہ ہے۔

۲:...... اگر کسی ملک میں حدودِ شرعیہ نافذ اور قانونِ اسلام جاری ہو لیکن اسلامی احکام کی رعایت نہ رکھی جاتی ہو، نہ شرعی قاعدے سے بیت المال کے الگ الگ شعبے، الگ الگ مدوں کے لئے رکھے جاتے ہوں، بلکہ سارا مال ایک ہی جگہ ڈھیر کردیا جاتا ہو تو ان حالات میں زکوٰۃ، حکام کے سپرد کی جائے یا نہیں؟ اس میں صحابہ و تابعین، ائمہ دین اور علمائے اسلام کا اختلاف ہے، بعض حضرات کا فتویٰ یہ ہے کہ زکوٰۃ حکام کے سپرد کی جائے، کیونکہ انہیں زکوٰۃ نہ دینے میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے، نیز شرعی حکم کے مطابق زکوٰۃ ان کے حوالہ کردینے کے بعد ہم بری الذمہ ہیں، ان کے نیک و بد ہونے اور صحیح یا غلط مصرف پر خرچ کرنے نہ کرنے کی ذمہ داری تمام تر ان ہی پر ہوگی۔ اور بعض حضرات اس کے برعکس یہ رائے رکھتے ہیں کہ جب ہم کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں کہ ہماری جمع کردہ زکوٰۃ اپنے موقع پر خرچ نہیں ہوئی تو آخر کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ اندریں صورت زکوٰۃ حکام کو دینا صحیح ہوگا؟

پہلی رائے حضرت عائشہ، سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا: ہم زکوٰۃ کسے دیا کریں؟ فرمایا: "ان ہی حکام کو۔" عرض کیا گیا وہ تو گھر کی خوشبو اور کپڑوں پر خرچ کر ڈالیں گے! فرمایا: "خواہ ایسا کریں!" (کتاب الاموال ص:۵۷۰)۔

ایک موقع پر یہ فرمایا: "جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ ان ہی کو دو۔" ایک بار ان سے پوچھا گیا کہ: کیا ہم اپنے حکام کو زکوٰۃ دے دیا کریں؟ فرمایا: "ہاں!" عرض کیا گیا: وہ تو کافر ہیں! (زیاد کافروں کو

بھی اس کام میں لگا دیا کرتا تھا) فرمایا: ''کافروں کو تو صدقات مت دو!'' (کتاب الاموال ص:۵۶۹)۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تو ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جب تک وہ نماز پنج گانہ کی پابندی کرتے رہیں زکوٰۃ ان کو دی جائے۔''

(رواہ الطبرانی الاوسط وفیہ ہانی بن المتوکل وھو ضعیف۔ مجمع الزوائد ج:۳ ص:۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا: ''بیت المال سے وظیفہ لیتا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں کچھ نہ دیتا، اس لئے تم مت دیا کرو'' (کتاب الاموال ص:۵۷۰)۔

ایک بار ایک صاحب سے جو اپنی زکوٰۃ حاکم کے پاس لے جا رہا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کہاں جاتے ہو؟'' اس نے کہا: حاکم کو زکوٰۃ دینے جا رہا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا وظیفے کے رجسٹر میں تیرا نام لکھا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں! فرمایا: ''پھر ان کو کچھ نہ دو!''

معلوم ہوتا ہے کہ امراء کے فسق و فجور اور ان کی بے احتیاطی میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا گیا ان کو زکوٰۃ دینے میں اشکال بڑھتا گیا، جعفر بن برقان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: سنا ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ فرمایا کرتے تھے: ''زکوٰۃ حکام کو دیا کرو خواہ وہ اس سے شراب نوشی ہی کریں۔'' میمون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تم فلاں نصیبی کو جانتے ہو جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کا دوست تھا؟ اس نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: ''زکوٰۃ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ یہ لوگ (حکام) تو اسے صحیح جگہوں پر خرچ نہیں کرتے۔'' فرمایا: ''زکوٰۃ ان ہی کو دو!'' میں نے کہا یہ تو فرمایئے اگر یہ لوگ نماز کو اس کے صحیح اوقات سے تاخیر کر کے پڑھیں کیا آپ ان ہی کے ساتھ نماز پڑھیں گے؟'' فرمایا: ''نہیں!'' تب میں نے کہا: ''کیا زکوٰۃ کی حیثیت بھی وہی نہیں جو نماز کی ہے؟'' اس پر فرمایا: ''انہوں نے ہمارے معاملات کو مشکوک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی حیران و پریشان رکھے۔'' حبان بن ابی جبلہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا کہ زکوٰۃ سلطان ہی کو دی جائے، وہ فرمایا کرتے تھے: ''زکوٰۃ کو اس کی جگہ خود خرچ کیا کرو'' (کتاب الاموال ص:۵۷۲)۔

حسن بصری، سعید بن جبیر، میمون بن مہران، عطا بن ابی رباح، شعبی، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی (رحمۃ اللہ علیہم) بھی یہی فتویٰ دیا کرتے تھے (المغنی لابن قدامہ ج:۲ ص:۶۴۳)۔

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ جو حضرات پہلے حکام کو زکوٰۃ دینے کے قائل تھے، امراء کی بے احتیاطی نے انہیں بھی یہ فتویٰ دینے پر مجبور کر دیا کہ مسلمانوں کو زکوٰۃ بطورِ خود تقسیم کرنی چاہئے تا کہ یہ اطمینان ہو سکے کہ وہ زکوٰۃ اپنے صحیح مصرف پر خرچ ہوئی ہے۔

۳:......جس ملک میں اسلامی قانون نافذ نہ ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام نہ کیا جاتا ہو، حدودِ الٰہیہ کا اجراء نہ ہوتا ہو اور شرعی بیت المال کا ڈھانچہ ہی سرے سے موجود نہ ہو، بلکہ ملک کا سارا نظم و نسق غیر اسلامی اور لا دینی بنیادوں پر چل رہا ہو، محکمہ تحصیل میں غیر مسلم اور مرتدین کو بھرتی کیا جارہا ہو، وہاں مسلمانوں کو اپنی زکوٰۃ خود ادا کرنی ہوگی، اور حکومت کے محاصل کو ''زکوٰۃ'' کی مد میں شمار کرنا کسی طرح صحیح نہ ہوگا، جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں، نہ اختلاف کی گنجائش ہے۔

اوپر تفصیل سے جو نتائج سامنے آتے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

الف:......یہ کہنا غلط ہے کہ جو مسلمان اپنی زکوٰۃ بطورِ خود صحیح جگہ صرف کردے وہ ادا نہیں ہوتی۔

ب:......اموالِ باطنہ، سونا، چاندی، نقدی، مالِ تجارت کی زکوٰۃ میں اسلامی حکومت جبر نہیں کرسکتی، بلکہ مالک اس کی زکوٰۃ بطور خود ادا کریں گے، اور اگر وہ جبر کرے تو وہ اسلام کی ''عادلانہ حکومت'' نہیں کہلائے گی۔

ج:......اگر اسلامی حکومت شرعی بیت المال قائم کرے تو وہ زمین کی پیداوار سے ''عشر'' وصول کرے گی اور مالِ تجارت سے... جبکہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہو... زکوٰۃ وصول کرے گی، لیکن اسے موجودہ تجارتی ٹیکس اور زمین کے مالیہ کے نظام کو منسوخ کرنا ہوگا۔

د:......حکومت جو زکوٰۃ وصول کرے گی اگر وہ شرعی قواعد کے مطابق لی جائے اور شرعی مصرف پر ٹھیک ٹھیک خرچ کی جائے تو زکوٰۃ بلاشبہ ادا ہوجائے گی، اور اگر اس سلسلہ میں حکام بے احتیاطی سے کام لیں، شرعی مسائل کا لحاظ نہ رکھیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی مشتبہ ہوگی، اور بعض صورتوں میں مالکوں کو اپنے طور پر دوبارہ ادا کرنا ہوگی۔

ہ:......اگر ملک میں زکوٰۃ کا صحیح نظام قائم ہوجائے اور حکومت ''اموالِ ظاہرہ'' کی زکوٰۃ شرعی قاعدہ سے لیتی اور ٹھیک مصرف پر خرچ کرتی ہو تو اربابِ اموال کے لئے کسی طرح یہ جائز نہیں ہوگا کہ اس میں اخفاء سے یا خیانت سے کام لیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ عنداللہ سخت ترین مجرم ہوں گے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا وبال نیز سونا چاندی اور جانوروں پر زکوٰۃ کا نصاب

[حدیث:۲۸۰] ''عن جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ لَا يَفْعَلُ فِيهَا حَقَّهَا إِلَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرَ مَا كَانَتْ قَطُّ وَقَعَدَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ تَسْتَنُّ عَلَيْهِ بِقَوَائِمِهَا وَأَخْفَافِهَا وَلَا صَاحِبِ بَقَرٍ لَا يَفْعَلُ فِيهَا حَقَّهَا إِلَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرَ مَا كَانَتْ وَقَعَدَ

لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ تَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا وَتَطَؤُهُ بِقَوَائِمِهَا وَلَا صَاحِبِ غَنَمٍ لَا يَفْعَلُ فِيهَا حَقَّهَا إِلَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرَ مَا كَانَتْ وَقَعَدَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ تَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا وَتَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا لَيْسَ فِيهَا جَمَّاءُ وَلَا مُنْكَسِرٌ قَرْنُهَا وَلَا صَاحِبِ كَنْزٍ لَا يَفْعَلُ فِيهِ حَقَّهُ إِلَّا جَاءَ كَنْزُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ يَتْبَعُهُ فَاتِحًا فَاهُ فَإِذَا أَتَاهُ فَرَّ مِنْهُ فَيُنَادِيهِ خُذْ كَنْزَكَ الَّذِي خَبَأْتَهُ فَأَنَا عَنْهُ غَنِيٌّ فَإِذَا رَأَى أَنْ لَا بُدَّ مِنْهُ سَلَكَ يَدَهُ فِي فِيهِ فَيَقْضَمُهَا قَضْمَ الْفَحْلِ“

(رواہ مسلم: کتاب الزکوۃ، باب اثم مانع الزکاۃ، حدیث: ۱۶۴۹)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں ہے کوئی اونٹوں والا جوان اونٹوں کے معاملے میں ان کا حق ادا نہیں کرتا تھا مگر آئیں گے وہ اونٹ قیامت کے دن زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہوں گے، وہ ان کے سامنے بیٹھے گا چٹیل میدان میں وہ دوڑیں گے اور اس کو اپنے کھروں کے ساتھ روندیں گے اور کوئی گائے بھینس والا نہیں ہوگا جو اس میں حق ادا نہیں کرتا تھا مگر آئے گا قیامت کے دن وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہوں گے اور وہ ان کے سامنے بیٹھے گا چٹیل میدان میں وہ ان کو سینگ ماریں گے اور ان کو روندیں گے اپنی ٹانگوں کے ساتھ اور کوئی بکریوں والا جو بکریوں کا حق ادا نہیں کرتا تھا مگر آئیں گے وہ قیامت کے دن زیادہ سے زیادہ تعداد میں اور یہ شخص ان کے سامنے بیٹھے گا چٹیل میدان میں۔ وہ اس کو سینگوں کے ساتھ ماریں گے اور اپنے پاؤں کے ساتھ روندیں گے، ان میں کوئی جانور بے سینگ نہیں ہوگا، ایسا جس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو اور نہ کوئی صاحب خزانہ جو اس خزانے میں اس کا حق ادا نہیں کرتا تھا مگر آئے گا اس کا خزانہ قیامت کے دن گنجے سانپ کی شکل میں وہ اس کے پیچھے بھاگے گا اپنا منہ کھولے ہوئے جب اس کے پاس آئے گا تو وہ اس سے بھاگے گا وہ اس کو پکارے گا کہ اپنی جزا لے لو جو تو نے چھپایا تھا میں اس سے غنی ہوں پس جب وہ دیکھے گا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں وہ اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈال دے گا وہ اس کو ایسے چبائے گا جیسے اونٹ چباتا ہے۔“

[حدیث: ۲۸۱] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحَ مِنْ نَّارٍ فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِيْنُهُ وَظَهْرُهُ كُلَّمَا بَرَدَتْ

أُعِیۡدَتۡ لَهٗ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِیۡنَ أَلۡفَ سَنَةٍ حَتّٰی یُقۡضٰی بَیۡنَ الۡعِبَادِ فَیُرٰی سَبِیۡلَهٗ إِمَّا إِلَی الۡجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَی النَّارِ۔"

(رواہ مسلم: کتاب الزکوۃ، باب اثم مانع الزکاۃ، حدیث: ۱۶۴۷)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نہیں ہوگا کوئی شخص چاندی والا نہ سونے والا جس میں اس کا حق ادا نہیں کرتا تھا مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے لیے سونے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی، ان کو جہنّم میں تپایا جائے گا پس اس کے پہلو کو اس کی پیشانی کو اور اس کی پشت کو داغ دیا جائے گا، جب وہ ختم ہوجائیں گے دوبارہ ان کو لوٹایا جائے گا، یہ اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ یہاں تک کہ فیصلہ ہوجائے گا بندوں کے درمیان پس یہ شخص اپنا راستہ دیکھے گا یا جنّت کی طرف یا جہنّم کی طرف۔"

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں زکوٰۃ نہ دینے والے کی سزا بیان فرمائی ہے۔ عرب کے یہاں اونٹ ہوتے تھے اور جنگلوں میں چرتے تھے، تو ان اونٹوں پر زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ پانچ اونٹ پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ایک بکری، دس پر دو بکریاں، پندرہ پر تین بکریاں اور آگے سلسلہ چلتا رہتا ہے، گائے اور بھینس اگر چرنے والی ہوں جیسے کہ جمرات میں مال چرنے والے ہوتے ہیں تو تین کی تعداد میں ہوں تو ان پر ایک سال کا بچہ واجب ہے انہی میں سے، اگر چالیس ہوں تو دو سال کا، پھر چالیس سے لے کر ساٹھ تک کچھ نہیں، ساٹھ ہوں تو ایک سال کے دو بچے، اور بکریوں کا نصاب یہ ہے کہ بکریاں چرنے والی ہوں اور چالیس کی تعداد میں ہوں تو ایک بکری واجب ہوتی ہے، ایک سو بیس تک، آگے لمبا حساب چلتا ہے۔

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ معلوم ہے عام لوگوں کو کہ اگر صرف سونا ہو کسی کے پاس چاندنی نہ ہو اور کچھ نہ ہو تو ساڑھے سات تولے کا نصاب ہے اگر اتنا نصاب موجود ہے تو اس سونے کا چالیسواں حصہ واجب ہے اور اگر صرف چاندی ہو سونا نہ ہو تو ساڑھے باون تولے پر چالیسواں حصہ واجب ہے، اگر سونا چاندی ملے جلے ہوں تو حساب لگا کے دیکھا جائے گا کہ سونے کا یا چاندی کا نصاب بنتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

پہلی حدیث شریف میں فرمایا کہ اگر کسی کے پاس اونٹ تھے اور وہ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا قیامت کے دن اس کو چٹیل میدان میں بٹھایا جائے گا اور وہ اونٹ زیادہ سے زیادہ تعداد میں جو تھے وہ آئیں گے اس کو کھروں سے روندتے ہوں گے، اس کو لٹا دیا جائے گا اور اس کے اوپر آئیں گے، جب ایک ختم ہوجائے گا تو دوسرا دوبارہ آئے گا، پچاس ہزار سال کے دن یہی ہوتا رہے گا۔

اسی طرح اگر کسی کے پاس بھینسیں تھیں اور وہ ان کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا تھا تو وہ ان کو روندیں گی اور

ماریں گی، بکریاں تھیں اور وہ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا تو وہ ان کو روندیں گی اور سینگ ماریں گی، فرمایا کہ: کسی کا سینگ ٹوٹا ہوا نہیں ہوگا، کوئی بے سینگ نہیں ہوگی، اور کسی کے پاس سونا چاندی تھا اور وہ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا تو اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا۔ یہ آدمی اس کو دیکھ کر بھاگے گا، سانپ جب بہت زہریلا ہوتا ہے تو گنجا ہو جاتا ہے لیکن وہ بھاگنے نہیں دے گا۔ وہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں، اپنا خزانہ وصول کر اور وہ اس طرح اپنا منہ کھولے ہوئے ہوگا، جب وہ شخص دیکھے گا کہ یہ تو جان نہیں چھوڑتا تو اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈال دے گا اور وہ اس کو اس طرح چبائے گا جس طرح اونٹ چبا دیتا ہے، پچاس ہزار سال تک اس کے ساتھ یہی ہوگا۔

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ جس کے پاس سونا چاندی تھا اور وہ اس پر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا تو اس سونے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی اور جہنّم کی آگ میں تاپا جائے گا اور ان تپتی ہوئی تختیوں کو اس کے پہلو پر، اس کی پیشانی پر اور اس کی پیٹھ پر لگایا جائے گا، پچاس ہزار سال کے دن میں یہی ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ بندوں کا فیصلہ ہو جائے پھر یہ جہنّم کا راستہ لیں گے یا جنّت کا راستہ لیں گے۔

لوگ اپنی عیاشیوں پر، شادیوں پر، تقریبات پر بہت سا پیسہ ضائع کرتے ہیں، کمزور سے کمزور آدمی بھی کچھ نہ کچھ خرچ کرتا ہے لیکن زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے جان نکلتی ہے، لوگ نماز روزہ تو ادا کرتے ہیں لیکن زکوٰۃ صحیح طور پر نہیں دیتے جس طرح نماز فرض ہے اسی طرح زکوۃ بھی فرض ہے اور قیامت کے دن اس کا معاملہ بڑا نازک ہوگا ﴿يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ قرآن کریم میں ہے کہ ان کے خزانے کو جہنّم کی آگ میں تاپا جائے گا، ﴿فَيُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ﴾ پھر داغ دیئے جائیں گے ان کی پیشانیوں کو، ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو ﴿هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ﴾ یہ وہ مال ہے جس کو تم اپنی ذات کے لیے جمع کیا کرتے تھے۔ ﴿فَذُوْقُوْا مَا تَكْنِزُوْنَ﴾ جو تم نے جمع کیا تھا اس کا مزہ چکھ لو، حق تعالیٰ شانہ حفاظت فرمائیں اور ہمیں اس آفت سے بچائیں۔

اصل میں مال تو جمع کرنے کی چیز نہیں، مال خرچ کر دینا چاہئے، لیکن اگر کسی نے پیسے رکھے ہوئے ہوں تو زکوٰۃ تو کم از کم ادا کرتا رہے، دوسرے حقوق تو ادا کرتا رہے، سونا چاندی ہے، مال تجارت ہے یا روپیہ پیسہ ہے، اس پر زکواۃ واجب ہوتی ہے سال گزرنے کے بعد، چالیس روپے میں سے ایک روپیہ۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کسی نے کہ حضرت زکوٰۃ کتنی ہے؟ فرمایا کہ: علماء حضرات فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس دوسو درہم کی نقدی ہو تو سال گزرنے کے بعد اس پر پانچ درہم واجب ہوں گے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس پر چالیس میں سے اکتالیس درہم واجب ہوں گے، کہا کہ حضرت اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ: دوسو درہم پر تو پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے اور یہ جو اس نے سال بھر رکھا بغیر ضرورت کے اس کا جرمانہ ادا کرے۔ یہ

تو اللہ والوں کی باتیں ہیں آپ کو اجازت ہے کہ آپ سونا چاندی جمع کر لیں لیکن یہ لازم ہے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کیا کریں۔

شادی بیاہ میں زیور پہنایا جاتا ہے، اکثر لڑکیاں مجھ سے پوچھتی ہیں کہ میرے پاس تو پیسے نہیں ہوتے، شوہر کے پاس ہوتے ہیں اور شوہر کے پاس اتنی گنجائش نہیں ہے کہ زکوٰۃ دا کر سکے تو زکوٰۃ کا کیا کریں؟ میں لکھ دیتا ہوں کہ جتنا سونا ہے اس کو تول کر اس میں سے چالیسواں حصہ ادا کریں، دس تولے سونا ہے تو ایک تولے کا چوتھا حصہ سال کے بعد واجب ہے۔ بعض ایسے لوگ ہیں جنہوں نے بیس سال زکوٰۃ ادا نہیں کی اور اس کے بعد انہوں نے مجھ سے مسئلہ پوچھا میں نے بیس سال کا حساب نکال کر ان کو دیا کہ اتنا سونا تم پر واجب ہو گیا۔

بہر حال مرنے کے بعد جو وقت آنے والا ہے اس سے ضرور ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عذاب اور مصیبت سے محفوظ فرمائیں۔

صدقے کی فضیلت کا بیان

[حدیث: ۲۸۲] ”عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ أَنْ یَّسْتَتِرَ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْیَفْعَلْ۔“

(رواہ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، حدیث ۸۳)

ترجمہ: ”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص تم میں سے دوزخ سے بچنا چاہے، خواہ کھجور کی ایک پھانک دے کر ہی کیوں نہ ہو تو اس کو ایسا کرنا چاہئے۔“

تشریح: اس حدیث میں صدقے کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ صدقہ آدمی کے درمیان اور دوزخ کے درمیان آڑ ہے، تو اگر تم سے دوزخ سے بچا جا سکتا ہے، چھپا جا سکتا ہے خواہ کھجور کی ایک پھانک دے کر بچو تو تمہیں ایسا کرنا چاہئے، کھجور کی ایک پھانک یعنی کھجور کو درمیان میں سے آدھا آدھا کر لیں تو ایک ٹکڑا اس کا ایک پھانک ہے، بتانا یہ ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ صدقے کو بھی حقیر نہ سمجھو، اور معمولی نہ سمجھو بلکہ دوزخ سے بچنے کے لئے صدقے کا اہتمام کرو، اور یہ نہ سمجھو کہ یہ اتنا سا کیا کام دے گا؟ تمہیں معلوم نہیں کہ ایک فاحشہ کو ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بخش دیا گیا تھا، اور ایک عابدہ زاہدہ، نمازن پارسن، اس نے ایک بلی باندھ لی تھی، نہ اس کو کھلاتی تھی نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ خود کھا پی لے، اس پر اس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا، اس لئے کہ بلی مر گئی تھی۔

اور صدقہ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے خیر کے کاموں میں مال خرچ کرنا، صدقہ کی قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ میں بڑی فضیلت اور ترغیب آئی ہے، مصائب اور تکالیف کے رفع کرنے

میں صدقہ بہت مؤثر چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو مال بھی خرچ کیا جائے وہ صدقہ ہے، وہ کسی محتاج کو نقد روپیہ پیسے دے یا کھانا کھلادے یا کپڑے دے دے یا کوئی اور چیز دے دے۔ کالا بکرا یا کالی مرغی کی کوئی خصوصیت نہیں، نہ صدقے کے لئے بکرا یا مرغی ذبح کرنا کوئی شرط ہے، بلکہ اگر ان کی نقد قیمت کسی محتاج کو دے دے تو اس کا بھی اتنا ہی ثواب ہے۔ چیلوں کو گوشت ڈالنا اور اس کو جان کا صدقہ سمجھنا بھی فضول بات ہے۔ ہاں! کوئی جانور بھوکا ہو تو اس کو کھلانا پلانا بلاشبہ موجبِ اجر ہے۔ لیکن ضرورت مند انسان کو نظر انداز کر کے چیلوں کو گوشت ڈالنا لغو حرکت ہے۔ صدقہ غریبوں، محتاجوں کو دیا جاتا ہے، سیّد کو صدقہ نہیں دینا چاہئے، بلکہ ہدیہ اور تحفہ کی نیت سے ان کی مدد کرنی چاہئے، تاہم ان کو نفلی صدقہ دینا جائز ہے، زکوٰۃ اور صدقۂ فطر نہیں دے سکتے، اسی طرح علماء وصلحاء کو بھی صدقہ کی نیت سے نہیں بلکہ ہدیہ کی نیت سے دینا چاہئے۔

صدقہ کی ایک قسم صدقۂ جاریہ ہے، جو آدمی کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے، مثلاً کسی جگہ پانی کی قلّت تھی، وہاں کنواں کھدوادیا، مسافروں کے لئے مسافر خانہ بنوادیا، کوئی مسجد بنوادی یا مسجد میں حصہ ڈال دیا، یا کوئی دینی مدرسہ بنادیا یا کسی دینی مدرسہ میں پڑھنے والوں کی خوراک پوشاک اور کتابوں وغیرہ کا انتظام کردیا، یا کسی مدرسہ کے بچوں کو قرآن مجید کے نسخے خرید کردیئے یا اہلِ علم کو ان کی ضروریات کی دینی کتابیں لے کر دے دیں، وغیرہ۔ جب تک ان چیزوں کا فیض جاری رہے گا، اس شخص کو مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔

اللہ کے راستے میں دینے کا اجر

[حدیث:۲۸۳] ”عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَخْطُومَةٍ فَقَالَ: هٰذِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَکَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُومَةٌ۔“ (صحیح مسلم ج:۹، ص:۴۸۴، حدیث نمبر:۳۵۰۸، باب فَضْلِ الصَّدَقَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَتَضْعِيفِهَا)

ترجمہ: ”حضرت ابومسعود عقبہ بن عامر الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تجھ کو اس اونٹنی کے بدلے قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں دی جائیں گی جن کی مہاریں لگی ہوئی ہوں گی، یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی ایک آدمی کو جو ایک اونٹنی لایا جس کی مہار لگی ہوئی تھی اور کہا یہ اللہ کے راستے میں دیتا ہوں۔

تشریح: ایک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک ناقہ یعنی اونٹنی پیش کی کہ یہ اللہ کے راستے میں پیش کرتا ہوں، فرمایا: اس کے بدلے میں تجھے قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ملیں گی ہر ایک کی مہار ہوگی۔

سیّد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

[حدیث:۲۸۴] ”عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ، اِنَّ الصَّدَقَةَ لَاتَنْبَغِىْ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِىَ أَوْسَاخُ النَّاسِ۔“

(رواہ مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۲۱۶)

ترجمہ: ”عبدالمطلب ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: حلال نہیں صدقہ آلِ محمد کے لئے، یہ تو لوگوں کے مال کا میل ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے، عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا، حارث آنحضرت ﷺ کے چچا ہیں، ان کے لڑکے ربیعہ، گویا کہ وہ حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی ہوئے، اور یہ عبدالمطلب ان کے لڑکے، باپ نے ان کا نام اپنے دادا کے نام پر رکھا تھا، عربوں میں اس کا رواج تھا کہ دادا کے نام پر اپنے بچے کا نام رکھتے تھے۔ تو آنحضرت ﷺ کے والد ماجد کا نام عبداللہ ہے اور دادا کا عبدالمطلب اور اس ربیعہ کے دادے کا نام بھی وہی عبدالمطلب ہے، کیونکہ یہ حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، انہوں نے اپنے بیٹے کا نام اپنے دادا کے نام پر رکھا۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد میں ان کا قصہ ہے، یہاں صرف اس ارشاد کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے، واقعہ یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو حضرت عباس یہ حضور ﷺ کے چچا اور ربیعہ حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی، یہ دونوں چچا بھتیجے آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ لڑکے جوان ہو گئے ہیں ان کی شادی کا کوئی بندوبست کیا جائے، ربیعہ کے لڑکے عبدالمطلب اور عباس کے لڑکے فضل، ان دونوں نے اپنے صاحبزادوں سے کہا کہ: تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور رسول اللہ ﷺ سے کہو کہ یا رسول اللہ! ہم جوان ہو گئے ہیں شادی کی ضرورت ہے، ہمارے باپوں کے پاس اتنی رقم نہیں کہ مہر ادا کریں، آپ لوگوں کو مختلف کاموں پر لگاتے ہیں، کسی کو صدقات جمع کرنے کے لئے بھیج دیتے ہیں، آپ تو بہت صلہ رحمی کرنے والے ہیں، ہمیں بھی کسی کام پر بھیج دیجئے، اس سے ہمیں کچھ ملے گا تو اس سے ہم اپنا مہر دے سکیں گے۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پہنچ گئے، کہنے لگے کہ: کیا مشورہ ہو رہا ہے؟ حضرت عباس اور ربیعہ نے ان کو بتایا کہ یہ مشورہ ہو رہا ہے، فرمانے لگے کہ: تکلیف نہ کرو، رسول اللہ ﷺ ان کو نہیں بھیجیں گے، جیسے بھائیوں میں آپس میں بات چیت ہو جاتی ہے اس پر وہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ: تم رسول اللہ ﷺ کی بیٹی لئے بیٹھے ہو ہم نے تو تم پر کبھی حسد نہیں کیا، وہ خفا ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ چادر لے کر لیٹ گئے اور کہنے لگے

کہ: جب تک تمہارے بیٹے واپس نہیں آجاتے میں بھی یہیں لیٹا ہوں، کہیں نہیں جاتا، میں بھی سردار ہوں، میں رسول اللہ ﷺ کے مزاج کو جانتا ہوں، جو بات میں نے کہی ہے اس کے خلاف کبھی ہو ہی نہیں سکتا، یہ دونوں گئے ظہر کا وقت تھا، آنحضرت ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، جب نماز کے لئے تشریف لائے تو یہ دونوں حضرات دروازے پر کھڑے تھے، ایک اس طرف، ایک اس طرف، آنحضرت ﷺ سے سلام دُعا ہوئی، آنحضرت ﷺ نماز کے لئے تشریف لے گئے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ یہ دونوں پھر دروازے پر کھڑے ہیں، سمجھ گئے کہ کسی کام کے لئے آئے ہیں، دونوں کے کانوں کو اس طرح مسلا جیسے بچوں کو پیار سے مسلتے ہیں، اور فرمایا کہ: دل میں کیا لے کر آئے ہو اس کو اُگلو! آپ ﷺ ان کو گھر لے گئے، انہوں نے وہ ساری باتیں جو ان کے والد حضرات نے کہی تھیں ذکر کیں کہ شادی کی ضرورت ہے، ہمیں بھی کسی کام میں استعمال فرمالیجئے، آنحضرت ﷺ چھت کی طرف دیکھنے لگے، کافی دیر گزر گئی، عبدالمطلب کہتے ہیں کہ ہمیں بڑی شرمندگی ہوئی، ہم نے کہا کہ ہم نے بلاوجہ زحمت دی، اور ارادہ کیا کہ یہیں سے واپس چلے جائیں، اندر سے پردے سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہاتھ چمکا اور انہوں نے اس طرح اشارہ کیا کہ آنحضرت ﷺ تمہارے معاملے میں غور فرمارہے ہیں، کچھ دیر کے بعد آنحضرت ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور یہ فقرہ فرمایا: ''لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِآلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاس''، محمد ﷺ کی آل کے لئے صدقہ حلال نہیں، یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے، مطلب یہ تھا کہ صدقات کی وصولی پر تمہیں بھیجیں گے تو تمہیں بھی تو اسی میں سے دیں گے، صدقہ آلِ محمد کے لئے حلال نہیں۔

ایک صحابی تھے محمیہ بن حارث، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خراج وصول کرنے پر مقرر تھے، فرمایا کہ: اس کو بلاؤ! یہ دوڑے ہوئے گئے اور ان کو بلا لائے، فرمایا: محمیہ! اپنی لڑکی کی شادی اس عبدالمطلب سے کردو! اور فلانے (نوفل بن حارث بن عبدالمطلب) سے کہو کہ فضل سے اپنی لڑکی کی شادی کردے، دونوں نے کہا کہ: جی ہم نے کردی! اس کردی کہنے سے ہی نکاح ہوگیا، پھر فرمایا کہ: محمیہ! اب ان دونوں لڑکیوں کا مہر جو رقم تمہارے پاس ہے اس میں سے ادا کردو۔ ایک چٹکی میں مسئلہ حل۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ وہیں بیٹھے تھے، اور ان کی بات بھی صحیح نکلی کہ رسول اللہ ﷺ ان کو نہیں بھیجیں گے۔

یہاں پر اتنی بات اور بھی سمجھ لینی چاہئے کہ غنی کے لئے صدقہ حلال نہیں، اور سیّد کے لئے یعنی آلِ رسول کے لئے بھی حلال نہیں، اور آلِ رسول سے مراد ہیں بنوہاشم اور بنومطلب، لیکن ایک فرق ہے دونوں کے درمیان۔ وہ یہ کہ کسی غنی کو، مال دار کو اگر صدقات کا تحصیل دار بنادیا جائے تو امام یعنی سربراہِ مملکت کو یہ حق حاصل ہے کہ اس میں سے اس کو اُجرت یا تنخواہ دیدے، کیونکہ جب اس نے وصول کرلئے تو امام تمام فقراء کی جانب سے نمائندہ بن گیا، گویا کہ وہ فقراء اس کے مالک بن گئے، اب جو اس کو تنخواہ دی جائے گی وہ فقراء کی

جانب سے دی جائے گی، صدقات میں سے نہیں دی جائے گی۔

لیکن آل رسول کے لئے یہ بھی جائز نہیں، عجائبات میں سے ہے، یعنی کسی ہاشمی کو اس کام پر مقرر کرنا بھی صحیح نہیں۔

غرض زکوٰۃ آنحضرت ﷺ کے خاندان کے لئے حلال نہیں، مراد اس سے آل عقیل، آل جعفر، آل عباس اور آل حارث ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ زکاۃ لوگوں کے مال کا میل ہے اور حضور ﷺ کو اس سے ملوث کرنا مناسب نہ تھا، وہ اگر ضرورت مند ہوں تو دوسرے فنڈ سے ان کی مدد کردی جائے۔

باپ کی زکوٰۃ بیٹے کو نہیں لگتی

[حدیث:٦٨٥] "...... أَنَّ مَعْنَ بْنَ يَزِيدَ......، لَکَ مَا نَوَيْتَ يَا يَزِيدُ وَلَکَ مَا أَخَذْتَ يَا مَعْنُ۔" (صحیح بخاری ج: ٥، ص: ٢٤٠، حدیث نمبر: ١٣٣٣، بَاب إِذَا تَصَدَّقَ عَلَى ابْنِهِ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ)

ترجمہ: "حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تجھ کو وہ مل گیا جس کی تو نے نیت کی ہے اے یزید! اور تجھ کو وہ چیز مل گئی جو تو نے حاصل کر لی اے معن!"

تشریح: معن بن یزید دونوں باپ بیٹا ہیں، "معن" بیٹا ہے "یزید" ان کے والد ہیں، والد نے کچھ رقم دی اپنے خادم نوکر اور ملازم کو کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے دے آؤ کسی کو، رات کے اندھیرے میں بیٹے کو دے آئے، "معن" کو جب پتہ چلا اس نے تو بے خبری میں دی تھی ان کو پہچانا نہیں تھا کہ کون ہے ورنہ وہ نہ دیتا، جب باپ کو پتہ چلا تو باپ بیٹے کی لڑائی ہوگئی، باپ نے کہا کہ: یہ زکوٰۃ کی رقم ہے، میں نے تیری نیت سے نہیں دی جو اس کا مستحق ہوگا وہ لے، بیٹے نے کہا کہ: مجھے تو ایک صاحب دے گئے تھے، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کیسی رقم ہے؟ چلو رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کروا لیتے ہیں، دونوں باپ بیٹا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا، تو اس موقعے پر آپ ﷺ فرمایا کہ: "لَکَ مَا نَوَيْتَ يَا يَزِيدُ!" باپ سے فرمایا کہ تو نے جو نیت کی تھی وہ اللہ نے پوری کردی، "وَلَکَ مَا أَخَذْتَ يَا مَعْنُ!" اور بیٹے کو کہا کہ تو نے جو کچھ لے لیا وہ تیرا ہوگیا اگرچہ تیری نیت سے نہیں دیا تھا اس نے لیکن تجھے مل گیا۔

ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ باپ کی زکوٰۃ بیٹے کو نہیں لگتی لیکن اگر کسی آدمی کو دے دی اور کہا کہ بھائی اگر تجھے کوئی مستحق آدمی ملے تو اس کو یہ زکوٰۃ دے دو اور اس نے پہچانا

نہیں، رات کا اندھیرا تھا یا کوئی اور بات، اس نے زکوٰۃ اس کے بیٹے کو دے دی تو ہمارے دونوں امام فرماتے ہیں کہ اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے۔

صدقہ اگر لاعلمی میں کسی فاسق کو بھی دے دیا تو اجر ضائع نہیں ہوگا

[حدیث: ۲۸۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ رَجُلٌ لَاَ تَصَدَّقَنَّ اللَّيْلَةَ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِىْ يَدِ زَانِيَةٍ فَأَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى زَانِيَةٍ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى زَانِيَةٍ لَاَ تَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِىْ يَدِ غَنِيٍّ فَأَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ عَلٰى غَنِيٍّ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى غَنِيٍّ لَاَ تَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِى يَدِ سَارِقٍ فَأَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ عَلٰى سَارِقٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى زَانِيَةٍ عَلٰى غَنِيٍّ وَعَلٰى سَارِقٍ فَأُتِىَ فَقِيْلَ لَهٗ أَمَّا صَدَقَتُكَ فَقَدْ قُبِلَتْ أَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا تَسْتَعِفُّ بِهَا عَنْ زِنَاهَا وَلَعَلَّ الْغَنِيُّ يَعْتَبِرُ فَيُنْفِقُ مِمَّا أَعْطَاهُ اللهُ وَعَلَى السَّارِقِ يَسْتَعِفُّ بِهَا عَنْ سَرِقَتِهٖ۔“ (رواہ مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۹۸)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایک آدمی نے کہا میں آج رات صدقہ کروں گا پس وہ اپنے صدقہ کو لے کر نکلا تو ایک بدکار عورت کے ہاتھ میں رکھ دیا، لوگ صبح کو باتیں کرنے لگے کہ آج کسی شخص نے ایک بدکار عورت کو صدقہ دے دیا، اس نے کہا: اے اللہ! تیری ہی حمد ہے، میں نے صدقہ کیا وہ بھی زانیہ پر، اچھا! میں آج ایک اور صدقہ کروں گا، پس وہ اپنے صدقے کو لے کر نکلا پس اس کو ایک غنی کے ہاتھ میں رکھ دیا، لوگوں نے صبح کی اس حال میں کہ باتیں کرتے تھے کہ آج ایک غنی کو کوئی آدمی صدقہ دے گیا، اس نے کہا کہ: اے اللہ! آپ کے لئے ہی حمد ہے، غنی پر صدقہ کر دیا، خیر! میں آج ایک اور صدقہ کروں گا، پس وہ اپنے صدقہ کو لے کر نکلا اور اس کو ایک چور کے ہاتھ میں رکھ دیا، پس لوگ اگلے دن باتیں کرنے لگے کہ آج کسی نے ایک چور کو صدقہ دے دیا، اس شخص نے کہا: یا اللہ! آپ ہی کے لئے حمد ہے، ایک دفعہ زانیہ عورت پر صدقہ کر دیا، ایک دفعہ غنی پر صدقہ کر دیا، ایک دفعہ چور پر صدقہ کر دیا، پس اس کے پاس آنے والا آیا، اس سے کہا گیا کہ تیرے سارے صدقے قبول ہو گئے، تو نے زانیہ عورت کو صدقہ دیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس صدقے کی

وجہ سے اپنی بدکاری سے توبہ کرے، تو نے غنی کو صدقہ دیا ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کرے پس جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دے رکھا ہے اس کو خرچ کرے، تو نے چور کو صدقہ دیا تو ہوسکتا ہے کہ اس صدقے کی وجہ سے وہ اپنی چوری سے توبہ کرلے۔''

تشریح: اس حدیث میں پہلی امتوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، غالبا بنی اسرائیل کا واقعہ ہے، ایک شخص نے کہا کہ: میں آج رات کو صدقہ کروں گا اور کسی کو پتہ نہیں چلے گا، صدقہ لے کر گیا، اندھیرے میں سمجھ میں نہیں آتا کہ کون آدمی ہے کون نہیں؟ اس نے عورت کو صدقہ دے دیا، وہ بدکار عورت تھی، دن ہوا تو شہرت ہوئی کہ آج بدکار عورت کو کوئی صدقہ دے گیا، دوسرے دن اس نے کہا: یا اللہ! یہ تو میرا صدقہ غلط نکلا، اچھا میں اور صدقہ کروں گا، دوسرے دن پھر اندھیرے میں صدقہ لے کر گیا اور ایک غنی کو صدقہ دے آیا، اگلے دن لوگ باتیں کررہے تھے کہ آج کوئی ایک غنی کو صدقہ دے گیا، کہنے لگا: بہت افسوس ہے! یہ بھی میرا صدقہ بے کار گیا، اچھا آج میں کسی اور کو صدقہ دوں گا، تیسرے دن صدقہ دیا تو ایک چور کو دے گیا، اگلے دن لوگ باتیں کررہے تھے کہ آج رات کوئی چور کو صدقہ دے گیا، یہ پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ: یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ ایک دفعہ بدکار عورت کو صدقہ دے دیا، دوسری دفعہ غنی کو صدقہ دے دیا، مالدار کو اور تیسری مرتبہ چور کو صدقہ دے دیا، میرا سارا اجر تو ضائع ہوگیا، اس کے پاس اللہ کا فرشتہ آیا اور کہنے لگا: تو فکرمند نہ ہو، تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے، تو نے جو صدقہ دیا تھا کسی بدکار عورت کو، ہوسکتا ہے کہ اپنی فقر کی وجہ سے بدکاری کرتی ہو، اس کو صدقہ مل گیا اب بدکاری سے تائب ہوجائے گی اور غنی کو جو صدقہ دیا ہوسکتا ہے کہ غنی اپنے بخل سے باز آجائے، اس کو عبرت حاصل ہوجائے اور وہ دوسروں کو صدقہ دے گا اور چور کو جو صدقہ دیا ہوسکتا ہے کہ اپنے فقر کی وجہ سے وہ چوری کرتا ہو، جب اس کو صدقہ دیا تو ہوسکتا ہے کہ اب اس کو چوری کی ضرورت ہی نہ آئے، لہٰذا تیرے تینوں صدقے قبول ہوگئے۔

گھر والوں پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

[حدیث:۲۸۷] ''عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ صَدَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: زَوْجُکَ وَوَلَدُکَ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِمْ'' (مشکوۃ حدیث ۱۸۳۸)

ترجمہ: ''حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سچ کہا: تیرا شوہر اور تیرے بچے زیادہ مستحق ہیں ان لوگوں میں سے کہ آپ ان پر صدقہ کریں۔''

تشریح: اس حدیث میں قصہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے فارغ ہوئے تو عورتوں میں وعظ کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور اس وعظ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ''یا معشر النساء تصدقن''

"اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کیا کرو" "انی اریت اکثر کن اھل النار" "میں نے تم میں سے اکثریت کو دوزخ میں دیکھا ہے" تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگیں گھر جا کر کہ میرے پاس کچھ پیسے ہیں اور تم ہو فقیر آدمی، کھانا کمانا تمہارا ہے نہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر آؤ میں اگر یہ پیسے تمہارے بچوں پر خرچ کر دوں تو مجھے ثواب ملے گا؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں نہیں جاتا، تو خود ہی فرماتی ہیں کہ: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہوئی، وہاں پہلے سے ایک عورت کھڑی تھی "مَسْئَلَتُهَا مَسْئَلَتِي" "اس کا سوال بھی وہی تھا جو میرا تھا۔" شرم کے مارے اندر جانے کی اجازت نہیں مانگی، دروازے پر کھڑی رہی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اندر جانے لگے تو ہم نے کہا کہ یہ ہمارا مسئلہ پوچھ لینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ہم اپنے شوہر پر اور اپنے بچوں پر خرچ کر دیں تو ہمیں ثواب ملے گا یا نہیں؟ لیکن ہمارا نام نہ بتایئے، انہوں نے کہا: بہت اچھا! وہ اندر چلے گئے اور کہا کہ دروازے پر دو عورتیں کھڑی ہیں جو یہ مسئلہ پوچھ رہی ہیں، فرمایا: کون عورتیں ہیں؟ کہا کہ: ایک تو زینب ہیں فرمانے لگے، "ای الزینب؟" کونسی زینب؟ کہا: عبداللہ مسعود کی بیوی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ان سے کہہ دو ان کو دُہرا اجر ملے گا، ایک صلہ رحمی کا اور دوسرے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا۔

[حدیث:۶۸۸] "عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَنْفَقَ عَلٰى أَهْلِهِ نَفَقَةً وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ۔"

(متفق علیہ، مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۵۸)

ترجمہ: "حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک مؤمن جب اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اور وہ ثواب کی نیت کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ مسلمان جب اپنی اہلیہ پر یا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور ثواب کی نیت رکھے تو اس پر بھی صدقے کا اجر ملتا ہے، اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا یہ بھی صدقہ کا اجر رکھتا ہے، بشرطیکہ تم یہ کام رضائے الٰہی کے لئے کرو اور ثواب کی نیت سے کرو، اگر اپنی خواہش نفس سے کرتے ہو یا بیگم کے تقاضے پر کرتے ہو تو پھر تم جانو اور تمہاری بیگم جانے، اگر اللہ کے لئے کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہیں اس کا اجر ملے گا، اس میں اس بات پر بھی تنبیہ فرمادی گئی ہے کہ اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق آدمی کو اپنے اہل خانہ پر خرچ کرنے کے معاملے میں بخل سے کام نہ لینا چاہئے، اپنی حدِ استطاعت سے تو نہ نکلے، اپنی چادر سے باہر پاؤں تو نہ پھیلائے، لیکن اپنی وسعت کے مطابق، اپنی گنجائش کے مطابق ان پر خرچ کرنے

میں بخل سے کام نہ لے، مجھے بہت سی خواتین کے خطوط ملتے رہتے ہیں اور مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے ایسے لوگوں پر کہ ہمارے شوہر مالدار ہیں، عزیزوں، دوستوں پر بڑا خرچ کرتے ہیں، باہر چوہدری بن کے رہتے ہیں لیکن گھر میں خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ عورتیں مبالغے سے بھی کام لیتی ہوں کیونکہ یہ بے چاری ہمیشہ بھوکی رہتی ہیں، چاہے کتنا پیٹ بھر جائے، ان کو بیماری ہے، بہت کم خواتین ایسی ہیں جو شکر گزاری کرتی ہیں کہ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے، یا اللہ! آپ نے ہمیں ہماری ہستی سے زیادہ دیا، بہت سے مرد ہیں جو شکر گزار ہیں، اگرچہ: ''اکثر الناس لایشکرون'' کے زمرے میں آتے ہیں کہ اکثر لوگ ناشکرے ہی ہوتے ہیں، لیکن مردوں میں بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں، یا اللہ! آپ نے ہمیں رزق عطا فرمایا، آپ کا شکر ہے، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ كَفَانَا وَ اٰوَانَا'' رات کے وقت جب آنحضرت ﷺ لیٹتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے، اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا، ہماری کفایت کی اور ہمیں ٹھکانہ عطا فرمایا، سر چھپانے کی جگہ عطا فرمائی، ''فَكَمْ مِّمَّنْ لَا كَافِيَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِيَ لَهٗ'' (مجمع الزوائد، کذا فی الترمذی وابن ماجہ) اس لئے کہ کتنے ہی انسان ایسے ہیں کہ جن کی نہ کوئی کفایت کرنے والا ہے، نہ ان کو کوئی ٹھکانہ دینے والا ہے۔ صحیح فرمایا، آپ ﷺ کی تو ہر بات صحیح ہے۔

تو میں نے کہا کہ مردوں میں تو بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اللہ کے فضل سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں کہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ حرص تو ہماری کبھی بھی نہیں ختم ہوسکتی، یہ پیٹ تو ایک دو روٹی سے بھر جاتا ہے، لیکن آنکھیں نہیں بھرتیں، ساری دُنیا کی دولت سے آنکھوں کا پیٹ نہیں بھرتا، یہاں اپنی آنکھوں یعنی حرص کے پیمانوں سے چیزوں کو نہ ناپو، اپنی ضرورت کے پیمانے سے ناپو، اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرورت پوری فرمارہے ہیں، کہو کہ اے اللہ! آپ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، بے حد شکر ہے، لیکن خواتین خانہ میں بہت کم اللہ کی بندیاں ایسی ہوں گی جو شکر ادا کرتی ہوں۔

میرے ایک عزیز ہیں کرنل صاحب، گھر والوں کے عزیز ہیں، وہ کہنے لگے: ہم چار بجے اُٹھتے ہیں، پانچ بجے اس وقت نماز ہوتی تھی، دونوں میاں بیوی چار بجے اُٹھتے ہیں، ایک گھنٹہ تہجد کی نماز پڑھی، اس کے بعد فجر کی نماز پڑھی، نماز پڑھ کے میں تو لیٹ جاتا ہوں لیکن جب میں آٹھ بجے اُٹھتا ہوں تو یہ بیگم صاحبہ مصلیٰ پر بیٹھی ہوتی ہیں، دُعا مانگ رہی ہوتی ہیں۔ میں نے کہا: تم صبح پانچ بجے سے لے کر آٹھ بجے تک اللہ تعالیٰ سے مانگتی رہتی ہو؟ کہا کہ: اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں کہ اتنا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں، میں اس کا شکر کیسے ادا کروں؟ ایسی خوش بخت اور خوش قسمت عورتیں بہت کم ہوں گی جو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتی ہیں۔

تو میں نے عرض کیا کہ ہوسکتا ہے کہ ان خواتین نے کچھ مبالغے سے بھی کام لیا ہو، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ بہت سے لوگ باہر تو اچھا خرچ کرتے ہیں لیکن گھر میں نہیں کرتے، گھر والوں کو نہیں دیتے۔ ہمارے

حضرت حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ: گھر والوں پر جو خرچ کرتے ہو وہ تو ہے ہی ہے، اس کے علاوہ ذاتی خرچ جیب خرچ کے لئے بھی دیا کرو کہ وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں خرچ کریں، الحمدللہ! میں نے تو یہ چکر ہی ختم کر دیا، میں نے کہا: یہ جو کچھ بھی ہے تمہارا ہے، نہ حساب لینے کی ضرورت نہ دینے کی ضرورت، نہ پوچھنے کی ضرورت، کم خرچ یا زیادہ تمہاری مرضی۔ بہت سی عورتوں کی لڑائی صرف اس لئے ہوتی ہے کہ بیگم کہتی ہے کہ ماں کو دیتا ہے مجھے نہیں دیتا، اور ماں کہتی ہے کہ ''جورو'' کو دیتا ہے مجھے نہیں دیتا، لا کر میرے ہاتھ میں نہیں رکھتا، یہ چکی کے دو پاٹ ہیں ساس اور بہو، ماشاءاللہ یہ مشین بیٹے اور شوہر کو پیسنے کے کام آتی ہے۔

[حدیث: ۶۸۹] ''عَنْ سَعْدِ ابْنِ أَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ، إِنَّکَ أَنْ تَذَرَ ذُرِّیَّتَکَ أَغْنِیَاءَ خَیْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَھُمْ عَالَةً یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ، وَإِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفْقَةً تَبْتَغِیْ بِھَا وَجْهَ اللہِ إِلَّا أُجِرْتَ بِھَا حَتّٰی مَا تَعْجَلَ فِیْ فِیْ امْرَأَتِکَ۔ قَالَ: فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللہِ! أَخْلُفُ بَعْدَ أَصْحَابِیْ؟ قَالَ: إِنَّکَ لَنْ تَخْلُفَ، فَتَعْمَلُ عَمَلاً تَبْتَغِیْ بِهٖ وَجْهَ اللہِ إِلَّا ازْدَدْتَ دَرَجَةً وَّرِفْعَةً وَلَعَلَّکَ أَنْ تَخْلُفَ حَتّٰی یَنْتَفِعَ بِکَ أَقْوَامٌ وَیُضَرُّ بِکَ اٰخَرُوْنَ، اَللّٰھُمَّ امْضِ لِأَصْحَابِیْ ھِجْرَتَھُمْ، وَلَا تَرُدُّھُمْ عَلٰی أَعْقَابِھِمْ لٰکِنَّ الْبَائِسَ سَعْدَ بْنَ خَوْلَةَ قَالَهٗ لَهٗ لِمَا عَادَهٗ۔''

(متفق علیه)

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: اگر تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو محتاج چھوڑے کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اور بے شک تو نہیں خرچ کرے گا کوئی سا خرچ کہ اس کے ساتھ اللہ کی رضا مندی کو تلاش کرے، مگر اس پر تجھے ضرور اجر دیا جائے گا حتی کہ وہ لقمہ جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا اپنے رفقاء کے بعد؟ فرمایا کہ: بے شک تو پیچھے نہیں چھوڑا جائے گا کہ تو کوئی عمل کرے اور تلاش کرے اس کے ساتھ اللہ کی رضا مندی کو مگر تیرے درجے بڑھیں گے اور تیری بلندی میں اضافہ ہوگا، اور شاید کہ تجھے پیچھے چھوڑا جائے گا یعنی تیری زندگی زیادہ ہوگی یہاں تک تیرے ذریعے بہت سے لوگ نفع اُٹھائیں گے اور بہت سے لوگ نقصان پائیں گے، اے اللہ! جاری کر دیجئے میرے صحابہ کے لئے ان کی ہجرت کو اور ان کو نہ پھیر ان کی ایڑھیوں کے

بل، لیکن بہت ہی لائق افسوس سعد بن خولہ ہے، یہ عیادت کے وقت ان کے لئے جملہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے، حجۃ الوداع میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے، بیمار ہوگئے‘ حضور ﷺ ان کو ماموں کہتے تھے، رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ زندگی سے مایوس ہورہے ہیں، وہ کہنے لگے: یارسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میرا کنبہ زیادہ بڑا نہیں ہے، ایک لڑکی ہے، تو کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں صدقہ کردوں؟ فرمایا: نہیں! اس کی اجازت نہیں۔ فرمایا: دوتہائی دے دوں؟ فرمایا: نہیں! آدھا دوں؟ کہا: نہیں! کہا: ایک تہائی؟ تو فرمایا: ’’الثلث و الثلث کثیر‘‘ (کذافی النسائی ومسند احمد بن حنبل) تہائی دے سکتے ہیں اور تہائی بھی بہت ہے۔ اور ایک روایت میں ’’کبیر‘‘ کا لفظ ہے، تہائی بھی بہت بڑا مال ہے۔

اس ارشاد مبارک سے فقہائے اُمّت نے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ آدمی اپنے مال میں سے تہائی تک وصیت کرسکتا ہے، لیکن تہائی سے کم کرنی چاہئے، آخری حد تک نہیں پہنچنا چاہئے وصیت میں، اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی جو اس حدیث میں ذکر فرمائی ہے: ’’إِنَّکَ أَنْ تَذَرَ ذُرِّيَّتَکَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ‘‘ تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ کر جاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اس سے کہ وہ بے چارے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں، فقیر محتاج ہوکر ہاتھ پھیلائیں۔

بات یہ ہے کہ جس شخص کے پیچھے نرینہ اولاد نہ ہو، یا اولاد ہی نہ ہو، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے پیچھے کوئی وارث نہیں ہے، چچا تائے ہوں گے یا ان کی اولاد، وہ یہ جائیداد کو برباد کرکے جانا ضروری سمجھتا ہے، کیونکہ عام طور سے چچا تایا کی اولاد کے ساتھ بنتی نہیں آدمی کی ٹھنی رہتی ہے، اب وہ دیکھتا ہے کہ میرے بعد یہی وارث ہونے والے ہیں تو نہ معلوم کیا کیا گھپلے کرتا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس حدیث پاک میں اسی بات کو ذکر فرمایا کہ تم اپنے وارثوں کے لئے مال چھوڑ کر جاؤ تو وہ بھی تمہارے لئے صدقہ بنتا ہے، ہاں! تمہیں تہائی مال سے وصیت کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اپنی نمازیں رہ گئی ہیں، ان کی وصیت کرو، روزے رہ گئے ہیں ان کی وصیت کرو، کوئی اور خیر کا کام کرنا چاہتے ہو کرو، اور زندگی میں تو جتنا چاہو اللہ کے لئے خرچ کرسکتے ہو۔ اپنا سب کچھ اللہ کے راستے میں دے دو کوئی تمہیں نہیں روکتا، لیکن شریعت میں عین موت کے وقت اس قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ تو جو کچھ بھی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے گا اس پر تجھ کو اجر دیا جائے گا، حتّٰی کہ وہ لقمہ جو تو اُٹھا کر اپنی بیوی کے منہ پر ڈالے اس پر بھی تجھ کو اجر دیا جائے گا، وہ بھی صدقے میں شمار ہوگا، بظاہر تو اپنے اہل وعیال کی کفالت آدمی کے ذمے واجب ہے، لیکن اس پر بھی اللہ تعالیٰ تجھے اجر

عطا فرمائیں گے، اس لئے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہوئے کبھی تنگ دل نہیں ہونا چاہئے، یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ میں کمارہا ہوں یہ کھارہے ہیں، اُڑا رہے ہیں، انہی کے لئے وہ تمہیں دے رہا ہے، تمہیں کون پوچھتا تھا؟ ان کی خاطر اللہ تعالیٰ تمہیں دے رہے ہیں، اتنے بندوں کی پرورش کا وسیلہ تمہیں بنانا تھا، رزق ان کا تھا، دیا تمہارے ہاتھ میں کہ اس کو تقسیم کرو، تمہارے پیسے نہیں کھاتے وہ، تم سے نہیں لیتے، ان کو اللہ تعالیٰ نے رزق دیا ہے لیکن دلوایا تمہارے ہاتھ سے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو فخر نہ کرو، تم ان پر کوئی احسان نہیں کررہے، اور مزے کی بات یہ ہے کہ ان کا مال ان کو دلوا رہے ہیں تمہارے ہاتھ سے۔ اور پھر بھی تم کو اجر عطا فرمارہے ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک درہم ہے گھر والوں کے لئے، ایک درہم ہے فقیر کے لئے، ایک درہم ہے عزیز و اقارب کے لئے، سب سے افضل وہ درہم ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے ہے یعنی ان کی جائز حاجتیں پوری کرنا (الادب المفرد للبخاری، کنز العمال)۔

مجھے شکایتیں پہنچی رہتی ہیں کہ بہت سے لوگ باہر تو حاتم طائی کے باپ بنے پھرتے ہیں، لیکن گھر میں پکے کنجوس، یہ غلط بات ہے۔ گھر والوں کے ساتھ کشادگی کا معاملہ کرو لیکن اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ، جتنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت دی ہے اتنا ہی خرچ کرو۔ تمہارے گھر والے بھی اتنا ہی خرچ کریں، بلکہ کچھ بچا کر رکھا کرو، پس اندازہ کیا کرو، جتنا آیا سارا اُڑا دیا یہ بھی نہیں۔ بلکہ تھوڑا بچا کے رکھو، کپڑے میں کھانے پینے میں کفایت شعاری کرو۔ اور دوسری چیزوں میں کفایت شعاری کرو۔ جتنا اللہ نے دیا ہے اس کے مطابق خرچ کرو۔

ہمارے حضرت حکیم الاُمّت حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ لوگ آمدنی بڑھانے کی فکر کرتے ہیں جو کہ غیر اختیاری چیز ہے، اور اپنا خرچ گھٹانے کی فکر نہیں کرتے جو کہ اختیاری چیز ہے۔ اور اس زمانے میں مہنگائی اتنی ہوگئی ہے کہ خرچ گھٹانا بھی مشکل ہوگیا ہے، یہ بھی غیر اِختیاری چیز بن گئی ہے، لیکن پھر بھی عیاشی اور فضول خرچی کے بجائے بقدر ضرورت رکھو۔

خیر! حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یا رسول اللہ! میں بیمار ہوگیا ہوں، میرے رفقاء حج کر کے واپس جارہے ہیں، تو کیا میں اب پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا۔ مطلب یہ کہ اگر مکہ میں موت واقع ہوگئی تو ہجرت تو ختم ہوگئی، یہ تو مکہ والے تھے اور مہاجر کے لئے وہاں سے واپس لوٹ آنا یہ ہجرت کو باطل کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ: اگر تو پیچھے چھوڑ دیا جائے اور کچھ دن تجھے رہنا پڑے تب بھی جو عمل تو اللہ کی رضا کے لئے کرے گا تجھے اس پر اجر ضرور ملے گا، تیرا درجہ بلند ہوگا اور تیری بلندی میں اضافہ ہوگا، فکر نہ کر۔ پھر فرمایا کہ: تم اپنی زندگی سے مایوس ہو، تمہیں کیا معلوم کہ ایک قوم کو اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے

نفع پہنچائیں، اور ایک قوم کو تمہاری وجہ سے نقصان پہنچائیں' یعنی اس کی ٹھکائی کرے۔

چنانچہ یہی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران ہیں، رستم پہلوان کا مقابلہ کرنے والے۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی ہے اور آپ کے دلائل نبوت میں سے ہے۔ کتنی قوموں نے ان کی وجہ سے نفع حاصل کیا اور کتنی قوموں نے ان سے نقصان پایا کہ کسریٰ اور اس کی اولاد کا غرور خاک میں مل گیا۔ رستم جیسے پہلوان ناک کے بل گرے۔

اور آخر میں فرمایا کہ حضرت سعد بن خولہ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں آئے تھے لیکن مکہ مکرّمہ میں ان کا انتقال ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حال پر افسوس کر رہے ہیں کہ ظاہری شکل میں ان کی ہجرت ختم ہو گئی کیونکہ جس زمین سے ہجرت کی اس میں مرے لیکن ثواب کے اعتبار سے ان کی ہجرت ختم نہیں ہوئی۔

صدقہ کے ساتھ دوسری نیکیاں ملانے کی فضیلت کا بیان

[حدیث: ۲۹۰] ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهَا، إِنَّهُ خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِّنْ بَنِىٓ اٰدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَ ثَلٰثِ مِائَةِ مَفْصِلٍ، فَمَنْ كَبَّرَ اللهَ وَ حَمِدَ اللهَ وَ هَلَّلَ اللهَ وَ سَبَّحَ اللهَ وَ اسْتَغْفَرَ اللهَ وَ عَزَلَ حَجَراً عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ شَوْكَةً أَوْ عَظْماً عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ أَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ عَدَدَ تِلْكَ سِتِّيْنَ وَ الثَّلَاثِ مِائَةِ السُّلَامٰى فَإِنَّهٗ يُمْسِىْ وَيُرْوِىْ يَمْشِىْ يَوْمَئِذٍ وَّقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهٗ عَنِ النَّارِ۔“

(رواہ مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۲۶)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بات یہ ہے کہ آدم کی اولاد میں سے ہر شخص تین سو ساٹھ جوڑوں پر بنایا گیا ہے، پس جس شخص نے ''اللہ اکبر'' کہا، ''الحمد للہ'' کہا، ''لا الہ الا اللہ'' کہا، ''سبحان اللہ'' کہا، ''استغفر اللہ'' کہا، لوگوں کے راستے سے پتھر ہٹا دیا، ہڈی یا کانٹے کو ہٹا دیا، یا لوگوں کو کسی نیک کام کا حکم کیا، یا کسی برے کام سے منع کیا اور یہ سارے کام تین سو ساٹھ کی تعداد کے برابر کر لئے تو وہ آدمی اس دن کو شام کرے گا اس حالت میں کہ اس نے اپنی جان دوزخ سے دور کر لی، اور ایک روایت میں بجائے شام کے یہ آیا ہے کہ وہ چلے گا اس حالت میں کہ اس نے اپنی جان دوزخ سے دور کر لی۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ اولاد آدم میں سے ہر آدمی تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے، ایک ہڈی دوسری ہڈی کے ساتھ جہاں جا کر ملتی ہے اس کو جوڑ کہتے ہیں، آدمی کے

وجود میں حق تعالیٰ شانہٗ نے تین سو ساٹھ جوڑ رکھے ہیں، اور ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ صدقہ دینا واجب ہے شکرِ نعت کے طور پر، ارشاد فرمایا کہ: اگر تم نے کہہ دیا ''سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ،'' یہ پانچ کلمات ہوئے، یہ تو الفاظ ہوئے اس کے علاوہ کچھ نیکی کے کام بھی ہیں، مثال کے طور پر راستے سے اینٹ یا پتھر کو ہٹا دیا، راستے سے کانٹا یا ہڈی کو ہٹا دیا، کسی شخص کو نیکی کی بات بتا دی، کسی کو برائی سے روک دیا، منع کر دیا، تو ہر چیز کے بدلہ میں ایک ایک صدقہ ہوتا جاتا ہے، جس شخص نے تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد میں ان کاموں میں سے کوئی کام کرلیا یا مجموعی طور پر یہ سب کام کر لئے تو وہ شام کے وقت ایسا ہوجائے گا کہ اس نے اپنے آپ کو دوزخ سے دور کرلیا، گویا اس کا صدقہ ادا ہوگیا۔

اس حدیث پاک میں ہمارے لئے چند چیزیں لائق توجہ ہیں، ایک یہ ہے کہ انسان کا تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا جانا، اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں اسپرنگ لگا دیئے، دیکھو گردن ادھر مڑ رہی ہے اُدھر مڑ رہی ہے، اوپر نیچے ہو رہی ہے، خدانخواستہ اگر ہم جکڑ جاتے؟ کوئی تکلیف نہیں کچھ بھی اس کو تکلیف نہیں، لیکن گردن دائیں نہیں ہوتی بائیں نہیں ہوتی، آپ جانتے ہیں کہ اس کے لئے کتنی بھاگ دوڑ کرتے ہیں؟ اس کا علاج کرنے کے لئے؟ یہ انگلیاں دیکھو کیسے پکڑتی ہیں، کیسے پیچ لگے ہوئے ہیں، اگر کسی کی ایک انگلی ایسی ہوجائے کہ وہ مڑتی نہیں پریشان ہوجائے گا، کھانے کا لقمہ پکڑنا بھی اس کے لئے مشکل ہوجائے گا، اگر ایک جوڑ بھی ایسا ہوجائے کتنی تکلیف ہو؟ تو یہ تین سو ساٹھ جوڑ کس قدر انعامات الٰہیہ ہیں، یہ حق تعالیٰ شانہٗ کے انعامات ہیں۔

اور پھر اس کے علاوہ دوسرے جو اِنعامات ہیں خود ہمارے وجود کے اندر ان سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ جو اللہ تعالیٰ نے پورے وجود میں تین سو ساٹھ اسپرنگ لگا دیئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے، ایک ایک جوڑ کتنا بڑا انعام ہے، اور ان کے علاوہ انسان اللہ تعالیٰ کے ایک ایک اِنعامات میں جکڑا ہوا ہے، اسی لئے اکابر فرماتے ہیں کہ اگر ہر موئے بدن پر زبان ہوجائے، جتنے بدن پر مسامات یا بال ہیں اتنی اس کی زبانیں ہوں اور ہر زبان ستر ہزار بولیاں بولے تب بھی اللہ تعالیٰ کے اِنعامات کا شکر ادا نہیں ہوسکتا، جب سے انسان و عالم کو پیدا کیا ہے اور جب تک یہ جہان رہے گا اتنی طویل مدّت کسی کو مل جائے اور وہ اسی کام میں لگ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اِنعامات کا شکر اَدا کرے تو اس کے اِنعامات کا شکر اَدا نہیں ہوسکتا۔

خاتمہ مثنوی رُومی میں اسی مضمون کو ذکر کیا ہے اور شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان کے شروع میں لکھا ہے کہ ہر سانس جو آتا جاتا ہے اس میں دو شکر واجب ہوجاتے ہیں۔ سانس کا آنا مستقل شکر، جانا مستقل اِنعام، تو یہ دو اِنعام ہوئے اور اگر کوئی اس پر شکر کرے تو اس کو شکر کی توفیق ہوجانا یہ بھی اِنعام ہے، اس کا بھی شکر کرو، بندہ کیسے شکر کرسکتا ہے؟

پہلی بات اس حدیث میں لائق توجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بے پایاں ہونا، تین سو ساٹھ جوڑ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بدن میں رکھے ہیں اور ان میں سے ہر ایک تقاضائے شکر کرتا ہے۔

دوسری چیز اس شکر کا آسان ہونا ہے، تین سو ساٹھ مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہہ لو، ''الحمد للہ'' کہہ لو، ''اللہ اکبر'' کہہ لو، ''لا الہ الا اللہ'' کہہ لو، شکر ادا ہوگیا، تین سو ساٹھ کوئی اور نیکی کرلو، خدمت خلق کی قبیل میں سے، شکر ادا ہوگیا، کسی کو نیکی کا حکم کردو یا برائی سے روک دو، کسی کی بھلائی کردو شکر ادا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس شکر کو ہمارے لئے کتنا آسان فرمادیا؟ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ: سارے کاموں کو چھوڑ کر صبح کے وقت دو رکعت نماز پڑھ لو سارے شکر ادا ہوجائیں گے، اشراق کے وقت دو رکعت نفل پڑھو، سارے تین سو ساٹھ جوڑوں کی طرف سے جو صدقہ تمہارے ذمے تھا وہ ادا ہوگیا، کتنا آسان کردیا؟

تیسری بات لائق توجہ یہ ہے کہ ہم ان انعاماتِ الٰہیہ سے اور ان پر شکر ادا کرنے سے کس قدر قاصر ہیں اور غافل ہیں؟ توجہ ہی نہیں، میں اکثر یہ بات کہا کرتا ہوں کہ جس کو دیکھو ناموجود کی شکایت کررہا ہے، موجود پر شکر نہیں کررہا، جو موجود ہے اس پر شکر نہیں جو موجود نہیں اس کی شکایت ہے کہ جی! فلانی چیز نہیں مل رہی، جس کی زبان پر دیکھو شکایت ہے شکر نہیں، تم ناموجود کے پیچھے پڑے ہوئے ہو موجود کو تو سنبھالو، اس کا تو حق ادا کرلو، اور پھر آگے اللہ تعالیٰ سے مانگو، دُعا کا مضائقہ نہیں، لیکن ناشکری اور شکوہ و شکایت کی تو شکایت کی جانی چاہئے، تم ناموجود کی شکایت کرتے ہو، اس شکایت پر تو شکایت کا حق حاصل ہے، ہاں اگر البتہ اللہ تعالیٰ سے مانگو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ بھی میں کہتا ہوں کہ ہمیشہ دُنیا ہی کیوں؟ کچھ آخرت کے لئے بھی مانگ لیا کرو، یہ بھی خود غرضی ہے کہ جب مانگتے ہو دُنیا ہی مانگتے ہو، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے شکایت کی ہے: ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا﴾ (البقرۃ: ۲۰۰) بعض انسان ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں دنیا میں دیدے، آخرت کا ذکر ہی نہیں، اپنے چوبیس گھنٹوں میں ہم دنیا کی کتنی چیزیں مانگتے ہیں اور آخرت کی کتنی چیزیں مانگتے ہیں؟ خود امتحان کرلو! ﴿كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ (بنی اسرائیل) تم اپنا حساب لینے کے لئے خود کافی ہو، کسی اور محاسب مقرر کرنے کی ضرورت نہیں، جائزہ لے لو۔ یا اللہ! ہمیں فلاں چیز دیدے، فلاں چیز دیدے، صرف دنیا ہی مانگتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ (البقرۃ) آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں (جو دُنیا ہی مانگتے ہیں)۔ کچھ اللہ کے بندے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ: اے اللہ! ہمیں دُنیا میں بھلائی دے، دُنیا نہیں مانگتے بلکہ دُنیا میں بھلائی مانگتے ہیں، جس میں ہمارا بھلا ہے آپ کی نظر میں وہ ہمیں دے دیجئے، فقر میں بھلا ہے وہ دیدے، غنا میں بھلا ہے وہ دیدے، اولاد کے ملنے میں بھلا ہے وہ دیدے اور نہیں ملنے میں بھلا ہے تو وہ دیدے، ہمیں تو ''حسنہ'' چاہئے، بھلائی چاہئے جو آپ کی رضا آپ کی مشیت اور آپ کے علم کے

مطابق ہو، اپنی خواہشوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور مشیت کے مطابق بھلائی مانگنا، اور جب ہماری رائے ہی نہیں رہی تو ہمیں پریشانی کیا ہوگی؟ ساری پریشانی تو یہیں سے چلی کہ ہم نے تجویزیں کرلیں۔

حضرت حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ساری پریشانیاں تجویز سے ہوتی ہیں، تفویض کرلو، یعنی اپنے معاملوں کو اللہ کے سپرد کرلو، کوئی پریشانی نہیں، جیسے وہ کردیں ٹھیک، جب میں اپنے لئے ایک بات تجویز کروں گا کہ یہ ہونا چاہئے اور وہ ہوتی نہیں تو مجھے پریشانی ہوگی، ہم یہ حماقت ہی کیوں کریں کہ اپنے لئے کچھ تجویز کریں؟

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ نعمتیں مانگتے ہیں تو وہ بھی دنیا ہی کی مانگتے ہیں، آخرت کی نہیں، اور جو نہیں ہے اس پر شکوہ کرتے ہیں، اور جو ہے اس کی طرف التفات بھی نہیں، اس پر شکر ادا ہی نہیں کرتے کہ الحمدللہ، یا اللہ! تیرا شکر، کھانا کھاکر بھی الحمدللہ کہنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

صدقے کی مختلف صورتیں

[حدیث:۱۹۱] ”عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: تَبَسُّمُکَ فِیْ وَجْہِ أَخِیْکَ لَکَ صَدَقَۃٌ، وَأَمْرُکَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھْیُکَ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ، وَإِرْشَادُکَ الرَّجُلَ فِیْ أَرْضِ الضَّلَالِ لَکَ صَدَقَۃٌ، وَبَصَرُکَ لِلرَّجُلِ الرَّدِیْئِ الْبَصَرِ لَکَ صَدَقَۃٌ، وَإِمَاطَتُکَ الْحَجَرَ وَالشَّوْکَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِیْقِ لَکَ صَدَقَۃٌ، وَإِفْرَاغُکَ مِنْ دَلْوِکَ فِیْ دَلْوِ أَخِیْکَ لَکَ صَدَقَۃٌ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرا اپنے (مسلمان) بھائی کے سامنے مسکرانا بھی تیرے لئے صدقہ ہے، تم کسی کو بھلائی کا حکم کرو اور بُرائی سے روک دو، یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے، کوئی شخص کسی اجنبی جگہ میں راہ بھول گیا ہو اور تم اس کو راستہ بتادو، تو یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے، کسی کمزور نظر کے آدمی کے لئے تم کسی چیز کو دیکھ لو، یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے، تم راستے سے پتھر، کانٹا اور ہڈی وغیرہ کوئی سی تکلیف دہ چیز ہٹادو، یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے، تم اپنے ڈول سے اپنے (مسلمان) بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دو، تو یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ نے صدقے کی یہ چند صورتیں بطورِ مثال ذکر فرمائی ہیں، مدعا یہ ہے کہ کسی کے ساتھ، کسی نوع کا حسنِ سلوک کرنا صدقے میں داخل ہے، کیونکہ صدقے کے ذریعے محض رضائے اِلٰہی کی خاطر خلقِ خدا کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جاتا ہے، ہر وہ کام جس کو رضائے اِلٰہی کے لئے کیا جائے اور اس میں خلقِ خدا کی نفع رسانی ہو، وہ صدقے کے حکم میں ہے، اور اس میں "الأهم فالأهم" اور "الأعظم فالأعظم" کی ترتیب ہونی چاہیے، یعنی جس کام میں جس قدر نفع رسانی زیادہ ہو، وہ زیادہ اہم ہوگا اور زیادہ بڑا صدقہ شمار ہوگا۔

اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت

[حدیث:۲۹۲] "عَنْ أَبِیْ مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلٰى أَهْلِهٖ صَدَقَةٌ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۸)

ترجمہ: "حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔"

[حدیث:۲۹۳] "عَنْ ثَوْبَانَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَفْضَلُ الدِّیْنَارِ دِیْنَارٌ یُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلٰى عِیَالِهٖ، وَدِیْنَارٌ یُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلٰى دَابَّتِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ، وَدِیْنَارٌ یُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلٰى أَصْحَابِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ۔ قَالَ أَبُوْ قِلَابَةَ: بَدَأَ بِالْعِیَالِ ثُمَّ قَالَ: وَأَیُّ رَجُلٍ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنْ رَجُلٍ یُّنْفِقُ عَلٰى عِیَالٍ لَهٗ صِغَارٌ یُعِفُّهُمُ اللهُ بِهٖ وَیُغْنِیْهِمُ اللهُ بِهٖ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۸)

ترجمہ: "حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: سب سے افضل دِینار وہ دِینار ہے جو آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے، اور وہ دِینار ہے جسے آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی سواری کے جانور پر خرچ کرے، اور وہ دِینار ہے جسے آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔ حضرت ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ (حدیث کے ایک راوی) کہتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اس دِینار کو ذکر کیا جو اہل وعیال پر خرچ کیا جائے، پس اس شخص سے اجر وثواب میں کون بڑھ سکتا ہے جو اپنے چھوٹے چھوٹے بال بچوں پر خرچ کرے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کو مانگنے کی ذِلت سے بچائے، اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کو غنی کردے۔"

تشریح: ان احادیث میں اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، اپنی

استطاعت اور گنجائش کے مطابق اہل وعیال پر فراخ دِلی کے ساتھ خرچ کرنا چاہئے کہ اس میں بھی صدقے کا اجر وثواب ہے، کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اہل وعیال کی پرورش اور ان کے نان ونفقہ کی ذمہ داری آدمی پر ڈالی ہے، پس جو شخص اس حکمِ الٰہی کی تعمیل کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب و پسندیدہ ہے، اور جو شخص اہل و عیال کے نان ونفقہ میں تنگی کرتا ہے، وہ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں کوتاہی کرتا ہے، اس لئے اس کا یہ طرزِ عمل شرعاً مذموم اور عرفاً واخلاقاً رذالت کے زُمرے میں آتا ہے۔

خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے

[حدیث:۲۹۴] ”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ، وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ إِنَاءِ أَخِيْكَ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۸، ۱۹)

ترجمہ: ”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: نیکی کا ہر کام صدقہ ہے، اور بے شک بھلائی کے کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو، اور یہ کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔“

تشریح: کسی سے خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے، اس سے محبت بڑھتی ہے، ایک دُوسرے کا احترام دِل میں پیدا ہوتا ہے اور دُوسرے شخص کے دِل میں بطورِ خاص ایسا کرنے والے کی محبت وتواضع کا نقش قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ کنویں پر پانی بھر رہے ہیں اور دُوسرا شخص اپنا برتن لئے منتظر کھڑا ہے، اگر آپ اس کے برتن میں پانی ڈال دیں تو یہ اگرچہ ایک معمولی سا عمل ہے لیکن دُوسرے شخص کا دِل جذباتِ تشکر سے معمور ہوجائے گا اور آپ کے دِل میں اس (یعنی اپنی ضرورت پر دُوسروں کو ترجیح دینے) کا ملکہ راسخ ہوگا۔

صدقۂ فطر کے احکام

صدقۂ فطر کے مسائل حسبِ ذیل ہیں:

۱:...... صدقۂ فطر ہر مسلمان پر جبکہ وہ بقدرِ نصاب مال کا مالک ہو، واجب ہے۔

۲:...... جس شخص کے پاس اپنی استعمال اور ضروریات سے زائد اتنی چیزیں ہوں کہ اگر ان کی قیمت لگائی جائے تو ساڑھے باون تولے چاندی کی مقدار ہوجائے تو یہ شخص صاحبِ نصاب کہلائے گا، اور اس کے ذمہ صدقۂ فطر واجب ہوگا (چاندی کی قیمت بازار سے دریافت کرلی جائے)۔

۳:...... ہر شخص جو صاحبِ نصاب ہو اس کو اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے، اور اگر نابالغوں کا اپنا مال ہو تو اس میں سے ادا کیا جائے۔

۴:...... جن لوگوں نے سفر یا بیماری کی وجہ سے یا ویسے ہی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے روزے نہیں رکھے، صدقۂ فطر ان پر بھی واجب ہے، جبکہ وہ کھاتے پیتے صاحبِ نصاب ہوں۔

۵:...... جو بچہ عید کی رات صبحِ صادق طلوع سے پہلے پیدا ہوا، اس کا صدقۂ فطر لازم ہے، اور اگر صبحِ صادق کے بعد پیدا ہوا تو لازم نہیں۔

۶:...... جو شخص عید کی رات صبحِ صادق سے پہلے مر گیا، اس کا صدقۂ فطر نہیں، اور اگر صبحِ صادق کے بعد مرا تو اس کا صدقۂ فطر واجب ہے۔

۷:...... عید کے دن عید کی نماز کو جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دینا بہتر ہے، لیکن اگر پہلے نہیں کیا تو بعد میں بھی ادا کرنا جائز ہے، اور جب تک ادا نہیں کرے گا اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا۔

۸:...... صدقۂ فطر ہر شخص کی طرف سے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے، اور اتنی قیمت کی اور چیز بھی دے سکتا ہے۔

۹:...... ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک سے زیادہ فقیروں، محتاجوں کو دینا بھی جائز ہے، اور کئی آدمیوں کا صدقہ ایک فقیر، محتاج کو بھی دینا دُرست ہے۔

۱۰:...... جو لوگ صاحبِ نصاب نہیں، ان کو صدقۂ فطر دینا دُرست ہے۔

۱۱:...... اپنے حقیقی بھائی، بہن، چچا، پھوپھی کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے، میاں بیوی ایک دُوسرے کو صدقۂ فطر نہیں دے سکتے، اسی طرح ماں باپ اولاد کو اور اولاد ماں باپ، دادا دادی کو صدقۂ فطر نہیں دے سکتی۔

۱۲:...... صدقۂ فطر کا کسی محتاج، فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے، اس لئے صدقۂ فطر کی رقم مسجد میں لگانا یا کسی اور اچھائی کے کام میں لگانا دُرست نہیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے میں دھوکا نہ دو

[حدیث:۲۹۵] ”عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، لَايُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَّلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ۔“

(رواہ البخاری، کتاب الزکوٰۃ، حدیث ۱۳۵۹)

ترجمہ: ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمع نہ کیا جائے متفرق جانوروں کو اور تفریق نہ کی جائے مجتمع جانوروں کے درمیان، صدقے

کے خوف کی وجہ سے۔''

تشریح: اس حدیث میں ایک مسئلہ بیان فرمایا ہے: وہ یہ کہ مویشیوں کی زکوٰۃ لی جاتی تھی، اور چونکہ بکریوں کے چرواہے ہوتے تھے اور جنگلات ان کے یہاں ہوتے تھے اس لئے کافی مقدار میں ان کے پاس مویشی ہوتے تھے جو چر کر گزارہ کرتے تھے اور ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی تھی، اب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کئی آدمیوں کی بکریاں ایک جگہ چرتی ہیں اور گویا اکٹھا مال سمجھا جاتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے ریوڑ کئی جگہ، اب یہ سمجھئے کہ کم سے کم چالیس بکریوں کا نصاب ہے، چالیس بکریاں ہوں تو ان پر ایک بکری واجب ہوتی ہے، اب دو آدمیوں کی چالیس چالیس بکریاں ہوں تو ہر ایک پر الگ الگ بکری کی زکوٰۃ آئے گی، لیکن اُصول یہ ہے کہ چالیس سے لے کر ایک سو بیس تک ایک ہی بکری ہے، اور ایک سو بیس سے جب اُوپر ہو جائیں تو دو سو تک دو بکریاں، دو سو سے اُوپر ہو جائیں تو تین بکریاں، یہاں تک کہ چار سو ہو جائیں، پھر ہر سینکڑے پر ایک بکری۔

اب دو آدمیوں کے ریوڑ مل کر چر رہے ہیں، بکریاں اکٹھی ہیں، جو زکوٰۃ چالیس پر آتی ہے وہی زکوٰۃ اسّی پر بھی آتی ہے، اور وہی زکوٰۃ ایک سو بیس پر بھی آتی ہے، اب دو آدمیوں کی بکریاں تھیں چالیس چالیس کل اسّی، قاعدے کی رو سے ان دونوں پر الگ الگ زکوٰۃ ہونی چاہئے، لیکن جب زکوٰۃ وصول کرنے والے آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ جی! یہ ایک ہی مال ہے، جب ایک ہی مال ہے تو ایک ہی بکری آئے گی، حالانکہ وہ تو متفرق مال تھا، اس کو زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اکٹھا کر دیا گیا۔

اسی طرح ایک آدمی کی ایک جگہ بیس بکریاں تھیں اور دُوسری جگہ بیس بکریاں چر رہی تھیں، ایک ملکیت ہے کل چالیس ہو گئیں، اس پر زکوٰۃ آتی ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ جی! یہ الگ مال ہے وہ الگ مال ہے، تو کسی پر بھی زکوٰۃ نہیں آئے گی، تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ صدقے (یعنی زکوٰۃ) سے بچنے کے لئے متفرق مال کو جمع نہ کیا جائے اور جو مجتمع مال ہو اس کو متفرق نہ کیا جائے۔

صدقہ دے کر واپس نہ لو

[حدیث:۲۹۶] ''عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، لَا تَشْتَرِهٖ وَلَا تَعُدْ فِیْ صَدَقَتِکَ وَإِنْ أَعْطَاکَهٗ بِدِرْهَمٍ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِیْ صَدَقَتِهٖ کَالْعَائِدِ فِیْ قَیْئِهٖ قَالَهٗ لَهٗ حِیْنَ حَمَلَ عَلٰی فَرَسٍ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فَأَضَاعَهُ الَّذِیْ کَانَ عِنْدَهٗ فَأَرَادَ أَنْ یَّشْتَرِیَهٗ۔''

(متفق علیہ، مشکوۃ حدیث ۱۸۵۸)

ترجمہ: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے

صدقے کومت خرید اور نہ اس کی طرف دوبارہ لوٹ اگر چہ وہ تجھ کو ایک درہم میں ہی کیوں نہ دے، اس لئے کہ اپنے صدقے کی طرف لوٹنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ قے کر کے اس کو چاٹنے والا۔ یہ بات آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس وقت ارشاد فرمائی جب انہوں نے ایک شخص کو اللہ کے راستے کے لئے ایک گھوڑا دیا تھا اور اس شخص نے اس کو تکلیف پہنچائی تو حضرت عمر کا ارادہ ہوا کہ اس گھوڑے کو اس شخص سے خرید لیں۔"

تشریح: اس حدیث میں ایک واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو گھوڑا بطور صدقے کے دیا تھا، اللہ کے راستے میں سوار ہونے کے لئے، یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے، اس شخص نے اس گھوڑے کی نگہداشت نہیں کی بلکہ اس کو ضائع کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو بہت افسوس ہوا اور ارادہ کیا کہ گھوڑے کو اس شخص سے خرید لوں، کیسا اچھا گھوڑا تھا اس نے ضائع کر دیا، آنحضرت ﷺ سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا جو اس حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ: اس گھوڑے کو نہ خرید و اور اپنے صدقے کو واپس نہ لو، اگر چہ تجھ کو وہ ایک درہم کے بدلے بھی دینا چاہے تو نہ لو، اس لئے کہ جو صدقہ دے کر واپس لیتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قے کر کے چاٹ لے، اور قے کر کے کوئی نہیں چاٹتا بلکہ کتا ہی قے کر کے چاٹتا ہے۔

اب اس حدیث میں چند مسائل سمجھ لینے چاہئیں، ایک یہ کہ ایک شخص کو آپ نے ایک چیز دے دی، وہ اس کا مالک ہے، اور اب اگر آپ اس سے خریدنا چاہیں تو پیسے دے کر خرید سکتے ہیں، آپ کا اس چیز سے کوئی تعلق نہیں رہا، اس لئے شرعاً یہ بیع صحیح ہے، کسی کو آپ نے صدقہ دیا، یا کوئی چیز صدقے میں دی بعد میں آپ اس سے کہتے ہیں کہ بھائی! بیچنا چاہتے ہو تو میرے پاس بیچنا، یہ درست ہے۔ لیکن جب آپ اس سے کہیں گے کہ میرے پاس بیچ دو، تو لامحالہ وہ آپ کے ساتھ بھاؤ تاؤ ویسے نہیں کرے گا جیسے وہ کسی اجنبی کے ساتھ کرے گا، اجنبی کو تو وہ یہ بھی کہہ دے گا کہ جاؤ اپنا کام کرو میں نہیں دیتا جیسے کہ عام طور پر دُکان دار کہہ دیتے ہیں لیکن جس شخص نے یہ چیز آپ ہی سے لی وہ آپ کو یہ نہیں کہہ سکتا جب آپ اس کے پاس خریدنے کے لئے جائیں گے تو اس کی آنکھیں نیچی ہوں گی اور وہ صحیح قیمت آپ کو بتا ہی نہیں سکے گا، اس لئے اس کا احتمال موجود ہے کہ وہ آپ سے پوری قیمت وصول نہ کرے، کچھ اس میں چھوٹ کر دے اور یہ جو چھوٹ کر دی گویا آپ نے اپنا اتنا صدقہ واپس لے لیا، سو روپے کی چیز اگر نوے روپے میں بھی دے دی دس روپے چھوٹ کر دی تو گویا آپ نے اپنے سو روپے میں سے دس روپے واپس لے لئے، یہ اپنا صدقہ واپس لینا ہوا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس سے ممانعت فرمائی، اس لئے نہیں کہ یہ سودا ناجائز تھا بلکہ اس لئے کہ احتمال

اس بات کا تھا کہ وہ سامنے والا آدمی آپ کی رعایت کرے گا اور آپ سے پوری قیمت وصول نہیں کرے گا، آپ اس کو چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایسا کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ کسی غلط کام کا ذریعہ بننا بھی غلط ہے، ہمارے فقہاء کی زبان میں اس کو ''سدِ ذرائع'' کہتے ہیں، یعنی کسی غلط کام کے ذرائع کو بھی بند کرو، اس کے راستوں کو بھی بند کرو، کیونکہ جو چیز کہ کسی حرام تک پہنچانے والی ہو وہ حرام ہو جاتی ہے، اور جو چیز کہ کسی مکروہ تک پہنچانے والی ہو وہ مکروہ ہو جاتی ہے، جو چیز واجب ہے اس کا اختیار کرنا واجب ہے، آپ حج کے لئے جاتے ہیں حج فرض ہے اس وقت لوگ ہوائی جہاز کے ذریعے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ وہاں جانے کا کوئی اور راستہ نہیں، بحری جہاز بھی بند ہوگئے اور بری راستے سے بھی نہیں جانے دیتے، صرف ایک ہوائی راستہ رہ گیا ہے تو جناب اگر سفرِ حج پر تشریف لے جانا چاہتے ہیں تو جہاز پر آپ کا بیٹھنا فرض ہوگا، حج فرض ہے، حج کے لئے اس راستے کا اختیار کرنا اور جہاز پر بیٹھنا بھی فرض ہے، کیونکہ اس کے بغیر آپ حج نہیں کر سکتے، تو میں نے کہا کہ حضرات فقہاء بے شمار چیزوں میں اس اُصول کو استعمال فرماتے ہیں۔

نااہل کو وزیرِ اعظم بنانا حرام ہے اور ووٹ دینا اس کا ذریعہ ہے تو اس کو ووٹ دینا بھی حرام ہے۔ ہمارے بھائی کہتے ہیں کہ حرام ہوتا رہے دیکھ لیں گے، اس کا تو بعد میں پتا چلے گا ابھی ہمارا مفاد یہی ہے، حلال اور حرام سے کیا تعلق؟ مفاد کو دیکھنا چاہئے، حلال حرام کیا چیز ہوتی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون!

تو جس شخص کو آپ نے بطورِ صدقہ کے کچھ سامان یا کوئی چیز دی ہے، اسی سے سامان دوبارہ خرید لینا چونکہ قیمت میں کمی کا ذریعہ بن سکتا ہے اس لئے اس کو منع کر دیا، گویہ ناجائز ہونا قطعی حرام کے درجے میں نہیں ہے، کراہت کے درجے میں ہے۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ صدقہ دے کر واپس نہیں لینا چاہئے، یہ بات تو ہر ایک کو معلوم ہے، لیکن یہ بات کہ صدقہ دے کر احسان بھی نہیں جتلانا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ (البقرۃ: ۲۶۴) ''اے ایمان والو! نہ باطل کرو اپنے صدقوں کو احسان دھر کر اور تکلیف پہنچا کر۔'' جس کو آپ نے صدقہ دیا ہے اس پر کسی وقت جا کر احسان دھر دیا، مثال کے طور پر کچھ زمانے کے بعد وہ شخص کہ جس کو آپ نے صدقہ دیا تھا، آپ کے مقابلے کے لئے کھڑا ہوگیا، برادری کا مسئلہ تھا، وہ آپ ہی کے مقابلے میں کھڑا ہوگیا، آپ نے کہا: ''آج یہ ہمیں آنکھیں دکھاتا ہے ہمارے ہی ٹکڑوں پر پلا ہوا ہے'' یہ بات لوگ کہہ دیتے ہیں، آپ کے ٹکڑوں پر پلا ہوا تھا تو پھر آپ کو آخرت میں کچھ بھی نہیں ملا، آپ نے تو اللہ کو دیا تھا اس کو تو نہیں دیا تھا، اللہ پر احسان کرتے ہیں؟ صدقہ تو اللہ کو دیا تھا اگر آپ کو ثواب مطلوب ہے اور اگر ثواب مطلوب نہیں ہے تو پھر ٹھیک ہے، اس پر احسان دھرو، معلوم ہوا کہ

اللہ کے لئے اس کو نہیں دیا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے فرمائیں گے کہ تم نے جن کے لئے یہ عمل کیا تھا ان سے جا کر ثواب مانگو، ہم سے کیا مانگتے ہو؟ (اتحاف، کشف الخفا للعجلونی، المغنی) جو مخلوق کے لئے کیا جائے گا یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے کہ اس کا بدلہ دوسرے سے مانگا جائے، زید کے لئے آپ نے کام کیا اور محنت مزدوری، آپ عمر سے مانگتے ہیں، کیوں؟ جس کے گھر کا کام کیا ہے اس سے مزدوری مانگو، تم نے اگر مخلوق کے لئے کیا تھا تو پھر خالق سے کیوں مانگتے ہو؟ اور اگر خالق کے لئے کیا ہے تو مخلوق پر کیوں احسان دھرتے ہو؟

تو ہر وہ طرز عمل جس سے صدقے کا اجر و ثواب ضائع ہو جائے، صحیح نہیں اور بالواسطہ طور پر اپنے صدقے کو واپس لے لینا اس سے بھی ثواب باطل اور ضائع ہو جاتا ہے، اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ: یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص قے کر کے پھر چاٹے، نعوذ باللہ!

اللہ کے راستے میں گن گن کر نہیں خرچ کرنا چاہئے

[حدیث:۷۹۶] ''عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، لَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللهُ ارْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ لَوْ تُوْكِيْ فَيُوْكِيَ اللهُ عَلَيْكِ، لَاتُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللهُ عَلَيْكِ۔'' (متفق علیہ، مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۱۱۴)

ترجمہ: ''حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بند کر کے نہ رکھ ورنہ اللہ بھی تجھ پر بند کر ڈالے گا، اور دیتی رہ اللہ کے راستے میں جتنا تجھ سے ہو سکے، گن گن کر نہ دے ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے گن گن کر دیں گے۔''

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا: یا رسول اللہ! میرے پاس تو اور کوئی چیز نہیں ہوتی سوائے اس کے جو زبیر لا کر دیتے ہیں، گھر میں اور کچھ نہیں ہوتا، مجھے صدقے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ صدقہ کر سکتی ہوں؟ فرمایا: کر لیا کر!

شوہر کی طرف سے اجازت ہو تو عورت صدقہ کر سکتی ہے، اور اگر شوہر کی طرف سے اجازت نہیں تو عورت صدقہ نہیں کر سکتی، بلکہ فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عورت اپنا مال بھی شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کر سکتی، یہ عجائبات میں سے ہے، تم نے نادان بچے کو پیسے دیئے ہوئے ہیں، بچے کو اگر تم اپنے طور پر خرچ کرنے کا عادی بنا دو گے تو وہ فضول خرچ ہو جائے گا، ٹھیک ہے پیسے اسی کے ہیں لیکن تم سے پوچھ کر خرچ کرے، عورت بھی آدھا بچہ ہوتی ہے، اس لئے اس پر بھی کوئی نگران ہونا چاہئے، جس سے یہ مشورہ کر لیا

کرے کہ میں یہ خرچ کروں یا نہ کروں؟ ورنہ بچکانہ بات کرے گی۔

آنحضرت ﷺ کا یہ اجازت دینا حضرت اسماء کو کہ: ''تو خرچ کرلیا کر'' اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت زبیر کی طرف سے اجازت تھی، یا یوں کہو کہ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے فرمانے کے بعد زبیر منع نہیں کریں گے بلکہ خوش ہوں گے اس کے بعد وہ فرمایا جو حدیث میں ہے: ''لا توکی فیو کی اللہ علیک، لا تحصی فیحصی اللہ علیک'' بند لگا کر نہ رکھا کرو ورنہ اللہ بھی بند لگا دے گا، خرچ کرے گی تو اللہ دے گا اور اگر بند لگا دے گی تو اللہ بھی بند لگا دے گا کہ ابھی تو پڑے ہیں، اور گن گن کر نہ دیا کرو ورنہ اللہ بھی گن گن کر دے گا، اَن گنت دے گی تو اللہ بھی اَن گنت دے گا۔ لیکن یہ عورتوں کو نہ جا کے بتا دینا کہیں، ورنہ وہ شام ہونے سے پہلے بازار کا رُخ کریں گی اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کریں گی، توبہ کرو! بازار کا رُخ کریں گی اور نئے نئے جتنے بھی کپڑے ان کو مل سکیں گے نئے ڈیزائن آئے ہوئے سب خرید لائیں گی اور کہیں گی کہ یہ حدیث میں آیا ہے کہ اَن گنت خرچ کیا کرو، اللہ کے رسول ﷺ نے اس خرچ کا حکم نہیں دیا بلکہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور وجہ یہ ہے کہ طبائع میں بخل ہے، ان کو جتنا کہہ دو کہ لٹا دو کہے گا: جانے دو یار! اس کو کتنی بھی ترغیب دو، وہ کہے گا تب بھی وہی کہے گا: ''اگر جان طلبے حاضر است، واگر زر طلبے سخن دریں جاست'' اگر جان مانگتے ہو حاضر ہے، اگر کوئی اور چیز مانگتے ہو حاضر، اگر مال مانگتے ہو تو اس میں ذرا سوچنا پڑے گا، جان حاضر ہے مگر مال حاضر نہیں ہے، مال کا خرچ کرنا بڑے حوصلے کا کام ہے، اور خرچ کہاں کرنا؟ اللہ کے راستے میں۔ اپنی خواہشات پر خرچ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ یہ تو نادان بچے اور بے وقوف عورتیں بھی کرلیتی ہیں، اللہ کے راستے میں خرچ کرنا صرف رضائے الٰہی کے لئے یہ مشکل کام ہے، اس لئے فرمایا: گنا نہ کر، دے دیا کر، اور ایک لفظ اس میں اور آیا کہ: ''لا توعی فیوعی اللہ علیک'' (مسلم، مسند احمد بن حنبل، کنز العمال) برتن میں بند کرکے نہ رکھ، ورنہ اللہ بھی بند کرکے رکھے گا، ایک ہے بند لگانا اور ایک ہے بند کرکے رکھنا، بلکہ فرمایا جتنا تجھ سے ہو سکے خرچ کرتی رہ۔

یہاں سے رسول اللہ ﷺ کا مزاج بھی معلوم ہوا کہ آپ کا مال کے بارے میں ذوق کیا تھا؟ اپنے اُوپر تو خرچ کرتے ہی نہیں تھے، اللہ کے راستے میں دینے کے لئے ترغیب دی۔

عورت کا شوہر کے مال سے صدقہ کرنا

[حدیث:۲۹۸] ''عَنْ عَائِشَةَ......، إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ

ذٰلِکَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا۔" (صحیح بخاری ج:۷، ص: ۲۲۵، حدیث نمبر: ۱۹۲۳، بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی {أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ})

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب عورت اپنے گھر سے اللہ کے راستے میں خرچ کرے اس حال میں کہ گھر کو اُجاڑنے والی نہ ہو تو اس عورت کو اس کا اجر ملے گا اس کے خرچ کرنے کی وجہ سے اور شوہر کو اجر ملے گا اس کے کمانے کی وجہ سے اور خاوند کو اسی کی مثل اجر ملے گا ان میں سے بعض بعض کے اجر کو کم نہیں کریں گے۔"

تشریح: اس حدیث شریف میں ہے کہ جب عورت اپنے گھر سے مال خرچ کرے اللہ کے راستے میں تو اس کو بھی اس کے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے، شوہر کو بھی ثواب ملتا ہے کمانے کا اور اگر گھر میں کوئی خازن ہو یا ملازم ہو تو اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔

[حدیث: ۶۹۹] "......أَبَا هُرَيْرَةَ.....، إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا عَنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِهِ۔" (صحیح بخاری ج:۷، ص: ۲۲۶، حدیث نمبر: ۱۹۲۴، بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی {أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ})

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت خرچ کرے اپنے شوہر کی کمائی سے بغیر اس کے امر کے تو اس کے لئے اس کے ثواب کا آدھا ہوگا۔"

تشریح: یہ حدیث بھی اسی مضمون کی ہے کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر کے مال سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرلے لیکن اُجاڑنے والی اور تباہی مچانے والی نہ ہو تو اس کو آدھا اجر ملتا ہے، شوہر کے حکم کے بغیر کا مطلب یہ ہے کہ شوہر نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ چیز خرچ کردینا، اللہ کے راستے میں دے دینا لیکن منع بھی نہیں کیا تھا اور عورت کو اپنے شوہر کا مزاج معلوم ہے کہ خرچ کرنے سے ناراض نہیں ہوگا لیکن اگر ناراض ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو شوہر کے مال میں سے خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

یہاں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ گھر میں گھر کی خاتون کو صدقہ وخیرات کرنے کسی فقیر کو روٹی دینے یا کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے بشرطیکہ شوہر منع نہ کرے اگر منع کردے تو پھر اس کو نہیں کرنا چاہئے شوہر کو منع کرنا بھی نہیں چاہئے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت گھر کو اُجاڑنے والی نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو شوہر کے بچوں پر اس کے گھر پر نگران بنایا ہے، اگر بچوں کی تربیت میں ہی کوتاہی کرتی ہے تو امانت میں خیانت کرتی ہے اور اگر گھر میں حفاظت میں کوتاہی کرتی ہے اور گھر کو اُجاڑتی ہے تو اس

امانت میں خیانت کی گئی ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر عورت خرچ کرے اللہ کے راستے میں تو اس کو بھی اپنے شوہر کے برابر کا اجر ملتا ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صدقے پر اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کو جنّت میں داخل کردیتے ہیں: ایک گھر کے مالک کو کہ وہ مال کما کر کے لایا، ایک خاتون خانہ کو، بیوی کو، جس نے گھر سے اُٹھا کر دیا صدقہ اور ایک گھر کے خادم کو جس نے لا کر فقیر کو دیا، ان تین آدمیوں کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیتے ہیں اور ان کو جنّت میں داخل فرما دیتے ہیں ایک صدقے کی وجہ سے۔

زکوٰۃ لینے والے عامل کو راضی رکھنا

[حدیث:۷۰۰] ”عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ.....، إِذَا أَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْيَصْدُرْ عَنْكُمْ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ۔“ (صحیح مسلم ج: ۵، ص: ۳۳۴، حدیث نمبر: ۱۷۹۲، بَاب إِرْضَاءِ السَّاعِي مَا لَمْ يَطْلُبْ حَرَامًا)

ترجمہ: ”حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تمہارے پاس زکوٰۃ دینے والا عامل آئے تو چاہئے کہ وہ اس حالت میں واپس جائے کہ تم سے راضی ہو۔“

تشریح: اس حدیث میں وصیت کی گئی ہے کہ صدقہ وصول کرنے والے تحصیل دار کو راضی کر کے بھیجو، ہماری شریعت میں جن چیزوں پر زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے وہ چند چیزیں ہیں، ان میں سے ایک سونا چاندی، دوسرا روپیہ پیسہ ہے، اس کو کوئی شخص حکومت کی طرف سے وصول کرنے نہیں آتا بلکہ ہر آدمی کے ذمے خود لگایا گیا ہے کہ وہ اپنی نقدی کی زکوٰۃ خود ادا کرے، روپیہ پیسہ اس کے پاس ہے تب بھی اور سونا چاندی ہے گھر میں وہ بھی اس کا حساب لگا کر خود زکوٰۃ ادا کرے اور یہ مسئلہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اگر کسی شخص نے کئی سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو وہ زکوٰۃ اس کے ذمے باقی ہے حتیٰ کہ اگر مر جائے تب بھی اس کے ذمے باقی ہے، جتنے سالوں کا زیور اس کے پاس ہے اتنے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے۔

یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ بعض خواتین نے مجھے لکھا کہ بیس سال ہماری شادی کو ہو گئے ہیں زکوٰۃ تو کبھی ادا نہیں کی اس کا کیا حکم ہے؟ ہر سال کا حساب کر کے چالیسواں حصہ نکالتے جاؤ، اگر زیور چالیس تولے تھا اس کا یہ معنی ہے کہ ایک تولہ زیور اس کے ذمے زکوٰۃ ہے پہلے سال کی زکوٰۃ، اسی طرح حساب نکالتے جاؤ، بیس سال کا حساب نکالو، بعض خواتین کو حساب نکال کر بھی میں نے دیا، مجھے تو دو دن اس پر لگے حساب نکالنے پر لیکن ان کو بتایا تو، سونے چاندی کی زکوٰۃ یا روپے پیسے کی زکوٰۃ یہ اپنے ذمے ہے حکومت کی طرف سے

کوئی لینے کے لئے نہیں آئے گا، ہاں! اگر یہ خود جا کر سرکاری بیت المال میں جمع کرا دے تو قبول کر لیا جائے گا۔

دوسرا مال جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے وہ مال تجارت ہے، جیسے دکان کا مال ہے اس کی زکوٰۃ حکومت وصول کر سکتی ہے اور حکومت نے اس کے لئے عاشر مقرر کئے ہوئے ہوتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے مقرر کئے گئے، سڑکوں پر ان کی چنگیاں بنائی گئیں جیسے ہمارے ہاں چنگیاں بنائی ہوئی ہیں، جب بھی کوئی مال سڑک سے جاتا تھا شہر کے اندر داخل ہوتا تھا تو اس سے اس کی زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی، مسلمان سے چالیسواں حصہ ذمی سے بیسواں حصہ اور اگر غیر ملکی آدمی ہو کافروں کے ملک کا حربی اس سے دسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا اور اس کے لئے یہ قانون تھا کہ جتنا وہ ہم سے وصول کریں گے ہم ان سے وصول کریں گے، گویا یہ بین الاقوامی قانون ہے، اگر وہ ایک فیصد وصول کرتے ہیں تو ہم بھی ایک فیصد وصول کریں گے اور اگر وہ دس فیصد وصول کرتے ہیں تو ہم بھی دس فیصد وصول کریں گے لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ جو انگریزوں کے زمانے سے ہمارے یہاں ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں روڈوں پر چنگیاں وصول کی جاتی ہیں اسلام اس کا قائل ہے، معاذ اللہ یہ نہیں۔

مسلمان سامان تجارت لے کر شہر میں داخل ہو رہا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے، کچھ نہیں کہیں گے جاؤ اور اگر سال میں ایک دفعہ ادا کر چکا ہے زکوٰۃ تو دوبارہ مطالبہ نہیں کیا جائے گا، زکوٰۃ چونکہ سال میں ایک مرتبہ ہوتی ہے، ہمارے یہاں چنگی ٹیکس وصول کیا جاتا بلکہ زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے مال کی حتی کہ ذمی سے بھی دو مرتبہ وصول نہیں کریں گے، غیر مسلم شہری سے ایک ہی مرتبہ وصول کریں گے، البتہ یہ انتظام کیا گیا اربابِ تجارت کو زحمت نہ اُٹھانا پڑے چونکہ حکومت نے وصول کرنا ہے اور ان سے کہا جائے کہ جاؤ جا کر دفتر میں جمع کرا کے آؤ، یہ نہیں بلکہ سڑک پر مقرر کر دیا گیا ہے عاشر کو، کہ جب کوئی مال تجارت آئے کسی مسلمان کا، اس سے پوچھ لے کہ بھائی اس کی زکوٰۃ دے دی ہے؟ اگر کہے کہ زکوٰۃ دے دی ہے تو کچھ نہیں کہے گا اور اگر کہے زکوٰۃ نہیں دی تو وصول کر لے لیکن ایک سال میں صرف ایک مرتبہ دو مرتبہ نہیں۔

اور تیسری قسم ہے پیداوار کا عشر، زمین کی جو پیداوار ہے اس کا عشر، عشر اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ دسواں حصہ وصول کیا جاتا ہے، وہ تمام فصل جو زمین سے پیدا ہوا گر اس پر کسان کی زائد محنت نہیں آتی پانی اس کو خرید کر نہیں لگانا پڑتا اور کوئی اس پر مصارف نہیں ہیں، زمین جوتتا ہے غلہ ڈال لیتا ہے اس کی جیسی بھی تھوڑی بہت خدمت کی جاتی ہے فصل کی کرتا ہے اور بارانی پانی سے اللہ تعالیٰ اس پیداوار کو ٹھیک کر دیتے ہیں، بس صرف یہ ہے کہ بارانی زمین ہے آسمان کے پانی سے سیراب ہوتی ہے اس کو نہ کنویں کا پانی کھینچ کر لگانا پڑتا ہے اور نہ کوئی قیمت دے کر لگانا پڑتا ہے، ایسی بارانی زمین سے جو پیداوار پیدا ہوگی اس کا دسواں حصہ وصول کیا جائے گا اور یہ بھی زکوٰۃ ہے ٹیکس نہیں ہے، پیداوار کی زکوٰۃ ہے، اللہ نے فرمایا: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ

حَصَادِہٖ﴾ (الانعام:۱۴۱) اور ادا کردو اس کا حق اس کی کٹائی کے دن جس دن فصل کٹے اس دن اس کا حق ادا کرو، کٹائی کے دن جتنی فصل ہو زمین سے پیدا ہو بس اس کا دسواں حصہ وصول کیا جائے گا یہ عشر کہلاتا ہے۔

اور اگر اس پر محنت زائد آتی ہے کنویں سے پانی کھینچ کر لگانا پڑتا ہے، رہٹ سے لگانا پڑتا ہے یا پانی قیمتاً خرید کر لگانا پڑتا ہے تو شریعت نے اس معاملے میں تخفیف کردی ہے کہ دسویں حصے کے بجائے بیسواں حصہ دو یعنی دس فیصد کے بجائے پانچ فیصد، باقی عشر کے بارے میں اور بہت سی تفصیلات ہیں، میں تو ایک موٹی سے بات ذکر کررہا ہوں یہ زکوٰۃ گورنمنٹ وصول کرے گی اور اس کا نظم خود کرے گی۔

عام علماء فرماتے ہیں کہ جس طرح سونے کا ایک نصاب ہے چاندی کا ایک نصاب ہے، اسی طرح زمین کی پیداوار کا بھی ایک نصاب ہے اور وہ ہے "پانچ وسق" لیکن ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں ہے، ہر تھوڑی یا زیادہ چیز جو بھی زمین سے پیدا ہو اس کا عشر لازم ہے، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دس مولیوں میں ایک مولی دس گاجروں میں ایک گاجر اور چھوٹی چھوٹی دستیاں بنائی جاتی ہے، دس دستیوں میں سے ایک دستی اور اس کا جو نصاب ذکر فرمایا گیا ہے، ہمارے امامؒ فرماتے ہیں کہ نصاب کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مقدار ہو تو گورنمنٹ وصول کرسکتی ہے، اور اگر اس سے کم ہو تو یہ ارباب مال کو اَب خود سے زکوٰۃ ادا کرنا یعنی ان کے لئے بھی کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے طور پر بھی کچھ ادا کردیں۔

اور ایک مال زکوٰۃ ہے سوائم کا، یعنی چرنے والے مویشی جو جنگلوں میں چرتے ہیں اور جن کو نسل کی افزائش کے لئے رکھا جاتا ہے پالا جاتا ہے، سال کا زیادہ حصہ وہ چر کر گزارہ کرتے ہیں، مالک کو باندھ کر ان کو گھاس نہیں ڈالنی پڑتی، اس کے بھی نصاب ہیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خلفائے راشدین کے زمانے میں اور بعد کے زمانوں میں بھی حکومت ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عامل مقرر کرتی تھی، تحصیلدار کو کہنا چاہئے، اسی کو اس حدیث میں ذکر فرمایا: مُصَدِّق اور ایک آدمی کے پاس چالیس بکریاں ہیں تو چالیس بکریوں میں ایک بکری لازم آتی ہے، چالیس سے لے کر ایک سو بیس تک اگر بکریاں ہوں تو ایک بکری عامل کو یعنی تحصیلدار کو دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ وہ چھانٹ کے نہ لے، اچھی قسم کا جانور چھانٹ کے نہ لے بلکہ درمیانہ لے، نہ بالکل مریل ہو گھٹیا درجے کا اور نہ عمدہ قسم کا ہو بلکہ درمیانہ قسم کا ہو لیکن عامل کے درمیان اور صدقہ دینے والے کے درمیان جھگڑا ہوسکتا ہے، وہ کہتا ہے میں تو یہ جانور لوں گا اور مالک یہ دینے پر راضی نہیں، وہ کہتا ہے کہ یہ زیادہ قیمتی جانور لے رہا ہے، اس میں اعتدال سے کام لینا چاہئے، زکوٰۃ دینے والے پر سختی نہ کی جائے۔

زکوٰۃ وصدقات کا مال امانت ہے

[حدیث: ۷۰۱] ”عَنْ عَدِيِّ بْنِ عُمَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مَخِيطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُوْلًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الامارۃ، بَاب تَحْرِيمِ هَدَايَا الْعُمَّالِ، حدیث: ۳۴۱۵)

ترجمہ: ”عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص کو ہم کسی کام پر عامل مقرر کریں اور وہ ہم سے کوئی چیز چھپا لے خواہ ایک سوئی ہو یا اس سے بھی کم، تو یہ چوری (خیانت) ہوگی، جس کو وہ قیامت کے دن لائے گا۔“

تشریح: اس حدیث میں حکومت کے کارندوں اور اس کے ملازمین کا بیان ہے کہ مثلاً صدقات کے وصول کرنے کے لئے یا کسی اور کام کے لئے ہم نے کسی آدمی کو مقرر کیا اور اس کو جو وصولی ہوئی اس میں سے اس نے ایک سوئی یا اس سے زیادہ کوئی چیز چرالی یا چھپالی تو یہ خیانت ہے اور چوری ہے، اس کو قیامت کے دن لایا جائے گا، یعنی اس کو پیش کرنا ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحصیل دار یا کسی کارخانے کے داروغے کو مالک اور بیت المال کی مرضی کے بغیر سوئی برابر بھی کوئی چیز اپنے خرچ میں لانا دُرست نہیں، یہ صاف چوری اور خیانت ہے، جس کو خدا اور رسول کو قیامت کے دن منہ دکھانا ہو وہ بیگانی چیز سے بچتا ہے۔ حکومت کی طرف سے جو عمال (کام کرنے والے) مقرر کئے جاتے ہیں، یعنی سرکاری کارندے، ان کے پاس جو چیزیں ہوں گی وہ امانت ہیں، اور ان کا وقت بھی امانت ہے۔ اگر اس مال میں سے جو ان کے زیر تصرف ہے، زیر قبضہ ہے، زیر دست ہے، ایک سوئی کے برابر بھی وہ خیانت کریں گے، قیامت کے دن اس کو دیکھ لیں گے۔ اسی طرح اوقات کاری میں اگر تساہل برتیں گے، اس کا بھی حساب دینا ہوگا۔ اور یہی حکم ہے باقی تمام حقوق العباد کا، لیکن تھوڑا سا فرق ہے، وہ یہ کہ سرکاری مال میں سے خیانت کرنے والا تمام عوام کے مال میں خیانت کرتا ہے، کسی ایک سے معافی نہیں مانگ سکتا، جب تک کہ سب سے معافی نہ مانگ لے، معاف نہ ہوگا۔

مثال کے طور پر پاکستان کا کوئی سرکاری افسر یا ملازم اگر خیانت کرتا ہے تو وہ کروڑوں پاکستانیوں کا مجرم ہے، اس میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر ہیں، پوری رعایا برابر ہے، ایک آدمی کی خیانت یا چوری کی ہو تو اس سے تو معافی طلب کر سکتا ہے اور قیامت کے دن بھی اس کی بہر حال گنجائش ہے اگرچہ یہ بھی مشکل ہے کیونکہ وہاں سارے بخیل ہوں گے، ہر ایک آدمی اس فکر و کوشش میں ہوگا کہ مجھے ایک نیکی زیادہ مل جائے، وہاں معاف کون کرے گا؟ لیکن پھر بھی احتمال ہے کہ لوگ معاف کر دیں، لیکن پورے کروڑوں آدمیوں سے

کیسے معافی مانگے؟ لوگ اس کو بہت ہلکی پھلکی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ سب سے زیادہ سنگین اور سب سے زیادہ خوف کی چیز ہے۔

لوگوں سے مانگنے کی مذمت

[حدیث: ۷۰۲] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ۔“

(مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۱۰۴۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگوں سے مال مانگے جمع کرنے کے واسطے اور مال دار ہونے کے واسطے تکثیر مال کے واسطے، وہ مال اس کے حق میں چنگاریاں ہیں دوزخ کی، اب چاہے کم چنگاریاں جمع کرے یا زیادہ جمع کرے۔“

تشریح: اس حدیث میں لوگوں سے مانگنے کی مذمت کی ہے، مانگنا بھی تو کسی حاجت کی بنا پر ہوتا ہے، کوئی شخص فاقے سے ہو، واقعتاً وہ بیچارہ محتاج ہے اور کوئی شکل نظر نہیں آرہی ہے، تو ایسی مجبوری کی حالت میں مانگنا کچھ شرائط کے ساتھ تو شرعاً جائز ہے اور ایک ہے مال دار بننے کے لئے، پیسے جمع کرنے کے لئے مانگنا، جیسے کہ عام طور پر بھیک مانگنے والے ہوتے ہیں، اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس شخص نے مانگا مال جمع کرنے کے لئے وہ آگ کی چنگاریاں اور دہکتے ہوئے کوئلے جمع کر رہا تھا ”جمرۃ“ چنگاری، اب اس کا جی چاہے تو زیادہ جمع کرلے، جی چاہے تو کم کرلے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ مانگنا نہیں چاہئے، ہونا تو یہ چاہئے کہ بندہ اللہ کے سوا کسی سے نہ مانگے، اللہ سے مانگے۔

علماء فرماتے ہیں کہ تین قسم کا غنیٰ ہوتا ہے، یعنی مال داری، ایک غنیٰ ہے جس پر سوال کرنا حرام ہے، یعنی وہ غنی ہے، اس لئے اس کو سوال کرنے کی اجازت نہیں، یہ وہ شخص ہے جس کے پاس ایک دن رات کی روٹی موجود ہے کہ اس کے بچے ایک دن کی خوراک کھا کر جی سکتے ہیں، اس کے لئے سوال کرنا حرام ہے۔

دوسری غنیٰ یا مال داری وہ ہے کہ جس پر زکوٰۃ لینا جائز نہیں، صدقات واجبہ لینا جائز نہیں، اور یہ وہ شخص ہے کہ جس کے پاس نصاب سے کم مالیت موجود ہے، نصاب کے بقدر ہو بھی لیکن نصاب نامی نہ ہو، یعنی سونے چاندی کا نصاب نہ ہو، گھر کا فالتو سامان جو روزمرہ استعمال نہیں ہوتا، یا ایسی چیزیں اگر گھر میں موجود ہیں یا کسی کے گھر میں غلہ موجود ہے جو اس کے استعمال اور ضرورت کی چیزوں کے علاوہ ہے اور ان تمام

چیزوں کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر بنتی ہے، ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں، اور اگر اس سے کم ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ جو شخص مقروض ہو کہ اس کے قرضے ادا کرنے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو وہ بھی لے سکتا ہے، یا نصاب کے بقدر نہیں بچتا، تو وہ بھی لے سکتا ہے۔

تیسری مال داری وہ ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور یہ وہ شخص ہے جو ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کے سونے چاندی یا مال تجارت کا مالک ہے، یعنی ایسے اثاثوں کا مالک ہے کہ جن پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر سونا اکیلا ہو، اس کے ساتھ چاندی نہ ہو، روپے پیسے نہ ہوں، تو پھر اس کا نصاب ساڑھے سات تولے ہے، اور اگر صرف چاندی ہو، اس کے ساتھ سونا اور پیسے نہ ہوں تو اس کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے، اور اگر مال تجارت ہو تو اس کا نصاب بھی ساڑھے باون تولے ہے۔

غرضیکہ یہ تین قسم کے مال دار ہیں، ایک قسم کا مال دار وہ ہے کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہے، دوسری قسم کا مال دار وہ ہے کہ جس پر زکوٰۃ تو واجب نہیں لیکن زکوٰۃ لے بھی نہیں سکتا، یہ ہے سونے چاندی، نقدی اور مال تجارت وغیرہ جن کو فقہ کی اصطلاح میں ''مالِ نامی'' کہتے ہیں، ان کے علاوہ ساڑھے باون تولے کی قیمت کا مال ہو جو اس کی ضروریات سے فارغ ہوں۔ اور تیسری قسم کا مال دار وہ ہے جو زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

تو اس کے بارے میں بھی حکم یہ ہے کہ وہ سوال نہیں کر سکتا، اور اس کی حد یہ ہے کہ وہ کم سے کم ایک دن رات کی روزی اپنے پاس رکھتا ہو، اگر اتنا بھی نہیں تو اس کو سوال کرنے کی اجازت ہے۔

اگر ضرورت کے تحت مانگنا پڑ جائے تو نیک لوگوں سے مانگو

[حدیث:۷۰۳] ''عَنْ مُعَاوِيَةَ ابْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، لَاتُلْحِفُوْا فِي الْمَسْئَلَةِ فَوَاللّٰهِ! لَايَسْئَالُنِيْ أَحَدٌ مِّنْكُمْ شَيْئاً فَتُخْرِجَ لَهٗ مَسْئَلَتُهٗ مِنِّيْ شَيْئاً وَّأَنَالَهٗ كَارِهٌ فَيُبَارَكَ لَهٗ فِيْمَا أَعْطَيْتُهٗ۔'' (مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۱۲۶)

ترجمہ: ''حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بہت چمٹ چمٹ کر منہ پھاڑ پھاڑ کر نہ مانگا کرو، پس اللہ کی قسم! تم میں سے جو شخص مجھ سے کچھ مانگے گا کوئی چیز اور پس نکالے گا اس کا اصرار کرنا مجھ سے کسی چیز کو اس حال میں میں اس کے لئے ناپسند کرنے والا ہوں پھر ایسا نہ ہوگا کہ اس کے لئے اس چیز میں برکت ہو جائے، جو چیز کہ میں اس کو دوں۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ چمٹ کر لپٹ کر سوال نہ کیا کرو، مانگا نہ کرو، اس لئے کہ اگر کسی نے مجھ سے چمٹ کر لپٹ کر مانگا اور اس کے اصرار کی وجہ سے مجھے دینا پڑا

حالانکہ میرا جی نہ چاہتا تھا دینے کو، میں پسند نہیں کرتا تھا اس کو لیکن اس کے مانگنے کی وجہ سے مجھے دینا پڑا تو اس شخص کے لئے میری اس دی ہوئی چیز میں برکت نہیں ہوگی۔

تو حدیث کا خلاصہ اتنا ہوا کہ لپٹ کر اور منہ پھاڑ کر نہیں مانگنا چاہئے، ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ﴾ (البقرة: ۲۷۳) اور وہ نہیں مانگتے ہیں لوگوں سے لپٹ کر، اول تو آدمی کو مانگنا ہی نہیں چاہئے، بس ایک مانگنے کے لئے بہت ہے ایک اللہ بہت ہے اور کسی سے نہ مانگو۔

آج میں اسی مضمون کو ذکر کر رہا تھا، ہمارے ایک دوست آئے ہوئے تھے، مدارس عربیہ سے، بے چارے چندے کرتے ہیں اور مال داروں کی بڑی جھڑکیاں سنتے ہیں، تنگ بھی بہت کرتے ہیں، میں نے کہا: یہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے۔ کلفٹن میں ایک دوست ہیں ان کا بڑا اچھا خاصا مدرسہ ہے، بڑا کام ہے، اپنے جلسے پر ایک دفعہ مجھے بھی لے کر گئے تھے، زبردست جلسہ تھا، وہاں بیان ہوا، وہ ہمارے حضرت مولانا خان محمد صاحب کے مرید ہیں جو ہماری مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر ہیں، وہ ان سے بیعت ہیں، حضرت نے فرمادیا تھا کہ چندہ کرنے کی ضرورت نہیں، کسی سے مانگا نہ کرو، اور ان کو ایک وظیفہ بتادیا تھا کہ یہ وظیفہ پڑھتے رہو، اللہ تعالیٰ خود ہی بھیج دیتے ہیں، تھوڑا سا تو حضرت نے بھی لگا دیا تاکہ وظیفہ پڑھتے رہو، یہ بھی تھوڑا سا ایک سہارا لگا دیا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا تھا: حضرت! دُعا کرلیا کروں؟ فرمایا کہ: وہ نہیں جانتا تو بتادو اس کو! اگر اس کو پتا نہیں ہے کہ ہمارا ایک بندہ ضرورت مند ہے تو اس کو بتادو، اور اگر جاننے کے بعد نہیں دیتا تو بخیل ہے، اس کی منّت سماجت کرلو۔ مطلب یہ ہے کہ نہ ان کو بتانے کی ضرورت ہے اور نہ ان کو کہنے کی ضرورت ہے، تو پھر دُعا کیوں مانگتے ہیں؟ دُعا مانگتے ہیں اپنے عجز کو ظاہر کرنے کے لئے، لینا نہیں ہے وہ خود ہی دے دیں گے، دے کیا دیں گے دے رہا ہے ازل سے دے رہا ہے، میرا مانگنا حادث ہے اور اس کی عطا قدیم ہے، تو اب مانگ رہا ہے اور وہ تجھے دینے کا فیصلہ ازل میں کرچکا ہے، تو حادث قدیم کا سبب کیسے بن سکتا ہے؟

اللہ سے مانگو، ہونا تو یہ چاہئے، یہ تو تم جانتے ہو کہ آدمی تندرست ہو، طاقت ور ہو تو اپنے پاؤں پر چلتا ہے اور جب بیمار کمزور ہو تو دوسرے پکڑ کر چلاتے ہیں، چھوٹا بچہ ہوا بھی چلنے کی طاقت نہیں آئی تو وا کرکے ساتھ چلاتے ہیں، اپنے آپ نہیں کھڑا ہوسکتا، اگر آدمی کا ایمان صحت مند ہو، طاقت ہو تو پھر اس کو ان سہاروں کی ضرورت نہیں، اپنے آپ چلتا ہے اور ہم چونکہ ابھی نابالغ ہیں اور نابالغ کیا ابھی تک شیر خوار ہیں، ہمارا ایمان ابھی تک شیر خوار ہے، چلنا نہیں سیکھا، اور یا بڈھا ہوگیا، تھک گئے کمزور ہوگئے دوسرے پکڑ کر چلاتے ہیں، ورنہ ہم ان سہاروں کے محتاج نہ ہوتے اور ہمیں ان سہاروں کے حوالے نہ کیا جاتا، جیسا معاملہ ہم اللہ

تعالیٰ کے ساتھ کرتے ہیں ویسا اللہ کی جانب سے ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اوّل تو بندوں سے مانگنا ہی نہیں چاہئے لیکن اگر مانگنا ہوتو دو باتیں فرمائیں، ایک تو یہ کہ تم اپنے حاکم سے مانگ لو، اس لئے کہ حاکم گویا کہ ایک درجے میں سب کا کفیل ہے، اس کو حکومت اللہ تعالیٰ نے اسی لئے عطا فرمائی ہے کہ وہ کمزوروں کی کفالت کرے، ایک درجے میں تم اس سے اپنا حق وصول کروگے اور فرمایا کہ: تم مانگو تو نیک لوگوں سے مانگو، نیک لوگوں سے اس لئے مانگو کہ کم سے کم تمہارے دُعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کفایت فرمائے۔ میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں کہ اتنے کا قرضہ ہے کچھ امداد کرو، کہہ دیتا ہوں کہ ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائیں گے۔ تو پھر اللہ سے مانگتا ہوں کہ اب میں نے ان سے وعدہ کرلیا ہے ان کا کوئی بندوبست کیجئے، اب ضرورت ان کی ہے، مانگ رہا ہوں ان کے لئے میں، کمال کی بات ہے، اور دونوں صورتوں میں حاکم سے مانگو یا کسی اچھے نیک آدمی سے مانگو، یہ شرط ہے کہ الحاح نہ کرو، الحاح کا معنی ہے چمٹ جانا لپٹ جانا، یہ نہیں، لپٹنا تو بس ایک ہی سے چاہئے، اللہ تعالیٰ سے۔ اس سے جتنا چاہو لپٹو، جتنا چاہو اصرار کرو اور کسی سے نہ لپٹو، بس اپنی ضرورت پیش کرو، اس کے علم میں بات آ گئی، اب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا اس کے دل میں بات ڈال دیں گے، نہیں منظور ہوگا نہ سہی:

ملک خدا تنگ نیست
پائے گدا لنگ نیست

پھر کوئی دوسرا دروازہ سہی!

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ: تم میں سے جو شخص مجھ سے سوال کرتے ہوئے چمٹ کر مانگے گا، اصرار کرے گا اور اس مانگنے کی وجہ سے مجھے بامر مجبوری دینا پڑے گا تو اس کے لئے میرے دیئے ہوئے میں برکت نہیں ہوگی، بے برکتی ہوگی، برکت اسی صورت میں ہوگی جبکہ خوشی سے دے دوں۔

[حدیث:۷۰۴] ”عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّهُمْ خَيَّرُوْنِیْ بَيْنَ أَنْ يَّسْئَلُوْنِیْ بِالْفُحْشِ أَوْ يُبَخِّلُوْنِیْ وَلَسْتُ بِبَاخِلٍ، قَالَهُ حِيْنَ قَسَّمَ قَسْماً فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! لِغَيْرِ هٰؤُلَاءِ كَانَ أَحَقُّ بِهِ مِنْهُمْ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الزکاۃ، بَاب إِعْطَاءِ مَنْ سَأَلَ بِفُحْشٍ وَغِلْظَةٍ، حدیث:۱۷۴۸)

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: البتہ ان لوگوں نے مجھے اختیار دیا کہ وہ مجھے لپٹ کر بُرے طریقے سے مجھ سے مانگیں، یا یہ کہ مجھے بخیل مشہور کریں، اور میں بخیل نہیں ہوں۔ یہ بات آپ ﷺ نے فرمائی تھی جبکہ آپ ﷺ نے کچھ مال تقسیم فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یارسول اللہ! ان کے

علاوہ دوسرے لوگ زیادہ مستحق تھے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ مال تقسیم کیا، کچھ نومسلم تھے، انہوں نے بہت اصرار کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے مانگا، اس کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو مرحمت فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یا رسول اللہ! دوسرے لوگ زیادہ مستحق تھے ان کے بجائے۔ فرمایا کہ: انہوں نے مجھے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا، یا تو اصرار کر کے جو یہ مانگ رہے تھے وہ میں ان کو دے دوں اور یا یہ کہ میں انکار کردوں تو یہ جا کر کہیں کہ یہ بڑے بخیل آدمی ہیں، نعوذ باللہ! وہ مانگنے پر بھی کسی کو نہیں دیتے، اور میں بخل کرنے والا ہوں نہیں۔ اس لئے میں نے پہلی صورت کو اختیار کرلیا، مستحق تو خیر تھے ہی یہ لیکن انہوں نے مجھے دینے پر مجبور کردیا۔

کسی سے کوئی چیز مانگنی ہو تو اصرار کرنا اور اڑ جانا جیسے کہ منگتے فقیر اڑ جاتے ہیں یہ غلط ہے، البتہ کوئی خوش دلی کے ساتھ دیدے تو لے لو مگر اصرار نہ کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ صدقات جمع کرنے کے لئے مجھے بھیجا، میں واپس آیا تو مجھے کچھ مرحمت فرمایا، میں نے کہا کہ: حضور! مجھے ضرورت نہیں کسی اور کو دے دیجئے، میرا کام الحمدللہ چل رہا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ: جو چیز کہ تیرے پاس بے مانگے اور دل کی خواہش کے بغیر آئے:

”مِنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ وَلَا إِشْرَافٍ“ (کذا فی السنن الکبریٰ للبیہقی)

مانگا بھی نہیں اور دل کے بغیر آجائے اس کو لے لیا کرو، اور جو ایسی نہ ہو اپنے نفس کو اس کے پیچھے نہ لگاؤ کہ یہ مجھے ملنی چاہئے تھی ملی نہیں افسوس ہے۔ تو آداب میں سے یہ ہے کہ آدمی اصرار نہ کرے، اپنے بڑوں کے سامنے جن سے لینے کا ہمیں حق ہے، ان کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کردینا اس میں مضائقہ نہیں۔

سوال کرنے کی مذمت

[حدیث: ۷۰۵] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ مَا يَكُنْ عِنْدِیْ مِنْ خَيْرٍ فَلَمْ أَدَّخِرْهُ عَنْهُ وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ وَمَا أُعْطِیَ أَحَدٌ عَطَاءً عَنْ خَيْرٍ أَوْ مِنْهُ الصَّبْرِ“

(رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، بَابُ الِاسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ، حدیث: ۱۳۷۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو مال میرے پاس ہوتا ہے اس کو میں تم سے چھپا کر جمع نہیں رکھتا جو شخص سوال اور حرام کاموں سے اپنے آپ کو بچائے پرہیز بننے کے ارادے سے تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا پرہیز

گار کر دیں گے اور جو شخص دنیا سے بے پرواہی اختیار کرنے کی نیت رکھے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو دنیا کے مال سے بے پروا کر دیں گے اور جو شخص کہ مصیبت اور بلا میں اپنے آپ کو بزور صبر والا بنائے تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا صبر کرنے والا بنا دیں گے اور بہتر اور کشادہ تر صبر سے زیادہ کوئی نعمت نہیں۔‘‘

تشریح: آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ حضرات انصار آئے اور کچھ مال کا مطالبہ کیا، آنحضرت ﷺ نے ان کو کچھ دے دیا، انہوں نے پھر مطالبہ کیا پھر دے دیا، پھر مطالبہ کیا پھر دے دیا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اور اس حدیث کے چند جملے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں پہلی بات تو یہ فرمائی کہ: جو کچھ میرے پاس ہوتا ہے میں تم سے چھپا کر نہیں رکھتا بلکہ جو ہوتا ہے دے ڈالتا ہوں، آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بیت المال نہیں تھا جس میں مال جمع کیا جائے بلکہ جو کچھ آتا تھا اللہ تعالیٰ کے راستے میں فوری طور پر تقسیم کر دیتے تھے، دوسری بات یہ ارشاد فرمائی، ’’من یستعف یعفه الله‘‘ جو شخص عفت اختیار کرے گا یعنی مانگے گا نہیں، سوال نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سوال سے بے نیاز کر دیں گے، اس شخص نے گویا اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کر لیا ہے کہ میں مخلوق سے نہیں مانگوں گا، اللہ تعالیٰ اس کو مخلوق سے مانگنا کیا محتاج بھی نہیں رکھیں گے، تیسرا جملہ ہے ’’و من یستغنی یغنه الله‘‘ جو شخص استغناء کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دیں گے یعنی اس کو محتاج ہی نہیں رکھیں گے کسی کا اور چوتھا فقرہ یہ ہے کہ ’’من یتصبر یصبره الله‘‘ جو شخص کہ صبر اختیار کرے گا چاہے اس کے لیے تکلف ہی کرنا پڑے اللہ تعالیٰ اس کو صابر بنا دیں گے، اس کو صبر کی دولت عطا فرما دیں گے، اور آخر میں فرمایا کہ کسی شخص کو صبر سے بہتر اور صبر سے وسیع کوئی دولت عطا نہیں کی گئی، سب سے بڑی دولت اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو عطا کی ہے تو وہ صبر ہے، یہ حدیث مکارم اخلاق کا مجموعہ ہے اور حق تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرما دیں تو گویا دنیا اور آخرت کی خیر رسول اللہ ﷺ نے اس میں جمع کر دی ہے۔

[حدیث: ۷۰۶] ’’......عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ......، أَمَّا بَعْدُ! فَوَاللهِ إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي وَلٰكِنْ أُعْطِي أَقْوَامًا لِمَا أَرَى فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْغِنَى وَالْخَيْرِ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ..........‘‘

(صحیح بخاری ج:۳، ص:۴۵۸، حدیث نمبر: ۸۷۱، بَاب مَنْ قَالَ فِي الْخُطْبَةِ بَعْدَ الثَّنَاءِ أَمَّا بَعْدُ رَوَاهُ عِكْرِمَةُ......)

ترجمہ: ’’حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ بے شک میں دیتا ہوں ایک آدمی کو اور چھوڑ دیتا ہوں دوسرے آدمی کو

یعنی اس کو کچھ نہیں دیتا اور جس شخص کو میں چھوڑتا ہوں وہ مجھے زیادہ محبوب ہے بنسبت اس شخص کے جس کو میں دیتا ہوں لیکن میں بہت سے لوگوں کو دیتا ہوں اس لئے کہ میں ان کے دلوں میں گھبراہٹ اور حرص پاتا ہوں اور کچھ لوگوں کو سپرد کر دیتا ہوں اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مالداری اور خیر رکھی ہے، انہی لوگوں میں سے ایک حضرت عمرو بن تغلب ہیں۔''

تشریح: یہ حدیث بخاری شریف کی ہے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ کچھ مال کہیں سے آیا، آنحضرت ﷺ نے کچھ لوگوں کو دے دیا کچھ کو نہیں دیا جو مناسب سمجھا دے دیا، آنحضرت ﷺ اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے اس لئے آپ کی ذات اقدس کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کسی کی رورعایت فرماتے ہوں کہ اس کو دے دیا اس کو نہیں دیا لیکن بعض نومسلم یا خصوصاً منافق وہ اس قسم کے اعتراضات کیا کرتے تھے تو اس خطبے میں ارشاد فرمایا کہ میں بعض لوگوں کو دے دیتا ہوں اور بعض کو چھوڑ دیتا ہوں حالانکہ جن کو چھوڑ دیتا ہوں ان کو نہیں دیتا وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتے ہیں بنسبت ان لوگوں کے جن کو میں دیتا ہوں، اپنے پیاروں کو نہیں دیتے بلکہ لوگوں کو دیتے ہیں اور فرمایا کہ میں جن لوگوں کو دیتا ہوں ان کے اندر حرص پائی جاتی ہے بخل پایا جاتا ہے اور مال کی خواہش پائی جاتی ہے، اس لئے میں ان کو دے دیتا ہوں اور جن کو نہیں دیتا ان کے اندر غنا پایا جاتا ہے، دل کے غنی ہیں، صبر ہے، استقامت ہے، ان کو نہیں دیتا اور انہی لوگوں میں سے ایک حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ ہیں، یہ حدیث کے راوی ہیں یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں ان کو کچھ دیں تو ٹھیک نہ دیں تو بہت خوش ہیں کبھی رنجیدہ نہیں ہوتے، تو آنحضرت ﷺ تو حکم الٰہی کے مطابق عطا فرماتے تھے لیکن عام لوگوں کو اور خاص طور پر نومسلموں کو آنحضرت ﷺ کے طرز عمل پر بھی اعتراض ہو جاتے تھے۔ نعوذ باللہ استغفر اللہ۔ تو اب تو پندرھویں صدی ہے اب تو مولوی پر اعتراض کیوں نہیں ہوگا۔

کتابُ الصَّوم

رمضان اور روزے کی فضیلت و حقیقت

[حدیث:۷۰۷] ”عَنۡ أَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتۡ أَبۡوَابُ السَّمَاءِ وَفِیۡ رِوَایَۃٍ فُتِحَتۡ أَبۡوَابُ الۡجَنَّۃِ وَغُلِّقَتۡ أَبۡوَابُ جَھَنَّمَ وَسُلۡسِلَتِ الشَّیَاطِیۡنُ وَفِیۡ رِوَایَۃٍ فُتِحَتۡ أَبۡوَابُ الرَّحۡمَۃِ۔“ (مشکوۃ کتاب الصوم حدیث ۱۸۶۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جب رمضان داخل ہوجاتا ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جنّت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنّم کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور شیاطین کو پابند سلاسل کردیا جاتا ہے، اور ایک روایت میں ہے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔“

تشریح: صوم، روزہ کے معنی اپنے پیٹ میں کوئی چیز داخل کرنے سے باز رہنا اس کا نام روزہ ہے، روزے کی فرضیت مدینہ طیبہ میں ۲ ھ کو ہوئی، قرآن کریم میں ہے:

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ﴾ (البقرۃ:۱۸۳)

ترجمہ: ”اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کردیا گیا جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ پہلی اُمتوں پر بھی فرض تھا، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تک تمام اُمتوں پر اور نبیوں پر روزہ فرض کیا گیا لیکن روزے کی شکلیں مختلف رکھی گئیں، کامل اور مکمّل روزہ یہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کے لئے مقرر کیا گیا، بعض چیزوں کا بعض اُمتوں میں جواز تھا لیکن کامل اور مکمّل روزہ اور خاص طور پر ایک مہینے کا روزہ یہ اس اُمّت پر رکھا گیا، اس اعتبار سے دوسری قوموں کے ساتھ اس قوم کی مشابہت بھی ہے اور ایک اعتبار سے دوسری قوموں سے اس اُمّت کا امتیاز بھی ہے۔

عام طور سے روزہ کھانے پینے اور بیوی کے پاس نہ جانے کا نام ہے لیکن عارفین کہتے ہیں کہ اصل روزہ یہ ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک انسان کے تمام وجود پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہوجائے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص روزے دار سے کوئی بات کرے، بحث مباحثہ کرے تو اس کو کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں، یعنی روزہ رکھ کر بحث ومباحثہ کرنا، جھگڑا کرنا یا دوسری لغویات میں مشغول ہونا یہ بھی شرعاً جائز نہیں۔

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب رمضان داخل ہوجاتا ہے، اور رمضان کا داخل ہونا اس کی رات کا داخل ہونا ہے کیونکہ شریعت میں دن تابع ہے رات کے سوائے حج کے پانچ دنوں کے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے دنوں کو متبوع بنایا ہے اور راتوں کو ان کے تابع کیا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ حج کا دن شروع ہوتا ہے قربانی کے دن سے اور وہ سورج نکلنے سے لے کر ایام تشریق کے خاتمے تک باقی رہتا ہے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دسویں رات نصف گزر جائے تو حج شروع ہوجاتا ہے یعنی رَمی (شیطان کو پتھر مارنے) کا عمل شروع ہوجاتا ہے لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں، جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ رمی کا اول وقت سورج نکلنے کے بعد ہے اور اگر کوئی طلوع صبح صادق کے بعد رمی کر لیتا ہے تو رمی مکروہ ہے لیکن رمی ہوجاتی ہے، یہ رمی صبح صادق سے یا طلوع آفتاب سے شروع ہوکر اگلے دن طلوع صبح صادق تک رہتی ہے، صبح صادق ہوگی اگلے دن کی تو رمی کا وقت ختم ہوگیا۔ یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ رات کو تابع کر دیا گیا ہے دن کے، اسی طرح باقی راتوں میں بھی دن پہلے آتا ہے رات اس کے تابع ہوتی ہے لیکن تیرہ ذوالحجہ کی رات پھر اپنی اصل پر لوٹ جاتی ہے یعنی رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں ہوتا ہے، چنانچہ جب سورج غروب ہوگیا تیرہ تاریخ کا، تو رَمی کا وقت ختم ہوگیا۔

تو میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب رمضان داخل ہوجاتا ہے اور رمضان کا داخل ہونا اس کی رات کے داخل ہونے سے ہوتا ہے، رات پہلے آتی ہے دن بعد میں آتا ہے، "فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ" آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہاں تین روایتیں ہیں، آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ

رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، رمضان جب شروع ہوتا ہے یعنی شعبان کا سورج غروب ہوا اور رمضان شروع ہوا تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یا جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یا رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہ مضمون آپس میں ایک دوسرے سے جڑتا ہے اس لئے کہ آسمان کے دروازے کھول دیئے جانا یہ کنایہ ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھول دیئے جانے کا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھول دیئے جانا یہ کنایہ ہے جنّت کے دروازے کھول دیئے جانے سے یعنی جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنّم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں رمضان مبارک شروع ہوجانے کے بعد، بلکہ اس کی پہلی تاریخ شروع ہوجانے سے بلکہ اس کا پہلا لمحہ شروع ہوجانے سے جہنّم کے دروازے بند اور جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، ﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ﴾ (الحجر: ۴۴) جہنّم کے سات دروازے ہیں، جنّت کا ایک دروازہ زیادہ رکھا ہے، دوزخ کا ایک دروازہ کم رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے حضور اقدس اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ایک بہت بڑا بھاری پتھر جہنّم کے کنارے سے گرادیا جائے وہ ستر سال تک چلتا رہے تو پھر بھی وہ اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے گا، قاعدہ یہ ہے کہ ہلکی پھلکی چیز آہستہ جاتی ہے اور جتنی چیز وزنی ہوتی ہے اتنی زیادہ تیزی سے جاتی ہے، تو ستر سال تک ایک بھاری چٹان جہنّم کے کنارے سے یعنی من سے گرادی جائے تو ستر سال تک گرتی رہے گی لیکن اس کی گہرائی کو نہیں پہنچ سکے گی یہ اتنی بڑی دوزخ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی وعدہ کرلیا ہے کہ تجھے بھروں گا جیسے کہ دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جہنّم کی گہرائی کو اور اس کے لمبا چوڑا ہونے کو رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ: یارسول اللہ! اس کو بھرے گا کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تمہارا ایک آدمی اور یاجوج ماجوج کے ہزار آدمی برابر ہیں، تمہارا ایک آدمی جہنّم میں جائے معاذ اللہ تو جہنّم میں یاجوج ماجوج کے جانے والے ایک ہزار آدمی ہوں گے، اس کے باوجود کتنے کافر ہیں کتنے مشرک ہیں کتنے بے ایمان ہیں کتنے فاسق و فاجر ہیں جہنّم بھرے گی نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ نے وعدہ کرلیا ہے جہنّم سے بھرنے کا کہ تجھے بھروں گا تو سب کچھ ڈال دیں گے جہنّم میں جن جن کو ڈالنا ہے پھر اس سے پوچھیں گے کہ بھر بھی گئی؟ وہ کہی گی کہ ''هَلْ مِنْ مَزِيدٍ'' کچھ اور ہے تو لاؤ، جہنّم اتنی وسیع وعریض اور اتنی گہری ہے کہ تمام اہل جہنّم کو سما جائے گی باوجود اس کے وہ ھل من مزید پکارتی رہے گی کہ کچھ اور بھی ہے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ آخر میں اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک جہنّم میں رکھیں گے جیسا اللہ کی شان کے لائق ہے اور اس کے رکھنے کی برکت سے جہنّم ایک دوسرے کی طرف سمٹ جائے گی اور کہے گی ''قط! قط! قط!'' بس! بس! بس! یعنی اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں اور جنّت بھی نہیں بھرے گی۔

اُمِّ رومان ایک صحابیہ کا نام ہے، ان کا لڑکا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شہید ہوگیا تھا، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! میرا لڑکا آپ کے ساتھ شہید ہوگیا ہے، اگر وہ اچھی حالت میں ہے پھر تو ٹھیک ہے صبر کروں گی اور اگر کسی دوسری طرف چلا گیا تو میں جیسا کہ ماں کو بیٹے پر ترس ہوتا ہے اپنا رونے کا حوصلہ تو نکال لوں، آنحضرت اللہ ﷺ نے فرمایا: **یا اُمَّ فُلاَنٍ!** فلانے کی اَمّاں! وہ ایک جنّت نہیں ہے وہ اُوپر نیچے سو جنتیں ہیں، اور ایک جنّت سے دوسری جنّت کا فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ زمین سے آسمان کا فاصلہ، اور سب سے اُوپر کی جنّت، جنّت الفردوس ہے، اور اس کی چھت عرشِ الٰہی ہے (فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ سے مانگنی ہو تو جنّت الفردوس مانگا کرو) تو تیرا بیٹا معمولی جنّت میں نہیں ہے، جنّت الفردوس میں ہے۔

یہ سو کی سو جنتیں سب بھر جائیں گی اور جنتیں بھی اتنی وسیع ہوں گی کہ سب سے ادنیٰ درجے کا جو جنتی ہوگا اس کو زمین سے دس گنا زیادہ جنّت دی جائے گی کل روئے زمین جتنی ہمارے سامنے ہے اس کو دس سے ضرب دے لو اور زیادہ پھیلا لو، اتنی جنّت سب سے ادنیٰ آدمی کو دی جائے گی، جو سب سے آخری آدمی دوزخ سے نکل کر جنّت میں داخل کیا جائے گا، اتنی بڑی بڑی تو جنّت دی جائیگی اور اللہ کے نیک بندے کتنے ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار تو نبی ہوئے، صدیق ہیں، شہید ہیں، صالحین ہیں، اولیاء اللہ ہیں، تمام قسم کے لوگ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کریں گے، جنّت کو بھرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نئی مخلوق کو پیدا کریں گے اور ان کو جنّت میں آباد فرمائیں گے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا: حضرت! یہ جو جنّت کا وہ حصہ ہے جو نئے لوگوں سے بھرا جائے گا آپ چاہتے ہیں کہ ہمارا نمبر بھی ان میں لگ جائے؟ فرمایا: نا بھائی! ہم نہیں چاہتے، انہیں کیا لطف آئے گا جنّت میں؟ لطف تو ہمیں آئے گا کیونکہ ہم نے تو دُنیا کی مصیبتیں جھیلیں، دُنیا کی تکالیف برداشت کیں، دُنیا کا دکھ درد دیکھا، دُنیا کی لڑائی بھڑائی بھی دیکھی، یہاں کی اُونچ نیچ بھی دیکھی اور پھر جنّت میں داخل ہوئے، ہمیں ہی لطف آئے گا کہ وہ دُنیا تھی اور یہ جنّت ہے، اور جو لوگ کہ اسی وقت پیدا کر کے جنّت میں داخل کردیئے گئے انہیں کیا پتا کہ دُنیا کیا ہے؟ جنّت کیا ہے؟

بہرحال! فرمایا: جب رمضان داخل ہوجاتا ہے تو آسمان کے دروازے اور ایک روایت میں ہے کہ جنّت کے دروازے اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنّم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں ان پر تالا ڈال دیا جاتا ہے، جنّت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے جنّت کا ایک دروازہ نہیں سارے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ لوگ جنّت کی طرف آئیں اور جہنّم کا دروازہ بند کردیا جاتا ہے کہ یہاں کوئی نہ آئے، لیکن اس کے باوجود بھی لوگ جہنّم میں جاتے ہیں جنّت میں نہیں جاتے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ہماری حالت پر رحم فرمائے، جنّت اور جہنّم کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو حضرت

جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا کہ جا کے جنّت اور دوزخ کی سیر تو کر کے آؤ وہ جنّت کی سیر کر کے آئے اتنی نفیس کہ آ کے کہنے لگے کہ: یا اللہ! کسی آدمی کو پتہ چل جائے کہ یہ جنّت ہے وہ اس میں داخل ہوئے بغیر رہے گا نہیں۔ جہنّم کو دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ: یا اللہ! کوئی شخص جہنّم کا نام بھی سن لے گا تو توبہ پڑھے گا اور کبھی اس کی طرف رُخ بھی نہیں کرے گا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جنّت کو مکارہ یعنی ناگوار چیزوں کی باڑھ لگا دی ہے اور جہنّم کو شہوات میں ڈھانپا گیا ہے۔

آدابِ رمضان

ماہِ رمضان کی فضیلت

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾﴾ (البقرۃ)

ترجمہ: ’’ماہِ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا، جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے (ذریعہ) ہدایت ہے اور واضح الدلالت ہے، من جملہ ان کتب کے جو (ذریعہ) ہدایت (بھی) ہیں اور (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی (بھی) ہیں۔ سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس (ماہ) میں روزہ رکھنا چاہئے، اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دُوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (اَحکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (اَحکام وقوانین مقرّر کرنے میں) دُشواری منظور نہیں، اور تاکہ تم لوگ (ایام ادا یا قضا کی) شمار کی تکمیل کر لیا کرو (کہ ثواب میں کمی نہ رہے) لہٰذا تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی (وثنا) بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو (ایک ایسا) طریقہ بتلا دیا (جس سے تم برکات و ثمراتِ رمضان سے محروم نہ رہو گے) اور (عذر سے خاص رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لئے دے دی) تاکہ تم لوگ (اس نعمتِ آسانی پر اللہ کا) شکر ادا کیا کرو۔‘‘

(ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

احادیثِ مبارکہ:

حدیث: ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب رمضان داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں (اور ایک روایت میں ہے کہ: جنّت کے دروازے۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ: رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں)، اور جہنّم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، اور شیاطین پابندِ سلاسل کردیئے جاتے ہیں۔‘‘ (بخاری و مسلم)

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’تم پر رمضان کا مبارک مہینہ آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض کیا ہے، اس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، اور سرکش شیطان قید کردیئے جاتے ہیں، اس میں اللہ کی (جانب سے) ایک ایسی رات (رکھی گئی) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو شخص اس کی خیر سے محروم رہا، وہ محروم ہی رہا۔‘‘ (احمد، نسائی، مشکوٰۃ)

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن قید کردیئے جاتے ہیں، اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، پس اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا، اور جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پس اس کا کوئی دروازہ بند نہیں رہتا، اور ایک منادی کرنے والا (فرشتہ) اعلان کرتا ہے کہ: اے خیر کے تلاش کرنے والے! آگے آ، اور اے شر کے تلاش کرنے والے! رُک جا۔ اور اللہ کی طرف سے بہت سے لوگوں کو دوزخ سے آزاد کردیا جاتا ہے، اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔‘‘

(احمد، ترمذی، ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ)

حدیث: ’’حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن ہمیں خطبہ دیا، اس میں فرمایا: ’’اے لوگو! تم پر ایک بڑی عظمت والا، بڑا بابرکت مہینہ آرہا ہے، اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض کیا ہے، اور اس کے قیام (تراویح) کو نفل (یعنی سنّتِ موٴکدہ) بنایا ہے، جو شخص اس میں کسی بھلائی کے (نفلی) کام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرّب حاصل کرے، وہ ایسا ہے کہ کسی نے غیر رمضان میں فرض ادا کیا، اور جس نے اس میں

فرض ادا کیا، وہ ایسا ہے کہ کسی نے غیر رمضان میں ستر ۷۰ فرض ادا کئے، یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا ثواب جنّت ہے، اور یہ ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے، اس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، اور جس نے اس میں کسی روزہ دار کا روزہ اِفطار کرایا تو وہ اس کے لئے اس کے گناہوں کی بخشش اور دوزخ سے اس کی گلوخلاصی کا ذریعہ ہے، اور اس کو بھی روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا، مگر روزہ دار کے ثواب میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔“

ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کو تو وہ چیز میسر نہیں جس سے روزہ اِفطار کرائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائیں گے جس نے پانی ملے دُودھ کے گھونٹ سے، یا ایک کھجور سے، یا پانی کے گھونٹ سے روزہ اِفطار کرادیا، اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا پلایا اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (کوثر) سے پلائیں گے جس کے بعد وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا، یہاں تک کہ جنّت میں داخل ہوجائے (اور جنّت میں بھوک پیاس کا سوال ہی نہیں)، یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا پہلا حصہ رحمت، درمیان حصہ بخشش اور آخری حصہ دوزخ سے آزادی (کا) ہے۔ اور جس نے اس مہینے میں اپنے غلام (اور نوکر) کا کام ہلکا کیا، اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمائیں گے، اور اسے دوزخ سے آزاد کردیں گے۔“

(بیہقی شعب الایمان، مشکوٰۃ)

حدیث: ”ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”رمضان کی خاطر جنّت کو آراستہ کیا جاتا ہے، سال کے سرے سے اگلے سال تک، پس جب رمضان کی پہلی تاریخ ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے (جو) جنّت کے پتوں سے (نکل کر) جنّت کی حوروں پر (سے گزرتی ہے) تو وہ کہتی ہیں: اے ہمارے رَبّ! اپنے بندوں میں سے ہمارے ایسے شوہر بنا جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم سے ان کی آنکھیں۔“

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان، ورواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط کما فی المجمع ج:۳ ص:۱۴۲)

حدیث: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے خود سنا ہے کہ: ”یہ رمضان آچکا ہے، اس میں جنّت کے دروازے کھل جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، اور شیاطین کو طوق پہنا دیئے جاتے ہیں، ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو رمضان کا مہینہ پائے اور پھر اس کی بخشش نہ ہو (جب

اس مہینے میں بخشش نہ ہوئی تو کب ہوگی؟)۔''

(رواہ الطبرانی فی الاوسط، وفیہ الفضل بن عیسیٰ الرقاشی مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۴۳)

روزے کی فضیلت

حدیث: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے ایمان کے جذبے سے اور طلبِ ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا، اس کے گزشتہ گناہوں کی بخشش ہوگئی۔'' (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ)

حدیث: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(نیک) عمل جو آدمی کرتا ہے تو (اس کے لئے عام قانون یہ ہے کہ) نیکی دس سے لے کر سات سو گنا تک بڑھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مگر روزہ اس (قانون) سے مستثنیٰ ہے (کہ اس کا ثواب ان اندازوں سے عطا نہیں کیا جاتا) کیونکہ وہ میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کا (بے حد و حساب) بدلہ دوں گا، (اور روزے کے میرے لئے ہونے کا سبب یہ ہے کہ) وہ اپنی خواہش اور کھانے (پینے) کو محض میری (رضا) کی خاطر چھوڑتا ہے، روزہ دار کے لئے دو فرحتیں ہیں، ایک فرحت اِفطار کے وقت ہوتی ہے، اور دُوسری فرحت اپنے رَبّ سے ملاقات کے وقت ہوگی۔ اور روزہ دار کے منہ کی بو (جو خلو معدہ کی وجہ سے آتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک (و عنبر) سے زیادہ خوشبودار ہے... الخ۔'' (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ)

حدیث: ''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزہ اور قرآن بندے کی شفاعت کرتے ہیں (یعنی قیامت کے دن کریں گے)، روزہ کہتا ہے: اے رَبّ! میں نے اس کو دن بھر کھانے پینے سے اور دیگر خواہشات سے روکے رکھا، لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمائیے۔ اور قرآن کہتا ہے کہ: میں نے اس کو رات کی نیند سے محروم رکھا (کہ رات کی نماز میں قرآن کی تلاوت کرتا تھا) لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمائیے، چنانچہ دونوں کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔'' (بیہقی شعب الایمان، مشکوٰۃ)

رُؤیتِ ہلال

حدیث: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان (کی

تاریخوں) کی جس قدر نگہداشت فرماتے تھے، اس قدر دُوسرے مہینوں کی نہیں (کیونکہ شعبان کے اختتام پر رمضان کے آغاز کا مدار ہے)، پھر رمضان کا چاند نظر آنے پر روزہ رکھتے تھے، اور اگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے (۲۹رشعبان کو چاند) نظر نہ آتا تو (شعبان کے) تیس دن پورے کرکے روزہ رکھتے تھے۔'' (ابوداوٗد، مشکوٰۃ)

حدیث: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رمضان کی خاطر شعبان کے چاند کا اہتمام کیا کرو۔'' (ترمذی، مشکوٰۃ)

سحری کھانا

حدیث: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سحری کھایا کرو، کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔'' (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ)

حدیث: ''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزے کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے (کہ اہلِ کتاب کو سوجانے کے بعد کھانا پینا ممنوع تھا، اور ہمیں صبحِ صادق کے طلوع ہونے سے پہلے تک اس کی اجازت ہے۔'' (مسلم، مشکوٰۃ)

غروب کے بعد اِفطار میں جلدی کرنا

حدیث: ''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک کہ (غروب کے بعد) اِفطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔'' (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ)

حدیث: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین غالب رہے گا، جب تک کہ لوگ اِفطار میں جلدی کرتے رہیں گے، کیونکہ یہود و نصاریٰ تاخیر کرتے ہیں۔'' (ابوداوٗد، ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ)

حدیث: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ: ''مجھے وہ بندے سب سے زیادہ محبوب ہیں جو اِفطار میں جلدی کرتے ہیں۔'' (ترمذی، مشکوٰۃ)

روزہ کس چیز سے اِفطار کیا جائے؟

حدیث: ''سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب

تم میں کوئی شخص روزہ اِفطار کرے تو کھجور سے اِفطار کرے، کیونکہ وہ برکت ہے، اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے اِفطار کرلے، کیونکہ وہ پاک کرنے والا ہے۔''

(احمد، ترمذی، ابوداوٗد، ابنِ ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ)

حدیث: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز (مغرب) سے پہلے تازہ کھجوروں سے روزہ اِفطار کرتے تھے، اور اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک خرما کے چند دانوں سے اِفطار فرماتے تھے، اور اگر وہ بھی میسر نہ آتے تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے۔ (ابوداوٗد، ترمذی، مشکوٰۃ)

اِفطار کی دُعا

حدیث: ''ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ اِفطار کرتے تو فرماتے:

''ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ العُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہ۔''

ترجمہ: ''پیاس جاتی رہی، انتڑیاں تر ہوگئیں، اور اَجر انشاء اللہ ثابت ہوگیا۔''

حدیث: ''حضرت معاذ بن زہرہ فرماتے ہیں کہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ اِفطار کرتے تو یہ دُعا پڑھتے:

''اَللّٰهُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔'' (ابوداؤد مرسلاً، مشکوٰۃ)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں نے تیرے لئے روزہ رکھا، اور تیرے رزق سے اِفطار کیا۔''

حدیث: ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: ''رمضان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا بخشا جاتا ہے، اور اس مہینے میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے والا بے مراد نہیں رہتا۔'' (رواہ الطبرانی فی اوسط، وفیہ ہلال بن عبدالرحمٰن وھو ضعیف کمافی المجمع ج:۳ ص:۱۴۳)

حدیث: ''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک رمضان کے ہر دن رات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بہت سے لوگ (دوزخ سے) آزاد کئے جاتے ہیں، اور ہر مسلمان کی دن رات میں ایک دُعا قبول ہوتی ہے۔''

(رواہ البزار وفیہ ابان بن عیاش وھو ضعیف، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۴۳)

حدیث: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’تین شخصوں کی دُعا رَدّ نہیں ہوتی، روزہ دار کی، یہاں تک کہ اِفطار کرے، حاکمِ عادل کی، اور مظلوم کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بادلوں سے اُوپر اُٹھا لیتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور رَبّ تعالیٰ فرماتے ہیں: میری عزّت کی قسم! میں ضرور تیری مدد کروں گا، خواہ کچھ مدّت کے بعد کروں۔‘‘

(احمد، ترمذی، ابنِ حبان، مشکوٰۃ، ترغیب)

حدیث: ’’عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’روزہ دار کی دُعا اِفطار کے وقت رَدّ نہیں ہوتی۔‘‘ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اِفطار کے وقت یہ دُعا کرتے تھے:‘‘

’’اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ بِرَحۡمَتِکَ الَّتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ اِنۡ تَغۡفِرَلِیۡ۔‘‘

(بیہقی، ترغیب)

ترجمہ: ’’اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کی اس رحمت کے طفیل جو ہر چیز پر حاوی ہے، کہ میری بخشش فرما دیجئے۔‘‘

رمضان کا آخری عشرہ

حدیث: ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں ایسی عبادت ومحنت کرتے تھے جو دُوسرے اوقات میں نہیں ہوتی تھی۔‘‘

(صحیح مسلم، مشکوٰۃ)

حدیث: ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لنگی مضبوط باندھ لیتے (یعنی کمر ہمت چست باندھ لیتے) خود بھی شب بیدار رہتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی بیدار رکھتے۔‘‘ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ)

لیلۃ القدر

حدیث: ’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان المبارک آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’بے شک یہ مہینہ تم پر آیا ہے، اور اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، جو شخص اس رات سے محروم رہا، وہ ہر خیر سے محروم رہا، اور اس کی خیر سے کوئی شخص محروم نہیں رہے گا، سوائے بدقسمت اور حرمان نصیب کے۔‘‘

(ابنِ ماجہ، واسنادہ حسن، اِن شاء اللہ، ترغیب)

حدیث: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو!'' (صحیح بخاری، مشکوۃ)

حدیث: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب لیلۃ القدر آتی ہے تو جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ نازل ہوتے ہیں، اور ہر بندہ جو کھڑا یا بیٹھا اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو (اس میں تلاوت، تسبیح و تہلیل اور نوافل سب شامل ہیں، الغرض کسی طریقے سے ذکر و عبادت میں مشغول ہو) اس کے لئے دُعائے رحمت کرتے ہیں۔'' (بیہقی شعب الایمان، مشکوٰۃ)

لیلۃ القدر کی دُعا

حدیث: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ فرمائیے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے تو کیا پڑھوں؟ فرمایا: یہ دُعا پڑھا کرو:

''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔''

(احمد، ترمذی، ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ)

ترجمہ: ''اے اللہ! آپ بہت ہی معاف کرنے والے ہیں، معافی کو پسند فرماتے ہیں، پس مجھ کو بھی معاف کر دیجئے۔''

بغیر عذر کے رمضان کا روزہ نہ رکھنا:

حدیث: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے بغیر عذر اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیا تو خواہ ساری عمر روزے رکھتا رہے، وہ اس کی تلافی نہیں کر سکتا (یعنی دُوسرے وقت میں روزہ رکھنے سے اگرچہ فرض ادا ہو جائے گا، مگر رمضان المبارک کی برکت و فضیلت کا حاصل کرنا ممکن نہیں)۔'' (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، دارمی، بخاری فی ترجمۃ الباب، مشکوٰۃ)

رمضان کے چار عمل

حدیث: ''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: رمضان مبارک میں چار چیزوں کی کثرت کیا کرو، دو باتیں تو ایسی ہیں کہ تم ان کے

ذریعہ اپنے رَبّ کو راضی کرو گے، اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ تم ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، پہلی دو باتیں جن کے ذریعہ تم اللہ تعالیٰ کو راضی کرو گے، یہ ہیں: ''لا الٰہ الا اللہ'' کی گواہی دینا اور اِستغفار کرنا، اور وہ دو چیزیں جن سے تم بے نیاز نہیں، یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے جنّت کا سوال کرو اور جہنّم سے پناہ مانگو۔'' (ابنِ خزیمہ، ترغیب)

تراویح

حدیث: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ایمان کے جذبے سے اور ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا، اس کے پہلے گناہ بخش دیئے گئے، اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا، ایمان کے جذبے اور ثواب کی نیت سے، اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے گئے، اور جس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا، ایمان کے جذبے اور ثواب کی نیت سے، اس کے پہلے گناہ بخش دیئے گئے۔'' (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ)

اور ایک روایت میں ہے کہ: ''اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے۔''

(نسائی، ترغیب)

اِعتکاف

حدیث: ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے رمضان میں (آخری) دس دن کا اِعتکاف کیا، اس کو دو حج اور دو عمرے کا ثواب ہوگا۔''

(بیہقی، ترغیب)

حدیث: ''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر ایک دن کا بھی اِعتکاف کیا، اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایسی تین خندقیں بنا دیں گے کہ ہر خندق کا فاصلہ مشرق و مغرب سے زیادہ ہوگا۔'' (طبرانی اوسط، بیہقی، حاکم، ترغیب)

روزہ اِفطار کرانا

حدیث: ''حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جس نے روزہ دار کا روزہ اِفطار کرایا یا کسی غازی کو سامانِ جہاد دیا، اس کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا۔'' (بیہقی شعب الایمان، بغوی شرح السنۃ، مشکوٰۃ)

رمضان میں قرآنِ کریم کا دور اور جود وسخاوت:

حدیث: ''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جود وسخا میں تمام انسانوں سے بڑھ کر تھے، اور رمضان المبارک میں جبکہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت بہت ہی بڑھ جاتی تھی، جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان کی ہر رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کا دور کرتے تھے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی وسخاوت اور نفع رسانی میں بادِ رحمت سے بھی بڑھ کر ہوتے تھے۔'' (صحیح بخاری)

روزہ دار کے لئے پرہیز

حدیث: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جس شخص نے (روزے کی حالت میں) بیہودہ باتیں (مثلاً: غیبت، بہتان، تہمت، گالی گلوچ، لعن طعن، غلط بیانی وغیرہ) اور گناہ کا کام نہیں چھوڑا، تو اللہ تعالیٰ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔'' (بخاری، مشکوٰۃ)

حدیث: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ ان کو اپنے روزے سے سوائے (بھوک) پیاس کے کچھ حاصل نہیں (کیونکہ وہ روزے میں بھی بدگوئی، بدنظری اور بدعملی نہیں چھوڑتے)، اور کتنے ہی (رات کے تہجد میں) قیام کرنے والے ہیں، جن کو اپنے قیام سے ماسوا جاگنے کے کچھ حاصل نہیں۔'' (دارمی، مشکوٰۃ)

حدیث: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''روزہ ڈھال ہے (کہ نفس وشیطان کے حملے سے بھی بچاتا ہے، اور گناہوں سے بھی باز رکھتا ہے، اور قیامت میں دوزخ کی آگ سے بھی بچائے گا)، پس جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ تو ناشائستہ بات کرے، نہ شور مچائے، پس اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑائی جھگڑا کرے تو (دِل میں کہے یا زبان سے اس کو) کہہ دے کہ: میں روزے سے ہوں! (اس لئے تجھ کو جواب نہیں دے سکتا کہ روزہ اس سے مانع ہے)۔'' (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ)

حدیث: ''حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: روزہ

ڈھال ہے، جب تک کہ اس کو پھاڑے نہیں۔" (نسائی، ابنِ خزیمہ، بیہقی، ترغیب)

اور ایک روایت میں ہے کہ: "عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! یہ ڈھال کس چیز سے پھٹ جاتی ہے؟ فرمایا: جھوٹ اور غیبت سے!" (طبرانی الاوسط عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، ترغیب)

حدیث: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے رمضان کا روزہ رکھا، اور اس کی حدود کو پہچانا، اور جن چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے ان سے پرہیز کیا، تو یہ روزہ اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوگا۔"

(صحیح ابنِ حبان، بیہقی، ترغیب)

دو عورتوں کا قصہ

حدیث: "حضرت عبید رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلام، کہتے ہیں کہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: یہاں دو عورتوں نے روزہ رکھا ہوا ہے، اور وہ پیاس کی شدّت سے مرنے کے قریب پہنچ گئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اور اِعراض فرمایا، اس نے دوبارہ عرض کیا (غالباً دوپہر کا وقت تھا) کہ: یا رسول اللہ! بخدا! وہ تو مرچکی ہوں گی یا مرنے کے قریب ہوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا پیالہ منگوایا، اور ایک سے فرمایا کہ اس میں قے کرے، اس نے خون، پیپ اور تازہ گوشت وغیرہ کی قے کی، جس سے آدھا پیالہ بھر گیا، پھر دُوسری کو قے کرنے کا حکم فرمایا، اس کی قے میں بھی خون، پیپ اور گوشت نکلا، جس سے پیالہ بھر گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں سے تو روزہ رکھا، اور حرام کی ہوئی چیز سے روزہ خراب کرلیا کہ ایک دُوسری کے پاس بیٹھ کر لوگوں کا گوشت کھانے لگیں (یعنی غیبت کرنے لگیں)۔" (مسندِ احمد ج:۵ ص:۴۳۰، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۷۱)

روزے کے درجات

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ: روزے کے تین درجے ہیں:

۱: عام۔ **۲:** خاص۔ **۳:** خاص الخاص۔

عام روزہ تو یہی ہے کہ شکم اور شرم گاہ کے تقاضوں سے پرہیز کرے، جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور خاص روزہ یہ ہے کہ کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضاء کو گناہوں سے بچائے، یہ صالحین کا روزہ ہے، اور اس میں چھ باتوں کا اہتمام لازم ہے:

اوّل: ...... آنکھ کی حفاظت، کہ آنکھ کو ہر مذموم و مکروہ اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی چیز سے بچائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''نظر، شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر ہے، پس جس نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے نظرِ بد کو ترک کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان نصیب فرمائیں گے کہ اس کی حلاوت (شیرینی) اپنے دِل میں محسوس کرے گا'' (رواہ الحاکم ج:۴ ص:۳۱۴)۔

دوم: ...... زبان کی حفاظت، کہ بیہودہ گوئی، جھوٹ، غیبت، چغلی، جھوٹی قسم اور لڑائی جھگڑے سے اسے محفوظ رکھے، اسے خاموشی کا پابند بنائے اور ذکر و تلاوت میں مشغول رکھے، یہ زبان کا روزہ ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: غیبت اور جھوٹ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''روزہ ڈھال ہے، پس جب تم میں کسی کا روزہ ہو تو نہ کوئی بیہودہ بات کرے، نہ جہالت کا کوئی کام کرے، اور اگر اس سے کوئی شخص لڑے جھگڑے یا اسے گالی دے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے'' (صحاح)۔

سوم: ...... کان کی حفاظت، کہ حرام اور مکروہ چیزوں کے سننے سے پرہیز رکھے، کیونکہ جو بات زبان سے کہنا حرام ہے، اس کا سننا بھی حرام ہے۔

چہارم: ...... بقیہ اعضاء کی حفاظت، کہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کو حرام اور مکروہ کاموں سے محفوظ رکھے، اور اِفطار کے وقت پیٹ میں کوئی مشتبہ چیز نہ ڈالے، کیونکہ اس کے کوئی معنی نہیں کہ دن بھر تو حلال سے روزہ رکھا اور شام کو حرام چیز سے روزہ کھولا۔

پنجم: ...... اِفطار کے وقت حلال کھانا بھی اس قدر نہ کھائے کہ ناک تک آجائے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں، جس کو آدمی بھرے۔'' (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والحاکم من حدیث مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ) اور جب شام کو دن بھر کی ساری کسر پوری کرلی تو روزہ سے شیطان کو مغلوب کرنے اور نفس کی شہوانی قوّت توڑنے کا مقصد کیونکر حاصل ہوگا؟

ششم: ...... اِفطار کے وقت اس کی حالت خوف و رجا کے درمیان مضطرب رہے کہ نہ معلوم اس کا روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوا یا مردُود؟ پہلی صورت میں یہ شخص مقرّبِ بارگاہ بن گیا، اور دُوسری صورت میں مطرود و مردُود ہوا، یہی کیفیت ہر عبادت کے بعد ہونی چاہئے۔

اور خاص الخاص روزہ یہ ہے کہ دُنیوی افکار سے قلب کا روزہ ہو، اور ماسوا اللہ سے اس کو بالکل ہی روک دیا جائے، البتہ جو دُنیا کہ دین کے لئے مقصود ہو وہ تو دُنیا ہی نہیں، بلکہ توشۂ آخرت ہے۔ بہرحال ذکرِ الٰہی اور فکرِ آخرت کو چھوڑ کر دیگر اُمور میں قلب کے مشغول ہونے سے یہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اربابِ قلوب کا قول ہے کہ دن کے وقت کاروبار کی اس واسطے فکر کرنا کہ شام کو اِفطاری مہیا ہوجائے، یہ بھی ایک درجے کی خطا

ہے، گویا اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رزقِ موعود پر اس شخص کو وثوق اور اعتماد نہیں، یہ انبیاء، صدیقین اور مقربین کا روزہ ہے (احیاء العلوم ج:۲ ص:۱۶۸، ۱۶۹ ملخصاً)۔

روزے میں کوتاہیاں

حضرت حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے ''اصلاح انقلاب'' میں تفصیل سے ان کوتاہیوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو روزے کے بارے میں کی جاتی ہیں، اس کتاب کا مطالعہ کرکے ان تمام کوتاہیوں کی اصلاح کرنی چاہئے، یہاں بھی اس کے ایک دو اقتباس نقل کئے جاتے ہیں، راقم الحروف کے سامنے مولانا عبدالباری ندوی کی ''جامع المجددین'' ہے، ذیل کے اقتباسات اسی سے منتخب کئے گئے ہیں:

''بہت سے لوگ بلا کسی قوی عذر کے روزہ نہیں رکھتے، ان میں سے بعض تو محض کم ہمتی کی وجہ سے نہیں رکھتے، ایسے ہی ایک شخص کو، جس نے عمر بھر روزہ نہ رکھا تھا اور سمجھتا تھا کہ پورا نہ کرسکے گا، کہا گیا کہ تم بطور امتحان ہی رکھ کر دیکھ لو، چنانچہ رکھا اور پورا ہوگیا، پھر اس کی ہمت بندھ گئی اور رکھنے لگا۔ کیسے افسوس کی بات ہے کہ رکھ کر بھی نہ دیکھا تھا اور پختہ یقین کر بیٹھا تھا کہ کبھی رکھا ہی نہ جاوے گا۔ یہ لوگ سوچ کر دیکھیں کہ اگر طبیب کہہ دے کہ آج دن بھر نہ کچھ کھاؤ نہ پیئو، ورنہ فلاں مہلک مرض ہوجائے گا، تو اس نے ایک ہی دن کے لئے کہا، یہ دو دن نہ کھاوے گا، کہ احتیاط اسی میں ہے۔ افسوس! خدا تعالیٰ صرف دن دن کا کھانا چھڑاویں اور کھانے پینے سے عذابِ مہلک کی وعید فرمائیں اور ان کے قول کی طبیب کے برابر بھی وقعت نہ ہو؟ انا للہ!''

''بعضوں کی یہ بے وقعتی اس بدعقیدگی تک پہنچ جاتی ہے کہ روزہ کی ضرورت ہی کا طرح طرح سے انکار کرنے لگتے ہیں، مثلاً: روزہ قوّتِ بہیمیہ کے توڑنے یا تہذیبِ نفس کے لئے ہے، اور ہم علم کی بدولت یہ تہذیب حاصل کرچکے ہیں......''

''اور بعضے تہذیب سے بھی گزر کر گستاخی اور تمسخر کے کلمات کہتے ہیں، مثلاً: ''روزہ وہ شخص رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ ہو'' یا ''بھائی ہم سے بھوکا نہیں مرا جاتا'' سو یہ دونوں فریق بوجہ انکارِ فرضیتِ صوم، زُمرۂ کفار میں داخل ہیں، اور پہلے فریق کا قول محض ''ایمان شکن'' ہے، اور دُوسرے کا ''ایمان شکن'' بھی اور ''دِل شکن'' بھی......''

''اور بعض بلا عذر تو روزہ ترک نہیں کرتے، مگر اس کی تمیز نہیں کرتے کہ یہ عذر شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ ادنیٰ بہانے سے اِفطار کردیتے ہیں، مثلاً: خواہ ایک ہی منزل کا سفر ہو،

روزہ اِفطار کر دیا، کچھ محنت مزدوری کا کام ہوا، روزہ چھوڑ دیا۔ ایک طرح سے یہ بلا عذر روزہ توڑنے والوں سے بھی زیادہ قابلِ مذمت ہیں، کیونکہ یہ لوگ اپنے کو معذور جان کر بے گناہ سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ شرعاً معذور نہیں اس لئے گناہگار رہوں گے۔''

''بعضے لوگوں کا اِفطار تو عذرِ شرعی سے ہوتا ہے، مگر ان سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ بعض اوقات اس عذر کے رفع ہونے کے وقت کسی قدر دن باقی ہوتا ہے، اور شرعاً بقیہ دن میں اِمساک، یعنی کھانے پینے سے بند رہنا واجب ہوتا ہے، مگر وہ اس کی پروا نہیں کرتے، مثلاً: سفرِ شرعی سے ظہر کے وقت واپس آ گیا، یا عورت حیض سے ظہر کے وقت پاک ہوگئی، تو ان کو شام تک کھانا پینا نہ چاہئے۔ علاج اس کا مسائل واَحکام کی تعلیم وتعلّم ہے۔''

''بعض لوگ خود تو روزہ رکھتے ہیں، لیکن بچوں سے (باوجود ان کے روزہ رکھنے کے قابل ہونے کے) نہیں رکھواتے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ عدمِ بلوغ میں بچوں پر روزہ رکھنا تو واجب نہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اولیاء پر بھی رکھوانا واجب نہ ہو، جس طرح نماز کے لئے باوجود عدمِ بلوغ کے ان کو تاکید کرنا بلکہ مارنا ضروری ہے، اسی طرح روزے کے لئے بھی...... اتنا فرق ہے کہ نماز میں عمر کی قید ہے اور روزہ میں تحمل پر مدار ہے (کہ بچہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو)، اور راز اس میں یہ ہے کہ کسی کام کا دفعتہً پابند ہونا دُشوار ہوتا ہے، تو اگر بالغ ہونے کے بعد ہی تمام اَحکام شروع ہوں تو ایک بارگی زیادہ بوجھ پڑ جائے گا، اس لئے شریعت کی رحمت ہے کہ پہلے ہی سے آہستہ آہستہ سب اَحکام کا خوگر بنانے کا قانون مقرّر کیا۔''

''بعض لوگ نفسِ روزہ میں تو اِفراط وتفریط نہیں کرتے، لیکن روزہ محض صورت کا نام سمجھ کر صبح سے شام تک صرف جوفین (پیٹ اور شرم گاہ) کو بند رکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حالانکہ روزے کی نفسِ صورت کے مقصود ہونے کے ساتھ اور بھی حکمتیں ہیں، جن کی طرف قرآن مجید میں اشارہ بلکہ صراحت ہے کہ: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝۱۸۳﴾ ان سب کو نظر انداز کر کے اپنے صوم کو ''جسدِ بے رُوح'' بنا لیتے ہیں۔ خلاصہ ان حکمتوں کا معاصی ومنہیات سے بچنا ہے، سو ظاہر ہے کہ اکثر لوگ روزہ میں بھی معاصی سے نہیں بچتے، اگر غیبت کی عادت تھی، تو وہ بدستور رہتی ہے، اگر بدنگاہی کے خوگر تھے، وہ نہیں چھوڑتے، اگر حقوق العباد کی کوتاہیوں میں مبتلا تھے، ان کی صفائی نہیں کرتے، بلکہ بعض کے

معاصی تو غالباً بڑھ جاتے ہیں، کہیں دوستوں میں جابیٹھے کہ روزہ بہلے گا، اور باتیں شروع کیں، جن میں زیادہ حصہ غیبت کا ہوگا، یا چوسر، گنجفہ، تاش، ہارمونیم، گراموفون لے بیٹھے اور دن پورا کردیا۔ بھلا اس روزے کا کوئی معتد بہ حاصل کیا؟ اتنی بات عقل سے سمجھ میں نہیں آتی کہ کھانا پینا، جو فی نفسہٖ مباح ہے، جب روزے میں وہ حرام ہوگیا، تو غیبت وغیرہ دُوسرے معاصی، جو فی نفسہٖ بھی حرام ہیں، وہ روزے میں کس قدر سخت حرام ہوں گے! حدیث میں ہے کہ: ''جو شخص بدگفتاری و بدکرداری نہ چھوڑے، خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔'' اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بالکل روزہ ہی نہ ہوگا، لہٰذا رکھنے ہی سے کیا فائدہ؟ روزہ تو ہوجائے گا، لیکن ادنیٰ درجے کا۔ جیسے اندھا، لنگڑا، کانا، گنجا، اپاہج آدمی، آدمی تو ہوتا ہے، مگر ناقص۔ لہٰذا روزہ نہ رکھنا اس سے بھی اشد ہے، کیونکہ ذات کا سلب، صفات کے سلب سے سخت تر ہے۔''

پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے روزے کو خراب کرنے والے گناہوں (غیبت وغیرہ) سے بچنے کی تدبیر بھی بتلائی جو صرف تین باتوں پر مشتمل ہے، اور ان پر عمل کرنا بہت ہی آسان ہے:

''خلق سے بلاضرورت تنہا اور یکسو رہنا، کسی اچھے شغل مثلاً: تلاوت وغیرہ میں لگے رہنا اور نفس کو سمجھانا، یعنی وقتاً فوقتاً یہ دھیان کرتے رہنا کہ ذرا سی لذّت کے لئے صبح سے شام تک کی مشقت کو کیوں ضائع کیا جائے؟ اور تجربہ ہے کہ نفس پھسلانے سے بہت کام کرتا ہے، سو نفس کو یوں پھسلاوے کہ ایک مہینے کے لئے تو ان باتوں کی پابندی کرلے، پھر دیکھا جائے گا۔ پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ جس طرز پر آدمی ایک مدّت رہ چکا ہو، وہ آسان ہوجاتا ہے، بالخصوص اہلِ باطن کو رمضان میں یہ حالت زیادہ مدرک ہوتی ہے کہ اس مہینے میں جو اعمالِ صالحہ کئے ہوتے ہیں سال بھر ان کی توفیق رہتی ہے۔''

(از: آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد سوم)

رمضان کی فضیلت

[حدیث:۷۰۸] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَأُغْلِقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ۔'' (مشکوۃ حدیث ۱۸۶۰)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنّم کے

دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں باندھ دیا جاتا ہے۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں رمضان المبارک کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جب رمضان المبارک آجائے تو جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جہنّم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیریں پہنا کر قید کر دیا جاتا ہے، رمضان مبارک کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فیضان اور جوش کا مہینہ ہے، جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جنّت میں داخل ہوسکیں اور جہنّم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں تاکہ کوئی شخص اس راستے کا رُخ نہ کرے، اور شیاطین کو پابہ زنجیر کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو بہکائے نہیں، اور ایک روایت میں آتا ہے کہ: "صفدت مردة الشیاطین" (سنن النسائی، مسند احمد بن حنبل، کنز العمال) سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں، اور اسی کا اثر ہے کہ جس شخص کے دل میں ایمان کی رمق ہوتی ہے رمضان مبارک میں اس کا ظہور ضرور ہوتا ہے، بے نمازی نمازی بن جاتے ہیں، بہت سے لوگ جنہوں نے کبھی قرآن مجید کھول کر نہیں دیکھا وہ بھی قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور دوسرے نیکی کے کاموں کا بھی چرچا ہوجاتا ہے، اور جونہی رمضان ختم ہوتا ہے فضا پھر بدل جاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس رحمت کا جوش ہے جس کی وجہ سے لوگ عبادات میں مشغول ہوجاتے ہیں اور رُجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ رمضان المبارک میں کثرت سے صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے

[حدیث: ۷۰۹] "وَعَنْ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ أَطْلَقَ كُلَّ أَسِيْرٍ وَأَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ۔"

(مشکوٰۃ: کتاب الصیام، حدیث ۱۸۶۹)

ترجمہ: ''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب رمضان کا مہینہ داخل ہوجاتا تو ہر قیدی کو رہائی عطا فرمادیتے اور ہر مانگنے والے کو عطیہ عطا فرماتے۔''

تشریح: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں ہر قیدی کو رہائی عطا فرماتے تھے اور ہر سائل کو عطا فرماتے تھے، کوئی مانگتا تھا آپ اس کو ضرورت کی چیز عطا فرماتے تھے۔

رمضان المبارک کے لئے جنّت کو پورے سال سجایا جاتا ہے

[حدیث: ۷۱۰] ”وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْجَنَّۃَ تُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ إِلٰی حَوْلٍ قَابِلٍ قَالَ فَإِذَا کَانَ أَوَّلُ یَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ ہَبَّتْ رِیحٌ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ عَلَی الْحُوْرِ الْعِیْنَ فَیَقُلْنَ یَا رَبِّ اِجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِکَ أَزْوَاجًا تَقَرُّ بِھِمْ أَعْیُنُنَا وَتَقَرُّ أَعْیُنُھُمْ بِنَا۔“

(مشکوۃ: کتاب الصیام، حدیث: ۱۸۷۰)

ترجمہ: ”ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنّت کو سجایا جاتا ہے رمضان کے لئے سال کے شروع سے لے کر اگلے سال تک، پس جب رمضان کا پہلا دن آتا ہے تو ایک ہوا چلتی ہے عرش کے نیچے جنّت کے پتوں پر اور حور عین کے اوپر سے گذرتی ہے تو وہ کہتی ہیں کہ: اے پروردگار! بنا ہمارے لئے اپنے بندوں میں سے ہمارے ایسے شوہر، جن سے ہماری آنکھیں ان کے لئے ٹھنڈی ہوں اور ان کی آنکھیں ہمارے لئے ٹھنڈی ہوں۔ یہ بیہقی کی روایت ہے۔“

تشریح: اس روایت میں ہے کہ سال کے شروع سے لے کر یعنی شوال سے جنّت کو آئندہ رمضان کے لئے سجانا شروع کیا جاتا ہے، رمضان ختم ہوا، شوال شروع ہوا تو اگلے سال کے لئے جنّت کو سجانا شروع کردیا اور جب رمضان شروع ہوجاتا ہے، پہلی تاریخ شروع ہوجاتی ہے تو عرش کے نیچے ایک عجیب وغریب قسم کی ہوا چلتی ہے اور اس کے ذریعے سے ایک خاص قسم کی آواز آتی ہے جنّت کے پتوں سے، اس آواز کو سن کر جنّت کی حوریں کہتی ہیں کہ: یا اللہ! آپ نے جن لوگوں کے لئے ہمیں تجویز کیا ہے ان کے ذریعے ہماری آنکھیں ٹھنڈی کیجئے اور ہمارے ذریعے سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیجئے۔

رمضان کی آخری شب میں اُمّت کو مغفرت کا پروانہ مل جاتا ہے

[حدیث: ۷۱۱] ”وَعَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّہٗ قَالَ یُغْفَرُ لِأُمَّتِہٖ فِیْ آخِرِ لَیْلَۃٍ مِّنْ رَمَضَانَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَھِیَ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰکِنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا یُوَفّٰی أَجْرَہٗ إِذَا قَوٰی عَمَلَہٗ۔“

(مشکوۃ حدیث ۱۸۷۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بخشش کی جاتی ہے میری اُمّت کی رمضان کی آخری رات میں، عرض کیا گیا:

یارسول اللہ ﷺ کیا یہ لیلۃ القدر ہوتی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ بلکہ کام کرنے والے کی مزدوری اس کا کام پورا ہونے پر ادا کردی جاتی ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے آخری دن کو آپ کی اُمّت کی بخشش کی جاتی ہے، کسی نے کہا: یارسول اللہ ﷺ یہ لیلۃ القدر ہوتی ہے؟ فرمایا کہ: لیلۃ القدر نہیں بلکہ اُصول یہ ہے کہ جب کام کرنے والا اپنا کام پورا کرتا ہے تو اس کی اجرت دے دی جاتی ہے۔ چونکہ محنت کرنے والوں نے رمضان المبارک میں محنت کی، روزے رکھے اور دوسرے معاملات ادا کئے جب رمضان ختم ہورہا ہے تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ان سب کو انعام دیا جاتا ہے کہ ان سب کی بخشش کردی جائے۔

روزے محفوظ کرنے اور بچانے کا بیان

[حدیث: ۲۱۷] ''عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔'' (مشکوۃ: حدیث: ۱۹۰۲)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے نہیں چھوڑا جھوٹی بات کو اور جھوٹ پر عمل کرنے کو، پس اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں اس بات میں کہ وہ (صرف) اس کے کھانے اور پینے کو چھڑائے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص جھوٹی بات کہنے کو اور جھوٹ پر عمل کرنے کو نہیں چھوڑتا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں اس بات کی کہ وہ اپنے کھانے پینے کو چھوڑے، مطلب یہ ہے کہ روزے سے مقصود تو یہ ہے کہ آدمی غلط کام بھی چھوڑ دے اور غلط باتیں بھی چھوڑ دے، جس شخص نے غلط باتیں نہیں چھوڑیں، فضول بکواس کرتا ہے اور غلط عمل نہیں چھوڑا تو اس کا روزہ صرف کھانے پینے کا ہی روزہ ہوگا، روزہ تو اس نے رکھا ہوا ہے شام کو افطار بھی کرے گا لیکن ایسے روزہ کا فائدہ ہی کیا ہوا جبکہ جھوٹ بولنا اور غلط عمل کرنا، غلط کام کرنا اس نے نہیں چھوڑا، میں نے عرض کیا تھا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: روزہ تو اس وقت ہوتا ہے جبکہ زبان کا بھی روزہ ہو یعنی غلط بات نہ کرے، کانوں کا بھی روزہ ہو، گھر میں جا کر ٹی وی نہ دیکھے، ٹی وی سے بھی روزہ ہونا چاہئے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی کا خواہشات سے بھی روزہ ہو، غلط چیزوں کی طرف مائل نہ ہو اور اصل روزہ یہ ہے کہ روزہ رکھنے کے بعد آدمی کا دھیان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی طرف مائل نہ ہو، اگر روزہ رکھ لیا اور اس قسم کی دوسری حرکتیں بھی کررہا ہے، زبان بھی چلا رہا ہے اور کان، ہاتھ

پاؤں کو غلط استعمال کر رہا ہے، دل کو بھی غلط استعمال کر رہا ہے تو پھر روزہ کیا ہوگا؟ اس لئے جب ہم نے روزہ رکھ لیا اور اللہ کی خاطر کھانا پینا ساری چیزیں چھوڑ دیں تو ضروری ہے کہ ان تمام چیزوں سے بھی پرہیز کیا جائے جن پر شریعت نے پابندی لگائی۔

روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا

[حدیث:۴۱۳] ”وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُ وَیُبَاشِرُ وَھُوَ صَائِمٌ وَکَانَ أَمْلَکَکُمْ لِإِرْبِہٖ۔“

(مشکوۃ کتاب الصیام حدیث ۱۹۰۳)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیا کرتے تھے اور بدن سے بدن ملا لیا کرتے تھے روزے کی حالت میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ قدرت رکھتے تھے اپنی حاجت پر یعنی شہوت پر۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں تقبیل فرماتے تھے یعنی بوسہ لینا اور بدن سے بدن ملا لینا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش پر تم سے زیادہ قابو رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ احتمال نہیں تھا کہ غلط خواہشات کی وجہ سے روزہ خراب کر لیں گے ہمارے یہاں تو یہ ہے کہ خدانخواستہ کبھی موقع بھی مل جائے تو روزہ ہی خراب کر لیتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے ایسا کیا ہے، اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر خواہشات پر کنٹرول نہ کر سکے تو اس کے لئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

حالتِ جنابت میں سحری کھانے کا حکم

[حدیث:۴۱۴] ”وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا قَالَتْ: کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُدْرِکُہُ الْفَجْرُ فِیْ رَمَضَانَ وَھُوَ جُنُبٌ مِنْ غَیْرِ حُلْمٍ فَیَغْتَسِلُ وَیَصُوْمُ۔“ (مشکوۃ حدیث ۱۹۰۴)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پاتی تھی فجر یعنی صبح صادق رمضان المبارک میں جنابت کی حالت میں بغیر احتلام کے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرماتے تھے اور روزہ رکھتے تھے۔“

تشریح: گویا احتلام جو غیر اختیاری چیز ہے مراد نہیں ہے بلکہ مجامعت کی جنابت مراد ہے جو کہ اختیاری ہے، لہٰذا اس نیت سے کہ صبح فجر کے وقت غسل کر لیں گے، روزہ دار کے لئے رات کو مجامعت کرنا جائز ہے، اور اس سے دن کا روزہ خراب نہیں ہوتا، اس سے اس وہم کو ختم کرنا مقصود ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ

حالت جنابت میں روزہ رکھنا شاید گناہ ہو۔

بہرحال! یہاں یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر جنابت کی حالت میں تھا یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اور روزے میں وقت کم ہے تو وہ اس حالت میں روزہ رکھ سکتا ہے، روزہ رکھ کر پھر غسل کرلے۔

حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

[حدیث:۷۱۵] "وَعَنْ أَنَسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلاً فِى يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الاَبْنِيَةَ وَسَقَوا الرِّكَابَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ بِالْأَجْرِ۔" (مشکوۃ حدیث ۱۹۲۵)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے سفر میں، پس ہم میں سے کسی کا روزہ تھا کسی کا روزہ نہیں تھا پس ہم ایک منزل میں اُترے وہ بہت سخت گرم دن تھا چنانچہ روزہ رکھنے والے گر پڑے اور جن لوگوں کا روزہ نہیں تھا انہوں نے خیمے لگائے' اونٹوں کو پانی پلایا۔ پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آج تو سارا اجر روزہ چھوڑنے والے لے گئے۔"

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ ایک دفعہ ایک سفر میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، رمضان کا مہینہ تھا، کچھ لوگوں نے روزے رکھے کچھ نے نہیں رکھے، جنہوں نے روزے رکھے وہ تو بھوک کی وجہ سے نڈھال ہوکر گر پڑے اور جن کا روزہ نہیں تھا وہ ماشاء اللہ قوی تھے، انہوں نے سارا کام کیا، سواریوں کو اُتارا، خیمے لگائے، پانی بھر، امویشیوں کو پانی پلایا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج تو اِفطار کرنے والے یعنی روزہ نہ رکھنے والوں نے سبقت حاصل کرلی، کبھی روزہ رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک (حالانکہ روزہ رکھنا فرض ہے لیکن کبھی شریعت کی رخصت پر عمل کرتے ہوئے روزہ نہ رکھنا) زیادہ اجر کا باعث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سارا اجر انہوں نے لے لیا جنہوں نے روزہ نہیں رکھا۔

[حدیث:۷۱۶] "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ قَالَ لِلنَّبِيِّ أَصُوْمُ فِى السَّفَرِ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ وَقَالَ إِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَإِنْ شِئْتَ فَافْطُرْ۔" (مشکوۃ حدیث)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں سفر میں روزہ رکھا کروں؟ اور یہ بہت روزہ رکھنے والے

تھے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: دل چاہے تو رکھ، دل نہ چاہے تو نہ رکھ۔"

[حدیث: ۷۱۸] "وَعَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِسِتِّ عَشَرَۃٍ مَضَتْ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ أَفْطَرَ فَلَمْ یُعِبْ صَائِمُھُمَا عَلَی الْمُفْطِرِ فَلَا الْمُفْطِرُ عَلَی الصَّائِمِ۔" (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جہاد میں گئے تھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان مبارک کی سولہ تاریخیں گزر چکی تھیں پس ہم میں سے بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے روزہ نہیں رکھا پس روزہ رکھنے والوں نے روزہ نہ رکھنے والوں پر کوئی عیب جوئی نہیں کی اور نہ روزہ نہ رکھنے والوں نے روزہ رکھنے والوں پر عیب جوئی کی۔"

[حدیث: ۷۱۹] "وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ فِیْ سَفَرٍ فَرَاٰی زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَیْہِ وَقَالَ مَا ھٰذَا قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ۔"

(رواہ مسلم)

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے پس آپ ﷺ نے لوگوں کا مجمع دیکھا اور ایک آدمی کو دیکھا اس پر سایہ کیا جا رہا تھا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ روزے دار ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ عام طور پر سفر میں بھی روزہ رکھتے تھے اور مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ روزہ رکھنا سفر میں یہ بھی جائز اور نہ رکھنا یہ بھی جائز۔ چنانچہ حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے مسئلہ پوچھا کہ: کیا میں سفر میں روزہ رکھ لیا کروں؟ وہ بہت کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری مرضی، جی چاہے رکھو، جی چاہے نہ رکھو۔ یعنی دونوں کی اجازت ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جہاد میں، رمضان کی سولہ تاریخیں گزر چکی تھیں، ہم میں سے بعض کا روزہ تھا اور بعض کا روزہ نہیں تھا، تو نہ تو روزہ رکھنے والوں نے روزہ افطار کرنے والوں پر کوئی اعتراض کیا اور نہ روزہ نہ رکھنے والوں نے روزہ رکھنے والوں پر کوئی اعتراض کیا۔

تیسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور ایک صاحب نے روزہ رکھا ہوا تھا اور روزے سے اتنا بے حال ہو گیا تھا، دن گرم تھا، بہت گرمی تھی، اس کے

اوپر سایہ کیا جارہا تھا، ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیئے جارہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: یہ کیا ہورہا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے روزہ رکھا ہوا تھا روزہ لگ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ'' سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر روزے کا تحمل نہ ہو تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے اور اگر روزہ رکھ سکتا ہے، برداشت کرسکتا ہے تو رکھنا چاہئے۔

روزے کی حالت میں پچھنے لگوانا (خون نکلوانا)

[حدیث: ۷۲۰] ''وَعَنْ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: إِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔''

(مشکوۃ، حدیث ۱۹۰۵)

ترجمہ: ''ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگائے احرام کی حالت میں اور پچھنے لگائے روزے کی حالت میں۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پچھنے لگائے روزے کی حالت میں، اور پچھنے لگائے احرام کی حالت میں، احرام کی حالت میں اور روزے کی حالت میں پچھنے لگانا جائز ہے بشرطیکہ بال نہ ٹوٹے ہوں۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ آدمی کمزور نہ ہوجائے کہ پچھنے لگانے کی وجہ سے اتنا کمزور ہوگیا کہ اس کو اُٹھانا بٹھانا بھی مشکل ہوگیا، ایسا نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے طاقت تھی، اس لئے آپ ﷺ نے روزے کی حالت میں پچھنے لگائے اور ساتھ ہی ساتھ اِحرام کی حالت میں، یعنی روزہ بھی تھا اور بعض مرتبہ روزہ نہیں تھا مگر اِحرام تھا۔

بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

[حدیث: ۷۲۱] ''وَعَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِیَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰہُ وَسَقَاهُ۔'' (مشکوۃ حدیث ۱۹۰۷)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کہ بھول گیا پس اس نے کھالیا، پی لیا۔ وہ اپنا روزہ پورا کرے اس شخص کو اللہ نے کھلایا، پلایا۔''

تشریح: اس روایت میں ہے کہ ایک آدمی کو روزہ یاد نہیں رہا اور بھول کر کھا پی لیا، بعد میں یاد آیا کہ روزہ ہے تو اپنے روزے کو پورا کرلے اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا، پلایا، اس سے روزہ نہیں ٹوٹا، البتہ اگر

کھانے پینے کے دوران یاد آجائے کہ میرا روزہ ہے تو کھانا پینا بند کردے اور جو منہ میں ڈالے ہوئے ہیں دانے یا جو' کھانا ڈالا ہوا ہے اس کو بھی تھوک دے۔

[حدیث:۷۲۲] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ۔''

(متفق علیہ، مشکوۃ، حدیث ۱۹۰۷)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا اور پلایا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ اگر روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ غلطی سے کھا پی لینا اور چیز ہے، اور بھول کر کھانا پینا اور چیز ہے، اس بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، یہ یاد ہی نہیں رہا کہ روزہ ہے اور کھالیا، اور بعد میں یاد آیا یا کھاتے کھاتے یاد آیا، اگر کھاتے کھاتے یاد آیا تو تھوک دے، بعد میں یاد آیا تو کوئی بات نہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی روزے دار کمزور ہے اور وہ بھول کر کھا رہا ہے تو اس کو یاد ہی نہ دِلاؤ، کھانے دو کیونکہ اس کا کھانا پینا معاف۔ لہٰذا بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور یہ خلاف قیاس ہے شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔

غلطی سے ٹوٹنے کا مطلب یہ کہ کلی کر رہا تھا اور پانی حلق میں چلا گیا، خود ہی چلا گیا، اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر رمضان کا روزہ ہے تو اس سے کفارہ لازم نہ ہوگا۔ قضا آئے گی۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ

[حدیث:۷۲۳] ''وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْس عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكْتُ قَالَ مَالَکَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَانا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تعتقهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْناً قَالَ لَا قَالَ اِجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذَالِکَ۔ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمكتل الضخم۔ قَالَ أَيْنَ السائِلُ؟ قَالَ أَنَا قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ به فَقَالَ الرَّجُلُ أَعَلٰى أَفْقَر مِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللهِ مَا بَيْنَ

لَابَتَيْهَا يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَر مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ فَضَحِکَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ أَطْعِمْهُ أَهْلَکَ۔"

(متفق علیہ، مشکوۃ حدیث ۱۹۰۷)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے اتنے میں آپ کے پاس ایک آدمی آیا، کہا: یارسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا ہوں، کہا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: میں اپنی بیوی پر جاپڑا روزے کی حالت میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو پاتا ہے غلام آزاد کرنے کے لئے؟ کہا: نہیں، فرمایا: کیا تو طاقت رکھتا ہے کہ دو مہینے کے پے درپے روزے رکھے؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاسکتا ہے؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذرا دیر ٹھہرے اتنے میں ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں اور ٹوکرا بڑا تھا، فرمایا: سائل کہاں ہے؟ کہنے لگا: میں موجود ہوں۔ فرمایا: لے جا، یہ لے جا اور اس کا صدقہ کردے، اس آدمی نے کہا: یارسول اللہ! اپنے سے زیادہ فقیر آدمی پر صدقہ کروں؟ پس اللہ کی قسم مدینے کے دونوں کناروں میں کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ فقیر ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچلیاں مبارک ظاہر ہوگئیں، پھر فرمایا: کہ اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔"

تشریح: اس روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک آدمی آیا اور کہا کہ: میں تو مارا گیا، ہلاک ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: روزے کی حالت میں بیوی پر جاپڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک غلام آزاد کردے۔ کہنے لگا: غلام کہاں سے لاؤں؟ فرمایا: یہ نہیں کرسکتا تو دو مہینے کے پے درپے روزے رکھ، اس نے کہا کہ: یہ بھی طاقت نہیں رکھتا میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے۔ کہا: اتنی بھی ہمت نہیں، فرمایا: بیٹھ جاؤ، وہ ابھی بیٹھا ہی تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا آیا جس میں کھجوریں تھیں، تقریباً پندرہ سیر ہوں گی۔ فرمایا: یہ لے جا اور جاکر تقسیم کردے فی سبیل اللہ۔ کہنے لگا: جی! گھر والوں پر تقسیم کردوں یا دوسروں پر تقسیم کروں؟ اس لئے کہ مدینے کے دونوں کناروں میں مجھ سے زیادہ غریب کوئی نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور ارشاد فرمایا کہ: جا اپنے گھر والوں کو کھلا۔

اس واقعے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کے کفّارے کی چار صورتیں بیان فرمائیں ہیں۔

پہلی صورت تو یہ کہ غلام آزاد کرے۔ دوسری صورت یہ کہ ساٹھ دن کے روزے رکھے پے درپے،

درمیان میں ناغہ نہ ہو۔ تیسری صورت یہ بتائی کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے اور اس نے کہا کہ میرے پاس یہ تینوں چیزیں نہیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک ٹوکرا آیا۔ فرمایا: کہ اس کو تقسیم کر دے۔ کہنے لگا میں کسی اور پر تقسیم کرنے کے بجائے اپنے گھر والوں کو کیوں نہ تقسیم کر دوں؟ جرمانہ بھی ادا کرے اور گھر والوں کو بھی کھلا دے۔ یہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی خصوصیت تجویز فرمائی کہ وہ اس ٹوکرے کو تقسیم کر دے اور تقسیم بھی کر دے اپنے گھر والوں میں۔

ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزوں میں فرق

[حدیث:۴۲۴] ”عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّ فَصْلَ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحرِ۔“

(مشکوۃ، کتاب الصیام، حدیث ۱۸۸۶)

ترجمہ: ”حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک ہمارے اور اہل کتاب کے روزے میں سحری کھانے کا فرق ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: ہمارے اور اہل کتاب کے روزے میں سحری کھانے کا فرق ہے، یعنی وہ نہیں کھاتے، ہم کھاتے ہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ سحری کھانے کی تاکید فرماتے تھے اور فرماتے تھے:

”عَلَيْكُمْ بِالسُّحُوْرِ فَإِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً“ (المطالب العالیہ، لابن حجر عسقلانی)

سحری ضرور کھایا کرو، چاہے ایک لقمہ ہی کھا لو، یا پانی کا ایک گھونٹ پی لو، اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ سحری کھانا مستحب ہے۔

رمضان کا روزہ چاند دیکھ کر رکھا جائے

[حدیث:۴۲۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَصُوْمُوْا ثَلَاثِيْنَ يَوْماً۔“

(مسلم، کتاب الصیام، حدیث ۲۴۹)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم رمضان کا چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور اگر تم پر چاند مشتبہ ہو جائے تو تیس روزے پورے کرو۔“

تشریح: حدیث کا مطلب تو ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہے کہ ہر شخص چاند دیکھ کر روزہ رکھا کرے اور چاند

دیکھ کر چھوڑا کرے، بلکہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ رُؤیت کے ثبوت سے رمضان اور عید ہوگی۔ اور آج کل رُؤیتِ ہلال کمیٹی حکومت کی طرف سے اس کام کے لئے موجود ہے، رُؤیتِ ہلال کمیٹی اگر شرعی قواعد کے مطابق چاند کی رُؤیت ہونے کے بعد اعلان کرے تو عوام کو اس کے اعلان پر روزہ یا عید کرنا ہوگی۔ باقی رُؤیتِ ہلال کمیٹی اہلِ علم پر مشتمل ہے، یہ حضرات ثبوتِ رُؤیت کے مسائل ہم سے تو بہر حال زیادہ ہی جانتے ہیں، اس لئے ہمیں ان پر اعتماد کرنا چاہئے۔

چاند دیکھ کر اِفطار اور چاند دیکھ کر روزہ رکھنے کا حکم

[حدیث:۷۲۶] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَصُومُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا۔" (صحیح مسلم ج:۵، ص:۳۵۳، حدیث نمبر:۱۸۰۸، بَاب وُجُوبِ صَوْمِ رَمَضَانَ لِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ وَالْفِطْرِ لِرُؤْيَةِ.....)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھ لو تو افطار کرو، روزہ چھوڑ و اور اگر چاند مشتبہ ہو جائے تو تیس دن تک روزہ رکھو۔"

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ رمضان کا روزہ چاند دیکھ کر شروع کرو اور چاند دیکھ کر چھوڑو، اگر دن تم پر مشتبہ ہو جائے چاند مشتبہ ہو جائے کہ آج چاند ہوا یا نہیں؟ تو تیس دن پورے کرلو، ایک حدیث شریف میں فرمایا: "إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ" (مسلم ۵/۳۵۱،۱۸۰۶)۔ بھائی! ہم تو ان پڑھ اُمّت ہیں نہ حساب جانیں نہ کتاب جانیں، نہ لکھت پڑھت جانیں اور نہ حساب کتاب جانیں، "الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا" مہینہ اتنا اتنا اتنا ہوتا ہے، (یعنی دونوں ہاتھ کی انگلیوں کی طرف اشارہ فرمایا) کُل انگلیاں دس ہیں تو تین دفعہ فرمایا، اس طرح کُل تیس دن ہوئے اور دوسری دفعہ فرمایا: "وَالشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا" ایک انگلی بند کردی مطلب اُنتیس، علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی فضول بات اور کوئی فضول حرکت نہیں فرماتے تھے، یہاں آپ یہ کہہ دیتے کہ مہینہ تیس کا ہوتا ہے اُنتیس کا ہوتا ہے، چھ دفعہ ہاتھوں کو حرکت دینے کے بجائے یہ فرماتے کہ مہینہ کبھی ۳۰ کا ہوتا ہے اور کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے، بہت آسان بات تھی لیکن پہلے بطور تمہید کے فرمایا: إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ "ہم اُمّی اُمّت ہیں" ان پڑھ، ہم نہیں جانتے حساب کتاب کو لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ "نہ لکھنا جانیں نہ حساب جانیں" اور پھر چھ دفعہ ہاتھ کو حرکت دے کر سمجھایا کہ مہینہ ۳۰ کا ہوتا ہے یا مہینہ ۲۹ کا ہوتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ حکمت اس میں یہ ہے کہ ۳۰ اور ۲۹ یہ بھی تو گنتی ہے، یہ بھی پڑھائی میں داخل

ہے یعنی ہمارا دین اتنے لکھنے پڑھنے کا بھی محتاج نہیں، اگر کوئی شخص ۲۹، ۳۰ کو بھی نہ جانتا ہو تو اس کو بھی یہ بات سمجھائی جاسکتی ہے کہ مہینہ اتنا ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ تردید فرما رہے ہیں ان لوگوں کی جو حساب کتاب لگا کر بتاتے ہیں کہ آج چاند ہو گیا ہے اور آج چاند نہیں ہوا ہے، چاند کی پیدائش اتنے بج کر اتنے منٹ میں ہوئی ہے اور یہ فلاں بج کر فلاں منٹ پر نظر آئے گا، سائنس دان، فلکیات والے حساب کتاب لگا کر پہلے سے ہمیں بتا دیتے ہیں، آئندہ سو سال کے لئے بھی اگر پوچھنا چاہو تو پوچھ لو، تمہیں یہ بتا دیں گے حساب کتاب کر کے لیکن نہ ہم فلکیات کے محتاج ہیں نہ ان کے حساب کے محتاج، چاند دیکھو روزہ شروع کر دو اور چاند دیکھو تو روزہ بند کر دو اور اگر اشتباہ ہو گیا کہ چاند ہوا کہ نہیں ہوا اور کسی طرف سے صحیح خبر بھی نہیں آئی جس پر ہم اطمینان کر سکیں تو ۳۰ روزے پورے کر لو، اسی طرح اگر شعبان کا مہینہ چل رہا تھا اور رمضان کے چاند میں اشتباہ ہو گیا تو ۳۰ شعبان کے دن پورے کر لو۔

اس حدیث میں تو ہے "فَصُومُوا ثَلَاثِينَ" ۳۰ دن کے روزے رکھ لو اور بعض احادیث میں آتا "فَأَتِمُّوا ثَلَاثِينَ" یعنی افطار میں بھی پورے کر لو، اگر شعبان چل رہا ہے اور رمضان چل رہا ہے تو رمضان میں تیس پورے کر لو، تیس پورے ہو گئے تو تیس سے زیادہ تو مہینہ نہیں ہوتا، چھ مہینے بھی اگر چاند نظر نہ آئے تو تم یہی حساب کر سکتے ہو تیس اور اُنتیس کا حساب کر لو۔

ہمارے بزرگوں نے بھی حساب کتاب لگا کر نقشے بنا دیئے ہیں چنانچہ یہ ڈائریوں میں اور جنتریوں میں مہینے لکھے ہوئے ہوتے ہیں، عربی مہینے بھی لکھے ہوتے ہیں ساتھ کبھی گھپلا ہو جاتا ہے کیونکہ قمری مہینے کا شروع ہونا چاند پر ہوتا ہے اور شمسی حساب تو اتنا پکا حساب ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوتی، لیکن قمری حساب میں ثبوت مہینے کا یعنی مہینہ شروع ہو گیا یا نہیں رؤیت پر ہے، چاند موجود ہوتا ہے لیکن نظر نہیں آتا تو ہمارے حساب سے تیس تاریخ ہوتی ہے حالانکہ چاند موجود ہے اُفق پر جب تک نظر نہیں آتا چاند اس وقت تک اگلے مہینے کا شروع ہونے کا حکم نہیں کیا جائے گا بس یہ موٹا سا حساب ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا ہے اور یہ ایسا حساب ہے کہ ایک جنگل اور پہاڑ میں رہنے والا اور ایک بہت بڑا سائنس دان اور فلکیات کا ماہر دونوں اس میں برابر ہیں ہمارا دین ان آلات رسمیہ کا محتاج نہیں۔

چنانچہ تمام ائمہ اتفاق رکھتے ہیں کہ فلکیات کے آلات کا اعتبار نہیں رؤیت کا اعتبار ہے، البتہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ وَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوا اگر چاند مشتبہ ہو جائے تو تم اس کا اندازہ کر لو اور اندازہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم دن پورے کر لو جیسا کہ فَأَتِمُّوا ثَلَاثِينَ فَصُومُوا ثَلَاثِينَ فرمایا ہے لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فَاقْدِرُوا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حساب کتاب لگا کے دیکھ لو چاند بنتا ہے کہ نہیں بنتا۔

روزے کا وقت طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے

[حدیث:۴۲۷] ”عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، إِنَّ وِسَادَتَكَ لَعَرِيْضٌ، إِنَّمَا هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ۔“

(مسلم: کتاب الصیام، حدیث ۲۶۸)

ترجمہ: ”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ: پھر تو تیرا تکیہ بہت ہی چوڑا ہے، آیت کا مطلب سیاہ اور سفید ڈورے سے رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے، وہ یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾

(البقرة:۱۸۷)

ترجمہ: ”پس تم کھاتے پیتے رہو (روزہ رکھنے کے لئے) یہاں تک کہ واضح ہو جائے تمہارے سامنے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے۔“

اور آگے لفظ ہے ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ یعنی رات کا سیاہ دھاگہ سفید دھاگے سے کہ صبح سفید ہے، سفیدی صبح کے وقت ایک باریک خط کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، وہ رات کی تاریکی سے ممتاز ہو جائے، اس وقت تم کھا پی سکتے ہو، لیکن شروع میں جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کا لفظ نازل نہیں فرمایا تھا، صرف اتنا تک تھا: ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سیاہ رسی کی ڈور اور ایک سفید ڈورا اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا اور میں دیکھتا رہا کہ ان دونوں کے درمیان فرق نمایاں ہوتا ہے کہ نہیں؟ چنانچہ بہت دیر کے بعد جب خوب روشنی ہونے لگی تو فرق نمایاں ہونے لگا، میں نے صبح آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ قصہ ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّ وِسَادَتَكَ لَعَرِيضَةٌ“ تیرا تکیہ تو بہت لمبا چوڑا ہے کہ اس میں صبح کا سفیدا اور رات کی سیاہی دونوں سما گئے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس میں یہ اشارہ تھا کہ تم نے غلط سمجھا ہے، پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا: ”إِنَّمَا هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ“ قرآن کریم مین جس سیاہ اور سفید دھاگے کا ذکر کیا ہے اس سے رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے، یعنی یہاں تک کہ تمہارے سامنے رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی ممتاز

ہو جائے۔ اس قصے کے بعد پھر ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کا لفظ قرآن کریم میں نازل ہوا، کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک لفظ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی بنا پر آیت میں نازل نہیں فرمایا اور اس کے نازل نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اشکالات ہوئے، اس کی ایک مثال تو یہی: ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ اور آگے فرمایا: ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ اس سے سفیدہ صبح اور رات کی تاریکی مراد ہے۔ اسی طرح ایک جگہ فرمایا:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (النساء:۹۵)

ترجمہ: ”تم میں سے وہ لوگ جہاد سے بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہتے ہیں وہ برابر نہیں۔“

حضرت عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی حسرت سے فرمانے لگے کہ: یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں اندھا ہوں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قاعدین اور مجاہدین برابر نہیں، تو میں تو پیچھے رہ گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ”غیر اولی الضرر“ کا لفظ بعد میں نازل فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ تم میں جو لوگ جہاد سے بیٹھے رہتے ہیں بشرطیکہ وہ معذورین نہ ہوں، اس کا استثناء پہلے نہیں تھا، حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے قصے کے بعد نازل ہوا کہ معذورین کو پورا ثواب ہے۔ ایسا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت وعلم کے مطابق کیا، تاکہ ان دونوں جگہ ان استثناؤں کا ہر حال میں اعتبار کیا جائے۔

سحری ضرور کھانی چاہئے

[حدیث:۷۲۸] ”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً۔“ (مشکوۃ حدیث ۱۸۸۵)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سحری کھایا کرو اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ سحری کھایا کرو اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے، سحر کے وقت کھانے کو سحری کہتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے سحری کو روزہ کے بند ہونے کے قریب کھانا چاہئے، (بعض مساجد میں اعتکاف کے دوران) مجمع زیادہ ہوتا ہے تو اہتمام بھی پہلے ہو جاتا ہے ورنہ طریقہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے سحری قریب کھانی چاہئے یعنی روزہ بند ہونے کے قریب اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت اس لئے فرمایا ہے کہ روزہ سحری کے ساتھ رکھا جائے تو آدمی کے روزے

میں اعانت رہتی ہے اگر نہار منہ رکھا جائے کچھ کھایا پیا نہ ہو تو روزہ تو آدمی پورا کرے گا لیکن تکلیف ہوگی اور شریعت یہ چاہتی ہے کہ بے جا تکلیف نہ دی جائے بلا ضرورت تکلیف نہ دی جائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے لوگوں کو راحت پہنچانے کی کوشش کی جائے، یہ رسول اللہ ﷺ کا اُمّت پر احسان ہے کہ اُمّت کی اس معاملے میں بھی رعایت رکھی گئی ہے کہ اُمّت کو بے جا تکلیف نہ ہو بلا ضرورت تکلیف نہ ہو، ہاں کوئی شخص سفر سے آیا ہے اور اس کو کھانا کھانے کا موقع نہیں ملا یا سحر کے وقت اٹھنے میں دیر ہوگئی یا کوئی اور اس قسم کی بات ہوئی کہ سحری کھانے کا موقع گنوادیا تو ایسے ہی روزہ رکھ لے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کی مدد ہوگی۔

روزہ اِفطار کرنے میں جلدی کرنی چاہیے

[حدیث: ۷۲۹] ”وَعَنْ سَهْلٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔“ (مشکوۃ، حدیث ۱۸۸۶)

ترجمہ: ”حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک کہ روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ لوگ خیر پر رہیں گے جب تک کہ روزہ کھولنے میں جلدی کرتے رہیں گے یعنی سورج غروب ہوجانے کے بعد پھر تاخیر نہیں کرنی چاہیے، روزہ کھول لینا چاہیے، اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ مشکوک کرلیا جائے (وقت سے پہلے ہی کھول لیا جائے) بلکہ مطلب یہ ہے کہ وقت ہوگیا اور سورج غروب ہوگیا یقینی طور پر تو اب تاخیر کرنے کی گنجائش نہیں۔

روزہ اِفطار کرنے کا وقت

[حدیث: ۷۳۰] ”وَعَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ۔“ (مشکوۃ، حدیث ۱۸۸۸)

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب رات ادھر سے آجائے اور دن ادھر چلا جائے اور سورج غروب ہوجائے تو روزے دار کا روزہ افطار ہوگیا۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ رات ادھر سے آگئی اور دن ادھر چلا گیا، رات اُدھر سے آتی ہے یعنی مشرق کی جانب سے اور دن جاتا ہے مغرب کی جانب جب مشرق کی جانب سے رات آگئی اور مغرب کی جانب سے دن چلا گیا اور سورج غروب ہوگیا تو روزہ داروں کے روزہ افطار کرنے کا وقت ہوگیا۔ ان تمام

احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سورج غروب ہوجانے کے بعد پھر تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

[حدیث: ۷۳۱] ”.....سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ.....، إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَا هُنَا وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَا هُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ۔“ (صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۵۴، حدیث نمبر: ۱۸۱۸، بَابُ مَتَى يَحِلُّ فِطْرُ الصَّائِمِ وَأَفْطَرَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ......)

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب رات کی سیاہی سامنے آجائے اور دن جاتا رہے سورج غائب ہوجائے تو روزے دار کے روزے کے افطار کا وقت ہوگیا۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں ذکر فرمایا کہ جب رات کی سیاہ پٹی نظر آنے لگے اور دن چلا جائے اور سورج غروب ہوجائے تو روزہ دار کے روزے کے افطار کا وقت ہوگیا۔ جب سورج کے غروب ہونے کا یقین ہوجائے تو دن ختم ہوگیا رات شروع ہوگئی اور روزہ دن کا ہوتا ہے رات کا نہیں ہوتا، اس لئے اس کے بعد روزے کے افطار کرنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے، بعض لوگ اس خیال سے کہ کچھ حصہ رات کا بھی گزر جائے اس میں تاخیر ضروری سمجھتے ہیں یہ غلط ہے، سورج کا یقینی طور پر غروب ہوجانا رات کا آنا اور دن کا جانا ہے، جب رات آگئی اور دن چلا گیا روزے دار کے روزہ افطار کرنے کا وقت آگیا، جیسا کہ اس سے پہلے حدیث آچکی ہے کہ میری اُمّت خیر پر رہے گی جب تک کہ وہ روزے کے افطار کرنے میں جلدی کرے اور روزہ بند کرنے میں تاخیر کرے، یعنی روزہ بند کرے تو بالکل آخری وقت میں اور روزہ افطار کرنا چاہے تو فوراً جب سورج غروب ہوجائے۔

رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزہ رکھنے کی ممانعت

[حدیث: ۷۳۲] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمَهُ فَلْيَصُمْ ذَلِكَ الْيَوْمَ۔“

(رواہ البخاری: کتاب الصوم، بَابُ لَا يَتَقَدَّمُ رَمَضَانَ بِصَوْمِ، حدیث: ۱۷۸۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہ پیشگی کرے تم میں سے کوئی آدمی رمضان سے ایک دن یا دو دن کا روزہ رکھنے کی، الا یہ کہ کوئی آدمی روزہ رکھتا ہو کسی خاص دن کا تو وہ رکھ لیا کرے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ رمضان کے آنے سے ایک دو دن پہلے روزہ شروع نہ کرو، البتہ اگر کسی شخص کی عادت خاص دن کا روزہ رکھنے کی ہے، مثلاً: دوشنبہ کا روزہ رکھتا ہے، جمعرات کا روزہ رکھتا ہے اور رمضان سے پہلے کا دن دوشنبہ کا ہے یا جمعرات کا ہے تو وہ رکھ سکتا ہے اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں اور یہ مسئلہ بظاہر تو نیکی سے روکنے والی بات ہے، رمضان کا تو رکھنا ہی ہے، آدمی ایک دو دن پہلے شروع کر دے نیک کام ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما رہے ہیں، اس میں واللہ اعلم! کتنی حکمتیں ہو سکتی ہیں، ایک حکمت یہ ہے کہ اگر رمضان کے آنے سے پہلے ہی روزے شروع کر دے تو تحریف لازم آئے گی کہ ابھی روزے کا وقت آیا نہیں اور اس نے روزے رکھنے شروع کر دیئے، اگرچہ نفلی روزے رکھتا ہے، لیکن گویا کہ اللہ تعالیٰ کو مشورہ دیتا ہے کہ آپ کو دو دن پہلے روزہ شروع کر دینا چاہئے تھا، آپ نے رمضان سے شروع کیا، اور اگر رمضان سے ایک دو دن پہلے رمضان کے استقبال کے لئے روزہ رکھنا شروع کر دے تو یہ بدعت ہوگی اور دین میں اضافہ ہوگا، نصاریٰ کے روزے تقریباً چالیس ہوتے ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ: اتنے روزے کیوں رکھتے ہو؟ کہنے لگے کہ: ہمارا ایک بادشاہ بیمار ہو گیا تھا، اس نے کہا تھا کہ: مجھے شفا ہو جائے تو میں اتنے روزے رکھا کروں گا، تو وہ روزے لازم کر دیئے گئے پھر کوئی اور واقعہ ہوا تو اس کے ساتھ بھی یہی ہوا دس روزے اور لگا دیئے گئے، ان کے مولوی تو دین کو بدلتے رہتے تھے، چند سال بعد ان کا ایک اجلاس ہوتا تھا اور اس میں وہ اپنے دین کے حوالے سے غور کیا کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ ایسا کرو کہ یہ سارے روزے رکھ لو، لیکن سردیوں کے موسم میں رکھو تا کہ آسانی کے ساتھ رکھے جا سکیں۔

روزے کی حالت میں گالی گلوچ اور جھگڑا و فساد کرنے کی ممانعت

[حدیث:۷۳۳] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، إِذَا أَصْبَحَ أَحَدُكُمْ يَوْماً صَائِماً فَلَايَرْفُثْ وَلَايَجْهَلْ فَإِنَّ امْرَؤٌ شَاتَمَهُ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّيْ صَائِمٌ! إِنِّيْ صَائِمٌ!“ (رواہ البخاری: کتاب الصوم، باب فضل الصوم، حدیث: ۱۷۶۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی صبح کرے روزے کی حالت میں تو اس کو چاہئے کہ فحش کلامی نہ کرے اور جہالت کی بات نہ کرے، پس اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرے یا اس سے لڑائی جھگڑا کرے تو یوں کہہ دے کہ: میں روزہ دار ہوں! میں روزہ دار ہوں۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ: روزے کی حالت میں آدمی کو فحش کلامی اور جہالت کی بات نہیں کرنی چاہئے، مطلب یہ کہ روزہ صرف کھانے پینے کو چھوڑنے کا نام نہیں ہے بلکہ زبان کی حفاظت

بھی ضروری ہے کہ اس کی زبان سے کوئی ناشائستہ لفظ اور کوئی بیہودہ بات نہیں نکلنی چاہئے اور اگر کوئی شخص اس روزہ دار سے آمادہ فساد ہو اس سے گالی گلوچ، لعنت ملامت کرے، لڑائی جھگڑا تو یوں کہہ دے کہ: بھائی! میرا روزہ ہے۔

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ روزے کی حفاظت کرنی چاہئے، روزہ رکھ لینا آسان ہے لیکن اس کی حفاظت مشکل ہے، اس لئے فرماتے ہیں کہ روزہ عوام کا ہے کھانے پینے سے رُکنا، اور نیک لوگوں کا روزہ ہے تمام لغویات سے پرہیز کرنا، زبان کی بھی حفاظت کرے، کانوں کی بھی، ہاتھ پاؤں کی بھی حفاظت کرے، پیٹ کی بھی، دل کی بھی حفاظت کرے، ان تمام چیزوں کی نگہداشت کا نام روزہ ہے۔ اور اخص الخواص اور مقربین کا روزہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے پرہیز کرے، یہ تو ہم لوگوں کے سمجھنے سے بھی اُونچی چیز ہے۔

دُوسری بات یہ کہ فحش بات کرنا یا جہالت کی بات کرنا روزے کے خلاف ہے، لیکن فقہاء کہتے ہیں کہ روزہ ٹوٹتا نہیں ہے، کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کسی کو گالی دے دی یا کوئی بے تہذیبی کی بات کہہ دی تو اس سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں ہے مگر مکروہ ہوجاتا ہے، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے ایک مجتہد گزرے ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کی بحث چلتی رہتی تھی، یہ قاضی بھی تھے، ان کا فتویٰ یہ ہے کہ جس طرح کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح فحش گوئی، گالی گلوچ سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن عام فقہاء روزہ ٹوٹنے کا فتویٰ نہیں دیتے البتہ یہ فرماتے ہیں کہ ثواب ٹوٹ جاتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ ایک روزہ تو ہے فقہی اور ایک ہے مقبول روزہ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوجائے، وہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے اس نے روزے داروں والا کام نہیں کیا۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص گالی گلوچ کرے یا فتنہ فساد پر آمادہ ہو تو روزہ دار کو چاہئے کہ آستین چڑھا کر اس کے مقابلے میں نہ آجائے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش نہ کرے، بلکہ فرمایا کہ: یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں! دل میں کہہ دے یا زبان سے کہہ دے، مطلب یہ کہ تیری بات کا جواب دینے سے روزہ مانع ہے۔

یہاں ایک بہت بڑی حکمت اور علم کی بات معلوم ہوئی کہ جاہل کی بات کا جواب دینا یا گالی دینے والے کی بات کا جواب دینا یہ مکارم اخلاق کے خلاف ہے، آدمی کو چاہئے کہ چپ ہوجائے اور کہے کہ: بھائی! یہ بات میں تو نہیں کہہ سکتا جو آپ کہہ رہے ہیں، میری زبان کو نہیں سجتی۔

یہ ہماری کمزوری ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے کہ ہم تلخ بات کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں اور پھر کوشش کرتے ہیں کہ جتنی مقدار اس نے تلخی اپنے کلام میں ملائی ہے اس میں ہم دو رَتّی زیادہ ہی ملادیں

تا کہ اس کو اس کی کڑواہٹ محسوس ہو، یہ چیز لائق اصلاح ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک بزرگ کو ایک کتے نے کاٹ لیا تھا، گھر آیا ٹانگیں زخمی تھیں، مرچیں لگائیں، ان کی ایک چھوٹی بچی تھی کہنے لگی: ابا جی! کیا ہوا؟ کہا کہ بیٹی! کتے نے کاٹ لیا ہے۔ بچی اپنے بچپن کے انداز میں کہنے لگی: آپ کے دانت نہیں تھے آپ بھی کاٹ لیتے؟ کہا: بیٹا: کاٹ تو میں بھی لیتا لیکن میرا منہ ناپاک ہوجاتا۔ کاٹنا کتے کا کام ہے اگر تم بھی اسی طرح کاٹنے لگو تو پھر تم میں اور کتے میں کوئی فرق نہ رہا۔

چوتھی بات یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جب کوئی لڑائی جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے، یہاں روایت میں دو دفعہ یہ لفظ آیا ہے، **"انی صائم! انی صائم!"** اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اپنی عبادت کا اظہار کردینا ریاکاری نہیں، اس میں بھی لوگ بڑے پریشان ہوتے ہیں، ہر جگہ ان کو ریاکاری چمٹتی ہے، حالانکہ ریاکاری تو یہ ہے کہ کسی کو دکھلانے کا قصد کرے اور یہ خیال کرے کہ ان کو میری عبادت کا پتا لگے گا تو مجھے بزرگ سمجھیں گے، قصداً ایسا کرے تو اس کو ریاکاری کہتے ہیں اور اگر ویسے ہی شیطان دل میں خیال ڈال دے کہ لوگ تجھے بزرگ سمجھیں گے تو یہ ریاکاری نہیں ہے، ریاکاری کا وسوسہ ہے، ریاکاری کا وسوسہ مضر نہیں ہے، ریاکاری مضر ہے، حضرت حکیم الاُمّت قدس سرہٗ ارشاد فرماتے تھے کہ: مکھی گلاس سے باہر بیٹھی ہوئی ہوتی ہے اور نظر اندر آتی ہے تو باہر کی چیز مضر نہیں ہے، جو دل سے باہر باہر پھرتی ہے مضر نہیں، جب تک تم قصد اور ارادہ نہیں کرتے ہو اس وقت تک وہ دل کے اندر نہیں آتیں وہ باہر باہر رہتی ہیں، اور تم اس سے پریشان ہوتے ہو کہ مجھے وسوسے بہت آتے ہیں، مجھے گندے گندے خیالات آتے ہیں، بعض سالکین شکایت کرتے ہیں کہ مجھے ریاکاری کا شبہ ہوتا ہے، ارے! کیا تمہاری عبادات؟ کیا تمہارا کام؟ کیا ریاکاری؟ دُنیا بڑی بڑی ہوکے چلی گئی ان کو کسی نے بزرگ نہیں مانا تمہیں کون بزرگ مانے گا؟ ویسے ہی تمہارا وہم ہے شیطان تمہیں روکنا چاہتا ہے، کیا ہم، کیا ہماری عبادتیں، کیا ہماری ریاکاری، مرزا غالب کا شعر ہے:

تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

غالب تم تصوف کے مسائل بیان کررہے ہو اگر تم شرابی نہ ہوتے تو تم کو لوگ ولی سمجھ لیتے، غالب کے ایک شاگرد تھے مرزا تفتا، وہ سکھ تھے، کہنے لگا کہ: اگر تم مئے خوار نہ ہوتے تب بھی تمہیں ولی نہ سمجھتے، بڑے مزاحیہ تھے، اُستاد سے بے تکلف تھے، اس لئے کہا: تمہیں تب بھی ولی نہ سمجھتے۔ تو ہم کس وہم اور کس وسوسے میں پڑ گئے کہ لوگ ہمیں ولی اور نیک سمجھیں گے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ! بقول ذوق!

ناز ہے گل کو اپنی نزاکت پر چمن میں اے ذوق!
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

تم اس کو بزرگی سمجھنے لگے ہو، تمہیں معلوم نہیں بزرگ کون ہوتا ہے؟ یوں ہی تمہیں جھوٹا وسوسہ

آ رہا ہے، تو ان وسوسوں کا کوئی اعتبار نہ کرو۔

رمضان المبارک کے لئے دُعا

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ کلمات سکھاتے تھے جب رمضان المبارک آتا تھا:

"اَللّٰھُمَّ سَلِّمْنِیْ لِرَمَضَانَ وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِیْ وَسَلِّمْهُ لِیْ مُتَقَبَّلًا"

(کنز العمال: الجزء ۸، حدیث: ۲۴۲۷۷)

ترجمہ: "یا اللہ مجھے رمضان کے لئے صحیح سالم رکھ اور رمضان کو میرے لئے صحیح سالم رکھ۔"

"وَسَلِّمْهُ لِیْ مُتَقَبَّلًا" اس کو میرے لئے صحیح سالم رکھ، اس حال میں کہ آپ نے ہم سے اس کو قبول فرمالیا ہو، ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں لیکن اس کا نفع اس وقت ہے جب کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کی بارگاہ میں قبول ہوجائیں اور ہم ان عبادات کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے بن جائیں۔

جیسا کہ ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ بہت سے رات کو تہجد پڑھنے والے ایسے ہیں جن کو رات کے جاگنے کے سوا کچھ نفع نہیں ملتا اور بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں جن کو بھوک اور پیاس کے بغیر کچھ نہیں ملتا، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے بعض دفعہ تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے روزہ رکھا ہی نہیں ہے، روزے کا کوئی اثر ہم پر نہیں، وہی گپ شپ ہے، وہی جھوٹ، وہی غیبت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو عورتوں کی شکایت کی گئی کہ ان بیچاریوں کو روزہ بہت لگا ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ دیا اور فرمایا کہ اس میں قے کردیں اس میں انہوں نے قے کی تو اس میں تازہ کھانا نکلا، فرمایا لوگوں کی غیبتیں کرتی تھیں اور روزہ رکھا ہوا تھا، کبھی ایسا ہوا ہے کہ روزہ رکھنے کے بعد ہمیں یہ محسوس ہوا ہو کہ ہمارا روزہ ہے؟ یہ گناہ نہیں کرنا، یہ گناہ نہیں کرنا، یہ گناہ نہیں کرنا؟ اور ہمارے یہاں تو عورتیں روزہ رکھتی ہیں، وہ باقاعدہ قرآن کریم کی تلاوت بھی کریں گی اور باقاعدہ روزہ بھی رکھیں گی۔ لیکن ایک بیماری ان میں بھی ہے وہ یہ کہ آپس میں غیبتیں کرتی ہیں۔

میرے بھائیو! یہ رمضان المبارک کے لمحات اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے نہیں عطا فرمائے کہ ہم ان کو اس طرح ضائع کردیں، بہت قیمتی لمحات ہیں اس کے بعد نہیں ملیں گے، جو وقت گزر گیا وہ واپس نہیں

لوٹتا ہم جتنی بھی گپ شپ لگالیں لیکن اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہے۔ نتیجہ تو آخر میں نکلنے والا ہے کہ جب ہماری عمر ختم ہو جائے گی، ہماری سانس ختم ہو جائے گی تو ہمارے پلے کیا رہے گا؟ ہم کیا ساتھ لے کر دنیا سے جا رہے ہیں؟ بیوی، بچے تو سب یہاں رہ جائیں گے، وہ مکان جو ہم نے بڑے شوق سے بنایا اس میں بھی کوئی نہیں رہنے دیتا، ہمیں قبرستان پہنچا دیں گے غرض یہ کہ یہاں کے معاملات تو یہیں رہ جائیں گے لیکن آخرت کے لئے ہم نے کیا کیا؟ میرے بھائیوں! ہمیں سوچنا چاہیے، اب بھی ہمارے پاس وقت ہے الحمدللہ! کسی کے پاس کم ہے تو کسی کے پاس زیادہ ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کتنا وقت ہے کسی کے پاس؟ اس لئے اپنے وقت کو ضائع نہ کرو۔

یومِ عاشوراء کا روزہ

[حدیث: ۷۳۴] ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہ عَنْھَا، مَنْ شَاءَ فَلْیَصُمْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیُفْطِرْ یَعْنِیْ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ۔“

(رواہ البخاری: کتاب الصوم۔ باب صیام یوم عاشوراء، حدیث: ۱۸۶۴)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عاشوراء کے دن کا جو چاہے روزہ رکھے، جو چاہے نہ رکھے۔“

تشریح: یہ حدیث میں یوم عاشوراء کے روزے کے بارے میں ہے، فرمایا کہ: جو چاہے اس کا روزہ رکھے، جو چاہے نہ رکھے۔

”عاشوراء“ کہتے ہیں محرم کی دسویں تاریخ کو، رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا، لیکن بعد میں اسلام نے اس کو منسوخ فرما دیا، جب رمضان کا روزہ فرض ہوگیا تو عاشوراء کے روزے کی فرضیت ختم ہوگئی، لیکن فضیلت باقی رہ گئی اور فضیلت اس قدر زیادہ ہے کہ یوں فرمایا کہ: ”عاشوراء کا روزہ، میں اللہ تعالیٰ سے توقع رکھتا ہوں اور اس کی رحمت سے اُمید رکھتا ہوں کہ یہ ایک روزہ ایک سال کے برابر ہوگا۔“ یعنی ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ اور یوم عرفہ ۹/ذی الحجہ کے روزے کے بارے میں فرمایا کہ: ”میں اللہ تعالیٰ سے توقع اور اُمید رکھتا ہوں کہ یہ روزہ کفارہ بنے گا ایک سال گذشتہ کا اور ایک سال آئندہ کا“ یعنی دو سال کا کفارہ۔ الغرض عاشوراء کا روزہ مستحب ہے، فرض تو نہیں رہا، لیکن اس کی بڑی فضیلت ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اس کے ساتھ نویں کا یا گیارہویں کا روزہ بھی رکھ لیا جائے، اکیلی دس تاریخ کا نہ رکھا جائے، تاہم اگر ایک بھی رکھے تو کراہت نہیں، بہتر ہے کہ نو تاریخ یا گیارہ کو ملا کر دو روزے رکھے۔

تراویح کی فضیلت وثبوت

[حدیث: ۷۳۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ، مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَاناً وَّاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔“

(رواہ البخاری: کتاب صلاۃ التراویح، بَاب فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، حدیث: ۱۸۷۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص رمضان کی راتوں میں قیام کرے ایمان کے ساتھ یقین کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے یقین رکھتے ہوئے اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔“

تشریح: اس حدیث میں تراویح کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جو شخص رمضان کی راتوں میں قیام کرے ایمان کے ساتھ یقین کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے یقین رکھتے ہوئے اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوجائیں گے اور یہی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی لیلۃ القدر کے بارے میں۔

تراویح کی جماعت سنّت ہے اور اس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہی ملتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی نماز کے لیے تاکید کے ساتھ حکم نہیں فرماتے تھے تاکہ فرض نہ ہوجائے لیکن اس کے فضائل بیان فرماتے تھے، غرض یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید فرمائی لیکن اہتمام نہیں فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی یہی حال رہا لوگ اپنے طور پر پڑھتے تھے البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جماعت کا اہتمام ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے مسجد میں دیکھا کہ لوگ مختلف ٹولیوں میں اپنی اپنی نماز پڑھ رہے ہیں، جس قاری کی آواز ذرا اچھی ہوتی ہے اس کے پیچھے ذرا مجمع زیادہ ہوتا ہے اور جو قاری بیچارہ میری طرح پڑھتا ہے اس کے پیچھے مجمع تھوڑا ہوتا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے تو قرآن کو راگ بنالیا ہے یعنی جو اچھی آواز سے، لہجے سے پڑھنے والا ہو اس کے پیچھے جاتے ہیں اور دوسرے کے پیچھے نہیں جاتے، میرا جی چاہتا ہے کہ ان سب کو ایک امام کے پیچھے جمع کردوں۔

چنانچہ تین دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سوچتے رہے، تین دن بعد اِعلان ہوا کہ اُبیؓ ابن کعب رضی اللہ عنہ اِمام ہوں گے چنانچہ مسجدِ نبوی کے سب سے پہلے تراویح کے اِمام اُبیؓ ابن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور ایک ہی جماعت ہونے لگی، یہ اُبیؓ ابن کعب رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابن کعب رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ

میں آپ سے قرآن سنوں، فرمایا: ''اَوَ عَلَیکَ أَقرَأُ وَعَلَیکَ أُنزِلَ'' قرآن تو حضورِ اکرم ﷺ پر نازل ہوا ہے میں حضور کو کیا سناؤں گا؟ فرمایا: لیکن میرے اللہ نے مجھے حکم فرمایا کہ ابنِ کعب سے قرآن سنوں۔ حضرت اُبیّ بن کعب کہنے لگے کہ: یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر فرمایا تھا کہ اُبیّ ابن کعب سے قرآن سنو؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! اللہ نے تمہارا نام لے کر کہا کہ: ''اُبیّ سے قرآن سنو''، یہ بات سن کر زاروقطار رونے لگے اور کہنے لگے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا نام لے؟

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اُبیّ! تم جانتے ہو قرآن کی سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ''آیۃ الکرسی''، آنحضرت ﷺ نے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا تجھے علم وعمل مبارک ہو۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی فرمایا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ میں تم سے قرآن سنوں تو انہوں نے بھی یہی عرض کیا کہ آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ کو کیا سناؤں گا؟ ارشاد فرمایا: لیکن میرے ربّ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تم سے قرآن سنوں، انہوں نے بسم اللہ کر کے شروع کردی، سورۃ النساء شروع کردی یہاں تک کہ اس آیت تک پہنچے:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾﴾

ترجمہ: ''اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک اُمّت میں ایک گواہ کھڑا کردیں گے (یعنی اس اُمّت کا نبی) اور ان لوگوں پر آپ کو گواہ لائیں گے۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''حسبک''، بس! کافی ہوگیا، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ میں آئے اور ادھر سے رمضان شروع ہوگیا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ رمضان میں تو دین کی بہار ہوتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ! (حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوچکے تھے) اللہ تعالیٰ تیری قبر کو اس طرح منور کرے جس طرح کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو منور کردیا''، تمام مساجد میں قرآن ہو رہا ہے اور حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے دو امام مقرر کئے تھے، ایک امام عورتوں کا اور ایک امام مردوں کا، یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دو امام مقرر کئے تھے، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری یہ مردوں کے امام تھے اور سلیمان ابن ابی حثمہ یہ عورتوں کے امام تھے۔

حضرت اُبیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ اندر نماز پڑھاتے تھے مردوں کو اور حضرت سلیمان ابن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ باہر صحن میں عورتوں کو نماز پڑھاتے تھے، امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں کی ایک جماعت کردی لیکن امام دو مقرر کردئے ایک اُبیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمیم داری رضی اللہ عنہ، پندرہ دن ایک امام پڑھاتا تھا اور

پندرہ دن دوسرا پڑھاتا تھا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے بھی دو امام مقرر کر دیئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح یعنی مردوں کے لیے، الگ عورتوں کے لیے الگ، بعد میں وہی دو امام ہی رہے، مگر دس دس رکعتوں کے۔

اِعتکاف کے فضائل و مسائل

اِعتکاف کی فضیلت

یہ اِعتکاف کی عبادت بہت اُونچی عبادت ہے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْــًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝۲۶﴾ (الحج:۲۶)

یعنی: اور جب ہم نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت اللہ کا ٹھکانا بتلایا، بیت اللہ کی جگہ بتلائی، تو ہم نے ان کو چند حکم دیئے، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا۔ یہ سنایا مکہ کے مشرکین کو کہ انہوں نے اللہ کے گھر کو بت پرستی کا اَڈّا بنا رکھا تھا۔ اور ایک حکم ہم نے یہ دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور نماز میں قیام کرنے والوں کے لئے، اور رُکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے تمام ظاہری اور معنوی نجاستوں سے پاک رکھئے۔

یہ طواف تو مخصوص ہے بیت اللہ شریف کے لئے، جہاں تک اِعتکاف کا تعلق ہے یہ تمام مساجد میں ہوتا ہے، کعبہ والی مسجد جو کعبہ کے اِردگرد ہے، اور جس کو ''مسجدِ حرام'' کہتے ہیں، اس میں اِعتکاف کرنا سب سے افضل ہے، دُوسرے نمبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں، تیسرے نمبر پر بیت المقدس کی مسجد میں، اور اس کے بعد تمام مساجد برابر ہیں، البتہ جس مسجد میں نمازِ پنج گانہ ہوتی ہو، اس میں اِعتکاف افضل ہے، اور پھر ترجیح کی وجوہ اور بھی ہوسکتی ہیں، کسی مسجد میں وعظ اور درس ہوتا ہے، اصلاح و ارشاد کا سلسلہ جاری ہے، وہاں اس نیت سے کہ ہمیں فائدہ پہنچے گا اِعتکاف کرنا افضل ہوگا، خواتین اپنے گھروں میں ایک کمرے تک محدود رہ کر اعتکاف کرسکتی ہیں۔

اِعتکاف کی قسمیں

اِعتکاف ایک تو مسنون ہے، اور وہ ہے آخری عشرے کا اِعتکاف، (رمضان کے آخری دس دن کا اِعتکاف)، یہ مسنون ہے بطور سنّتِ مؤکدہ علی الکفایہ، یعنی سنّتِ مؤکدہ ہے بطور کفایہ کے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک آدمی محلے میں اِعتکاف بیٹھ جائے تو مسجد کا حق ادا ہوجائے گا، اور محلے والے ترکِ اِعتکاف کی

وجہ سے گناہگار نہ ہوں گے، لیکن اگر وہاں پر کوئی شخص بھی اِعتکاف میں نہ بیٹھے، جیسا کہ بہت سی مساجد ایسی ہیں کہ وہاں اللہ کا کوئی بندہ اِعتکاف نہیں بیٹھتا، تو پورا محلہ مسجد کی حق تلفی کرنے والا شمار ہوگا۔ بہت سے دیہات ایسے ہیں جن میں مسجد اِعتکاف سے محروم رہتی ہے، بلکہ بہت سے قصبات ایسے ہیں کہ وہاں بعض مساجد میں کوئی بھی اِعتکاف میں بیٹھنے والا نہیں۔ میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ کسی ایسے جاہل آدمی کو پکڑ کر اِعتکاف میں بٹھا دیتے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتا اور اس کو کہتے ہیں کہ: ''میاں! تمہاری روٹی پانی کا انتظام ہم کردیں گے، تم مسجد میں اِعتکاف بیٹھ جاؤ'' وہ غریب سمجھتا تھا کہ مجھے دس دن کے لئے قید کر رہے ہیں، لیکن یوں سوچ کر کہ روٹی ملے گی، اِعتکاف میں بیٹھ جاتا تھا۔

بہرحال! رمضان کے آخری عشرے کا اِعتکاف تو مسنون ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ آنے کے بعد حتی الوسع کبھی بھی اس میں ناغہ نہیں فرمایا، ایک سال کسی عذر کی وجہ سے ناغہ ہوگیا تھا تو دُوسرے سال بیس دن کا اِعتکاف فرمایا، گویا گزشتہ سال کے دس دن کی قضا بھی کی۔ اور رمضان المبارک کے آخری عشرے کے علاوہ دُوسرا اِعتکاف مستحب ہے، اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب بھی آپ مسجد میں قدم رکھیں تو اِعتکاف کی نیت کرلیں کہ میں جب تک اس مسجد میں ہوں اِعتکاف کی نیت کرتا ہوں۔ اور اگر کوئی شخص منّت مان لے کہ: ''اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو اتنے دن کا اِعتکاف کروں گا'' تو کام ہوجانے کی صورت میں اتنے دنوں کا اِعتکاف اس کے ذمے لازم ہوجاتا ہے، اور یہ اِعتکاف واجب کہلاتا ہے۔

یہ تو میں نے اِعتکاف کا مسئلہ بیان کیا، ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنے رسالے ''فضائلِ رمضان'' میں اِعتکاف کی فضیلت میں یہ حدیث نقل کی ہے، اور یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ:

''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مسجدِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں معتکف تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کرکے چپ چاپ بیٹھ گیا، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ: میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! میں بے شک پریشان ہوں، کیونکہ فلاں کا مجھ پر حق (قرض) ہے، اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اَطہر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ) اس قبر والے کی عزّت کی قسم! میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اس نے عرض کیا: جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ: آپ اپنا اِعتکاف بھول گئے؟ فرمایا: بھولا نہیں ہوں، بلکہ میں نے اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اور ابھی زمانہ بھی کچھ زیادہ نہیں گزرا، یہ الفاظ کہتے ہوئے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ: جو شخص اپنے بھائی

کے کسی کام میں جائے اور کوشش کرے، یہ اس کے لئے دس برس کے اِعتکاف سے افضل ہے، اور جو شخص ایک دن کا اِعتکاف بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنّم کے درمیان تین خندقیں آڑ بنا دیتے ہیں جن کی چوڑائی آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ ہے۔"

اِعتکاف کے لئے اِخلاص شرط ہے

اور جب ایک دن کے نفل اِعتکاف کا ثواب یہ ہے تو رمضان المبارک کے آخری عشرے کے اِعتکاف کا کتنا ثواب ہوگا؟ ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں۔ ہم کیا اندازہ کریں گے، اندازہ ہو ہی نہیں سکتا، یہ ہمارے قیاس اور اندازے سے باہر ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، کوئی اور مقصد درمیان میں نہ ہو، اور یہ نیت کر لینا کچھ مشکل نہیں ہے، اگر پہلے اس نیت کا اِستحضار نہیں تھا تو اَب کر لو، بہت آسان ہے، بھئی! نیت تو اپنے قبضے کی چیز ہے، اگر کسی شخص کی نیت میں کسی اور چیز کی ملاوٹ تھی تو اس ملاوٹ کو ہٹا دے، اور اَب نیت کر لے کہ: "یا اللہ! میں نے صرف آپ کی رضا کے لئے یہ کام کیا ہے، اور کر رہا ہوں، اگر اس میں میرے نفس کی کوئی شرارت شامل ہے، اگر اس میں کوئی دُنیاوی مفاد شامل ہے، اگر اس میں کوئی عزّت و جاہ کا مسئلہ شامل ہے تو یا اللہ! میں اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں" بس نیت صحیح ہوگئی۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ سے عرض کر دیا جائے کہ میں یہاں آپ کے گھر میں بس آپ کی رضا کے لئے بیٹھنا چاہتا ہوں اور بیٹھا ہوں، اس میں میری اور کوئی غرض شامل نہیں، اگر کوئی اور غرض شامل ہو تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ ایک تو یہ شرط ہوئی۔

اعتکاف کے دوران مسجد کا ادب بجالایا جائے

اور دُوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے گھر بیٹھے، اللہ کا گھر سمجھتے ہوئے، اور اس کی عظمت کا حق بجالاتے ہوئے۔ عام حالات میں بھی مسجد کے اندر شور و شغب یا ہلڑ بازی جیسی کوئی چیز، جو وقار کے خلاف ہو، نہیں ہونی چاہئے۔

مسجد کے بارے میں بار بار ہم ایک ہی لفظ بول رہے ہیں: "اللہ کا گھر" اس میں کوئی شک تو نہیں ہے کہ مسجد واقعی اللہ کا گھر ہے، اللہ کی بارگاہِ عالی ہے، اور کسی معمولی حاکم کے دربار میں جاکے بھی آپ نہ بلند آواز سے باتیں کریں گے، نہ وہاں چیخیں گے، نہ وہاں کوئی بات وقار کے خلاف کریں گے، بلکہ جتنی دیر آپ وہاں اس کی بارگاہ میں رہیں گے اپنی وسعت کی حد تک نہایت ہی ادب اور اِحترام کے ساتھ رہیں گے، اسی طرح جب مساجد میں آؤ تو نہایت تقویٰ کے ساتھ آؤ، اور سکون و وقار کے ساتھ رہو، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۝۳۲﴾ (الحج:۳۲)

ترجمہ: ''اور جو شخص کہ تعظیم کرے شعائر اللہ کی، یہ بات ہے دِلوں کے تقویٰ کی۔''

جس قدر دِل میں تقویٰ ہوگا، اسی قدر اللہ کی نشانیاں، اللہ کے شعائر، جن میں مسجد سب سے پہلے شامل ہے، ان کا ادب ہوگا، اور جتنا ادب ہوگا اتنا دِل میں تقویٰ آئے گا۔

ہماری ایک ہی غرض ہونی چاہئے، ہمارا ایک ہی مقصد ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجائے۔

اب یہاں سے اِعتکاف کی کچھ سوغات لے کر جاؤ تب تو لطف ہے، اگر خالی برتن لے کر آئے اور خالی برتن لے کر چلے گئے پھر یہاں بیٹھنے کا کیا فائدہ؟

رہا یہ کہ یہاں سے آپ کو کیا لے کر جانا چاہئے؟ تو خوب سمجھ لو کہ یہ مسجد اللہ کا بازار ہے، اور یہ اِعتکاف کے دن نیکیوں کی منڈی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کے پاس وقت کی پونجی موجود ہے، اعضاء آپ کے صحیح ہیں، زبان چلتی ہے، ہاتھ پاؤں چلتے ہیں، جتنی زیادہ سے زیادہ نیکیاں لوٹ سکتے ہو لوٹ لو، اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو، اخلاق، آداب، معاشرت، عبادات، عقائد، ان تمام سے اپنی جھولی بھر کر لے جاؤ، اِعتکاف کے دنوں میں چند چیزوں کی مشق کرو۔

اوّل:... فضول لایعنی کا ترک، جتنا چاہو کھاؤ، جتنا چاہو سوؤ، لیکن اِلتزام کرلو کہ فضول باتیں نہیں کریں گے، فضول کاموں میں مشغول ہونا وقت کا ضیاع ہے، اس سے پرہیز کرو۔

دوم:... ذکر و تلاوت کا اہتمام کرو، تاکہ اِعتکاف سے فارغ ہونے کے بعد بھی تمہیں ذکر و تلاوت سے مناسبت پیدا ہوجائے۔

سوم:... اپنے رُفقاء کا اِکرام کرنا سیکھو، اور کھانے میں، آرام میں، اور باقی چیزوں میں دُوسرے معتکفین کا خیال کرو، اور اپنی ضرورت پر دُوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینے کی مشق کرو۔

چہارم:... رمضان مبارک کا آخری عشرہ خصوصاً طاق راتیں بہت مبارک ہیں، جہاں تک اپنی صحت و قوّت اجازت دے ان قیمتی لمحات کی قدر کرو، اور ان کو عبادت، ذکر و تلاوت، تسبیحات، دُرود شریف اور صلوٰۃ التسبیح سے معمور کرو، لیکن بھئی! اپنی صحت و قوّت کا لحاظ ضرور رکھو، ایسا نہ ہو کہ اپنی ہمت سے زیادہ بوجھ اُٹھاؤ اور پھر ہمت ہار دو۔

پنجم:... میں نے بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ اِلتجاء الی اللہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں اپنی حاجات پیش کرنا، اسی سے بھیک مانگنے کے لئے ہم نے اِعتکاف کیا ہے، اور اس کریم داتا کے دروازے پر جمع ہوئے ہیں، اس لئے پوری دُنیا سے یکسو اور بے نیاز ہوکر اس کریم داتا سے مانگتے رہو، جو جی میں آئے مانگو، خوب جم کر مانگو، گڑگڑا کر مانگو، اور اس طرح آہ و زاری کے ساتھ مانگو کہ اس کریم

داتا کو ہماری عاجزی، ہماری بے کسی و بے بسی پر رحم آجائے۔

ششم:... یہاں جو اصلاحی حلقے قائم ہوتے ہیں ان کی پابندی کرو، اور اپنے عیوب و نقائص کا مطالعہ کرو، اور حق تعالیٰ کے سامنے توبہ واستغفار کرو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں اور اپنے دروازے سے کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹائیں۔

لیلۃ القدر کی فضیلت

[حدیث: ۷۳۶] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، إِنَّ نَاساً مِّنْکُمْ قَدْ أُرُوْا اللَّیْلَةَ الْقَدْرِ فِی السَّبْعِ الْأَوَّلِ وَأُرِیَ نَاسٌ مِّنْکُمْ أَنَّھَا فِی السَّبْعِ الْغَوَابِرِ، فَالْتَمِسُوْھَا فِی الْعَشْرِ الْغَوَابِرِ۔“

(صحیح مسلم: کتاب الصیام، بَاب فَضْلِ لَیْلَةِ الْقَدْرِ، حدیث: ۱۹۸۸)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے بعض آدمیوں کو گمان ہوا کہ شب قدر آخری عشرہ کی پہلی سات راتوں میں ہے، اور بعضوں کو گمان ہے کہ پچھلی سات راتوں میں ہے، سو تم اسکو پچھلی دس راتوں میں تلاش کرو۔“

تشریح: یہ حدیث لیلۃ القدر کے بارے میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے کچھ لوگوں نے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ انہوں نے لیلۃ القدر آخری عشرہ کی پہلی سات راتوں میں دیکھی، اور کچھ لوگوں نے یہ خواب بیان کیا کہ لیلۃ القدر آخری عشرے کی آخری سات راتوں میں دیکھی، لہٰذا تم پورے آخری عشرے میں تلاش کیا کرو۔ مطلب یہ کہ اتنی بات تو معلوم ہوگئی کہ آخری عشرے میں ہوتی ہے، لیکن پہلی سات راتوں میں ہوتی ہے یا پچھلی سات راتوں میں ہوتی ہے؟ اس میں اختلاف ہوگیا، تو یقین پر عمل کیا جائے کہ اس کو پورے عشرے میں تلاش کیا جائے تا کہ لیلۃ القدر فوت نہ ہونے پائے، رمضان کی لیلۃ القدر کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں اور ان میں مشہور یہ ہے کہ وہ آخری عشرے میں ہوتی ہے، طاق راتوں میں ہوتی ہے، اور سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ ستائیسویں رات میں ہوتی ہے، واللہ اعلم بالصواب! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص رمضان المبارک کے آخری عشرے کو زندہ رکھے گا یعنی قیام کرے گا اس سے ان شاء اللہ لیلۃ القدر فوت نہ ہوگی۔

شبِ قدر

[حدیث: ۷۳۷] ”عَنْ أَبِيْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَقَالَ إِنِّي اعْتَکَفْتُ الْعَشْرَ

الْأَوَّلَ أَلْتَمِسُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ ثُمَّ أُتِيتُ فَقِيلَ لِي إِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَعْتَكِفَ فَلْيَعْتَكِفْ۔"

(صحیح مسلم: کتاب الصیام، بَاب فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، حدیث: ۱۹۹۴)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں نے رمضان المبارک کی پہلی دس راتوں کا اعتکاف کیا، میں تلاش کرتا تھا شب قدر کو۔ پھر درمیان کی دس راتوں کا اعتکاف کیا، پھر میرے پاس آنے والا آیا، یعنی فرشتہ آیا اور مجھے بتایا کہ یہ شب قدر آخری دس راتوں میں ہوتی ہے، سو تم لوگوں میں سے جو اعتکاف میں بیٹھنا چاہے وہ اعتکاف میں بیٹھے۔"

تشریح: اس حدیث میں شب قدر کا بیان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: میں نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف کیا لیلۃ القدر کی تلاش کے لئے، پھر درمیانے عشرے کا یہ بھی لیلۃ القدر کی تلاش میں، پھر میرے پاس ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام پہنچایا کہ یہ شب قدر آخری دس راتوں میں ہوتی ہے، یہ بتا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ: میں اب آخری عشرے کا اعتکاف بھی بیٹھوں گا، تم میں سے جو بیٹھنا چاہے بیٹھے۔

شبِ قدر کا بیان پہلے آچکا ہے، قریب قریب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ شب قدر آخری عشرہ رمضان میں ہوتی ہے، اور یہ کہ اس کا طاق راتوں میں ہونا زیادہ قرین قیاس ہے، اور اکثر اہل علم اس کے قائل ہوئے ہیں کہ ستائیسویں کی رات شبِ قدر ہوتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں اپنے گھر سے نکلا تھا تمہیں شبِ قدر بتانے کے لئے لیکن دیکھا کہ دو آدمی جھگڑا کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے ذہن سے نکال دیا، اب تم اس کو آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔

جیسا کہ قرآن میں سورۃ القدر میں فرمایا گیا ہے کہ: شبِ قدر میں عبادت کرنا ایک ہزار مہینے میں مسلسل عبادت کرنے سے بہتر ہے، ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ اس کو چھپا دیا، اور اس میں حکمت، واللہ اعلم یہ تھی کہ اگر اس رات کا پتا چل جاتا تو اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے بھی ہوتے جو اس رات میں بھی گناہوں کا ارتکاب کرتے، اور کسی پاک جگہ یا خاص اوقات میں گناہ کرنا اس کا وبال بھی اتنا سخت ہوتا ہے جتنا کہ ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

جس طرح مسجدِ حرام میں ایک نماز پڑھنا ایک لاکھ کے برابر ہے، اسی طرح وہاں گناہ کرنا یہ بھی سنگین جرم ہے، تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی رحمت سے اس مبارک رات کو چھپا دیا تاکہ جو لوگ اس مبارک رات میں گناہ کرنے والے ہیں وہ اس سنگین جرم سے بچ جائیں۔

لیلۃ القدر میں قیام

[حدیث:۷۳۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَاناً وَّ احْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَاناً وَّ احْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔“

(رواہ البخاری: کتاب صلاۃ التراویح، بَاب فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، حدیث: ۱۸۷۰)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان کے ساتھ اور ثواب کی اُمید سے، اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور جس شخص نے رمضان کا روزہ رکھا ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت رکھتے ہوئے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔“

تشریح: اس حدیث میں لیلۃ القدر میں قیام کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ماہ مبارک کے روزے رکھنے کی بھی، آج ہی ایک صاحب مجھے بتا رہے تھے، صبح صبح میرے پاس آئے اور کئی مسئلے پوچھے اور ایک یہ بات بھی بتائی کہ ایک صاحب ہیں میرے پڑوس میں، وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے تو کبھی روزے نہیں رکھے، یہ روزے رکھنے سے کیا ہوگا؟ روزے کیوں رکھتے ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ، استغفر اللہ!

جو شخص ماہِ رمضان کے روزے رکھے گا اخلاص کے ساتھ بشرطیکہ ایمان اور احتساب، احتساب کا معنی یہ کہ اللہ اور رسول نے ان نیک اعمال پر جو وعدے فرمائے ہیں، وہ برحق ہیں، نماز پڑھنے پر یہ ملے گا، روزے پر یہ ملے گا، چوتھا کلمہ پڑھنے پر یہ ملے گا، تیسرا کلمہ پڑھنے پر یہ ملے گا، قرآن کریم کی تلاوت کرنے پر یہ ملے گا دورد شریف پڑھنے پر یہ ملے گا، جہاد پر یہ ملے گا، قربانی پر یہ ملے گا، غرضیکہ جتنے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں، ان پر یقین کرتے ہوئے ان کو برحق سمجھے یہ ”احتساب“ ہے اور جو شخص ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے گا، رمضان کا قیام کرے یعنی تراویح پڑھے گا اور لیلۃ القدر کا قیام کرے گا، ہر ایک کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف کر دے گا۔

صومِ وصال کی ممانعت

[حدیث:۷۳۹] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي أَظَلُّ أُطْعَمُ وَ أُسْقَى۔“

(رواہ البخاری: کتاب الصوم، بَاب بَرَكَةِ السَّحُورِ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ، حدیث: ۱۷۸۸)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں، بے شک میں دن گزارتا ہوں اس حالت میں کہ مجھ کو کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روزے کو دوسرے روزے کے ساتھ ملا کر رکھنے سے منع فرمایا، یعنی ایک روزہ افطار نہیں کیا اسی روزے پر ایک اور روزہ شروع کر دیا، مغرب کے بعد روزہ افطار نہ کیا بلکہ رات کا بھی روزہ پھر اگلے دن کا بھی روزہ پھر رات کا بھی روزہ پھر اگلے دن کا بھی روزہ، تین دن اکٹھے ملا کر روزہ رکھا، اس سے منع فرمایا، اس کو صوم وصال کہتے ہیں، صوم وصال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، لیکن خود رکھتے تھے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ خود تو رکھتے ہیں اور ہمیں منع فرماتے ہیں یہاں صحیح بخاری اور مسلم کی حدیث کے الفاظ ہیں: ''لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّي أَظَلُّ أُطْعَمُ وَأُسْقَى'' میں تم جیسا نہیں ہوں میں دن بھر اس طرح گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ:

''أَيُّكُمْ مِثْلِي؟ أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي'' (صحیح البخاری، فتح الباری)

ترجمہ: ''تم میں میرے جیسا کون ہے؟ میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا ربّ مجھے کھلاتا ہے اور مجھے پلاتا ہے۔''

مطلب یہ تھا کہ صوم وصال یعنی کئی دنوں کا روزہ بغیر افطار کے ملا کے رکھنا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، تم ایسا نہ کرو، یہ تم سے نہیں نبھے گا اور اگر تم میں کوئی اتنی طاقت رکھتا بھی ہو تو یہ قانون عام نہیں ہونا چاہئے۔ اُمّت کے لئے یہ قانون نہیں ہے۔ (صوم وصال کہتے ہیں کہ پانچ ایام جن میں روزہ ممنوع ہے ان کے علاوہ پورے سال مسلسل روزہ رکھنا۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کئی دن کے روزے ملا کر رکھتے تھے، لیکن ہمیں اس کی اجازت نہیں دی، بلکہ اگر کوئی ایسا رکھنا بھی چاہے جیسا کہ بعض صوفیہ اور مشائخ سے منقول ہے کہ وہ رکھا کرتے تھے، کئی کئی دن کے روزے ملا کر رکھتے تھے، تب بھی لازم ہے کہ شریعت کا احترام کرتے ہوئے افطار کرے، اگرچہ ایک گھونٹ پانی کا پیئے یا پہلا روزہ افطار کرے، ختم کرے۔

تو معلوم ہوا کہ روزے کا افطار کرنا واجب اور سحری کھانا مستحب ہے تا کہ طاقت حاصل رہے، اب شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلاتے پلاتے ہیں تو کیا پھر روزہ نہیں ٹوٹا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ نہیں! اس سے نہیں ٹوٹتا۔ تمہارے کھلانے پلانے سے تو روزہ ٹوٹتا ہے، تمہاری زمین کی خوراک کھانے پینے سے روزہ ٹوٹتا ہے، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے معنوی، روحانی خوراک دی

جاری ہو جس سے طاقت حاصل ہوتی ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معنوی طاقت عطا فرمائی تھی اور روحانی طاقت عطا فرمائی تھی، ایک جنتی کی طاقت سو پہلوانوں کے برابر ہوگی، اور آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں چالیس جنتیوں کی طاقت عطا فرمائی تھی، گویا یہ چار ہزار ہوگئے، ہم جیسے مریل آدمی کو بھی چار نکاح کرنے کی اجازت ہے، تو جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے چار ہزار آدمیوں کی طاقت عطا فرمائی ہو، تو چار کو چار سے ضرب دی تو سولہ ہزار بیویاں ہونی چاہئے تھیں، انصاف کا پلہ تب برابر ہوتا۔ بہرکیف! یہ شراب محبت تھی جو آنحضرت ﷺ کو پلائی جاتی تھی۔ سورۂ دہر میں جو آتا ہے جمعہ کے دن پڑھا کرتے ہیں: ﴿وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴿۲۱﴾﴾ (الدہر:۲۱) ''اور پلائے گا ان کو ان کا ربّ شراب پاک کرنے والی۔'' شراب تو خیر شراب طہور ہوگی کہ پیتے ہی تمام آلائشیں ختم سوائے معرفت الٰہی کے قلب میں کچھ نہیں رہے گا، لیکن یہ جو تعبیر ہے کہ ان کا رَبّ ان کو پلائے گا، کیا بات ہے! تو رب پلانے والا ہے، ذرا تصوّر کرو، جیسے ماں اپنے بچے کو اپنے ہاتھ سے پلاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے تشبیہ تو نہیں ہے، میں محبت کے لئے کہہ رہا ہوں، کیسا اکرام اور کیسا اعزاز ہے اہل جنّت کا؟ اسی کو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ''مجھے میرا ربّ کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔''

یہاں ایک خاص نکتہ بتاتا ہوں، اکابر فرماتے ہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سوائے حوائج بشریہ کے اور احکام میں دنیا میں رہتے ہوئے بھی اہل جنّت کے حکم میں ہوتے ہیں، وہ تو جنتی ہیں، ان پر اہل جنّت کے احکام جاری ہوتے ہیں، بس اس نکتے کی زیادہ تشریح نہیں کرتا۔

[حدیث: ۷۴۰] ''عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّكُمْ لَسْتُمْ مِثْلِي أَمَا وَاللهِ لَوْ تَمَادَّ لِي الشَّهْرُ لَوَاصَلْتُ وِصَالًا يَدَعُ الْمُتَعَمِّقُونَ تَعَمُّقَهُمْ۔''

(صحیح مسلم: کتاب الصیام، بَاب النَّهْيِ عَنْ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ، حدیث: ۱۸۴۸)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک تم لوگ مجھ جیسے نہیں ہو، سنو خدا کی قسم! اگر رمضان کا مہینہ لمبا ہوجائے تو میں برابر ملا کر روزے رکھتا، یہاں تک کہ شدّت سے محنت کرنے والے اپنی محنت کو چھوڑ دیتے۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ملا کر روزے رکھتے تھے، اس کو صومِ وصال کہتے ہیں، پہلا روزہ کھولا نہیں اور اگلا روزہ اس کے ساتھ ملا دیا، صحابہ نے بھی ایسا کرنا شروع کردیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ: تم نے ایسا کیوں رکھا؟ کہنے لگے کہ: آپ کو رکھتے دیکھا۔ فرمایا کہ: تم میں سے کون میرے جیسا ہے؟ یہاں اس حدیث میں فرمایا: ''انکم لستم مثلی'' تم میرے جیسے نہیں ہو، اللہ کی قسم! اگر یہ مہینہ

لمبا ہو جاتا اور میں اس کو ملا کر پورے مہینے کا روزہ رکھنا شروع کرتا کہ درمیان میں کچھ نہیں کھایا پیا، تو میں اس کو ملا کر رکھتا اس طرح کہ شدّت کے ساتھ محنت کرنے والوں کی محنت بھی ختم ہو جاتی، وہ بھی جواب دے دیتے کہ جی ہم سے نہیں ہوتا۔

یہاں سے آپ ﷺ کی قوت اور طاقت کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور آپ ﷺ کے تعلق مع اللہ کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ایسے کاموں میں آنحضرت ﷺ کی حرص نہیں کی جا سکتی، ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے جو واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں، بھوک کے، پیاس کے، زُہد کے، یہ ہم ضعفاء کے لئے لائق تقلید نہیں، ہم کمزور ہیں، اس عزیمت اور بلندی پر نہیں پہنچ سکتے، یوں سمجھے کہ کمال تو یہی تھا جو آنحضرت ﷺ نے کیا، مگر ہم کمزور ہیں اس کی حرص نہیں کر سکتے، اپنے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے، لیکن اصل کمال یہی ہے، کھانا پینا کمال نہیں ہے، بھوکے رہنا کمال ہے، بہترین محلات میں رہنا کمال نہیں ہے ٹوٹی جھونپڑی میں رہنا کمال ہے، یہ سنگِ مرمر کی مسجدیں بنتی ہیں، اصل کمال وہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسجدیں تھیں کہ باہر بارش کا ایک قطرہ نہیں جاتا تھا اندر ہی رہتا تھا، اور آنحضرت ﷺ جب بارش ہوتی تو کیچڑ میں سجدہ کرتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی، مسجد میں کیچڑ ہو رہی تھی، ہم نے حرّہ کے علاقے کے سنگریزے ہم میں سے ہر ایک اپنے ساتھ لے کر آ گیا تاکہ اپنی اپنی جگہ بچھالیں، حضور ﷺ نے اس کا بھی حکم نہیں فرمایا کہ جگہ کو سوکھی کرنے کی کوشش کرو، لیکن جب یہ حضرات لے آئے تو فرمایا: ”قَدْ أَحْسَنْتُمْ“ تم نے بہت اچھا کیا، ایسا ہی کیا کرو، ان کی تحسین فرمائی لیکن خود امر نہیں فرمایا، کمال یہ تھا۔ یہاں اتنی موٹی موٹی قالینیں ہیں کہ سر دھنستا ہے، اب اس وقت دُنیا کی سب سے بڑی مسجد مدینہ میں ہے۔ ہمیں اس اعتبار سے خوشی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دربار آپ ﷺ کے شایانِ شان ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ بھی آپ ﷺ کے شایانِ شان تھا، یہ ظاہری اور مادّی اعتبار سے شایانِ شان ہے اور وہ معنوی اعتبار سے شایانِ شان تھا۔

[حدیث: ۷۴۱] ”عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، لَاتُوَاصِلُوْا فَأَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُّوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ۔“ (متفق علیہ)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: صومِ وصال نہ رکھا کرو، یعنی بغیر افطار کئے کئی دن کا روزہ اکٹھا نہ رکھا کرو، تم میں سے جو شخص کہ ایسا روزہ رکھنا چاہے اس کو چاہئے کہ سحر تک وصال کرے۔“

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا ہے، صومِ وصال یہ ہے کہ

ایک دن کا روزہ رکھا اور پھر اس کو اِفطار کئے بغیر اور سحری کھائے بغیر کئی دن کے روزے ملا کر رکھ دیئے، اس طرح کہ آدمی بیچ میں اِفطار نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے روزے رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ کرام نے بھی رکھنے شروع کر دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم لوگوں نے ایسے روزے کیوں رکھنے شروع کر دیئے؟ کہا: ہم نے آپ کو دیکھا! ہم نے بھی رکھنے شروع کر دیئے، فرمایا: "أَيُّكُمْ مِثْلِيْ؟" تم میں سے کون ایسا ہے جو میری مثل ہو؟ "أَبِيْتُ وَيُطْعِمُنِي رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ" (صحیح البخاری، فتح القدیر) "میں رات اس حال میں گزارتا ہوں کہ میرا رَبّ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔" مطلب یہ کہ صومِ وصال تمہارے لئے رَوا نہیں، چنانچہ روزے پر روزہ رکھنا درمیان میں اِفطار نہ کرنا مکروہ ہے۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ اس وصال یا مواصلات کی کئی شکلیں ہیں، ایک شکل تو یہ ہے کہ آدمی روزے کو اِفطار بھی نہ کرے سحری بھی نہ کھائے، یہ "أَشَدُّ كَرَاهَةً" ہے، اس کی سب سے زیادہ کراہیت ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اِفطار کرلے سحر نہ کرے، یہ مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: "تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً" (صحیح البخاری، صحیح المسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) "سحر کا کھانا کھایا کرو، کیونکہ اس کھانے میں برکت ہے۔" رات کو کھا کے لیٹو گے تو صبح تک وہ ہضم ہو جائے گا تو پھر کمزوری ہو جائے گی، چند دن تو تم نبھا لو گے پھر آگے جا کر تمہیں مشکل پڑے گی۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ سحری تو کھائے لیکن اِفطار کے وقت اِفطاری نہ کرے یہ اس سے زیادہ کراہت کی چیز ہے، اس لئے کہ اس میں ایک درجے میں عقیدہ ہوا روزے کا کہ اِفطار کا وقت ہو جانے کے بعد پھر روزہ رکھنا بھی عبادت ہے، گویا کہ اس صورت میں اس قسم کا عقیدہ بنا، یعنی باوجودیکہ اللہ کی طرف سے تو روزہ کھولنے کا حکم ہو گیا، لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ: نہیں! میں نہیں کھولوں گا! گویا اللہ تعالیٰ کو مشورہ دینا چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَايَزَالُ أُمَّتِیْ بِخَيْرٍ مَّا يُعَجِّلُوا الْمَغْرِبَ، ...وَفِیْ رِوَايَةٍ: الْإِفْطَارَ... وَيُؤَخِّرُوْنَ الْعِشَاءَ۔" (مسند احمد بن حنبل، مستدرک الحاکم)

ترجمہ: "میری اُمّت بھلائی پر رہے گی جب تک وہ مغرب میں... اور ایک روایت میں ہے کہ ...اِفطار میں جلدی کرتے رہیں گے اور عشاء میں تاخیر کریں گے۔"

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے کہا کہ: دو صحابی ہیں، ان میں سے ایک اِفطار جلدی کرتے ہیں اور دُوسرے صاحب اِفطار ذرا تاخیر سے کرتے ہیں، کہنے لگیں: کون کون ہیں؟ بتایا گیا کہ جلدی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کرتے ہیں اور تاخیر کرتے ہیں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، فرمانے لگیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ٹھیک کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنّت تھی۔

اور بھوکے مرنے کا نام روزہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کا نام روزہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ ''پھر پورا کرو، روزہ رات تک'' رات آ گئی تو روزہ ختم، اب اگر کوئی شخص اس کے اِفطار کرنے میں توقف کرتا ہے تو وہ حکمِ خداوندی کی تعمیل نہیں کرتا، بلکہ ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے، خواہش کی پیروی کرتا ہے۔

مسلسل روزہ رکھنے کی ممانعت

[حدیث: ۷۴۲] ''.....أَبَا هُرَيْرَةَ.....، إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ.....'' (صحيح بخاری ج: ۷، ص: ۲۷، حدیث نمبر: ۱۸۳۰، بَابُ التَّنْكِيلِ لِمَنْ أَكْثَرَ الْوِصَالَ رَوَاهُ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ.....)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزے پے درپے ملا کر رکھنے سے پرہیز کرو۔''

تشریح: یہ حدیث صحیحین کی ہے کہ صومِ وصال سے بچو، یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لگاتار بغیر اِفطار کئے روزہ رکھنے سے منع فرمایا یعنی پہلا روزہ کھولا نہیں اوپر سے روزہ رکھ لیا، اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے روزے پر روزہ رکھتے تھے اور درمیان میں افطار نہیں کرتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا کرنا شروع کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو صحابہ کرام سے فرمایا، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بھی تو کرتے ہیں، فرمایا: وَأَيُّكُمْ مِثْلِي تم میں سے کون ہے جو میری مثل ہو؟ میرے جیسا ہو، إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي (مسلم ۴/ ۵۰۰، ۱۸۴۶) میں رات اس حال میں گزارتا ہوں کہ میرا ربّ مجھے کھلاتا ہے پلاتا ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، خدا جانے کیا کھلاتے ہوں گے، کیا پلاتے ہوں گے!

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طاقت عطا فرمائی تھی کہ روزے کے کھولے بغیر پے درپے روزہ رکھتے تھے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، اُمّت کو اس کی اجازت نہیں ہے، صومِ وصال کی چند شکلیں ہیں، ایک شکل یہ ہے کہ روزہ کھولا نہ جائے اور اس پر مزید روزہ رکھ لیا جائے، یہ اُمّت کے حق میں مکروہ، مگر قریب قریب حرام ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ روزہ کھولا نہ جائے، لیکن اِفطاری کے وقت تھوڑا سا کھا لیا جائے، یہ بھی مکروہ ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ روزہ کھولتے وقت روزہ کھول لیا جائے لیکن صبح کے وقت سحری کے وقت کچھ کھایا پیا نہ جائے، یہ چیز جائز ہے، لیکن بہتر نہیں ہے، کیونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ سحری کھایا کرو، فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً (بخاری ۷/ ۳، ۱۷۸۹) کیونکہ سحری کھانے میں برکت

ہے، بغیر سحری کھانے کے روزہ رکھنا یہ نامناسب ہے، اس میں کراہت ہے۔

ممنوعہ روزے

[حدیث:۷۸۳] ”عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، لَا يَصْلُحُ الصِّيَامُ فِي يَوْمَيْنِ يَوْمِ الْأَضْحىٰ وَيَوْمِ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الصیام، بَابُ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ، حدیث: ۱۹۲۲)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دُرست نہیں روزہ رکھنا دو دنوں میں، ایک تو قربانی کے دن، دوسرے عیدالفطر کے دن۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ: عیدالضحیٰ کے دن اور عیدالفطر کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے، اس پر تمام ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ ان دو دِنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے، اور انہی کے ساتھ ملحق ہیں ایام تشریق کے تین دن، سال میں کل پانچ دن ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے، یوں کہتے ہیں کہ اس دن شیطان کا روزہ ہوتا ہے، اور روزہ اس کا یہ ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنی ہے۔

عیدالفطر کا دِن تو رمضان کے اِفطار کا دِن ہے، یعنی رمضان شریف کے ختم اور اس کے روزوں سے فارغ ہونے کا دِن ہے، اس لئے اس دن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے عید رکھی ہے، خوشی کا دِن ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی رحمت سے ہمیں روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی، تو شیطان اس سے مغموم ہوتا ہے، تو جس دن وہ روزے بند کرتے ہیں، ہم اس دن روزہ رکھتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے کے لئے اور بقرہ عید کا دِن یہ حج سے فارغ ہونے کا دِن ہے، کیونکہ حاجی نو تاریخ کو میدان عرفات میں گئے، وہاں حج ہوا وہاں سے واپس آئے، رات مزدلفہ میں رہے اور عیدالفطر کو آکر جمرہ عقبہ کی رَمی کی، قربانی کی اور سر منڈایا، حج سے فارغ ہو گئے۔ اب کچھ ارکان باقی ہیں، اَدا ہوتے رہیں گے، ان شاء اللہ! لیکن حج مکمّل ہوگیا، تو تکمیلِ حج کے دِن پر اللہ تعالیٰ نے ضیافت فرمائی اور ان کے لئے قربانیوں کا گوشت رکھا اور ان کے طفیل میں تمام دُنیا کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ قربانیاں کرو، آج اللہ کی مہمانی کا دِن ہے، یہ تین دن اللہ تعالیٰ کی مہمانی کے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ:

”لَا تَصُوْمُوْا فِي هٰذِهِ الْأَيَّامِ فَإِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ“

(مسند احمد ابن حنبل، طبرانی، درمنثور)

ترجمہ: ”ان دونوں میں روزہ نہ رکھا کرو، اس لئے کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں، یعنی

اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے دن ہیں۔"

"گوشت" یہ تمام کھانوں میں سب سے زیادہ عزّت کا کھانا سمجھا جاتا ہے، اس لئے اس کو "سیّد الادام" یا "سیّد الطعام" کہتے ہیں، "سالنوں یا کھانوں کا سردار۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: روٹی تو تم کھاتے رہتے ہو، ہم تمہیں گوشت کھلاتے ہیں۔

یہودی، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے پوچھا: جنّت میں سب سے پہلی ضیافت اہلِ جنّت کے لئے کیا ہوگی؟ یعنی پہلا کھانا بطور ضیافت کے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگا، ویسے تو جنّت نعمتوں سے بھری پڑی ہے، کھاؤ پیو۔ تو یہودیوں نے پوچھا کہ: وہ کیا کھانا ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مچھلی کی کلیجی، اس کا سالن اور "خُبْزَةٌ يُخْبِزُهُ الرَّحْمٰنُ بِيَدِهٖ" (مسند احمد بن حنبل) "ایک روٹی ہوگی جس کو رحمٰن اپنے ہاتھ سے پکائیں گے" اور وہ زمین کی روٹی ہوگی۔ زمین کی تمام قوتوں کا خلاصہ نکال کر حق تعالیٰ شانہٗ اس کی ایک روٹی تیار کردیں گے اور ان سے فرمائیں گے کہ: کھاؤ! وہ ایک روٹی بھی اہلِ جنّت سے ختم نہیں ہوگی، اور یہ اس لئے ہوگا کہ کسی کے دل میں یہ حسرت نہ رہ جائے کہ ہم نے جنّت کی نعمتیں تو بہت دیکھ لیں لیکن افسوس ہے کہ دُنیا کی لذت نہ دیکھی، تمام لذائذِ دُنیا کو جمع کرکے اللہ تعالیٰ اس کی روٹی بنادیں گے۔

تو یہاں تو یہ عرض کرنا تھا کہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا وہ تیار کیا جائے گا اہلِ جنّت کے لئے تاکہ ہمارے بنگالی بھائی بھی خوش ہوجائیں۔

ہر ماہ تین روزے رکھنے اور عرفہ، عاشوراء کے روزے کی فضیلت

[حدیث:۴۴۷] "عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثَلٰثٌ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ هٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَصِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهٗ وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ" (مسلم: کتاب الصیام، حدیث: ۴۸۱)

ترجمہ: "حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین روزے ہر ایک مہینے میں اور رمضان کا روزہ رمضان تک یہ پورے ایک سال کا روزہ ہے اور عرفہ کے دن کا روزہ، میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ گناہ مٹادے گا اس سال کے بھی جو گزر چکا اور اس سال کے بھی جو آئندہ آنے والا ہے اور محرّم کی دسویں تاریخ کا روزہ میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ گزشتہ سال کے گناہ مٹادے گا۔"

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں، مصابیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے

آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہمیشہ روزہ رکھنا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا نہ روزہ رکھا نہ چھوڑا، اس آدمی نے نہ روزہ رکھا اور نہ چھوڑا جو شخص کہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اس کے بارے میں فرمایا کہ: گویا اس نے روزہ رکھا بھی اور روزہ چھوڑا بھی نہیں، اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھ لینا، ہر نیکی کو دس کے ساتھ ضرب دی جاتی ہے۔ تین روزوں کو دس کے ساتھ ضرب دیں گے تو ہر مہینے میں تیس روزے ہو گئے، ایک تو ہر مہینے میں تین روزے رکھ لئے اور دوسرے رمضان سے رمضان تک یہ پورے سال کا روزہ بن جاتا ہے اور بعد میں چھ شوال کے روزے رکھتے ہیں اسی وجہ سے رکھتے ہیں کہ ایک مہینے کے روزے رمضان کے تین سو کے قائم مقام بن گئے اور چھ روزے ساٹھ کے قائم مقام بن گئے تو کل تین سو ساٹھ ہو گئے۔

دوسرا مضمون یہ ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ (ذوالحجہ کے دسویں تاریخ وہ تو حج کا دن ہے اس سے ایک دن پہلے کا دن اس کو عرفہ کہتے ہیں) فرمایا: اگر کوئی عرفہ کا روزہ رکھے تو میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ یہ دو سال کا کفارہ بن جائے گا ایک گزشتہ سال کا ایک آئندہ سال کا۔

معلوم ہوا کہ عرفے کا روزہ رکھنا بہت ہی افضل اور بہتر ہے لیکن حاجی کے لئے نہیں۔ آنحضرت ﷺ ناقہ پر سوار تھے، زوال سے لے کر غروب تک بدستور اسی پر سوار رہے، نہ کچھ کھایا نہ پیا، اب لوگوں کو شک ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ کا آج روزہ ہے یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ کی چچی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اس اِشکال کو دُور کر دیتی ہوں۔ دودھ کا ایک گلاس لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اس دن آنحضرت ﷺ کا روزہ نہیں تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ بہت ہی اعلیٰ ترین اور افضل ترین روزہ ہے اور ایک روزہ دو سال کے قائم مقام ہے، لیکن حاجی کے لئے روزہ رکھنا بہتر نہیں ہے، اس لئے کہ حاجی کے لئے وقوف کرنا ہوتا ہے، کچھ لیٹ کر، کچھ بیٹھ کر، کوئی کھڑے ہو کر، کچھ سائے میں وقوف کرتے ہیں، دُعائیں مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے سارا دِن، اور ہم نے تو دیکھا کہ حاجی گپ تراشی بھی کر رہے ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ لیکن بعض اللہ کے بندوں کو دیکھا کہ وہ دُھوپ میں کھڑے ہو کر کے قیام کرتے تھے، وقوف کرتے تھے، خواہ کتنی تیز دُھوپ ہو چونکہ رسول اللہ ﷺ سارا دِن زوال سے لے کر غروب تک مشغول رہے، نہ کسی سے بات کی اور نہ کوئی اور بات۔ اسی طرح بہت سے اکابر کو دیکھا بھی اور سنا بھی کہ وقوفِ عرفات اس شان سے کرتے تھے، تاہم لیٹنے کی بھی اجازت ہے، میرے جیسا کمزور آدمی ہو جو بیٹھ بھی نہیں سکتا زیادہ، جہاں تک حج کا تعلق ہے، فقہ کی کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی سویا ہوا بھی اِحرام باندھ کے عرفات سے گزر جائے تو اس کا بھی حج ہو جاتا ہے۔

تیسرا مضمون اس روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: دس محرّم کا روزہ میں اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ گزشتہ پورے سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔

صومِ دہر کا حکم

[حدیث:۷۴۵] ”عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَجُلٌ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: كَيْفَ تَصُومُ؟ فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ غَضَبَهُ قَالَ: رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ، فَجَعَلَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهُ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ الدَّهْرَ كُلَّهُ؟ قَالَ لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ أَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ، قَالَ: كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا؟ قَالَ: وَيُطِيقُ ذٰلِكَ أَحَدٌ، قَالَ: كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا؟ قَالَ: ذَاكَ صَوْمُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامِ، قَالَ: كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ؟ قَالَ: وَدِدْتُ أَنِّي طُوِّقْتُ ذٰلِكَ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ، صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ، وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ۔“ (صحيح مسلم ج: ۲، ص: ۵۵، حديث نمبر: ۱۹۷۶، بَاب اسْتِحْبَابِ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ.....)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی آیا نبی کریم ﷺ کے پاس، اس نے کہا کہ آپ ﷺ کس طرح روزہ رکھا کرتے ہیں؟ پس رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے اس کے قول سے، پس جب دیکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے غصّے کو تو کہا: ہم راضی ہوئے اللہ کو اپنا ربّ مان کر، اسلام کو اپنا دِین مان کر، اور محمد ﷺ کو اپنا نبی مان کر، ہم پناہ مانگتے ہیں اللہ کی، اللہ کے غصّے سے اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے غصّے سے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار یہی الفاظ کہتے رہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کا غصّہ تھم گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیسا ہے وہ شخص جو روزہ رکھے ہمیشہ؟ فرمایا: نہ اس نے روزہ رکھا نہ اس نے اِفطار کیا! کہا کہ: کیسا ہے وہ شخص جو روزہ رکھے دو دِن کا، اِفطار کرے ایک دِن کا؟ فرمایا: اس کی

کوئی طاقت رکھتا ہے؟ کہا کہ کیسا ہے وہ شخص جو روزہ رکھے ایک دن اور اِفطار کرے ایک دن؟ فرمایا: یہ داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روزہ تھا، کہا کہ کیسا ہے وہ شخص جو روزہ رکھے ایک دن کا اور اِفطار کرے دو دِن؟ فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اس کی طاقت مل جاتی۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: تین روزے ہر مہینے میں اور رمضان سے رمضان تک، پس یہ ہمیشہ کا روزہ ہے۔ اور یومِ عرفہ کے روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے میری اُمید یہ ہے کہ وہ ایک سال پہلے کا اور ایک سال بعد کا کفّارہ ہوجائے گا۔ اور عاشورے کے دن کا روزہ رکھنا، میری اُمید اللہ سے یہ ہے کہ وہ ایک پہلے کے سال کا کفّارہ ہوجائے گا۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ ایک شخص پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے حد ناراض ہوئے۔ ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی پوچھتا تھا کہ آپ کے معمولات کیا ہیں؟ آپ بہت ناراض ہوتے تھے، تم اپنے بارے میں پوچھو میرے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟ میں تو کچھ بھی نہیں کرتا، فرض کرو کہ میں کچھ بھی نہیں کرتا تو تمہیں یہ پوچھنے کا کیا حق ہے کہ تم کتنی نماز پڑھتے ہو؟ تو ان صاحب نے جب پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ کیسے روزہ رکھتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدید غضبناک ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس تھے جب آپ کے غصّے کو دیکھا تو یہ کہنا شروع کیا: **نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُولِہٖ** ہم اللہ کے غضب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب سے پناہ مانگتے ہیں اور ساتھ یہ کہنا شروع کیا: **رَضِینَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِینًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا** ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ مان کر، اسلام کو اپنا دِین مان کر، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی مان کر راضی ہوئے۔

تو یہ کلمات حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار دُہراتے رہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غصّہ ٹھنڈا ہوگیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غصّہ ٹھنڈا ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! جو شخص ہمیشہ کا روزہ رکھے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہ سوال کرنے کا ڈھنگ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے روزہ بھی نہیں رکھا اور چھوڑا بھی نہیں، یعنی نہ روزہ رکھا نہ روزہ چھوڑا۔ مطلب یہ کہ ہمیشہ روزہ رکھنا بلا ناغے کے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ: یارسول اللہ! ایک آدمی دو دِن روزہ رکھتا ہے اور ایک دِن افطار کرتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا: کوئی اس کی طاقت رکھ سکتا ہے؟ یعنی یہ بھی ہمت سے بڑھی ہوئی بات ہے۔ کہا: یارسول اللہ! اگر ایک آدمی ایک دِن روزہ رکھے اور ایک دِن اِفطار کرے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا: یہ حضرت داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روزہ تھا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روزہ تھا، اور رات کی

نمازوں میں سے سب سے زیادہ محبوب نماز داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی۔ روزہ تو اس طرح ہے کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے، ایک دن اِفطار کرتے تھے۔ اور نماز رَات کی اس لئے محبوب تھی کہ آدھی رات تک سوتے تھے، آدھی رات کے بعد اُٹھ بیٹھتے تھے، تہائی رات نماز پڑھتے تھے اور چھٹا حصہ رات کا آخری وہ پھر سوجاتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نمازتہجد کی یہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب تھی اور داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روزہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! ایک آدمی ایک دن روزہ رکھے اور دو دن افطار کرے اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ کاش! مجھے اس کی توفیق ہوتی، اس کے بعد فرمایا کہ عرفہ کے دن کا روزہ جس دن حج ہوتا ہے اس سے ایک دن پہلے نویں تاریخ یہ عرفہ کہلاتا ہے، عرفہ کا روزہ مجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ توقع ہے ایک سال پہلے کا اور ایک سال پچھلے کا کفارہ ہوجائے گا، دو سال کا کفارہ ایک گذشتہ سال کا اور ایک آئندہ سال کا اور عاشورہ کا روزہ یعنی دس محرم اس کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے امید ہے کہ یہ ایک سال کے گذشتہ سال کا کفارہ ہوجاتا ہے۔

پیر کے دن کے روزے کا حکم

[حدیث:۷۴۶] ”عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الِاثْنَيْنِ فَقَالَ: فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ۔“

(صحیح مسلم ج:۶، ص:۵۷، حدیث نمبر:۱۹۷۸، بَاب اسْتِحْبَابِ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَوْمِ يَوْمِ.......)

ترجمہ: ”حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا پیر کا روزہ رکھنے کے بارے میں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن میں پیدا ہوا تھا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔“

تشریح: اس حدیث میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ! آپ پیر کا روزہ بہت رکھتے ہیں فرمایا: ایک تو اس دن میں پیدا ہوا ہوں، وہ میری پیدائش کا دِن ہے، دوسرے اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی اس لئے شکرانے کے طور پر روزہ رکھتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفلی روزے کا بیان

[حدیث:۷۴۷] ”عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ لَا يَصُومُ، وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا

رَمَضَانَ، وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِي شَعْبَانَ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ: كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ إِلَّا قَلِيلًا۔" (صحیح مسلم ج: ٦، ص: ٣٣، حدیث نمبر: ١٩٥٦، ١٩٥٧، بَاب صِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَيْرِ......)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم سمجھتے تھے کہ آپ افطار ہی نہیں کریں گے اور افطار کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے تھے روزہ ہی نہیں رکھیں گے اور میں نے نہیں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مہینے کا روزہ رکھا ہو سوائے رمضان کے اور میں نے نہیں دیکھا آپ کو کسی مہینے میں زیادہ روزے رکھتے شعبان سے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کا پورا روزہ رکھتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ شعبان کا روزہ رکھتے تھے مگر کم۔"

[حدیث: ۷۴۸] "عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ شَهْرًا كُلَّهُ؟ قَالَتْ: مَا عَلِمْتُهُ صَامَ شَهْرًا كُلَّهُ إِلَّا رَمَضَانَ وَلَا أَفْطَرَهُ كُلَّهُ حَتَّى يَصُومَ مِنْهُ حَتَّى مَضَى لِسَبِيلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔" (صحیح مسلم ج: ٦، ص: ٣١، حدیث نمبر: ١٩٥٤، بَاب صِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَيْرِ رَمَضَانَ.....)

ترجمہ: "عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے مہینے کا روزہ رکھتے تھے؟ فرمانے لگیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہینے کا پورا مہینہ روزہ رکھا ہو سوائے رمضان کے اور نہ کبھی پورے مہینے کا افطار کیا ہو یہاں تک کہ اس میں سے کچھ روزے رکھتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔"

[حدیث: ۷۴۹] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ....، أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ۔"

(صحیح مسلم ج: ٦، ص: ٦٣، حدیث نمبر: ١٩٨٢، بَاب فَضْلِ صَوْمِ الْمُحَرَّمِ)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے افضل روزہ رمضان کے بعد اللہ کا مہینہ محرّم ہے، اور سب سے افضل نماز

فرض نماز کے بعد تہجد کی نماز ہے۔'' یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔

تشریح: پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: کبھی تو آنحضرت ﷺ نفلی روزے رکھتے تھے اتنے زیادہ کہ ہمیں خیال آتا تھا کہ آنحضرت ﷺ روزہ نہیں چھوڑیں گے اور کبھی روزہ نہیں رکھتے تھے اور ہمیں خیال آتا تھا کہ آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔

رمضان مبارک کے علاوہ دوسرے کسی مہینے میں روزہ رکھنا آنحضرت ﷺ کا دائمی معمول نہیں تھا البتہ شعبان کے روزے کثرت سے رکھا کرتے تھے، دوسرے مہینوں کے بارے میں فرماتی ہیں کہ آپ روزہ رکھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ شاید اب روزہ چھوڑیں گے ہی نہیں اور کبھی روزہ رکھتے ہی نہیں تھے، بہرکیف! آنحضرت ﷺ نے رمضان مبارک کے علاوہ کبھی کسی مہینے کا پورا مہینہ روزہ نہیں رکھا اور کسی مہینے کا روزہ چھوڑا بھی نہیں بلکہ کچھ نہ کچھ روزہ رکھا کرتے تھے، خاص طور پر ایام بیض کے روزے رکھتے تھے، ایام بیض کہتے ہیں، تیرہ، چودہ، پندرہ کو، یعنی وہ دن جن کی راتیں سفید ہوتی ہیں، ان ایام میں آنحضرت ﷺ روزہ رکھا کرتے تھے اور کبھی کبھی آنحضرت ﷺ پیر کا روزہ اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے، اس سلسلے میں آپ ﷺ سے عرض کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ: پیر کے دن تو میں پیدا ہوا تھا اس لئے میں زیادہ روزہ رکھتا ہوں، جہاں تک جمعرات کا تعلق ہے اس دن بندوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس دن روزہ رکھوں جس دن کہ اعمال پیش ہوتے ہیں اللہ کے ہاں تاکہ میرا عمل روزے کی حالت میں پیش ہو۔

دوسری روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ہے اور اسی مضمون کی ہے، عبداللہ بن شقیق تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ پورے مہینے کا روزہ رکھا کرتے تھے؟ تو فرمانے لگیں کہ: رمضان کے سوا مجھے کوئی اور مہینہ یاد نہیں جس کا آنحضرت ﷺ نے پورے مہینے کا روزہ رکھا ہو اور یہ کبھی نہیں ہوا کہ پورے مہینے کا افطار ہی کر دیا ہو یعنی کچھ نہ کچھ حصہ روزے کا ہر ایک مہینے کو دیتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔

[حدیث: ۷۵۰] ''عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَأَلَهُ أَوْ سَأَلَ رَجُلًا وَعِمْرَانُ يَسْمَعُ فَقَالَ يَا أَبَا فُلَانٍ! أَمَا صُمْتَ سَرَرَ هٰذَا الشَّهْرِ؟ قَالَ أَظُنُّهُ قَالَ يَعْنِي رَمَضَانَ، قَالَ الرَّجُلُ: لَا يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: فَإِذَا أَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ۔''

(صحیح بخاری ج:۷، ص:۱۰۲، حدیث نمبر: ۱۸۴۷، بَابُ الصَّوْمِ مِنْ آخِرِ الشَّهْرِ)

ترجمہ: ''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں یا کسی آدمی نے سوال کیا تھا آنحضرت ﷺ سے اور حضرت عمران رضی اللہ عنہ

سن رہے تھے، پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوفلاں! تو نے شعبان کے سرر میں روزہ نہیں رکھا؟ اس نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو افطار کرے یعنی رمضان کا روزہ رکھے تو دو روزے رکھنا بعد میں۔“

تشریح: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے فرمایا تھا یا کسی اور کو فرمایا تھا اور میں سن رہا تھا کہ اے فلاں! تو نے شعبان کے سرر کا روزہ رکھا، شعبان کا ”سرر“ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اول حصہ ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ آخری حصہ ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ درمیانہ حصہ ہے لیکن یہاں مہینے کا آخری حصہ مراد نہیں بلکہ اول حصہ مراد ہے جس میں چاند چھپ جاتا ہے تو فرمایا کہ: اے ابوفلاں! تو نے شعبان کے سرر کا روزہ رکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں رکھا، فرمایا: جب رمضان سے فارغ ہو تو دو روزے رکھنا، یہ ویسے ہی تاکید کے طور پر فرمایا تھا ورنہ کسی حصے کا روزہ رکھنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ آگے آئے گا، چھ شوال کے روزے رکھنا اس کی تاکید ہے ایک قسم کی کیونکہ یہ ان کے ساتھ مل جاتے ہیں ثواب میں رمضان کے روزوں کے ساتھ، باقی کسی مہینے کا روزہ رکھنا مؤکد نہیں ہے رکھے تو خوشی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ کے مہینے محرّم کا ہے اس کو ”شهر الله المحرم“ فرمایا: اس لئے کہ بہت سی امتوں پر یہ روزہ فرض رہا اور ایک زمانے میں خود ہماری اُمّت پر بھی فرض رہا، جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی، محرّم کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لہٰذا رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ محرّم کا ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی ہے۔

عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہیں رکھ سکتی

[حدیث: ۷۵۱] ”سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا تَقُولُ: كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ، قَالَ يَحْيى: الشُّغْلُ مِنَ النَّبِيِّ أَوْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔“ (صحیح بخاری ج:۷، ص:۴۷، حدیث نمبر: ۱۸۱۴، بَاب مَتَى يُقْضَى قَضَاءُ رَمَضَانَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا بَأْسَ.....)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ میرے ذمے رمضان کے روزے ہوا کرتے تھے پس میں ان کو قضا نہیں کرسکتی تھی مگر شعبان میں، یحییٰ بن سعید کہتے ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مشغول ہونا ان روزوں کی قضاء سے مانع تھا۔“

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں صرف شعبان میں روزے رکھ سکتی تھی جو اپنے رہ جاتے تھے، عورتوں کے روزے ایام کی وجہ

سے رہ جاتے ہیں، تو فرماتی ہیں کہ دوسرے موقعوں پر میں روزے نہیں رکھ سکتی تھی کیونکہ حضور ﷺ عام طور سے شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے اس لئے حضرت عائشہ کو بھی موقع مل جاتا تھا اور دوسرے وقت میں وہ روزے نہیں رکھ سکتی تھیں کیونکہ احتمال تھا اس بات کا کہ آنحضرت ﷺ کو ضرورت پیش آئے، یہ اُمہات المومنین کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ حسن ادب تھا اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ کسی خاتون کے لئے روزے رکھنے کی اجازت نہیں اس کا شوہر جب گھر میں موجود ہو بشرطیکہ شوہر کا روزہ ہو یا اس نے اجازت دے دی ہو۔

عورت شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے

[حدیث:۷۵۲] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلَا تَأْذَنَ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ......۔“(صحیح بخاری ج: ۱۶، ص: ۱۹۹، حدیث نمبر: ۴۷۹۶، بَاب لَا تَأْذَنِ الْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا لِأَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حلال نہیں کسی عورت کے لئے کہ وہ روزے رکھے جبکہ اس کا شوہر گھر میں موجود ہو مگر اس کی اجازت کے ساتھ اور کسی کو اپنے گھر کے اندر آنے کی اجازت نہ دے مگر اپنے شوہر کی اجازت کے ساتھ۔“

تشریح: یہ حدیث بھی اسی مضمون کی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ روزے رکھے جبکہ اس کا شوہر موجود ہو یعنی گھر میں موجود ہو جب تک کہ اس کا شوہر اس کی اجازت نہ دے اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ شوہر کے گھر کسی کو آنے کی اجازت نہ دے الا یہ کہ شوہر کی طرف سے ایسے کسی آدمی کو آنے کی اجازت ہو۔

حائضہ عورتوں کے لئے روزے کی قضا ہے نہ کہ نماز کی

[حدیث:۷۵۳] ”عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ: مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ؟ فَقَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ قُلْتُ: لَسْتُ بِحَرُورِيَّةٍ وَلَكِنِّي أَسْأَلُ، قَالَتْ: كَانَ يُصِيبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ۔“ (صحیح مسلم ج: ۲، ص: ۲۳۲، حدیث نمبر: ۵۰۸، بَاب وُجُوبِ قَضَاءِ الصَّوْمِ عَلَى الْحَائِضِ دُونَ الصَّلَاةِ)

ترجمہ: ”معاذہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا بات

ہے حائضہ عورت روزہ قضا کرتی ہے مگر نماز قضا نہیں کرتی؟ انہوں نے فرمایا: کیا تو خارجی ہے؟ عرض کیا: نہیں! میں خارجی نہیں ہوں مگر میں مسئلہ معلوم کرنا چاہتی ہوں، تو فرمایا کہ ہمیں یہ حالت پہنچتی تھی تو ہمیں روزے کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔‘‘

تشریح: یہ حدیث حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا سے ہے انہوں نے اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا بات ہے عورت کو روزے قضا کرنے کا حکم ہے لیکن نماز قضا کرنے کا حکم نہیں؟ یعنی بیماری کی وجہ سے، مجبوری کی وجہ سے جو عورت کے روزے رہ جاتے ہیں ان روزوں کے لئے تو حکم ہے کہ دوسرے وقت میں رکھے لیکن نمازیں معاف ہیں ان کے پڑھنے کی ضرورت نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: **أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟** تو خارجی عورت معلوم ہوتی ہے، بات یہ ہے کہ ہمیں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ حالت پیش آتی تھی تو ہمیں روزہ قضا کرنے کا حکم دیا جاتا تھا نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا یعنی عورتوں کے خاص دنوں میں ان کی جو نمازیں رہ جاتی ہیں وہ قضا نہیں کی جاتیں البتہ جو روزے رہ جاتے ہیں ان کے قضا کرنے کا حکم ہے۔

بعض اکابر نے یہ فرمایا ہے کہ ہماری اَمّاں حوّا رضی اللہ عنہا ان کو یہ چیز پیش آئی انہوں نے مسئلہ پوچھا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہ نمازوں کی قضا کریں یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ: نمازوں کی قضا کی ضرورت نہیں، بس! وہ معاف ہوگئیں۔ اس کے بعد روزے کا وقت آیا تو انہوں نے یہ مسئلہ پوچھا نہیں خود ہی تجویز کرلیا کہ جب نمازیں معاف ہیں تو روزے بدرجہ اولیٰ معاف ہوں گے، چنانچہ انہوں نے روزے نہیں رکھے تو ان کو حکم دیا گیا کہ روزے رکھو یعنی روزوں کی قضا ہے، بظاہر روزہ رکھنے کا حکم ہونا اور نماز پڑھنے کا حکم نہ ہونا ذرا مشکل سی بات معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ نماز کی اہمیت زیادہ ہے بنسبت روزے کے، جب روزے کا حکم ہے رکھنے کا تو نماز پڑھنے کا بھی حکم ہونا چاہئے اور خارجیوں کا یہی استدلال تھا، خارجی لوگ یہی کہتے تھے کہ کیا وجہ ہے روزہ رکھا جائے اور نماز نہ پڑھی جائے؟ لیکن حکمت اس میں یہ ہے کہ روزہ تو آتا ہے سال کے بعد، پورے سال میں ایک مہینہ ہوتا ہے اور رمضان کا روزہ یہ اس اُمّت کی خصوصیت ہے۔

بہرحال جہاں تک نمازوں کا تعلق ہے وہ ظاہر بات ہے کہ ان کو ہر مہینے چھوڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے مستورات کو چھوڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے ہر مہینے، روزہ تو سال میں ایک مرتبہ پیش آتا ہے، نماز چھوڑنا اور نماز ہر مہینے اگر حکم کیا جاتا کہ عورتیں نماز بھی قضا کیا کریں تو بیچاری مشکل میں پھنس جاتیں اور خاص طور سے جب اس بات کو دیکھا جائے کہ عورتیں نماز پڑھنے میں ویسے بھی ڈھیلی ہوتی ہیں، ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سارے گھروں میں مرد لوگ روزے نہیں رکھتے لیکن عورتیں رکھتی ہیں تو عورتیں روزہ رکھنے میں تو تگڑی

ہوتی ہیں لیکن نماز پڑھنے میں ڈھیلی ہوتی ہیں، اگر ہر مہینے ان کو قضا کا حکم دیا جاتا تو بڑی مشکل پیش آجاتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی کہ نمازوں کو ان پر ہمیشہ کے لئے معاف کردیا البتہ روزوں کی قضا کی تاکید فرمائی۔

اللہ کے راستے میں روزہ رکھنے کی فضیلت

[حدیث: ۷۵۴] ”عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ....، مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ بَعَّدَ اللهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا۔“ (صحیح بخاری ج: ۹، ص: ۴۳۳، حدیث نمبر: ۲۶۲۸، بَاب فَضْلِ الصَّوْمِ فِي سَبِيلِ اللهِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے روزہ رکھا ایک دن اللہ کے راستے میں، دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو دوزخ سے ستر سال کی مسافت تک۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے راستے میں ایک دن روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو جہنّم سے دور کردیں گے ستر سال کی مسافت، اس میں خصوصیت اللہ کے راستے میں روزہ رکھنے کی ہے یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے دوران آدمی روزہ رکھے، اسی طرح کوئی شخص دعوت و تبلیغ کے راستے میں روزہ رکھے یہ بھی فی سبیل اللہ کے حکم میں ہے اور اس کی یہ فضیلت ہے کہ ایک دن کا روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ ستر سال اس کے چہرے کو دور کردیتے ہیں جہنّم سے اور لطف کی بات یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے یعنی صحیح ترین روایت ہے۔ یہ نفلی روزہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اگر فرض روزہ ہو تو اس کی کتنی فضیلت ہوگی؟ لیکن اس کے لئے شرط ہے کہ آدمی پہلے روزے کی طاقت رکھتا ہو، لیکن اگر وہ روزہ رکھ کر نڈھال ہوجائے جہاد کیا کرے گا؟

بہترین روزے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روزے ہیں

[حدیث: ۷۵۵] ”.....عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَبْدَ اللهِ! أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ؟ فَقُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ بِحَسْبِكَ أَنْ تَصُومَ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنَّ لَكَ بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا، فَإِنَّ ذَلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ، فَشَدَّدْتُ

فَشُدِّدَ عَلَيَّ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً، قَالَ: فَصُمْ صِيَامَ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامِ وَلَا تَزِدْ عَلَيْهِ، قُلْتُ: وَمَا كَانَ صِيَامُ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامِ؟ قَالَ: نِصْفَ الدَّهْرِ، وفی روایة: فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا فَذٰلِكَ صِيَامُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامِ وَهُوَ أَفْضَلُ الصِّيَامِ ......۔'' (صحیح بخاری ج:۷، ص:۸۷۔۸۹، حدیث نمبر: ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، بَاب حَقِّ الضَّيْفِ فِي الصَّوْمِ)

[حدیث:۷۵۶] ''وَفِیْ مَقَامٍ آخرَ: قَالَ: صُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةً وَاقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ، قَالَ: قُلْتُ: أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ: صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْجُمُعَةِ، قُلْتُ: أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ: أَفْطِرْ يَوْمَيْنِ وَصُمْ يَوْمًا، قَالَ: قُلْتُ: أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ: صُمْ أَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوُدَ صِيَامَ يَوْمٍ وَإِفْطَارَ يَوْمٍ وَاقْرَأْ فِي كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً۔'' (صحیح بخاری ج:۱۵، ص:۴۷۷، حدیث نمبر: ۴۶۶۴، بَاب فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى {فَاقْرَءُوا .....)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو ساری رات قیام کرتا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں صحیح ہے یا رسول اللہ! فرمایا: ایسا نہ کر، روزہ بھی رکھا کر افطار بھی کیا کر، قیام بھی کیا کر سویا بھی کر، کیونکہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے، نہیں روزہ رکھا اس شخص نے جس نے ہمیشہ کا روزہ رکھا، روزہ تین دن ہر مہینے میں، پورے زمانے کا روزہ ہے، تو روزہ رکھا کر ہر مہینے میں تین دن اور قرآن پڑھا کر ہر مہینے میں ایک مرتبہ، میں نے کہا کہ: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ رکھ جو افضل ترین روزہ ہے اور وہ داود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روزہ ہے، وہ تھا ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن روزہ چھوڑنا اور قرآن پڑھا کر ہر ہفتے میں ایک مرتبہ اس سے زیادہ نہ پڑھا کر۔''

تشریح: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی ہے، اس صحابی کی یہ خصوصیت تھی کہ اپنے باپ سے بارہ سال چھوٹے تھے یہ عجائبات میں سے ہے، ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھا کرتے تھے، خود کہتے ہیں کہ مجھے قریش کے بوڑھوں نے

یہ مشورہ دیا کہ تم ہر بات لکھ دیتے ہو، حالانکہ یہ بات لکھنے کی نہیں ہوتی، جب آدمی لکھتا ہے کام کی بات لکھے، تم ہر ایک بات لکھ دیتے ہو، میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھوں گا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! قریش کے بعض بوڑھے مجھے مشورہ دے رہے ہیں کہ تم ہر بات نہ لکھو، آنحضرت ﷺ کبھی مزاح کرتے تھے کبھی آپ غصّے میں ہوتے ہیں کبھی آدمی کی کوئی حالت ہوتی ہے کبھی کوئی حالت ہوتی ہے، تم ہر بات لکھ جاتے ہو، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُکْتُبْ! لکھا کر اور زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اللہ کی قسم! اس سے سچ کے علاوہ کچھ نہیں نکلے گا۔ غصّے میں ہوں تب بھی، مزاح کریں تب بھی، اس زبان کی خصوصیت یہ تھی یعنی آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سوائے سچ کے کچھ نہیں نکلتا۔

ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ان کے والد ماجد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کی شادی کر دی تو تین چار دِن کے بعد ان کے ہاں گئے، دُلہن سے پوچھا کہ عبداللہ کیسا آدمی ہے؟ کہا کہ بہت نیک آدمی ہے، سارا دِن روزہ رکھتا ہے اور ساری رات نفل پڑھتا ہے! وہ فرماتے ہیں کہ میرے تو پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جا کر شکوہ داخل کیا کہ میں نے عبداللہ کی شادی کر دی تھی، میں دُلہن سے مل کر آیا ہوں، میں نے کہا: وہ کیسا آدمی ہے؟ تو وہ کہنے لگیں کہ: ''بہت اچھا آدمی ہے، سارا دِن روزہ رکھتا ہے، اور ساری رات نماز پڑھتا ہے!'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کر آنحضرت ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تکیہ پیش کیا ٹیک لگانے کے لئے، لیکن آپ ﷺ نے تکیہ بجائے ٹیک لگانے کے میرے اور اپنے درمیان رکھ دیا اور مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ اے عبداللہ! مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ تو سارا دِن روزہ رکھتا ہے اور ساری رات نمازیں پڑھتا ہے؟ میں نے کہا: بالکل صحیح اطلاع دی گئی ہے آپ کو! فرمایا: ایسا نہ کیا کر! روزہ بھی رکھا کر، اِفطار بھی کیا کر، قیام بھی کیا کر، سویا بھی کر، یعنی رات میں تہجد بھی پڑھا کر، لیکن سویا بھی کر، اس لئے کہ تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ آگے فرمایا: مہینے میں تین دِن کا روزہ رکھا کر، کیونکہ ایک دس کے برابر ہے، اور تین دِن کا روزہ رکھا تو تیس دِن کے روزے ہوں گے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن مجید پڑھا کر، ایک مہینے میں ایک دفعہ ختم کیا کر، بجائے اس کے کہ زیادہ پڑھنے کی ترغیب دیں، مہینے میں ایک مرتبہ ختم کیا کر، میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے، یہ بڑھاتے گئے اور آنحضرت ﷺ گھٹاتے گئے، آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا چل ایسا کر ایک دن روزہ رکھا کر اور ایک دن اِفطار کیا کر، اور تہائی رات قیام کیا کر، دو تہائی سویا کر، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے، فرمایا: نہیں! جس نے اس سے زیادہ روزہ رکھا گویا کہ اس نے روزہ رکھا ہی نہیں۔

یہ صومِ داؤدی کہلاتا ہے، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی طرح روزہ رکھتے تھے، ایک دن روزہ رکھتے تھے ایک دن اِفطار کیا کرتے تھے، آدھی رات قیام کرتے تھے، تہائی رات سوتے تھے، رات کے چھٹے حصے میں پھر قیام کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب روزہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روزہ ہے، اور سب سے زیادہ رات کا قیام حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیام ہے۔

قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رات کے تین حصے کئے ہوئے تھے، وہ خاص حصہ جو اُن کی عبادت کا تھا، اس میں دو فرشتے آ گئے، اور آئے بھی حویلی کی دیوار پھلانگ کر، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام ذرا تھوڑے سے گھبرائے کہ یہ عجیب لوگ ہیں، وہ کہنے لگے کہ ڈریئے نہیں ہم دو فریق ہیں، مقدمہ ہے، آپ سے فیصلہ کروانے کے لئے آئے ہیں۔ اب وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ: "بھائی! یہ وقت فیصلہ کروانے کا نہیں ہے، یہ تو میری عبادت کا وقت ہے"، لیکن ایسا نہیں کیا، پیغمبرانہ اخلاق استعمال کیا، آج کا حکمران اپنا اخلاق استعمال نہیں کرتا۔

ایک صاحب نے کہا کہ میں اس قصے کی ترتیب بیان کرتا ہوں، اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے، اب یہ زبردستی کرتا ہے، کہتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے دے دو۔ اور اُصول کی بات یہ ہے کہ دونوں فریقوں کی بات سنی جاتی ہے، ایک کی آپ نے سن لی، دوسرے کی بھی سن لیتے، لیکن حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ ظلم ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کی ایک بھی نہ ہو، وہ کہہ کر چلے گئے، پھر آپ کو خیال آیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش تھی، بہرحال پھر اِستغفار کیا، توبہ کی۔ تو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، لیکن اس وقت فرشتوں کا آنا یہ ان کی آزمائش کے لئے تھا، بہت لمبا قصہ ہے اس کو مزید بیان نہیں کرتا۔ یہاں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قسم کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اس قسم کا قیام کیا کرتے تھے۔

تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تو بھی حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روزہ رکھا کر، یہ کہنے لگے: حضرت! مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے، فرمایا: نہیں! جس نے اس سے زیادہ کا روزہ رکھا اس نے روزہ ہی نہیں رکھا۔ حضرت عبداللہ بوڑھے ہوگئے تھے بعد میں، پھر بھی اپنا معمول نہیں چھوڑا آخری عمر تک جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمادیا تھا، افسوس کیا کرتے تھے کہ ہائے افسوس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لیتا۔

پیر اور جمعرات کا روزہ

[حدیث:۷۵۷] "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ

الاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسَ۔" (سنن نسائی ج: ۸، ص: ۶۶، حدیث نمبر: ۲۳۲۴، صَوْمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَبِي هُوَ وَأُمِّي وَذِكْرُ ....)

ترجمہ: "اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے یہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔"

پیر اور جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں

[حدیث: ۷۵۸] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ....، تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ۔" (سنن ترمذی ج: ۳، ص: ۲۰۶، حدیث نمبر: ۷۴۸، بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اعمال پیش کئے جاتے ہیں پیر کو اور جمعرات کو پس میں پسند کرتا ہوں اس بات کو کہ پیش کیا جائے میرا عمل اس حال میں کہ روزے میں ہوں۔"

تشریح: پہلی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے اور دوسری حدیث میں اس کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ ان دو دنوں میں اعمال پیش ہوتے ہیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پیر کے دن اور جمعرات کے دن میں روزے سے ہوں۔

ان دو دنوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان دو دنوں میں حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں اس لئے خاص طور پر ان دو دنوں میں رسول اللہ ﷺ روزہ رکھا کرتے تھے اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ ان دنوں میں آدمی کو گناہوں سے احتراز کرنا چاہئے، ذرا تصور کرو کہ ایک آدمی کا نامہ عمل پیش ہونے کے لئے جارہا ہے وہ اس کو پسند کرے گا کہ اس کے خلاف فردِ جرم عائد کردی جائے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پیر کو اور جمعرات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے ان دو دنوں میں پیش ہونا گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہفتے میں یہ دو دن بندوں کے اعمال کی تصدیق کے لئے ہیں، آنحضرت ﷺ تو ان دو دنوں میں روزے کا اہتمام فرماتے تھے اور ہم لوگ نامعلوم کس چیز میں مشغول ہوتے ہیں، اس لئے ان دو دنوں میں خاص طور پر اللہ سے ڈرنا چاہئے حیا کرنی چاہئے شرم کرنی چاہئے کہ میرا اعمال پیش ہو رہا ہے اور میرے بارے میں کیا حکم ہے۔

اَیامِ بیض کے روزے

[حدیث: ۷۵۹] ".....أَبَا ذَرٍّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا

أَبَا ذَرٍّ! إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ۔" (سنن ترمذی ج:۳، ص:۲۳۰، حدیث نمبر:۲۹۱، بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ)

ترجمہ: "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! جب تو روزہ رکھے تین دِن کا تو روزہ رکھا کر تیرہویں تاریخ کا، چودہویں تاریخ کا، پندرہویں تاریخ کا۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ابوذر! مہینے میں تین دن کا روزہ رکھنا ہو تو تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کا روزہ رکھا کرو یہ ایام بیض کہلاتے ہیں، ایام بیض کے معنی ہیں وہ دن جن کی راتیں روشن ہوں یعنی ان دنوں میں رات روشن ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان دونوں میں روزہ رکھا کرو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر ان تین دنوں کا روزہ رکھتے تھے۔

جمعہ کے دن کے روزے کا حکم

[حدیث:۷۶۰] "عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔"

(سنن ترمذی ج:۳، ص:۱۹۸، حدیث نمبر:۶۷۳، بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھا کرتے تھے ہر مہینے میں سے تین دن اور بہت کم افطار کرتے تھے جمعہ کے دن۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے کے ابتدائی دنوں کا روزہ رکھتے تھے جن کو "غرّہ" کہتے ہیں اور ان کے علاوہ جمعہ کا روزہ تو آپ بہت ہی کم افطار کرتے تھے، بعض روایت میں جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب کوئی آدمی جمعہ کا روزہ خصوصیت کے ساتھ رکھتا ہے، دوسرے دنوں میں روزہ نہیں رکھتا اور اگر کوئی شخص معمول بنالیتا ہے جمعے کے روزے کا تو اس کے لئے ممانعت ہے۔

مرحوم کی طرف سے روزے کا حکم

[حدیث:۷۶۱] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.....، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ فَقَضَيْتِيهِ أَكَانَ يُؤَدِّي ذٰلِكِ عَنْهَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: فَصُومِي عَنْ أُمِّكِ۔"

(صحیح مسلم ج:۶، ص:۸، حدیث نمبر:۱۹۳۸، بَابُ قَضَاءِ الصِّيَامِ عَنِ الْمَيِّتِ)

ترجمہ: ’’عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے فرمایا: یہ تو بتا کہ اگر تیری ماں کے ذمے ہوتا تو اس کی جانب سے قرضہ ادا کرتی یا نہیں کرتی؟ اس نے کہا: حضور ضرور کرتی، فرمایا: پھر اپنی ماں کی جانب سے روزہ بھی رکھ۔‘‘

تشریح: ایک خاتون آئیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا، اس کے ذمے روزے تھے، میں اس کی طرف سے روزے رکھلوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تیری ماں کے ذمے اگر قرضہ ہوتا تو تو ادا نہ کرتی؟ وہ کہنے لگی: ضرور کرتی، فرمایا: پھر اپنی ماں کی طرف سے روزہ بھی رکھ۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے اور اس میں یہ طویل گفتگو ہوئی ہے کہ سوال کرنے والا مرد تھا یا عورت تھی؟ یعنی مرد نے سوال کیا تھا یا عورت نے سوال کیا تھا اور سوال اپنے باپ کے بارے میں تھا یا اپنی ماں کے بارے میں تھا؟

حافظ لکھتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے یہ شخص اپنے باپ کے بارے میں سوال کرنا چاہتا تھا لیکن سوال کرواتا تھا اپنی لڑکی کے ذریعے، مسئلہ پوچھنے کے لئے اپنی لڑکی کو آگے کر دیا اور مقصد اس کا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک اس پر پڑے، چونکہ لڑکی بہت خوبصورت تھی تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنی شرفِ زوجیت کے لئے قبول فرمالیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اِلتفات نہیں فرمایا، حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ کو چلے ہیں تو حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے اور جب مزدلفہ سے منیٰ کو چلے ہیں تو آپ کے چچازاد بھائی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے پیچھے سوار تھے، یہ لڑکی جب مسئلہ پوچھ رہی تھی تو حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف پھیر دیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اپنے چچازاد بھائی کا منہ دوسری طرف پھیر دیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ جوان لڑکا ہے اور جوان لڑکی ہے، شیطان مداخلت نہ کردے درمیان میں۔

بہر حال! اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مرحوم کے ذمے جو حقوق العباد ہیں یا حقوق اللہ ہیں ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔ تمام علماء اس کے قائل ہیں کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا اور کوئی کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا بلکہ فدیہ ادا کرنا پڑے گا، اگر کسی شخص کے ذمے، میّت کے ذمے نمازیں رہتی ہیں تو ان کا فدیہ ادا کرنا پڑے گا، اگر اس کے ذمے روزے رہتے ہیں تو اس کا فدیہ ادا کرنا پڑے گا۔

اس حدیث کا مطلب بھی علماء یہی بیان کرتے ہیں کہ ولی اس کی طرف سے اس کے روزوں کی قضاء کرے گا لیکن فدیہ کی صورت میں۔

کتابُ الحَجّ

حج وعمرہ کی فضیلت

[حدیث:۷۶۲] ”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہ۔ متفق علیہ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۲۱)

ترجمہ: ”جس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کیا، پھر اس میں نہ کوئی فحش بات کی اور نہ نافرمانی کی، وہ ایسا پاک صاف ہوکر آتا ہے جیسا ولادت کے دن تھا۔“

[حدیث:۷۶۳] ”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْعُمْرَۃُ اِلَی الْعُمْرَۃِ کَفَّارَۃٌ لِمَا بَیْنَہُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّۃَ۔ متفق علیہ۔“ (ایضاً)

ترجمہ: ”ایک عمرہ کے بعد دُوسرا عمرہ درمیانی عرصے کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور حجِ مبرور کی جزا جنّت کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتی۔“

[حدیث:۷۶۴] ”وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: تَابِعُوْا بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ فَاِنَّہُمَا یَنْفِیَانِ الْفَقْرِ وَالذُّنُوْبَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خُبْثَ الْحَدِیْدِ وَالذَّہَبِ وَالْفِضَّۃِ وَلَیْسَ لِلْحَجَّۃِ الْمَبْرُوْرِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّۃِ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۲۲)

ترجمہ: ”پے در پے حج وعمرے کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں سے اس طرح صاف کردیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو صاف کردیتی ہے، اور حجِ مبرور کا ثواب صرف جنّت ہے۔“

تشریح: حج، اسلام کا عظیم الشان رُکن ہے۔ اسلام کی تکمیل کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا،

اور حج ہی سے ارکانِ اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔ احادیثِ طیبہ میں حج وعمرہ کے فضائل بہت کثرت سے ارشاد فرمائے گئے ہیں۔

حج، عشقِ الٰہی کا مظہر ہے، اور بیت اللہ شریف مرکزِ تجلیاتِ الٰہی ہے، اس لئے بیت اللہ شریف کی زیارت اور آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ عالی میں حاضری ہر مؤمن کی جانِ تمنا ہے، اگر کسی کے دِل میں یہ آرزو چٹکیاں نہیں لیتی تو سمجھنا چاہئے کہ اس کے ایمان کی جڑیں خشک ہیں۔

بیت اللہ شریف تجلیاتِ الٰہیہ کا مرکز ہے، اور رحمت خداوندی کی تقسیم کا مرکز ہے، روزانہ بے پناہ رحمتیں بیت اللہ پر نازل ہوتی ہیں، اور دنیا میں جتنی رحمتیں اور جتنی برکتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں وہ بیت اللہ پر اترتی ہیں اور پھر وہاں سے پورے عالم میں تقسیم ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو ظاہری اور باطنی سعادتوں کا مرکز بنایا ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط﴾ (البقرۃ:۱۲۵)۔ (اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے کہ جس وقت ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور مقام امن ہمیشہ سے مقرر رکھا) نامعلوم مشرق ومغرب سے، جنوب وشمال سے، کس کس خطے سے لوگ دیوانہ وار لبیک لبیک پکارتے ہوئے آرہے ہیں، جیسے پروانے شمع پر ٹوٹتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ حرمین شریفین جانے کا اتفاق تو ہمیشہ ہوتا ہے، لیکن اس مرتبہ چار باتیں ذہن میں آئیں جن کو میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

ایک بات ذہن میں آئی اور میں اس کو عطیۂ الٰہی سمجھتا ہوں، گویا وہاں سے اِنعام ملا ہے کہ ساری دُنیا جو یہاں کھنچ کھنچ کر جمع ہورہی ہے آخر کیوں جمع ہورہی ہے؟ بیت اللہ شریف کا ایک تو ظاہری نقشہ ہے، کہ پتھروں کی عمارت ہے، جن میں سیمنٹ لگایا ہوا ہے، نہ سنگ مرمر ہے، نہ کوئی اور ظاہری زینت کی چیز ایسی ہے جو لوگوں کے لئے موجبِ کشش ہو، موٹے موٹے پتھروں کی عمارت، یہ بیت اللہ ہے، اوپر سیاہ غلاف پڑا ہوا ہے اس میں کوئی مادّی کشش نہیں ہے کہ لوگ اس کی چمک دمک کو دیکھنے کے لئے آئیں، جیسے تاج محل کو دیکھنے کے لئے جاتے ہیں، یا کسی اور خوبصورت عمارت کو دیکھنے کے لئے جاتے ہیں، وہاں کوئی ظاہری، مادّی کشش اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھی، لیکن باطنی اور روحانی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کو دِلوں کا مقناطیس بنایا ہے، جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اس طرح بیت اللہ قلوب کو اپنی طرف کھینچتا ہے، چنانچہ تمام اہلِ ایمان کے دل میں یہ جذبہ موجزن ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اللہ کے گھر پہنچ جائیں، کوئی مسلمان ایسا نہیں ہوگا جس کے دل میں یہ تمنا اور یہ آرزو چٹکیاں نہ لیتی ہو، اور جس دل میں اللہ کا گھر دیکھنے کی تمنا نہیں، اور جس شخص کے دل میں یہ تڑپ نہیں ہے وہ صحیح معنی میں مسلمان ہی نہیں، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرضیت حج کا اعلان فرمایا: ﴿وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ط﴾ (آل عمران) (اور لوگوں کے ذمّے ہے اللہ کی

رضا کی خاطر اس بیت اللہ کا حج کرنا جو شخص یہاں پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو) تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا: ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۝۹۷﴾ (آل عمران) (اور جو کفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ غنی ہے جہان والوں سے، اللہ کو کسی کی احتیاج نہیں ہے) اس میں اللہ تعالیٰ نے حج کے لئے نہ آنے کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔" (مشکوٰۃ ص ۲۲۲)

ترجمہ: "جس شخص کو حج کرنے سے نہ فقر و فاقہ مانع تھا، نہ ظالم حاکم مانع تھا، نہ کوئی روکنے والی بیماری مانع تھی، اس کے باوجود وہ حج کئے بغیر مر گیا تو (اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پروا نہیں) چاہے وہ یہودی ہو کر مرے، چاہے نصرانی ہو کر مرے (نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ!)۔"

ہر مؤمن کے دل میں یہ آرزو چٹکیاں لیتی ہے کہ کسی طرح اللہ کے گھر پہنچے، اور یہ تقاضائے ایمان ہے، اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا تو پھر کہنا چاہئے کہ اس کا ایمان ہی صحیح نہیں، تو بیت اللہ کو اللہ تعالیٰ نے محبوبیت عطا فرمائی ہے، میں نے کہا کہ وہاں کوئی مادی کشش نہیں ہے کہ وہاں ظاہری طور پر کوئی نظارہ قابل دید ہو، وہاں دلچسپ مناظر ہوں، لیکن باطنی کشش اللہ تعالیٰ نے ایسی رکھی ہے کہ ہر آدمی کا جی چاہتا ہے کہ بیت اللہ سے لپٹ جائے اور لپٹ کر جتنا رو سکتا ہے روئے، چنانچہ حکم بھی ہے لپٹنے کا، اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو ملتزم سے لپٹا جائے، بیت اللہ شریف کے دروازے اور حجرِ اسود کے کونے کے درمیان کا جو حصہ ہے یہ ملتزم کہلاتا ہے، ملتزم کے معنی ہی یہ ہیں "لپٹنے کی جگہ" کسی اور جگہ نہیں لپٹنا چاہئے کہ ادب کے خلاف ہے، وہاں اپنے جذبات پر نہیں بلکہ آئین ادب پر عمل کرنا ہے، یہ نہیں کہ جہاں چاہو بیت اللہ سے لپٹتے رہو، یہ ادب کے خلاف ہے، لپٹنے کی جگہ ملتزم کو بنادیا، اور دوسری جگہ میزابِ رحمت کے نیچے حطیم کے اندر وہاں لپٹ جاؤ، الغرض کسی کو وہاں پہنچنے کی، بیت اللہ کی زیارت کی، اور ملتزم پر لپٹنے کی توفیق ہو جائے تو اس سے بڑی کیا سعادت ہوگی؟ ایک عارف کا قول ہے:

نازم بچشم خود کہ جمال ترا دیدہ است
افتم بپائے خویش کہ بہ کویت رسیدہ است
ہزار بار بوسہ زنم من دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ترجمہ: "مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرا جمال دیکھ لیا، میں اپنے پاؤں

پر گرتا ہوں کہ چل کر تیرے کوچہ میں پہنچ گئے، اور میں ہزار بار اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرے دامن کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ہے۔''

لیلائے کعبہ میں اللہ نے ایسی محبوبیت اور ایسی کشش رکھی ہے کہ لوگ اس پر دیوانہ وار ٹوٹتے ہیں، چاہتے ہیں کہ کسی طرح بیت اللہ تک پہنچ جائیں، وہاں پہنچ کر بھی (کیونکہ بھیڑ ہوتی ہے) جس خوش قسمت کو چمٹنے کا موقع نصیب ہوجائے اس کا جی پھر یہ نہیں چاہتا کہ بس کرے، پیچھے ہٹ جائے، لوگ اس کو پیچھے سے ہٹاتے ہیں کہ میاں دوسروں کو بھی موقع دو، لیکن نہیں، وہ ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتا، یہ کیا چیز اللہ تعالیٰ نے وہاں رکھی ہوئی ہے؟ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے کیا مقناطیس بھرا ہوا ہے؟ لوگ یہ سب کچھ محض دیکھا دیکھی تو نہیں کرتے، یہ کیا بات ہے کہ میرے جیسا سنگ دل آدمی بھی جو باہر سے ہنستا کھیلتا چلا آتا ہے، لیکن جوں ہی بیت اللہ شریف کے پردے کو پکڑتا ہے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے، لوگوں کو وہاں روتے ہوئے دھاڑیں مارتے ہوئے چلّاتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ بیت اللہ شریف کو اللہ تعالیٰ نے مرکز ایمان اور دلوں کا مقناطیس بنایا ہے، جیسے ہمارے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بیٹری چارج کرنے کے لئے وہاں جاتے ہیں، اپنے ایمان کو اس جنریٹر کے ساتھ لگادو، دل کو اس کے ساتھ جوڑ دو، دل کی بیٹری چارج ہوجائے گی، دل ایمان سے بھر جائے گا، عشق الٰہی سے دل کی انگیٹھی روشن ہوجائے گی اور جاذبہ عشق و محبت تمہیں ملأ اعلیٰ کی طرف کھینچ لے گا۔

دوسری بات سمجھ میں آئی کہ یہاں بڑوں کو بھی دیکھا، چھوٹوں کو بھی دیکھا کہ سب ایک لائن میں لگے ہوئے ہیں، وہاں پہنچ کر بڑے سے بڑے کی بڑائی کا شیش محل چکنا چور ہوجاتا ہے اور سب کو اپنے ہیچ در ہیچ اور لاشئ ہونے کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوجاتا ہے، اور اپنا بندۂ محض ہونا کھل جاتا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور کبریائی کا ایسا احساس ہوتا ہے کہ اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے، وہاں شاہوں کو دیکھا، گداؤں کو دیکھا، عابدوں کو دیکھا، نیکوں کو دیکھا، بدوں کو دیکھا کہ سب کے سب دامن دل پھیلائے گڑگڑا رہے ہیں، اسی در پر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنا ماتھا رگڑ رہے ہیں اور ہم جیسے سیاہ کار اور گناہ گار بھی، ایک فقیر بے نوا بھی وہاں دست سوال دراز کرتا ہے، اور بارگاہ صمدیت سے بھیک مانگتا ہے، ''یَا رَبَّ الْبَیْتِ'' (اے گھر کے مالک) کہہ کر اسے پکارتا ہے، اور ہارون الرشید جیسا مطلق العنان خلیفہ و بادشاہ بھی وہاں پہنچ کر گدائے گدایان بن جاتا ہے اور بھکاریوں کی طرح لپک لپک کر مانگتا ہے اور کہتا ہے یَا رَبَّ الْبَیْتِ! وہاں پہنچ کر مشاہدہ ہوجاتا ہے کہ بس یہی ایک بارگاہ عالی، داتا کا دربار ہے۔

وہی ایک دینے والا ہے، باقی سب کے سب بھیک مانگتے ہیں، سب کے سب ایک گھر کے بھکاری ہیں، الغرض وہاں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز اٹھ جاتا ہے، وہاں شاہ و گدا کا سوال نہیں رہتا، وہ ایک دینے والا

رب ہے، باقی سب لینے والے بندے ہیں، وہ ایک داتا ہے، باقی سب کے سب اس کی بارگاہ کے، اس کے دروازے کے سوالی ہیں، فقیر ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۝۱۵﴾ (سورۃ فاطر) (اے لوگو تم سب کے سب اللہ کی طرف فقیر ہو اور اللہ غنی ہے، لائق حمد ہے) فقیر اس کو کہتے ہیں جو محتاج ہو، اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہیں کسی چیز میں کسی کے محتاج نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا ساری کائنات، ہر آن اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے، اپنے وجود میں بھی، اپنی بقاء میں بھی، اور اپنی تمام ضروریات میں بھی، دنیا و آخرت کی کوئی چیز ایسی نہیں جس میں بندے، اللہ تعالیٰ کے محتاج نہ ہوں، اور کوئی شر ایسا نہیں جس کے دفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ﴾ اے لوگو تم سب کے سب فقیر ہو اللہ کی طرف، تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کے سب خالی ہاتھ ہو، ﴿وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ اور تنہا اللہ تعالیٰ ہی غنی ہیں، حمید ہیں، اس کے سوا کوئی غنی نہیں، ہم لوگ حقیقت ناشناس، یوں ہی در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں، کبھی ادھر بھاگتے ہیں، کبھی ادھر بھاگتے ہیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک مانگنے والا تھا، گھر گھر صدائیں لگا رہا تھا، دروازے کھٹکھٹا رہا تھا، ''کہ کوئی پیسہ دے اللہ کے نام پر'' مانگتے مانگتے مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا، اس نے مسجد کا دروازہ کھٹکھٹا دیا اور کہا کہ کچھ اللہ کے نام پر، کسی نے کہا میاں! یہ گھر نہیں ہے، یہ مسجد ہے، کسی گھر پر جا کر مانگو، فقیر کہنے لگا کہ یہ کس بخیل کا گھر ہے جو کسی فقیر کو خیرات نہیں دیتا؟ کہا بھئی ایسا نہ کہو! یہ تو احکم الحاکمین کا، سخیوں کے سخی کا اور غنیوں کے غنی کا گھر ہے، ربّ العالمین کا گھر ہے، اللہ کا گھر ہے، کہا اللہ کا گھر ہے؟ کہا ہاں! کہا اچھا میں اللہ کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا ہوں؟ کہا ہاں! اس نے اپنا کشکول، جو اس کے پاس تھا، اس کو پھینک دیا، کہنے لگا، جب اللہ کے دروازے پر پہنچ گیا ہوں تو پھر کسی اور سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر اور سے مانگنے کی کیا حاجت ہے؟ ہم لوگ اللہ کے گھر پر حاضری دیتے ہیں، اور اپنی آنکھوں سے وہاں ہر ایک کو اللہ سے مانگتا ہوا دیکھتے ہیں، جس سے مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ سب فقیر ہیں، مانگنے والے ہیں، دینے والا صرف ایک ہے، تو کیوں نہ اسی سے مانگنا شروع کر دیں، الغرض حج میں ایک انعام یہ ملا کہ مخلوق سے نظر اُٹھاؤ، اور خالق پر نظر جماؤ، سب کو فقیر سمجھو، ایک کو غنی سمجھو، ایک دینے والا ہے، غنی ہے، جو کسی سے مانگتا نہیں، اور باقی سب مانگنے والے ہیں، اور یہ یقین دل میں پیدا ہو جائے تو واقعتاً پھر حج، حج ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے گھر جا کر بھی دوسروں پر ہی نظر رہی تو پھر قصہ ختم، گویا اس بے چارے کو حج سے کچھ نہیں ملا۔

ایک بزرگ تھے آنکھ پر پٹی باندھی ہوئی تھی اور بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور بار بار ایک ہی لفظ کہہ رہے تھے کہ ''اے مالک! میں آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں، آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا

ہوں۔" بار بار یہی لفظ دہرا رہے تھے، طواف کے بعد کسی بزرگ نے ان کو پکڑ لیا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اور یہ آنکھوں پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے؟ کہنے لگے بھائی بات بتانے کی تو نہیں تھی، لیکن تم نے پوچھ لیا ہے تو بتا دیتے ہیں، میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک نظر نامحرَم پر پڑ گئی، اور میں اس کو دیکھنے لگا، غیب سے ایک تھپڑ آنکھ پر لگا کہ آنکھ جاتی رہی، اور ساتھ آواز آئی کہ شرم نہیں آتی میرے گھر میں پہنچ کر دوسروں کو دیکھتا ہے؟ اس وقت سے بس یہی ورد کر رہا ہوں کہ "آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں" تو اللہ تعالیٰ کے گھر پہنچ کر ایک حقیقت یہ سمجھ میں آئی کہ اس کی ذات عالی کے سوا سب سے نظر اٹھالی جائے، اور یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دولت ہمیں نصیب فرمائیں اور یہ مضمون ہمارے دل میں بیٹھ جائے تو ساری دولتیں اس پر قربان۔

ایک بات اور سمجھ میں آئی، وہ یہ کہ جانے والے تو سب ہی جاتے ہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا چھوٹے بھی جاتے ہیں، بڑے بھی جاتے ہیں، عالم بھی جاتے ہیں، جاہل بھی جاتے ہیں، نیک بھی جاتے ہیں، بدکار بھی جاتے ہیں، اچھے بھی جاتے ہیں، برے بھی جاتے ہیں، اور یقین ہے کہ کوئی وہاں سے محروم نہیں آتا کسی کو محروم نہیں کیا جاتا۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے میدان عرفات میں فرمانے لگے کہ: بھئی! ایک بات بتاؤ، یہ لاکھوں حاجی ہیں، جو میدانِ عرفات میں اُترے ہوئے ہیں، اگر اتنا بڑا مجمع، پچاس لاکھ کا مجمع کسی سخی کے دروازے پر جمع ہو جائے، اور اسے یہ کہے کہ برائے کرم ایک چھٹانک آٹا دے دیجئے، یا یہ سارا مجمع کسی سخی کے دروازے پر جمع ہو کر درخواست کرے کہ ایک پیسے کی ضرورت ہے، ایک پیسہ دے دیجئے تو تمہارا کیا خیال ہے وہ سخی ان لاکھوں آدمیوں کی فرمائش پر ایک پیسہ نہیں دے گا؟ ایک چھٹانک آٹا نہیں دے گا؟ دوستوں نے کہا: جی حضرت! کیوں نہیں دے گا؟ فرمایا: یہ سب لوگ ایک بارگاہ عالی سے مغفرت مانگ رہے ہیں اور پوری دُنیا کی بخشش کر دینا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا آسان ہے جتنا کہ ایک سخی کے لئے ایک پیسہ دے دینا، سارے حاجی صاحبان مل کر، گڑگڑا کر، رو رو کر اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے ہیں کہ یا اللہ! بخش دے، گناہ معاف کر دے، بخشش فرما دے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید رکھنا چاہئے کہ وہ ان کی درخواست کو رَدّ نہیں فرمائے گا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ مجھے یقین ہے اِن شاء اللہ وہاں سے کوئی محروم نہیں آتا، اور اللہ تعالیٰ وہاں سے کسی کو محروم نہ لوٹائے، اس لئے کہ جو شخص نعوذ باللہ وہاں سے بھی محروم آیا اس کے لئے پھر کونسا دروازہ ہے؟

ایک بزرگ تھے، وہ جب بھی لبیک کہتے تھے تو آواز آتی تھی "لَا لَکَ لَبَّیْکَ" (تمہاری لبیک منظور نہیں) ہر سال حج پر جاتے، اور جب بھی لبیک کہتے تو آواز آتی کہ تیری لبیک قبول نہیں، ایک دفعہ ساتھ

میں ان کا خادم بھی تھا، اس نے بھی یہی آواز سنی، وہ بزرگ اسی ذوق وشوق اور اسی رغبت ومحبت کے ساتھ حج کے اَرکان ادا کررہے تھے، خادم نے کہا: حضور! لبیک تو نامنظور، پھر اس محنت کا فائدہ؟ کہنے لگے: تم نے بھی سن لی ہے؟ کہنے لگے: ہاں! فرمایا: میں پچاس سال سے سن رہا ہوں، پچاسواں حج ہے، پچاس سال سے برابر سن رہا ہوں کہ جب بھی لبیک کہتا ہوں، اُدھر سے آواز آتی ہے: ’’تیری کوئی لبیک نہیں، چل دفعہ ہو!‘‘ شاگرد کہنے لگا کہ: پھر ٹکریں مارنے کا کیا فائدہ؟ فرمایا: برخوردار! کوئی اور دروازہ ہے جہاں چلا جاؤں؟ یہ تو منظور نہیں کرتے، کوئی اور دروازہ ہے کہ جاکر وہاں سے مانگ لوں؟ نہیں! نہیں! یہی ایک دروازہ ہے، ملتا ہے تب بھی، نہیں ملتا تب بھی، مانگنا تو اسی دروازے سے ہے، ایک عارف نے خوب کہا ہے:

یابم او را یا نہ! جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

ترجمہ: ’’میں اس کو پاؤں یا نہ پاؤں، جستجو کرتا رہوں گا اور وہ مجھے ملے یا نہ ملے آرزو کرتا رہوں گا۔‘‘

الغرض اگر کوئی وہاں سے خدانخواستہ محروم واپس آگیا تو اس کی محرومی ناقابلِ علاج ہے، اس کی محرومی کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا، وہ تو ابلیس کا بھائی ہوا کہ ابلیس خدا کی بارگاہ سے بھی راندہ گیا، لیکن اندازہ یہ ہوا (واللہ اعلم بالصواب! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو بہتر سمجھتے ہیں) کہ جو بھی محبت کے ساتھ جاتے ہیں وہ کچھ نہ کچھ لے کر آتے ہیں۔

مگر یہ بات سمجھ میں آئی کہ جتنا برتن لے کر جاؤ گے اتنی ہی خیرات ملے گی، افسوس اس بات کا ہے کہ ہم اپنا برتن بہت چھوٹا لے کر جاتے ہیں، جاتے ہیں سب سے بڑی بارگاہ میں کہ اس سے بڑی کوئی بارگاہ نہیں، اس سے کوئی بڑا دربار نہیں، لیکن وائے حسرت کہ ہم بہت چھوٹا برتن لے جاتے ہیں، اتنا برتن لے کر کہ ایک چلو پانی سے بھر جائے، اس کا افسوس اور صدمہ ہے، حد سے زیادہ صدمہ! کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو سمیٹنے کے لئے جیسا برتن چاہئے ویسا برتن ہمارے پاس نہیں اور اس کا مہیا کرنا بھی مشکل ہے، بھائی! اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تو لامحدود ہیں، لامحدود رحمتوں کو سمیٹنے کے لئے لامحدود برتن کہاں سے لائیں؟ لیکن پھر بھی ذرا بڑا برتن تو ہونا چاہئے، اتنا بڑا ظرف ہونا چاہئے کہ آسمان وزمین کی وسعتیں اس کے سامنے ہیچ ہوں، اور وہ کیا ہے؟ عبدیت کا برتن، فنائیت کا برتن، یعنی اپنے آپ کو مٹا دینا اور اپنی انا کو ختم کردینا، جتنی فنائیت اور عبدیت زیادہ ہوگی اسی قدر رحمتوں کی بارش بھی زیادہ ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر ہوتی ہے، اور جو لوگ اپنے دلوں کے اندر انانیت اور غرور و پندار کے بت لے کر بیٹھے ہوں ان پر کیا رحمت ہوگی؟ تو جتنی عبدیت کسی کی کامل ہوگی اور جس قدر اپنے آپ کو مٹادینے اور اپنی عقل کے، اپنے نفس کے اور اپنی طبیعت

کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر بارگاہ الٰہی میں حاضری دینے کی کیفیت ہوگی اسی قدر عنایات خداوندی کی دولت سے نوازا جائے گا۔

اِستطاعت کے باوجود حج نہ کرنے پر وعید

[حدیث:۷۶۵] ”وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تَبْلُغُهٗ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا ...الخ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۲۲)

ترجمہ: ”جو شخص بیت اللہ تک پہنچنے کے لئے زاد و راحلہ رکھتا تھا اس کے باوجود اس نے حج نہیں کیا، تو اس کے حق میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی یا نصرانی ہوکر مرے۔“

[حدیث:۷۶۶] ”وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۲۲)

ترجمہ: ”جس شخص کو حج کرنے سے نہ کوئی ظاہری حاجت مانع تھی، نہ سلطانِ جائر اور نہ بیماری کا عذر تھا، تو اسے اختیار ہے کہ خواہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر۔“

حج کب فرض ہوا؟ اور حج کس پر فرض ہے؟ نیز حج کی اَقسام

[حدیث:۷۶۷] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا، فَقَالَ رَجُلٌ: أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا، فَقَالَ: لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ...الخ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۲۱)

ترجمہ: ”ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج بیت اللہ کی فرضیت کا مسئلہ بیان فرمایا، تو حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حج صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے یا ہر سال؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک کہ جب اس نے تین مرتبہ سوال دُہرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: اگر میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں! ہر سال فرض ہے تو ہر سال فرض ہوجاتا، تم پھر اس کو نہ کرسکتے۔ پھر فرمایا کہ: صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے۔“

تشریح: علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرضیتِ حج کے سلسلے میں ۵ھ سے ۱۰ھ تک متفرق اقوال

ذکر کئے ہیں۔ علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حج ۹ سنہ ھ کو فرض ہوا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ۱۰ سنہ ھ کو فرمایا۔

حج عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، اور یہ اس پر فرض ہے جو وہاں جانے کی طاقت بھی رکھتا ہو، یعنی جس کے پاس سفر کا خرچ بھی ہو اور غیر حاضری میں اہل وعیال کا خرچ بھی ہو۔ جو شخص طاقت نہیں رکھتا اس پر حج فرض نہیں، اور جو شخص ایک مرتبہ حج کرلے اس پر دوبارہ حج کرنا فرض نہیں۔

حج کی تین قسمیں ہیں:

۱:... حج قِران، ۲:... حج تمتع، ۳:... حج اِفراد۔

۱:... حج قِران:

حج قران یہ ہے کہ میقات سے گزرتے وقت حج اور عمرہ کا اِحرام اِکٹھا باندھا جائے، پہلے عمرے کے افعال ادا کئے جائیں، پھر حج کے ارکان ادا کئے جائیں، اور ۱۰/ذوالحجہ کو رَمی اور قربانی کے بعد دونوں کا اِحرام اِکٹھا کھولا جائے۔

۲:... حج تمتع:

تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ آپ میقات سے پہلے (بلکہ جہاز پر سوار ہونے سے پہلے) صرف عمرے کا اِحرام باندھ لیں، مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کے ارکان ادا کرکے اِحرام کھول دیں، اب آپ پر اِحرام کی کوئی پابندی نہیں۔ ۸/ذوالحجہ کو منیٰ جانے سے پہلے حج کا اِحرام باندھ لیں اور عرفات ومزدلفہ سے واپس آکر ۱۰/ذوالحجہ کو پہلے بڑے شیطان کی رَمی کریں، پھر قربانی کریں، پھر بال صاف کرواکے اِحرام کھول دیں۔

۳:... حج اِفراد:

حج اِفراد یہ ہے کہ میقات سے صرف حج کا اِحرام باندھا جائے اور ۱۰/ذوالحجہ کو رَمی کے بعد اِحرام کھولا جائے، اس میں قربانی واجب نہیں۔

پہلی صورت افضل ہے اور دُوسری صورت اَسہل ہے، اور دُوسری صورت، تیسری صورت سے افضل بھی ہے اور اَسہل بھی۔

حجِّ مبرور کی فضیلت

[حدیث:۷۶۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔“ (متفق علیہ، مشکوۃ حدیث:۲۳۹۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اللہ کے واسطے حج کیا، پھر نہ تو اس نے فحش کا ارتکاب کیا اور نہ گناہ کیا، نہ

کسی سے جھگڑا کیا، تو وہ گناہوں سے پاک ہو کر اپنے گھر ایسا لوٹتا ہے کہ جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔''

تشریح: اس حدیث میں حج مبرور کی فضیلت ہے، حج مبرور کہتے ہیں اس حج کو جو غلطیوں اور گناہوں سے پاک صاف ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۹۷) ''حج کے چند معلوم مہینے ہیں۔''

شوال کا چاند نظر آ گیا تو حج کے مہینے شروع ہو گئے، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ کے ابتدائی دن اور بقول بعض کے پورا ذی الحجہ، یہ حج کے مہینے ہیں۔

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ﴾ (البقرۃ:۱۹۷)

ترجمہ: ''سو جس نے فرض کر لیا ان مہینوں میں حج کو۔''

یعنی حج کا اِحرام باندھ لیا، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے حج کا اِحرام نہ باندھا جائے، حج کا اِحرام حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد باندھا جائے، ویسے اگر کسی نے پہلے اِحرام باندھ لیا تو حج لازم اور اِحرام کی پابندیاں بھی اس پر لازم ہو جائیں گی، لیکن بہتر یہ ہے کہ ''اَشہرِ حج'' کے شروع ہونے کے بعد حج کا اِحرام باندھے۔

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ﴾

(البقرۃ:۱۹۷)

ترجمہ: ''پھر جب اِحرام باندھ لے، پھر نہ تو میاں بیوی کے تعلق کی بات کرے اور نہ کوئی نافرمانی کرے اور نہ جھگڑا کرے حج میں۔''

میاں بیوی کا تعلق تو اِحرام کی حالت تک بند رہے گا، لیکن نافرمانی کسی حالت میں بھی جائز نہیں، اور جھگڑا پورے حج میں دُرست نہیں، تو جس شخص کا حج ان تین چیزوں سے پاک ہو، اس کا حج، حج مبرو ہے، نافرمانی سے عام نافرمانی بھی مراد ہو سکتی ہے اور خود حج کے مسائل کی نافرمانی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ حج کے مسائل کے خلاف نہ کرے، تو ایسا حج، حج مبرو ہے اور اس کا اَجر یہ بیان کیا کہ:

''رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ'' (سنن الترمذی)

ترجمہ: ''وہ واپس آئے گا اپنے حج سے اپنے گھر کو ایسی حالت میں کہ وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو گا جیسے کہ جس دن وہ پیدا ہوا تھا''

پہلے دن کا نومولود بچہ جیسے گناہوں سے معصوم اور پاک صاف ہے، یہ حج کر کے ایسا پاک صاف ہو گا جس دن وہ پیدا ہوا تھا، ایک حدیث میں ہے:

"اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ" (صحیح بخاری، مسند احمد، صحیح مسلم، سنن نسائی)

ترجمہ: "حج مبرور کی جزا جنّت کے سوا کچھ نہیں۔"

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کس کا حج، حج مبرور ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے، اگرچہ یہ کمزور درجے کی حدیث ہے کہ: "ایک وقت آئے گا کہ میری اُمّت کے اُمراء سیر کرنے کے لئے حج کیا کریں گے، تُجّار، تجارت کے لئے حج کیا کریں گے اور فقراء بھیک مانگنے کے لئے" (کنذا فی الکامل للضعفاء لابن عدی، کنز العمال) نعوذ باللہ! گویا کہ حج کی جان نکل جائے گی۔

ایک دن ہم حرم شریف میں تھے، جمعہ کا دن تھا، امام صاحب نے سورہ الم تنزیل پڑھی، اس میں سجدہ آتا ہے، ہمارے بہت سے بھائی رُکوع میں چلے گئے اور جب امام سجدے سے اُٹھے تو یہ سجدے میں چلے گئے اور سجدے ہی میں پڑے رہے، بعد میں مجھ سے ایک صاحب کہنے لگے کہ: اعلان ہونا چاہئے کہ فلاں رکعت میں سجدہ ہے۔ میں نے کہا کہ: ہاں! پاکستان سمجھا ہے تم نے، وہاں امام کے لئے ہی ضروری ہے کہ وہ بتائے کہ کب سجدہ ہے؟ تمہیں خود اتنی عقل نہ آنی چاہئے۔ تراویح کی نماز میں تو مستقل اِمام اعلان کرے اور کبھی فجر کی نماز میں اِمام سورۂ سجدہ پڑھے تو اسی کا فرض ہے کہ اعلان کرے، اور اگر اِمام نے اعلان نہیں کیا تو تم اس کی مخالفت کرکے اس کو مسجد سے نکلوا دو گے، یہ تو تمہارے ہاتھ کی چیز ہے۔ تو جب اس نے کہا کہ: اعلان ہونا چاہئے، تو میں نے کہا کہ: بھائی! کچھ کام ہمیں بھی تو کرلینے چاہئیں، سارے کام انہی سے نہ کرواؤ، کبھی قرآن کھول کر نہیں دیکھا، قرآن سے اتنی مناسبت نہیں کہ اتنا پتا چل جائے کہ یہ آیت سجدہ ہے، تو مسئلے نہیں سیکھتے لوگ۔

ایک صاحب نے حج کی تربیت کے لئے فلم حج بنانا شروع کردی ہے، کوئی ان فلم حج بنانے والوں سے پوچھے: تم کس کی فلم دکھاتے ہو؟ ان کا عمل معیار بھی ہے؟ لائق اعتبار بھی ہے؟ ان لوگوں میں سے جن کی تم فلم دکھاتے ہو کتنے لوگ مسائل شرعیہ سے واقف ہیں؟ لوگوں میں جہالت کم ہوگی یا مزید بڑھے گی؟ مسائل سیکھو، مستند علماء سے مستند مسائل سیکھو، یہ فلمیں دیکھ کر یہ دیکھا دیکھی حج کروگے تو حج مبرور نہ ہوگا۔

حج وعمرہ کرتے ہوئے غلطیاں کروگے، گناہگار ہوگے، پکڑے جاؤ گے، نیکی برباد گناہ لازم۔ تو بھائی! مسائل سیکھنے چاہئیں، مسائل کا سیکھنا ضروری ہے، حج مبرور جب ہی نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے گناہ، دل کا گناہ، آنکھ کا گناہ اس سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تو حج میں یہ بھی ضروری ہے کہ نظر کی اور دل کی حفاظت کی جائے، آج کل تو اتنا رش ہوتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کا ایسا اختلاط کہ کوئی بچنا چاہے تو بچ نہیں سکتا، بسا اوقات بدن مس نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے سے پس جاتا ہے، ایسی حالت میں اگر دل میں برا خیال آ گیا تو سب کچھ دے کر آجائے گا۔

بہر کیف! حج مبرور کی جزاء بہت اُونچی ہے، جنّت کے سوا کچھ نہیں، اوراسی طرح لوٹے گا جس دن کے اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

اکابر فرماتے ہیں کہ ''حجِ مبرور'' کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد حاجی کی زندگی کی لائن بدل جائے، معاصی سے فرمانبرداری کی طرف آجائے، غفلت سے ذکر کی طرف آجائے، بے پروائی سے اہتمام کی طرف آجائے۔ پہلے نمازوں کا کوئی اہتمام نہیں کرتا تھا، قضا ہوگئی تو ہوگئی، کوئی افسوس نہیں، کوئی رنج و صدمہ نہیں، اسی طرح دُوسری چیزوں کی پروا نہیں کرتا تھا، لیکن حج کرنے کے بعد اس کی زندگی کی کایا پلٹ گئی کہ اب فرائضِ شرعیہ کا اہتمام ہونے لگا، حقوق اللہ و حقوق العباد کے ادا کرنیکی فکر پیدا ہوگئی، اور زندگی میں ایک رُوحانی انقلاب برپا ہوگیا، تو سمجھو کہ اس کا یہ حج ''حجِ مبرور'' ہے۔

حجِّ مقبول سب سے بہترین جہاد ہے

[حدیث: ۷۶۹] ''عَنْ عَائِشَةَ .... لٰكِنَّ أَفْضَلَ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ۔''

(صحیح بخاری ج:۵، ص:۳۹۹، حدیث نمبر: ۱۴۲۳، بَاب فَضْلِ الْحَجِّ الْمَبْرُوْرِ)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے لئے سب سے افضل جہاد حج مقبول ہے۔''

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جہاد کے بہت بڑے فضائل ہیں لیکن مرد لوگ تو جہاد کرتے ہیں ہمیں جہاد کا حکم نہیں تو اگر اجازت دی جائے تو ہم بھی جہاد کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا جہاد حج مبرور ہے یعنی ایسا حج جس میں کسی قسم کی غلطی نہ کی جائے تمام گناہوں سے اور غلطیوں سے پاک ہو اس کو حج مبرور کہتے ہیں اور حج مبرور کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ (بخاری ۶ / ۲۷۴، ۱۶۵۰) حج مبرور اس کی جزا جنّت کے سوا کچھ نہیں، تو حضرت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو درخواست کی تھی کہ ہمیں بھی اجازت دی جائے جہاد کی اس کا جواب یہ دیا کہ تمہارے لئے حج کرنا ہی جہاد ہے۔

(اب مغرب کے حقوق نسواں کے علم برداروں سے کوئی پوچھے کہ آپ نے جو خواتین کو آگ و خون کے سمندر میں لڑنے کے لئے اتارا ہے یہ خواتین و اطفال کے کونسے حقوق ہیں؟ انہیں جنگ کے میدان میں اتارنا ان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ پورے انسانی معاشرے کے ساتھ زیادتی ہے، کیونکہ خواتین یہ کسی بچے کی ماں، کسی بوڑھے کی بہو، بیٹی، کسی شوہر کی بیوی ہوتی ہے، چنانچہ ان خواتین کے متاثر ہونے سے مذکورہ تمام لوگ متاثر ہوتے ہیں۔)

رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کی فضیلت

[حدیث: ۷۷۰] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَا مَنَعَکَ مِنَ الْحَجِّ وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَا مَنَعْتِ أَنْ تَکُونِی حَجَجْتِ مَعَنَا قَالَتْ أَبُوْ فُلَانٍ کَأَنِّیْ زَوْجَھَا حَجَّ عَلٰی أَحَدِھِمَا وَکَانَ الْأُخَرُ یَسْقِیْ أَرْضًا قَالَ فَإِنَّ عُمْرَۃً فِیْ رَمَضَانَ تَقْضِیْ حَجَّۃً أَوْ قَالَ حَجَّۃً مَعِیْ“

(مسلم کتاب الحج حدیث ۷۷۴)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون کو فرمایا: کیا بات ہے تو حج کو نہیں گئی ہمارے ساتھ؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ تجھ کو کیا چیز مانع ہوئی کہ تو ہمارے ساتھ حج کے لیے نہیں گئی؟ وہ خاتون بولی کہ: فلانے کے ابا یعنی اس کے شوہر نے ایک اونٹ پر حج کیا تھا اور دوسرا زمین کو سیراب کرتا تھا، فرمایا: عمرہ کر لینا رمضان میں، کیونکہ وہ قائم مقام حج کے ہوتا ہے یا یہ فرمایا کہ میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہوتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے، ایک صحابیہ خاتون تھی جس کا نام ام سنان لکھا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے گئے تو یہ حج کے لئے نہیں گئی، واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے فرمایا کہ: کیا بات ہے تم حج کے لیے نہیں گئی؟ وہ فرمانے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے یہاں دو اونٹ تھے، ایک پر تو پانی لاتے ہیں ہم اور دوسرا اونٹ میرے شوہر لے گئے تھے حج کے لیے تو میری سواری نہیں تھی مجھے صدمہ ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج پر نہیں جا سکی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر رمضان میں عمرہ کر لینا، اس لئے کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے چنانچہ اس خاتون نے رمضان میں عمرہ کیا، مطلب یہ ہے کہ جو اس کو افسوس تھا نہ جانے کا، اتنے بڑے ثواب سے محروم رہنے کا، تو اس کے لئے یہ فرمایا، ورنہ حج کی فضیلت اپنی جگہ ہے۔

تلبیہ اور اِحرام باندھنے کا طریقہ

[حدیث: ۷۷۱] ”عن عبد اللہ بن عمر ان تلبیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔“

(رواہ مسلم کتاب الحج حدیث ۲۴۶ ۵)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ یوں ہوتا تھا: لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَۃَ لَکَ وَ الْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ، میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، تمام تعریف اور نعمت کے سزاوار آپ ہی ہیں، تمام قدرت آپ کی ہی ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں''۔

تشریح: حج وعمرہ کی نیت کرنے کے بعد یہ تلبیہ پکارنا ضروری ہے، ورنہ اِحرام شروع نہ ہوگا۔ اُٹھتے بیٹھتے، میل ملاقات کے وقت اور نماز کے بعد یہ کلمات خوب ذوق وشوق کے ساتھ پکارتے رہیئے۔

اِحرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے آپ حجامت بنوالیں، ناخن ترشوائیں، بغل وغیرہ کے بالوں کی صفائی کرکے غسل کرلیں، یا صرف وضوہی کرلیں، سلے ہوئے کپڑے جسم سے اتار کر دو پاک صاف چادریں لے کر ایک کا تہبند بنائیں اور دوسری اوپر اوڑھ لیں، ممنوع یا سورج کے طلوع، غروب یا زوال کا وقت نہ ہو تو سر ڈھانک کر دو رکعت نفل ادا کریں، سلام پھیرتے ہی سر ننگا کرلیں، دل سے عمرہ کے احرام کی نیت کریں اور زبان سے بھی کہیں:

''اے اللہ! میں صرف تیری رضا کے لئے عمرہ کا اِحرام باندھتا ہوں، تو اس کو میرے لئے آسان فرما، صحیح طریقے پر ادا کرنے کی توفیق دے اور اپنے فضل سے قبول فرما۔''

اور پھر ذرا بلند آواز سے تین بار تلبیہ کے یہ کلمات کہیں، پس اِحرام مکمل ہوگیا۔

اِحرام کے بعض اَحکام

[حدیث: ۷۷۲] ''عَنْ حَفْصَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا، إِنِّیْ لَبَّدْتُ رَأْسِیْ وَقَلَّدْتُ ھَدْیِیْ فَلَا أُحِلُّ حَتّٰی أَنْحَرَ۔'' (متفق علیہ، مسلم کتاب الحج حدیث ۲۱۹)

ترجمہ: ''حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں نے اپنے بالوں کو چپکا لیا ہے اور اپنی قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادے ڈال دیئے ہیں، سو میں اِحرام نہیں کھولوں گا جب تک کہ قربانی نہ کرلوں۔''

تشریح: اس حدیث کا قصہ یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جو آخری حج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس وقت بعض صحابہ نے عمرے کا اِحرام باندھا ہوا تھا، یعنی تمتع کی نیت تھی، اور وہ عمرہ کرکے فارغ ہوجاتے اور آٹھ تاریخ کو دوبارہ حج کا اِحرام باندھتے، بعض نے حج کا اِحرام باندھا ہوا تھا، بعضوں نے دونوں کا اِحرام باندھا ہوا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حج اور عمرہ دونوں کا اِحرام باندھا ہوا تھا، مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد جب

عمرے کے افعال کر لئے یعنی بیت اللہ شریف کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کر لی، تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: سب کے سب لوگ اِحرام کھول دیں سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ ہدی کے جانور ہیں۔ یہ ایک عجیب وغریب حکم تھا، جنہوں نے عمرے کا اِحرام باندھا تھا ان کو تو اِحرام کھولنا ہی تھا، لیکن جن لوگوں نے حج کا اِحرام باندھا ہوا تھا ان کو بھی یہی حکم فرمایا کہ اِحرام کھول دو، حج کا اِحرام دوبارہ آٹھ تاریخ کو باندھنا، اور جن لوگوں نے حج وعمرہ دونوں کا اِحرام باندھا تھا ان کو بھی حکم دیا کہ اِحرام کھول دو۔

حضرت اُمّ المؤمنین حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ: میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ نے سب کو حکم دیا اِحرام کھول دیں آپ نے تو اِحرام نہیں کھولا، آپ کا اِحرام تو بندھا ہوا ہے۔ اس موقع پر یہ بات ارشاد فرمائی: ''إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي فَلَا أَحِلُّ حَتّٰى أَنْحَرَ'' میں نے اپنے بالوں کو چپکا لیا ہے اِحرام کے لئے اور میں ہدی کے جانور ساتھ لایا ہوں، ان کو میں نے قلادے پہنا رکھے ہیں، اب جب تک ان کو ذبح نہیں کر دیتا، اس وقت تک میرا اِحرام نہیں کھل سکتا، اور یہ ہدی کے جانور، منیٰ میں دس تاریخ کو ذبح ہوں گے، اور یہ بات آنحضرت ﷺ نے پہلے بیان فرمادی تھی کہ جن کے ساتھ ہدی کے جانور ہیں وہ اِحرام نہ کھولیں، ان کے علاوہ باقی جتنے لوگ ہیں وہ سب کے سب اِحرام کھول دیں۔

یہاں دو تین باتیں سمجھنے کی ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ کا یہ حکم صرف اسی سال کے لئے تھا، صحابہ کے لئے تھا، عام حکم نہیں ہے، اب اگر کوئی شخص حج کا اِحرام باندھ کر اس کو توڑ دے گا تو اس پر دم لازم آئے گا، اور اس حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ جاہلیت کے زمانے میں حج کے دنوں میں عمرہ کرنا جس کو ہم قران یا تمتع کہتے ہیں اس کو ''اَفجر الفجور'' سب سے بڑی بدکاری کہا جاتا تھا، وہ لوگ کہا کرتے تھے: ''إِذَا انْسَلَخَ صَفَرُ، وَبَرَأَ الْوَبَرُ، حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرَ' اہلِ جاہلیت کہا کرتے تھے کہ جب صفر کا مہینہ گزر جائے اور اونٹوں کی پشت پر جو کجاوے اور پالان لگنے سے زخم لگ جاتے ہیں وہ ٹھیک ہو جائیں کیونکہ ان دنوں میں کوئی سفر ہی نہیں کرے گا، اس وقت عمرہ کرنے والے کے لئے عمرہ حلال ہو جاتا ہے، تو گویا حج وعمرہ کو جمع کرنا یا حج کے دنوں میں عمرہ کرنا یہ ان کے نزدیک بدترین گناہ تھا، آنحضرت ﷺ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کے لئے پہلے تو اجازت دی کہ جس کا جی چاہے عمرہ کرے، عمرے کا اِحرام باندھے، چنانچہ بہت سے لوگوں نے عمرے کا اِحرام باندھا کہ حج کا اِحرام آٹھویں تاریخ کو باندھیں گے اور بہت سے حضرات نے حج کا بھی اِحرام باندھ لیا صرف حج کا، اور بہت سارے حضرات نے حج وعمرہ دونوں کا اِحرام باندھ لیا، تو آنحضرت ﷺ نے جاہلیت کی اس بدعت کو ختم کرنے کے لئے صحابہ کو حکم فرمایا کہ سارے کے سارے اِحرام کھول دو، اس کو عمرہ بناؤ، سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ ہدی کے جانور ہیں وہ اِحرام نہیں کھول سکتے، تو یہ جاہلیت کی رسم کی اصلاح تھی۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے، لمبا حجۃ الوداع کا قصہ ذکر کیا ہے، اس موقع پر فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا تو ہمیں سچی بات یہ ہے کہ بہت ناگوار ہوا، ہم نے کہا کہ: اب ہم عمرہ کرکے فارغ ہوجائیں گے، مکہ گئے طواف کیا، سعی کی، سر منڈا کر فارغ ہوگئے اور جب آٹھویں تاریخ کو منی جانا ہوگا اِحرام باندھ لینا تو یہ بات ہمیں بالکل ناگوار تھی کہ حج کے دن ہیں اور ہم اپنی بیویوں سے فائدہ اُٹھائیں اور اِحرام کھول دیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حتمی طور پر حکم دیا، یہ نہیں کہ اختیار ہے کہ اگر چاہو تو اِحرام کھول دو، بلکہ حتمی طور پر فرمایا کہ سب اِحرام کھول دیں تاکہ یہ بات پوری طرح ذہن میں راسخ ہوجائے کہ تمتع کرنا یعنی عمرہ کرنے کے بعد اِحرام کھول دے اور آٹھ تاریخ کو حج کا اِحرام باندھ لینا یہ نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم فرماتے ہیں، اور اسی طرح قران کرنا بھی جائز ہے تاکہ جاہلیت کی رسم کی اصلاح ہوجائے، تو یہ حکم خاص اس سال کے لئے تھا ہمیشہ کے لئے نہیں۔

اسی موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں داخل کرکے فرمایا تھا: ”دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ“ عمرہ حج میں داخل ہوگیا یعنی حج کے دنوں میں عمرہ کرنا جائز ہے، حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اَلِعَامِنَا هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمْ لِلْأَبَدِ؟“ یا رسول اللہ! یہ اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ فرمایا: ”لَا، بَلْ لِلْأَبَدِ!“ صرف اسی سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے۔

اس حدیث کا قصہ تو یہ تھا کہ اُمّ المؤمنین سے فرمایا کہ: حفصہ! میں اپنی ہدی کا جانور ساتھ لایا ہوں اس لئے اِحرام کھول نہیں سکتا، میرا اِحرام تو اب دسویں تاریخ کو کھلے گا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی ناگواری دیکھی اس وقت یہ ارشاد فرمایا:

”لَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ أَسُقِ الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً“

(صحیح مسلم: باب حجۃ النبی، حدیث: ۲۱۳۷)

ترجمہ: ”اگر یہ بات پہلے ہوتی جو اَب بعد میں ذہن میں آئی، تو میں ہدی کے جانور ساتھ نہ لاتا اور میں بھی عمرہ بناتا۔“

جب صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تو انشراح ہوگیا، وہ جو طبیعت میں ایک گھٹن تھی جاتی رہی۔

[حدیث: ۷۷۳] ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِنِّيْ أَمَرْتُ النَّاسَ بِأَمْرٍ فَإِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ وَلَوْ أَنِّيْ اِسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِىْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْىَ مَعِىْ حَتّٰى أَشْتَرِيَهٗ ثُمَّ أَحِلَّ كَمَا حَلُّوْا۔“ (رواہ مسلم، مشکوۃ حدیث ۲۴۴۳)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تو نے دیکھا نہیں میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا تھا اب وہ اس میں تردد کر رہے ہیں، اگر

مجھے پہلے معلوم ہو جاتا اپنے معاملے میں جو بعد میں معلوم ہوا تو میں اپنے ساتھ ھدی کے جانور نہ لاتا یہاں تک کہ میں بعد میں ھدی کے جانور خرید لیتا پھر میں بھی حلال ہو جاتا جس طرح کہ دوسرے لوگ حلال ہو گئے۔''

تشریح: اس حدیث میں حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، آنحضرت ﷺ نے حج وعمرہ دونوں کا اِحرام باندھ لیا تھا اور اپنے ساتھ ھدی کے جانور بھی لے کر گئے تھے اور کچھ جانور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ساتھ یمن سے لے کر آئے تھے، کُل تعداد سو اُونٹوں کی تھی تو گویا آپ ﷺ نے سو اُونٹوں کی قربانی دی۔

میرے ایک دوست نے ایک دفعہ مجھ سے پوچھا تھا کہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے گھر میں دو دو مہینے تک چولھا نہیں جلتا تھا لیکن حجۃ الوداع کے موقعے پر سو اُونٹوں کی قربانی دی، میرا خیال یہ ہے کہ دُنیا کے کسی سیٹھ نے اتنی بڑی قربانی نہیں دی ہوگی، میں نے لکھا کہ دو دو مہینے جو چولہا نہیں جلتا تھا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو ملتا نہیں تھا، بلکہ لیتے نہیں تھے اور جمع نہیں کرتے تھے۔

بہرکیف! جب مکہ مکرّمہ پہنچے اور عمرہ ادا کرلیا تو جن حضرات نے حج کا اِحرام باندھا ہوا تھا ان کو بھی فرمادیا کہ اپنا اِحرام کھول دو، آنحضرت ﷺ اتوار کے دن چار ذوالحجہ کو مکہ پہنچے تھے گویا پانچ دن درمیان میں باقی تھے، صحابہ کو بہت زیادہ شاق گزرا ایک تو یہ کہ جاہلیت کے زمانے میں حج کے دنوں میں عمرہ کیا نہیں جاتا تھا اور حضور ﷺ نے حج کا اِحرام کھولنے کا حکم دے دیا اور دوسرا یہ کہ پانچ دن باقی ہیں صرف عرفات جانے کے لئے اور آنحضرت ﷺ اِحرام کھلوا رہے ہیں، اس موقعے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا تو دیکھتی نہیں میں نے لوگوں سے کہا ہے اِحرام کھول دو ان کو ناگوار گزر رہا ہے؟ یہ تو صحیح مسلم کی روایت ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کی متفق علیہ روایت ہے کہ اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا جو بعد میں معلوم ہوا ہے تو میں بھی ان کی طرح اِحرام کھول کر فارغ ہو جاتا اور میں ہدی کا جانور ساتھ نہ لے کر آتا کیونکہ جب آدمی ہدی کا جانور ساتھ لائے تو پھر اِحرام کو کھولنا صحیح نہیں جب تک کہ دس ذوالحجہ کو طوافِ زیارۃ نہ کرلے۔

آنحضرت ﷺ نے وہ مسئلہ سمجھانا تھا کہ حج کے دنوں میں بھی عمرہ ہوسکتا ہے اور جاہلیت کی اس رسم کو توڑنا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ حج کے دنوں میں عمرہ کرنا سب سے بڑی بدکاری ہے، نعوذ باللہ! اس لیے آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ جن لوگوں کے پاس ھدی کے جانور نہیں ہیں وہ اِحرام کھول دیں اگرانہوں نے حج کا اِحرام باندھا ہوا تھا تب بھی وہ اِحرام کھول دیں، بس! عمرہ کریں اور عمرہ کرنے کے بعد پھر جب منیٰ جانا ہوگا پھر اِحرام باندھیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

بہرحال! اس میں جو حکم ہے وہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص تھا، حج کے دنوں میں ویسے ہی آپ عمرہ کا اِحرام باندھ کر چلے جائیں یہ درست ہے، حج کے ساتھ عمرے کا اِحرام باندھ لیں یہ بھی درست،

لیکن یہ درست نہیں کہ آپ حج کا اِحرام باندھیں اور مکہ پہنچ کر عمرہ کر کے اس اِحرام کو کھول دیں اور کہہ دیں کہ میں نے عمرہ بنالیا، یہ جائز نہیں۔

حالتِ اِحرام میں شکار کرنا اور شکار کا گوشت کھانا ممنوع ہے

[حدیث: ۷۷۴] ''عَنِ الصّعْبِ بْنِ جُثَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، انا لَمْ نَرُدُّہٗ عَلَیْکَ إِلّاَ أَنَا حُرُمٌ۔'' (مسلم، کتاب الحج، حدیث ۵۸۰)

ترجمہ: ''حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ہم نے واپس کیا اس کو تجھ پر مگر اس وجہ سے کہ ہم اِحرام میں ہیں۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ ذکر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کا اِحرام باندھے ہوئے تھے، اور مکہ مکرّمہ تشریف لے جارہے تھے، میں نے گورخر (ایک وحشی گدھا) کا ہدیہ پیش کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس فرمادیا، ان کو تشویش ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں قبول نہیں فرمایا تو اس پر یہ فرمایا کہ: ''ہم نے تجھے یہ اس لئے واپس کیا ہے کہ ہم اس وقت اِحرام کی حالت میں ہیں اور اِحرام کی حالت میں یہ ہمارے لئے دُرست نہیں''

اِحرام والا آدمی شکار کرے یہ اس کے لئے حلال نہیں، اسی طرح اگر کسی شکار کو ذبح کرے تو یہ بھی اس کے لئے حلال نہیں بلکہ وہ مردار کے حکم میں ہوگا اور اس پر جزا لازم آئے گی، اور اگر کسی ایسے شخص نے شکار کیا ہو جو اِحرام میں نہیں ہے اور شکار کر کے اس کو ذبح کر کے محرم کو اس کا گوشت کھلا دے تو یہ جائز ہے، حلال ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ کسی غیر محرم نے شکار کیا اور اس نیت سے کیا کہ میں اِحرام والوں کو کھلاؤں گا پھر شکار کیا ذبح کیا گوشت بنایا اور پھر اس کا ہدیہ اِحرام والوں کو کیا تو یہ ان کے لئے حلال ہے یا نہیں' اس میں علماء کا اختلاف ہے، ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حلال ہے، کیونکہ ایک ایسے شخص نے شکار کیا ہے جس نے اِحرام نہیں باندھا ہوا، اسی نے شکار کیا اسی نے ذبح کیا اِحرام والوں کا اس میں کیا دخل؟ لہٰذا یہ حلال ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حلال نہیں۔ اس لئے کہ اس نے اِحرام والوں کو کھلانے کی نیت سے شکار کیا۔

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کہ انہوں نے گورخر شکار کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے قبول نہیں فرمایا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ غالباً اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے لئے جو کہ اِحرام کی حالت میں تھے، شکار کیا لہٰذا ان کا شکار قبول نہیں کیا گیا، اور ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شکار گورخر زندہ پیش کیا گیا تھا زخمی حالت میں تھا، یہ نہیں تھا کہ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت بنا کر پیش کیا گیا ہو، بلکہ زندہ پیش کیا گیا تھا اس لئے قبول نہیں فرمایا اور فرمایا

کہ: ہم اِحرام کی حالت میں ہیں۔

اِحرام سے حلال ہونے کے لئے کیا کرے؟

[حدیث: ۷۷۵] ”عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ مَا كُنْتَ صَانِعًا فِيْ حَجِّكَ فَاصْنَعْهُ فِيْ عُمْرَتِكَ يَعْنِيْ مِنَ الْإِحْرَامِ وَاجْتِنَابِ الطِّيْبِ۔“

(مسلم: کتاب الحج، حدیث: ۵۳۴)

ترجمہ: ”یعلی ابن امیہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو تم حج میں کرتے ہو وہی عمرے میں کرو یعنی حج میں اِحرام باندھنا اور خوشبو سے بچنا اسی طرح عمرے میں بھی۔“

تشریح: ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عمرے کا اِحرام باندھا ہوا تھا جبہ پہنا ہوا اور خوشبو لگائی ہوئی، آنحضرت ﷺ سے اِحرام کا مسئلہ پوچھا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جو کچھ حج میں کیا کرتے ہو وہی عمرے میں کرو، مطلب یہ ہے کہ اپنا جبہ اتار دو، خوشبو دھو دو اور جتنی چیزیں اِحرام کے لئے ممنوع ہیں ان سے پرہیز کرو جب تک کہ تمہارا اِحرام اتر نہیں جاتا اور جب تک کہ تم اپنے عمرے سے فارغ نہیں ہو جاتے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حج کا اور عمرے کا اِحرام ایک ہی ہے یعنی دونوں کے ایک ہی احکام ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ حج میں لوگوں کو عرفات جانا پڑتا ہے اور عمرہ صرف اس کا نام ہے کہ آدمی اِحرام باندھ کر جائے، طواف کرے، صفا اور مروہ کی سعی کرے اور بال کٹوا دے، بس! مکمل ہو گیا اس کا عمرہ۔

بعض عقلمند ایسے ہیں کہ عمرہ کر لیتے ہیں، عمرہ کے بعد بال نہیں اُتارتے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا عمرہ ہو گیا، حالانکہ جب تک آدمی اپنا اِحرام نہ اُتار دے عمرہ مکمّل نہیں ہوتا، اِحرام اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ بال نہ کاٹ دے، اس وقت تک وہ اِحرام میں رہتا ہے، بیوی اس کے لیے حلال نہیں، خوشبو لگانا اس کے لیے حلال نہیں، سلے ہوئے کپڑے پہننا اس کے لیے حلال نہیں، وہ تمام چیزیں جو کہ ممنوعاتِ اِحرام ہیں اس کے لیے حرام رہتی ہیں جب تک کہ اپنے بال نہ اتار دے اور بال اتارنے کی تین شکلیں ہیں، ایک تو یہ کہ استرا پھیر دے ”رَحِمَ اللّٰہُ الْمُحَلِّقِیْنَ“ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ان لوگوں پر جو کہ اپنے بال صاف کر دیتے ہیں استرے کے ساتھ ”رَحِمَ اللّٰہُ الْمُحَلِّقِیْنَ“ تین دفعہ فرمایا اور دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی قصر کر لے، بال بڑے ہیں، انگلی کے پورے سے زیادہ ہیں تو اتنی مقدار کاٹ دے پورے سر کے، اگر اس سے چھوٹے ہوں تو پھر استرا پھیرانا ہی ضروری ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ سر کے چوتھائی حصے کے بال کاٹ دے، یہ مکروہ

ہے، گناہ ہے لیکن اِحرام اس کا کھل جائے گا لیکن اگر کسی شخص نے چوتھائی حصہ بالوں کا نہیں کاٹا یا ایک پورے کے برابر نہیں کاٹے تو وہ ہمیشہ اِحرام میں رہے گا چاہے وہ اپنے آپ کو یہ سمجھتا ہے کہ میں فارغ ہو گیا ہوں۔

اِحرام کی حالت میں خوشبو لگانا اور سلے ہوئے کپڑے پہننا ممنوع ہے

[حدیث:۷۷۶] ”عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَمَّا الطِّيبُ الَّذِي بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ، قَالَهُ لِرَجُلٍ جَاءَ بِالْجِعِرَّانَهِ وَقَدْ أَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ فَهُوَ مُصَفِّرٌ لِحْيَتَه' وَرَأْسَه' وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ، وَقَالَ إِنِّيْ اَحْرَمْتُ بِعُمْرَةٍ وَاَنَا كَمَا تَرٰى۔“

(مسلم، کتاب الحج، حدیث ۵۳۶)

ترجمہ: ”حضرت یعلی بن امیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جعرانہ میں آیا، اس نے عمرے کا اِحرام باندھا ہوا تھا، داڑھی اور سر دونوں خوشبو کے ساتھ زرد تھے اور جبہ پہنا ہوا تھا، اس نے عرض کیا کہ میں نے عمرے کا اِحرام باندھ رکھا ہے اور میں جیسا کہ ہوں آپ دیکھ رہے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تیرے جو خوشبو لگی ہوئی ہے اس کو تین دفعہ دھو دے، جبے کو اُتار دے پھر اپنے عمرے میں وہی عمل کر جو تو حج میں کرتا ہے۔“

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کو آنحضرت ﷺ پر وحی کے نازل ہونے کی کیفیت معلوم کرنے کا شوق تھا، اتفاق کی بات یہ کہ یہ صاحب جو جعرانہ میں آئے اور انہوں نے سوال کیا تو اس وقت وہ آدمی بھی موجود تھے وہ سوال یہ تھا کہ عمرہ کا اِحرام باندھا ہوا تھا، خوشبو اتنی سر پر اور داڑھی پر لگی ہوئی تھی کہ سر اور داڑھی زرد ہو رہے تھے اور جبہ بھی پہنا ہوا تھا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ حضور میں نے عمرے کا اِحرام باندھ رکھا ہے اور میری حالت آپ کے سامنے ہی ہے کوئی ڈھکی چھپی نہیں، آنحضرت ﷺ اس سوال کو سن کر خاموش رہے، اتنے میں آپ ﷺ پر وحی کے نزول کی کیفیت نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ پر جب وحی کے نازل ہونے کی کیفیت طاری ہوتی تھی تو آنحضرت ﷺ کا چہرہ انور بالکل سرخ ہو جاتا تھا اور اس وقت آنحضرت ﷺ کا رعب اور جلال ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کی طرف دیکھا نہیں جاتا تھا، ان صاحب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اشارہ کر دیا کہ دیکھ لو تمہیں شوق تھا آج اللہ تعالیٰ نے تمہاری مراد بھی پوری کر دی، تھوڑی دیر کے بعد وحی کے نزول کی کیفیت ختم ہوئی، ایسا معلوم ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کسی اور جہان سے آئے ہیں، آپ فرمانے لگے کہ کون صاحب تھے جو ابھی

سوال کررہے تھے ان صاحب نے کہا حضرت میں حاضر ہوں میں نے سوال کیا تھا، فرمایا تین دفعہ اپنے سر کو اور داڑھی کو دھو دے اور اپنے جبے کو اتار دے اس کی جگہ چادر ہی پہن لے اور اس کے بعد پھر وہی کام کر جو حج میں کیا جاتا ہے یعنی جس طرح حج کا اِحرام ہے ویسے ہی عمرے کا اِحرام ہے۔

حالتِ اِحرام میں جوئیں مارنے کا حکم

[حدیث:۷۷۷] ”عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ.....، أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَاحْلِقْ وَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ أَوْ انْسُكْ نَسِيكَةً، قَالَ أَيُّوبُ: لَا أَدْرِي بِأَيِّ هٰذَا بَدَأَ؟ (قَالَ لَهُ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَّةِ)۔“

(صحیح بخاری ج:۱۳، ص:۸۸، حدیث نمبر: ۳۸۶۹، بَابُ غَزْوَةِ الْحُدَيْبِيَةِ وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى {لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنْ...})

ترجمہ: ”حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تجھے تیرے سر کے کیڑے یعنی جوئیں تکلیف دیتی ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں، فرمایا: سر منڈوا دے اور تین روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا ایک قربانی کردے، یہ مجھے یاد نہیں رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ میں کونسی چیز فرمائی تھی اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر فرمائی تھی۔“

تشریح: کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، عمرہ حدیبیہ کے لئے تشریف لے جارہے تھے جس میں راستے میں ہی اِحرام کھول دینا پڑا، اور یہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ چولہا جلا رہے تھے، چولہے میں پھونک مار رہے تھے اور سر سے جوئیں گر رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے یہ کیڑے یعنی جوئیں تکلیف پہنچاتی ہیں؟ کہنے لگے: یارسول اللہ! تکلیف تو پہنچاتے ہیں، فرمایا: سر منڈوا دے تاکہ جوئیں ساری نکل جائیں اور چونکہ یہ عذر کی وجہ سے ہے اس لئے تین روزے رکھ، چھ مسکینوں کو کھانا کھلا یا یا ایک قربانی دے۔

حالتِ اِحرام میں نکاح کا حکم

[حدیث:۷۷۸] ”عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ......، لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكَحُ وَلَا يَخْطُبُ۔“ (صحیح مسلم ج:۷، ص:۲۱۶، حدیث نمبر: ۲۵۲۴، بَابُ تَحْرِيمِ نِكَاحِ الْمُحْرِمِ وَكَرَاهَةِ خِطْبَتِهِ)

ترجمہ: ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِحرام والا آدمی نہ نکاح کرے نہ اس کا نکاح کیا جائے اور نہ وہ کسی کو نکاح کا پیغام دے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ جس شخص نے حج کا یا عمرے کا اِحرام باندھا ہوا ہو وہ نہ کسی کا نکاح پڑھائے نہ اس کا نکاح کیا جائے اور نہ وہ خطبہ کرے یعنی نکاح کا پیغام دے، امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اِحرام کی حالت میں نکاح کرنا ناجائز ہے اور اگر کسی نے نکاح کیا تو وہ نکاح بھی نہیں ہوگا کیونکہ حضور ﷺ نے منع فرمایا تھا، ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نکاح نہیں کرنا چاہئے مناسب نہیں ہے لیکن اگر کسی نے اس حالت میں کرلیا تو نکاح ہو جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا اِحرام کی حالت میں۔

اب دوسرے حضرات ہم سے لڑتے ہیں وہ کہتے ہیں: نہیں! اِحرام کی حالت میں نہیں کیا تھا، یہ حدیث کی کتابوں میں ایک لمبی بحث چلی ہے، ہم نے کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عمرۃ القضاء میں جاتے ہوئے نکاح کیا تھا اب جاتے ہوئے محرم ہوں گے یا نہیں ہوں گے؟ اور وہاں شرط طے ہوئی تھی کہ تین دن ٹھہرو گے مکے میں، آنحضرت ﷺ نے تین دن قیام فرمایا مکے میں اس کے بعد مکے کے چودھریوں کو پیغام بھیجا کہ ہم نے تمہارے یہاں کی خاتون سے نکاح کرلیا ہے اگر چاہو تو ہم بناء بھی یہاں کریں اور تمہیں ولیمہ کھلائیں انہوں نے بڑی بے رُخی کا جواب دیا، آنحضرت ﷺ نے کیسی اپنائیت کی بات کی تھی کہ تمہیں بھی ولیمہ کھلائیں گے پورے مکے کو ولیمہ کھلاتے سبحان اللہ! کیا بات ہے لیکن انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ کے ولیمے کی ضرورت نہیں ہے آپ تشریف لے جایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: بسم اللہ۔

چنانچہ واپسی میں مقام صرح پر جا کر جو کہ مکہ مکرّمہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے اور آج کل طریق المدینہ کے بالکل کنارے پر ہے (میں نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کی ہے بالکل کنارے پر ہے موٹر کھڑی کر دو وہاں اور جا کر کے زیارت کرلو، چھوٹی سی دیوار بنائی ہوئی ہے اِردگرد) وہاں جا کر آنحضرت ﷺ نے رُخصتی فرمائی، جہاں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے وہاں رُخصتی کے وقت ان کا خیمہ تھا اور راوی تعجب سے کہتے ہیں کہ تعجب ہے اسی جگہ ان کا نکاح ہوا، اسی جگہ ان کی رُخصتی ہوئی، اور اسی جگہ ان کی قبر بنی تو اَب مجھے بتاؤ یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ جاتے ہوئے نکاح کیا ہو اور پھر اِحرام میں ہوں...!

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تین فقرے ہیں: **لَا یَنْکِحُ الْمُحرِمُ** نکاح نہ کرے **وَلَا یُنْکَحُ** نکاح نہ کیا جائے **وَلَا یَخطُبُ** اور نکاح کا پیغام نہ بھیجے اِحرام والا، جس نے اِحرام باندھا ہوا ہو وہ نہ نکاح کرے نہ اس کا نکاح کیا جائے نہ وہ کسی کو نکاح کا پیغام بھیجے جس کو منگنی کہتے ہیں۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام لوگ اس کے قائل ہیں کہ خطبہ جائز ہے یعنی نکاح کا پیغام دینا جائز ہے حرام نہیں، ہم کہتے ہیں کہ تین لفظوں میں سے ایک کو تم تسلیم کرتے ہو ایک کو ہمارے کہنے پر بھی تسلیم کرلو۔

طوافِ صدر کا حکم

[حدیث: ۷۷۹] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ......، لَا یَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتّٰی یَکُونَ آخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَیْتِ۔“ (صحیح مسلم ج:۷، ص:٦، حدیث نمبر: ۲۳۵۰، بَاب وُجُوبِ طَوَافِ الْوَدَاعِ وَسُقُوطِهٖ عَنْ الْحَائِضِ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو واپس نہیں جانا چاہئے یہاں تک کہ سب سے آخر میں بیت اللہ کا طواف کر کے جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جب حج کے لئے جاؤ تو جب تک کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرلو واپس نہ آؤ، اس کو طواف صدر کہتے ہیں لوٹنے کا واپس آنے کا طواف اور یہ ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب اور امام شافعی کے نزدیک سنّت ہے مگر یہ واجب ہے صرف ان لوگوں کے لئے جو باہر سے آئے ہوئے ہیں مکے والوں کے لئے نہیں، مکے والے یا مکہ کے گردونواح میں جو رہتے ہیں ان کے لئے طواف صدر نہیں ہے ان کا تو بیت اللہ شریف ان کے گھر کی چیز ہے جو باہر سے مہمان آئے ہیں ان کو چاہئے کہ جاتے ہوئے بیت اللہ سے رخصت ہو کر جائیں طواف کر کے بڑا طواف جس کو کہتے ہیں، طواف رکن وزیارت بھی کہتے ہیں اور جو دس گیارہ اور بارہ تاریخ کو کیا جاتا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طواف رکن یعنی بڑا طواف جو دسویں تاریخ کو یا گیارہویں تاریخ کو کیا جاتا ہے اس سے فارغ ہو کر ساتھ ہی وداع یعنی رخصت ہونے کا طواف بھی کر لے تو ٹھیک ہے تو واجب ادا ہو جاتا ہے پھر چاہے دس دن تک مکہ مکرّمہ میں رہے اس کا واجب ادا ہو گیا حتّٰی کہ یہاں تک لکھا ہے کہ طوافِ افاضہ سے فارغ ہونے کے بعد اگر کسی نے نفلی طواف کر لیا اور بعد میں اس کو موقع طواف وداع کرنے کا نہیں ملا تو وہ نفلی طواف اس کا طواف وداع بن جائے گا لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ جب مکہ مکرّمہ کو چھوڑنے کا ارادہ کرے تو سب سے آخر میں بیت اللہ کا طواف کرے۔

میقات کا بیان

[حدیث: ۷۸۰] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ یُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِیْنَةِ مِنْ ذِی الْحُلَیْفَةِ وَیُهِلُّ أَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ وَیُهِلُّ أَهْلُ النَّجْدِ مِنْ قَرْنٍ۔“

(مسلم کتاب الحج، حدیث: ۲۰۴۰)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ: اہلِ مدینہ ذُوالحلیفہ سے اِحرام باندھیں، اور اہلِ شام جحفہ سے، اور اہلِ نجد قرن سے۔“

تشریح: اس حدیث میں میقات کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اہل مدینہ ذی الحلیفہ سے اِحرام باندھیں، رسول اللہ ﷺ کا شہر مدینہ ہے، سب سے لمبا اِحرام مدینہ والوں کا ہے، مدینہ شریف سے کوئی چھ میل کے فاصلے پر ذی الحلیفہ ہے جس کو آج کل ابیارِ علی کہا جاتا ہے یہ وہاں سے اِحرام باندھتے ہیں اور کوئی چار ساڑھے چار سو میل کا فاصلہ اِحرام کی حالت میں کرتے ہیں تب مکہ مکرمہ آتا ہے۔

اہلِ شام ”جحفہ“ سے باندھتے ہیں، وہ آگے راستے میں آتا ہے، مدینے کے راستے میں جحفہ آتا ہے، ملک شام کے لوگ وہاں سے اِحرام باندھیں کیونکہ سمندر کا علاقہ وہاں لگتا ہے اور اہل نجد ”قرن المنازل“ سے اِحرام باندھیں، یہاں دو میقات ذکر نہیں کئے گئے ایک اہل عراق کا ”ذات عرق“ اور ایک اہل مشرق کا ”یلملم“ یمن والوں کے لئے بھی یہی ہے اور ہندوستان پاکستان والوں کے لئے بھی یہی ہے، غرضیکہ ادھر سے جتنے لوگ جاتے ہیں ان کے لئے میقات ”یلملم“ ہے اور ”یلملم“ ایک پہاڑی کا نام ہے وہ سمندر میں گزرتے ہوئے آتا ہے راستے میں، تو اس لئے یہاں کے لوگ تو (اپنے علاقہ) سے ہی اِحرام باندھ لیتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے حجۃ الوداع کی تفصیل

[حدیث: ۷۸۱] ”قَالَ الشَّيْخُ ابْنُ الْقَيِّمِ: (فصل) فِيْ هَدْيِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّتِهِ.............الخ......“

(درج ذیل عبارت ”حجۃ الوداع وعمرات النبی ﷺ“ سے لی گئی ہے، جو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہٗ کی تصنیف ہے، اور اس کا اُردو ترجمہ حضرت لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ کی ”زاد المعاد“ میں درج حجۃ الوداع کی تفصیل پر تعلیقات لکھی تھیں، چنانچہ (ق) سے ابنِ قیم مراد ہیں، اور (ش) سے حضرت شیخ الحدیث مراد ہیں۔)

ترجمہ: ”شیخ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فصل: آنحضرت ﷺ کے طریقۂ حج کے بیان میں۔“

جب حج کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت ﷺ نے اس کی تیاری شروع کی۔

(ق) اور جب آنحضرت ﷺ نے (حج کا) ارادہ فرمایا تو لوگوں کو عام اطلاع فرمائی کہ آپ ﷺ حج پر جارہے ہیں۔ چنانچہ لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ حج کو جانے کی تیاری کی اور مدینہ کے گرد و پیش کے لوگوں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی آنحضرت ﷺ کے

ساتھ حج کے ارادے سے جمع ہو گئے۔ (ش) اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی تھیں، اور بے شمار مخلوق آپ ﷺ سے راستے میں آ کر ملتی رہی، چنانچہ آپ ﷺ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں حدِ نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ اور آپ ﷺ دن کے وقت ظہر کے بعد ۲۵/ذوالقعدہ کو بروز شنبہ (ہفتہ) مدینہ سے روانہ ہوئے۔ پس مدینہ شریف میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور اس سے پہلے ایک خطبہ دیا۔ پھر سر میں کنگھی کی، تیل لگایا، چادریں زیب تن کیں، پھر سفر کا آغاز فرمایا اور وادی عقیق میں آپ ﷺ کے پاس ایک آنے والا (فرشتہ) آیا۔ اور ذوالحلیفہ میں آپ ﷺ نے عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اور رات کو وہیں قیام کیا، اور آپ ﷺ اپنی تمام ازواج سے ملاقات فرمائی اور غسل جنابت کے علاوہ اِحرام کے لئے غسل فرمایا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آپ ﷺ کے ذریرہ اور خوشبو لگائی، اور بعد میں آپ ﷺ نے اسے دھویا نہیں، پھر آپ ﷺ نے اِحرام کی دو چادریں زیبِ تن کیں، پھر دوگانہ ظہر ادا کیا، پھر حج وعمرہ دونوں کا اِحرام باندھ کر تلبیہ پڑھا اپنی نماز کی جگہ میں، اور اِحرام سے پہلے اپنی ہدی کے اُونٹوں کو قلادہ پہنایا، اور ان کا اشعار (قربانی کے اُونٹ کے کوہان پر ہلکا سا زخم لگا کر خون نکالنا) کیا، اور ان سے خون صاف کیا اور ہدی کے جانور اپنے ساتھ لئے۔ (ق) یہ جو ہم نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قران کا اِحرام باندھا تھا، یہ اس لئے کہ (اس کی تائید میں) بیس سے زائد احادیث موجود ہیں۔ (ق) اور رسول اللہ ﷺ نے غسل کے ساتھ اپنے سر مبارک کی تلبید کی (یعنی بالوں کو چپکا لیا)، اور آنحضرت ﷺ نے اپنی نماز کی جگہ تلبیہ پڑھا، پھر جب اپنی اُونٹنی پر سوار ہوئے، اور اُونٹنی آپ ﷺ کو لے کر بیداء کی بلندی پر چڑھی، تو آپ ﷺ کبھی تو حج وعمرہ دونوں کا تلبیہ کہتے تھے اور کبھی صرف حج کا، اور آپ ﷺ نے ظہر کے بعد اِحرام باندھا تھا اور آپ کا حج پالان پر ہوا۔ (ش) اور آپ ﷺ نے دُعا کی کہ: اے اللہ! اس کو ایسا حج بنا جس میں ریا وسمعہ (دکھلاوا اور سناوا) نہ ہو، اور آنحضرت ﷺ نے اِحرام باندھنے کے وقت صحابہ کو اختیار دیا کہ وہ حج کی تینوں اقسام میں جس قسم کا چاہیں اِحرام باندھ لیں، اور یہیں پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بطن سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔

حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: آپ

اپنے صحابہ کو آوازیں بلند کرنے کا حکم فرمائیں۔ (ق) پھر تلبیہ کہتے ہوئے چلے۔ (ش) اور آنحضرت ﷺ نے (مقامِ) ملل میں اپنے قدم کی پشت پر پچھنے لگوائے۔ (ق) پس جب (مقامِ) روحاء پہنچے تو ایک حمار وحشی دیکھا، جو زخمی تھا، پھر آپ ﷺ چلے یہاں تک کہ جب (مقامِ) ''اثایہ'' پہنچے تو دیکھا کہ ایک ہرن ریت کے ٹیلے میں بیٹھا ہے۔ (ش) اور اپنے سر پر ''لحیی جمل'' نامی جگہ میں سینگی لگوائی۔ (ق) پھر چلے یہاں تک کہ (مقامِ) ''عرج'' میں فروکش ہوئے، آپ ﷺ کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سامان بردار اُونٹنی ایک ہی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام نے اس کو گم کردیا، پس ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے مارنے لگے، اور فرمایا: ایک ہی تو اُونٹ تھا تو نے وہ بھی گم کردیا؟ پھر آپ ﷺ چلے یہاں تک کہ جب ''ابوا'' پہنچے تو صعب بن جثامہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حمارِ وحشی کی ران کا ہدیہ پیش کیا، جسے آپ نے واپس فرمادیا۔ (ش) اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اُونٹ بیمار ہوگیا تو آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ انہیں ایک اُونٹ دے دیں۔ انہوں نے کہا کہ: میں آپ کی یہودن کو دے دوں؟ اس پر آپ ﷺ ناراض ہوگئے۔ نیز مسند کی حدیث سے معلوم ہوا کہ انجشہ کا مشہور قصہ بھی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ''اے انجشہ! آبگینوں کو ذرا آہستہ چلاؤ!'' اسی سفر میں پیش آیا تھا۔ (ق) پھر جب آپ ﷺ وادی عسفان سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! یہ کون سی وادی ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا: وادی عسفان ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: اس وادی سے حضرت ہود اور حضرت صالح (علیہما الصلوٰۃ والسلام) گزرے ہیں۔ دونوں دو جوان سرخ اُونٹوں پر سوار تھے جن کی مہار کھجور کی چھال کی تھی، تلبیہ کہتے ہوئے حج بیت اللہ کو جارہے تھے۔ (ش) اسی جگہ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے حج کے مسائل میں واضح بیان کی درخواست کی۔ (ق) پس جبکہ آپ ﷺ موضع سرف پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماہواری شروع ہوئی۔ (ق) ان کے حیض کی جگہ تو بلاشبہ موضع سرف تھی، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ کب پاک ہوئیں؟ اور آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''جس کے ساتھ ہدی (قربانی) کے جانور نہیں، اگر وہ اس کو عمرہ بنانا چاہتا ہے تو بنالے اور جس کے ساتھ ہدی ہے وہ نہیں۔'' (ق) پھر آپ ﷺ چلے یہاں تک کہ ذی طویٰ میں نزول فرمایا، پس وہاں رات کو قیام فرمایا، یہ ۴؍ ذی الحجہ اتوار کی رات تھی، اور وہاں نمازِ صبح ادا کی، پھر

اسی دن غسل فرمایا اور مکہ کی طرف چلے۔ (ش) وادی ازرق سے گزرتے ہوئے فرمایا: ''گویا میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ رہا ہوں، درآنحالیکہ وہ تلبیہ کہتے ہوئے بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا رہے ہیں۔'' (ق) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دن کو داخل ہوئے بالائی جانب سے۔ (ش) اور جب بیت اللہ شریف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک اُٹھائے؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ (ق) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوئے اور یہ چاشت کا وقت تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا استقبال کیا اور دعا فرمائی، پس داخل ہوتے ہی بیت اللہ کا قصد کیا اور تحیۃ المسجد نہیں پڑھی اور جب حجر اسود کے سامنے آئے تو اس کا استلام کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طواف میں رَمَل کیا اور اپنی چادر کا اضطباع کیا، اور جب (طواف کرتے ہوئے) حجر اسود کے برابر آتے تو چھڑی کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کرتے اور استلام کرتے اور اسے چوم لیتے، پس جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقامِ ابراہیم کے پیچھے آئے پس یہ آیت پڑھی: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ﴾ (اور بناؤ مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ!) اور دو رکعتیں ادا کیں، پس جب اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو حجر اسود کا استلام کیا۔ پھر صفا کی طرف نکلے، پس جب اس کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ﴾ اور فرمایا: ''میں اسی سے ابتدا کروں گا جس کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے!'' پس صفا پر چڑھے اور دُعائیں کیں، پھر مروہ کی طرف اُتر کر معتاد رفتار سے چلے، اور جب قدمِ مبارک وادی کے اندر پہنچے تو تیز رفتاری سے چلے، اور جب مروہ پر پہنچے تو بیت اللہ کا استقبال کیا اور تکبیر کہی، پس جب مروہ پر سعی پوری ہوئی تو قطعی حکم فرمایا کہ: ''جن لوگوں کے ساتھ ہدی کے جانور نہیں، وہ اِحرام کھول دیں۔'' اور اسی موقع پر فرمایا: ''جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی وہ اگر پہلے معلوم ہوجاتی تو ہدی ساتھ نہ لاتا۔'' اور اس جگہ حلق کرانے والوں کے لئے تین بار دعا فرمائی، اور یہ روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اِحرام کھول دیا تھا، یہ قطعاً غلط ہے۔ اور حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: یہ صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے؟ (ش) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے تشریف لائے، آپ کی ہدی کے اُونٹ لے کر۔ (ق) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر مکہ میں چار دن ٹھہرے، درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصر کی نماز پڑھتے تھے۔ پس جب

جمعرات کو چاشت کا وقت آیا تو منیٰ کا قصد کیا اور جو حضرات اِحرام کھول چکے تھے انہوں نے بھی اِحرام باندھ لیا اور رات کو وہاں قیام رہا، یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہوا، پس وہاں سے عرفات کی طرف روانہ ہوئے، ضب کے راستے سے، پس آپ ﷺ ایک قبہ میں فروکش ہوئے، یہاں تک کہ جب زوالِ آفتاب کا وقت ہوا تو روانہ ہوئے یہاں تک کہ بطن وادی میں پہنچے، وہاں ایک عظیم الشان خطبہ دیا۔ (ق) جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انہوں نے اذان کہی، پھر آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اور عصر کی دو رکعتیں۔ پس جب فارغ ہوئے تو سوار ہو کر موقف میں پہنچے اور قبلہ کی طرف رخ کیا، اسی موقع پر اہل نجد آئے، اور اس جگہ باہمی حق تلفیوں کے ماسوا میں دعائے مغفرت قبول ہوئی، اور اسی جگہ ایک آدمی اپنی سواری سے گر کر جاں بحق ہو گیا۔ اور اسی جگہ پر آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ ... الخ﴾ یعنی آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا، اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)۔ پس جب آفتاب غروب ہوا تو عرفات سے چلے مازمین کے راستے سے، اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کیا، اور اثناءِ راہ میں سواری سے اتر کر پیشاب کیا اور وضو کیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! نماز؟'' فرمایا: ''نماز کی جگہ تمہارے آگے ہے۔'' پھر روانہ ہوئے اور مزدلفہ پہنچے، پس وضو کیا اور مغرب کی نماز پڑھی، پھر عشاء پڑھی، پھر آپ ﷺ سو گئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ (ق) اور آنحضرت ﷺ نے ضعفاء اہل بیت کو اجازت دی کہ وہ طلوعِ فجر سے پہلے، جبکہ چاند غروب ہو، منیٰ چلے جائیں اور انہیں حکم فرمایا کہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے رمی نہ کریں۔ (ق) پس جونہی صبح صادق ہوئی آپ ﷺ نے نماز فجر ادا کی۔ (ش) اور اپنی اُمّت کے لئے دوبارہ دعا فرمائی۔ (ق) پھر آپ ﷺ مزدلفہ سے روانہ ہوئے اور فضل (بن عباس) رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کیا۔ اور اسی راستے میں ایک حسین وجمیل عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ کیا وہ اپنے باپ کی جانب سے حج کر سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اس کی جانب سے حج کرے۔ اور اسی موقع پر ایک اور شخص نے اپنی والدہ کے بارے میں یہی سوال کیا۔ پس جب بطن مُحَسِّر پہنچے تو اُونٹنی کو تحریک کی اور رفتار تیز کر دی، یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ کے پاس پہنچے، پس سوار ہونے

کی حالت میں جمرۂ عقبہ کی رمی کی، طلوعِ آفتاب کے بعد، یکے بعد دیگرے ایک ایک کنکری مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے، اور پہلی کنکری تک آپ برابر تلبیہ پڑھتے رہے، پھر منیٰ کی طرف لوٹے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ (ش) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمانی کررہے تھے۔ (ق) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو الوداع کہی، اس لئے یہ حج ''حجۃ الوداع'' کہلایا۔ اور اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند چیزوں کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں، اب کرلو!'' اور آپ نے لوگوں کو ان کی قیام گاہوں میں اتارا کہ ہر قبیلے کے لئے جائے قیام تجویز فرمائی، پھر منحر (قربان گاہ) کی طرف گئے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ (۶۳) اُونٹ نحر (ذبح) کئے۔ (ش) اور آپ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (ق) پس جب نحر کا عمل پورا کرلیا تو حلّاق کو طلب فرمایا، پس اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کا حلق کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موئے مبارک تقسیم فرمادیئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ناخن تقسیم فرمائے۔ (ش) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائی۔ (ق) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے سوار ہوکر مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ (ش) اپنی اُونٹنی پر، پس طوافِ افاضہ (زیارت) کیا سواری پر۔ (ق) پھر زمزم پر آئے پس کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمایا، پھر منیٰ واپس آگئے، پس رات وہاں رہے، جب زوال ہوا تو جمرات کی طرف چلے، پس جمرۂ اولیٰ سے ابتداً کی، پھر دوسرے کی رمی کی، پھر تیسرے کی رمی کی، اور اس کے پاس نہیں ٹھہرے۔ (ش) اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (منیٰ سے) ہر رات مکہ آیا کرتے تھے؟ (ق) اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ میں رات رہنے کی اجازت چاہی، اور اُونٹ چرانے والوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل (جلدی) نہیں کی، اور منگل کے دن منیٰ سے چلے اور محصب پہنچے، پس وہاں فروکش ہوئے، پھر مکہ کی طرف چلے اور طوافِ وداع کیا، (ش) اور حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اُونٹ پر طواف کیا۔ (ق) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کی خواہش ظاہر کی۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حج میں بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے یا نہیں؟ اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملتزم میں کھڑے ہوئے یا نہیں؟ اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الوداع کی صبح کو فجر کی نماز مکہ میں پڑھی یا بیرون مکہ؟ (ش) پھر

آنحضرت ﷺ براستہ کدئی مکہ سے نکلے اور کسی قدر ماءِ زمزم بھی اپنے ساتھ لیا۔ (ق)
پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ (ش) پس جب غدیر خم پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان فرمائی، پس جب آپ ﷺ مقامِ ''روحاء'' میں پہنچے تو سواروں کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، پس آپ ﷺ نے ان کو سلام کیا، پس ایک عورت نے اپنے ہودج سے اپنا بچہ نکالا اور عرض کیا کہ: کیا اس کا بھی حج ہوسکتا ہے؟ فرمایا: ''ہاں! اور ثواب تجھے ہوگا۔'' (ش) اور آپ ﷺ نے بطحاء میں اپنی اُونٹنی بٹھائی، پس وہاں رات رہے اور نماز پڑھی۔ (ق) اور آنحضرت ﷺ مدینہ میں براستہ معرس داخل ہوئے۔ (ش) پس جب آپ ﷺ کو جبل احد نظر آیا تو فرمایا: ''یہ وہ پہاڑ ہے جنہیں ہم سے محبت ہے اور ہمیں ان سے محبت ہے۔'' (ق) پس آنحضرت ﷺ یہ دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوئے: ''آئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَهٗ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔'' (ش) اور مدینہ کی واپسی کے بعد اُمِّ سنان رضی اللہ عنہا اور اُمِّ معقل رضی اللہ عنہا وغیرہ سے فرمایا کہ: ''رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے مساوی ہے۔''

خطبہ حجۃ الوداع

[حدیث: ۷۸۲] ''عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ، إِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَلَا كُلُّ شَيْئٍ مِّنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَرِبَوا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَأَوَّلُ رِبوا أَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ كُلُّهٗ، فَاتَّقُوا اللّٰہَ فِي النِّسَاءِ! فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰہِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰہِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَداً تَكْرَهُوْنَهٗ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ، كِتَابُ اللّٰہِ وَأَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّيْ، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟ قَالُوْا: نَشْهَدُ

أَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ، فَقَالَ بِاِصْبِعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْا"

(مسلم کتاب الحج حدیث ۲۸۵)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے دن عرفہ کے میدان میں فرمایا: بے شک تمہارے خون، تمہارے مال حرام ہیں ایک دوسرے پر جیسا کہ آج کے دن کی حرمت ہے تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں، سنو! کہ جاہلیت کے زمانے کی ہر چیز آج میرے قدموں کے نیچے پامال ہے، اور جاہلیت کے تمام خون ساقط ہیں، سب سے پہلا خون جس کو میں ساقط کرتا ہوں ہمارے خونوں میں سے وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے، یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پیتا تھا، اس کو ہذیل نے قتل کر دیا تھا، اور جاہلیت کے تما سود ختم کئے جاتے ہیں، سب سے پہلا سود جس کے خاتمے کا میں اعلان کرتا ہوں وہ ہمارا سود ہے یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سود، وہ سب کا سب ختم۔

سو تم سب اللہ سے ڈرو عورتوں کے معاملے میں، اس لئے کہ تم نے ان کو لیا ہے اللہ کی امان کے ساتھ اور تم نے حلال کیا ہے ان کی عصمتوں کو اللہ کے کلمے کے ساتھ، اور تمہارا ان کے ذمے یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر نہ آنے دیں کسی ایسے شخص کو جس کو تم پسند نہیں کرتے۔ پس اگر وہ ایسا کریں تو ان کو مارو لیکن ایسی مار کہ اس کے نشان نہ پڑیں، اور ان کا یہ حق تمہارے ذمے ہے کہ روٹی، کپڑا دستور کے مطابق، اور میں تم میں چھوڑے جاتا ہوں وہ چیز کہ تم گمراہ نہیں ہوگے اس کے بعد اگر تم نے اس کو مضبوط تھامے رکھا، وہ اللہ کی کتاب ہے، اور تم لوگوں سے سوال کیا جائے گا میرے بارے میں، سو تم کیا کہو گے؟ سب نے کہا کہ: ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، پیغامات پہنچا دیئے اور اُمّت کی پوری پوری خیر خواہی فرمائی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا اور لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ: اے اللہ گواہ رہنا! اے اللہ گواہ رہنا! اے اللہ گواہ رہنا۔''

تشریح: رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو کہ آپ کا آخری حج تھا اور اس کے تقریباً اسی دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے، اسی بناء پر اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں، ''وداع'' کا معنی ہے رُخصت، یہ لفظ ''وَدَاع'' ہوتا ہے، (بر وزن سلام، کلام و اَذَان) واؤ کے زبر کے ساتھ، اس کو

''حجۃ الوداع'' بھی کہتے ہیں، ''حج التمام'' بھی کہتے ہیں، اس میں آپ ﷺ نے ایک خطبہ عرفات کے میدان میں دیا تھا، ایک خطبہ منیٰ میں دیا تھا، بلکہ منی میں کئی خطبے دیئے تھے، منیٰ کے دنوں میں روزانہ خطبے ہوتے رہے، تین چار خطبے ہوئے مسلسل۔ احادیث میں ان خطبوں کے متفرق ٹکڑے نقل کئے گئے ہیں، بعض صحابہ نے کچھ نقل کیا، کسی صحابی نے کچھ نقل کیا، بعض حضرات نے ان سب کو جمع کر کے خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے اس کو مرتب بھی کر دیا ہے۔

یہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے ہر ایک کے مال اور ان کی جانیں ایسی حرمت رکھتی ہیں جیسے کہ آج کے دن کی، اس مہینے میں اور اس شہر میں حرمت ہے، ظاہر بات ہے کہ مکہ مکرّمہ حرمت والا شہر ہے:

﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾﴾ (الحج)

ترجمہ: ''جو شخص اس میں اِلحاد و کفر اور کج روی کا ارادہ بھی کرے گا اس کو ہم دردناک عذاب پہنچائیں گے۔''

اس میں قتل و غارت گری اور خون ریزی حرام ہے، حتّٰی کہ اگر باہر سے قتل کر کے کوئی شخص حرم میں پناہ لے لے تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے حرم میں، بلکہ مجبور کیا جائے گا اس کو حرم سے باہر نکلنے کے لئے۔ اس کا کھانا پینا بند کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ خود مجبور ہو جائے حرم سے باہر نکلنے پر۔ باہر نکلے گا تو اس کو وہاں پکڑیں گے حرم کے اندر پکڑنا جائز نہیں، باپ کے قاتل کو بھی پکڑنا جائز نہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ باہر سے قتل کر کے حرم میں پناہ لی ہو اور اگر حرم میں ہی قتل کیا ہو تو اس کو پکڑ سکتے ہیں، یہ اتنی بڑی حرمت ہے حرم شریف کی، حرم مکہ کی۔

اور حرمت والا مہینہ، ذی الحجہ حج کا مہینہ ہے اور حرمت والا دن جس دن کہ حج ہوتا ہے، ذی الحجہ کی نویں تاریخ، یوم عرفہ ہے، جس کا ایک دن کا روزہ دو سال کے روزے کے برابر ہے، اور جس روزے کے بارے میں فرمایا کہ: میں اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے امید رکھتا ہوں کہ یہ ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہو جائے گا، دو سال کے گناہوں کا کفارہ، تو یہ اتنی بڑی حرمت کا دن ہے تو کوئی شخص مکہ مکرمہ میں حج کے دنوں میں یوم عرفہ کی بے حرمتی کرے وہ کتنا بڑا بدبخت ہوگا؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے ایک دوسرے کے خون اور مال ایک دوسرے کے لئے اتنی حرمت والے ہیں کہ جتنا کہ آج کا دن اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت والا ہے، یہ آخری مبالغہ ہے اس سے زیادہ اور مبالغہ کیا ہو سکتا ہے یعنی حرم کعبہ سے زیادہ حرمت مسلمان کے خون کی، اس کی جان کی اور اس کے مال کی ہے۔

اس کے بعد دوسرا اعلان یہ فرمایا کہ جاہلیت کے دور کے تمام امور اور معاملات آج کے بعد ختم،

سب کے سب میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں، جاہلیت کے زمانے میں تم ایک دوسرے کے ساتھ جو معاملہ کر چکے ہو سب ختم، اس کی کوئی قیمت نہیں، حتیٰ کہ جاہلیت کے زمانے میں اگر کسی نے کسی کو قتل کیا تھا تو وہ بھی ختم، اس کے ختم کا اعلان کرتا ہوں اور سب سے پہلے ابتداء میں اپنے خاندان سے کرتا ہوں۔

حضور اقدس ﷺ کے چچا تھے ربیعہ بن عبد المطلب، اس کا ایک لڑکا نابالغی کے زمانے میں بنو سعد میں دودھ پیتا تھا، یعنی شیر خوارگی کے لئے وہاں لے گئے تھے، جیسے آنحضرت ﷺ کو بنو سعد کی حضرت حلیمہ سعدیہ لے گئی تھیں، تو وہ بچہ وہاں دودھ پیتا تھا اور قبیلہ بنو ہذیل کے لوگوں نے اس کو قتل کر دیا تھا، تو ایک بچہ قتل ہو یا بڑا قتل ہو قیمت تو دونوں کی برابر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں اس خون کے ختم ہونے کا اعلان کرتا ہوں، آج سے اس کا کوئی مطالبہ نہیں ہوگا، میں اپنے خاندان کے خون کے ختم ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔ اور اسی طرح جاہلیت میں جاہلیت کی وجہ سے جو قتل کرتے تھے وہ سب کے سب ختم، آئندہ کوئی کسی سے مطالبہ نہ کرے۔

اور ایک اعلان یہ فرمایا کہ: جاہلیت کے زمانے میں جو سود کا لین دین ہوتا تھا، وہ سب کا سب ختم، چنانچہ میں سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود یعنی عباس بن عبد المطلب کے سود کے خاتمے کا اعلان کرتا ہوں، آج کے بعد ختم۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں سود کا لین دین کرتے تھے، پیسے تھے ان کے پاس، لوگوں کو ادھار دیتے اور اس کا سود لیتے، تو آج تک اس کے خاتمے کا اعلان نہیں ہوا تھا، آج آنحضرت ﷺ نے اس سارے سود کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے بارے میں وصیت فرمائی، عورتوں کا خیال رکھو اور ان کے معاملے میں اللہ سے ڈر کے رہا کرو، اس لئے کہ تم اللہ کی امان کی بنیاد پر ان کو اپنے گھروں میں لائے ہو اور تم نے ان کی عصمتوں کو اللہ کے کلام کے ساتھ حلال کیا، یعنی حکم شرعی پر وہ بیویاں تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں تو اللہ کا واسطہ دے کر، اللہ کے نام پر، اللہ کے کلمے کے ساتھ تم ان کو لائے ہو، اور یہ اللہ کی بے زبان مخلوق ہے، اول تو عورت بات کرتی نہیں، اپنے گھر کی بات شریف خاتون باہر نہیں کرتی، ہاں! نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی ہو تو دوسری بات ہے، لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی ہو تو دوسری بات ہے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نیک آدمی کے گھر میں یہ سنّت جاری ہو جائے اپنے گھر کی باتیں دوسری کو بتاتی ہیں ورنہ شریف زادیاں، اچھے خاندان کی بچیاں وہ اپنے گھر کی باتیں دوسروں کو نہیں بتاتیں حتی کہ اپنے ماں باپ تک کو نہیں بتاتیں۔ میرے پاس سینکڑوں خطوط آتے رہتے ہیں اس قسم کے، بچیوں نے سب کچھ اپنی جان پر برداشت کر لیا لیکن اپنے ماں باپ تک کو نہیں بتایا، یہ ان کی شرافت اور نجابت ہے۔ اول تو میں نے کہا کہ یہ بے زبان ہے بولتی نہیں اور پھر اگر وہ بتائیں بھی

تو کیا کریں اپنی ذلت ورسوائی بھی ہے، اپنے گھر کی ذلت بھی ہے، وہ یہ سوچ کر چپ رہتی ہیں اوران کی شنوائی بھی کم ہوتی ہے۔ یہ بھلے زمانے کی بات کر رہا ہوں۔

اس زمانے میں تو عورتوں کو ڈیڑھ گز کی زبان ملی ہوئی ہے، اور عورتوں کے حقوق کا ایسا نعرہ بلند کیا ہے کہ اللہ کی پناہ! عورتوں کی نمائندگی پارلیمینٹ میں ہونی چاہئے تاکہ وہ عورتوں کی نمائندگی کریں اور وہ کریں گی کون؟ یہ چند اونچے خاندانوں کی بیگمات! یہ اپوا اور وومن سوسائٹی وغیرہ، یہ جو گھروں میں ڈاکے پڑ رہے ہیں عورتوں کی بے حرمتی ہوتی ہے، کبھی اپوا والوں نے ان کے خلاف احتجاج کیا؟ خواتین کو میراث میں اپنے مقررہ حصص نہیں دئے جاتے، کیا اس پر کسی نے احتجاج کیا؟

مرزائیوں کے خلاف کوئی بات ہوگئی، مسلمانوں نے اپنے جذبہ ایمانی سے کوئی کاروائی کی، اور جبکہ وہ کاروائی قانونی ہو تو حقوق انسانیت کی تنظیم اور ہماری بیگمات کی تنظیم یہ سب چلّا اُٹھتی ہیں کہ بڑا ظلم ہو رہا ہے، یہ قیمت ہے ان کے نزدیک صنف نازک کی اور یہ تمہاری نمائندگی وہاں کرتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ عورتوں کو بھی ملازمتیں ملنی چاہئیں، لڑکے بے روزگار اور لڑکیوں کو بٹھا دیا۔

میرے ایک دوست بتا رہے تھے کہ میرے ساتھ ایک لڑکی پڑھتی تھی، اور یہ پڑھنے میں بھی نالائق تھی، اب اس کو افسر بنا کر میرے اوپر مقرر کر دیا، یہ ہے پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ!

میں جب پہلی دفعہ ہندوستان جا رہا تھا تو ہندوستان سفارت خانے میں جب ویزا لینے گیا وہاں میاں بیوی دونوں تھے، بیوی افسر اعلیٰ تھی اور میاں اس کا ماتحت، جیسا کہ بیگم بینظیر اور آصف زرداری کا معاملہ ہے۔

بہر کیف! مجھے یہ کہنا ہے کہ آج ان چند بیگمات کے شور شرابے کے باوجود عورت بے چاری کا وہی حال ہے جو پہلے تھا، یہ شور ضرور مچاتی ہیں وہ اپنے مفادات کے لئے یہ عورتیں شور مچاتی ہیں، اور کچھ ان جیسے مرد یہ عورتوں کے خیر خواہ نہیں، میں فخر سے نہیں کہہ رہا، مجھ پر اللہ پاک کا انعام ہے سینکڑوں اُجڑے ہوئے گھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے بسائے ہیں، خطوط کے ذریعے مشورے دیتا ہوں، عورتیں بھی لکھتی ہیں، مرد بھی لکھتے ہیں، ان کی خیر خواہی کا مشورہ دیتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے وہی بہتر جانتا ہے کتنے گھروں کو اس کے ذریعے سے آباد کیا، اور ان کو یہ بھی کہتا ہوں کہ پھر مشورے کی ضرورت ہو تو مجھ سے پوچھو، مشورہ کرلو، میں تھکتا نہیں ہوں خطوط کا جواب دینے سے۔

ہم تو عورتوں کے بدخواہ ہوئے، مُلّا بے چارہ بدخواہ ہے ان کی نظر میں، اور یہ بے چاری جو عورتوں کے غم میں گھل گھل کر موٹی ہوگئی ہیں، یہ ان کی خیر خواہ ہیں۔ یہ ایک ہنگامہ ہے جو مغرب کی طرف سے آیا ہوا ہے، یہ بھی اس کی تقلید کرنا چاہ رہی ہیں کہ عورتوں کو باہر نکالو، ملازمتیں دلواؤ، اس سے زندگی کا نظام کیسے اُلٹ پلٹ ہوا ہے، یہ ایک لمبی داستان ہے، لیکن شریف گھروں میں یہ نہیں تھا، شریف گھروں میں یہ تھا کہ جس

گھر میں ڈولی آئی تھی اسی گھر سے جنازہ اُٹھے گا، اور وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنے گھر میں حکومت کرتی تھی، راج کرتی تھی، شوہر بھی گرویدہ ہے، اولاد بھی فرمانبردار ہے، عزیز واقارب بھی اس کی بات مانتے ہیں، آس پڑوس والے، محلے والے بھی اس کی تعظیم کرتے ہیں، پردے میں بیٹھتی ہے۔

اور اس نئی تحریک نے عورت کو بازار کی زینت بنا دیا ہے، معافی کی درخواست کرتا ہوں، اخباروں میں رسالوں میں کیسی فحش تصاویر آتی ہیں ان کی۔ اور ٹی وی نے تو بالکل ہی برباد کر دیا ہے۔

تو آنحضرت ﷺ نے اس لئے تاکید فرمائی کہ عورت بے چاری بے زبان ہوتی ہے، مولانا محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ہماری جماعت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ تھے، بعد میں امیر بھی بنے۔ انہوں نے ایک دفعہ تقریر کی اس میں بتایا: ''عورت کے دونوں ہاتھ چارپائی کے دونوں پایوں کے نیچے رکھ کر شوہر ساری رات سویا رہا، یہ بات بیان کر کے مولانا ضبط نہیں کر سکے رو پڑے، اور فرمایا کہ: تم عورتوں کے ساتھ ایسا ظلم کرتے ہو؟'' ایسے سنگ دل اور ایسے انسانیت سے گزرے ہوئے لوگ بھی ہوں گے۔ لیکن عام لوگ ایسے نہیں ہیں، تو شریف زادیوں کے ساتھ شریفانہ سلوک کرنے کا رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے ہیں، اور دیکھو کہ تم ان کو اللہ کے نام پر لائے ہو۔

میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اپنے ماں باپ کو، اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اس نے بالکل نیا گھر بسایا ہے، اب اس کی ساس اور سسر اس کے ماں باپ ہیں، اور اس کے خاندان کے لوگ ہیں، والدین پر بھی ترجیح دیتی ہیں، تو تم ان کے اس جذبہ ایثار کی قدر کرو، یوں کہتے ہیں کہ بیٹی کا ڈولہ گھر سے نکالنا ایسا ہے جیسا میّت کا گھر سے نکالنا، ایک بچّی نے سولہ اٹھارہ بیس سال اس گھر میں گزارے، اس کو رُخصت کر رہے ہیں، تو تمہارے دل میں بھی تو اس کی کوئی قدر و قیمت ہونی چاہئے، لیکن شوہر کا مزاج حاکمانہ ہوتا ہے، یہ اپنے آپ کو ملأ اعلیٰ کی مخلوق سمجھتا ہے، وہ بھی انسان ہے، کوئی غلطی کر سکتی ہے، درگذر اور صبر و تحمل اور عقل سے کام لو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارا ان کے ذمے ایک حق ہے اور وہ یہ کہ تمہارے بستر پر کسی غیر مرد کو نہ آنے دیں، یعنی با عفت ہو، تمہاری عزّت اور عصمت کی حفاظت کرے، باقی اضافی حقوق جو ہمارے ہاں رائج ہیں، کھانا پکائے، کپڑے دھوئے، جھاڑو پونچھا بھی کرے، بچّوں کی نگرانی بھی کرے، سارے کے سارے کام اس کے ذمے، یہ اس کے ذمے شرعاً نہیں تھے، اخلاقاً ہیں، گھر کی فضا کو دُرست رکھنے کے لئے اخلاقاً یہ حقوق ہیں، فرائض میں سے نہیں، اگر عورت انکار کر دے تو اس کے ذمے کوئی تاوان نہیں، لیکن عورتوں کو بگڑنا نہیں چاہئے۔

ایک صاحب نے مجھے لکھا: بیوی کہتی ہے کہ روٹی پکانا عورت کے ذمہ نہیں ہے، میں نے کہا: ٹھیک کہتی ہے کہ مسئلہ یہی ہے، لیکن اس کا علاج معالجہ بھی شوہر کے ذمے نہیں ہے، یہ بھی مسئلہ ہے۔ بس روٹی کپڑا

دیدے، پھر پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تمہارا کیا حال ہے؟ اگر قانون اور ضابطے پر چلو گے تو پھر یہ ہے، لیکن گھر بسانے میں قانون اور ضابطے نہیں چلتے، گھروں میں تو محبت اور اخلاق کا راج ہوتا ہے۔

تو ان کے ذمے تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے بستر پر غیر آدمی کو نہ آنے دیں، اور تمہارے ذمے ان کا روٹی کپڑا ہے دستور کے مطابق۔ اپنی اور ان کی دونوں کی حیثیت کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کو دو، اگر اللہ نے تمہیں زیادہ دیا ہے تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو، اور اگر کم دیا ہے تو اس میں گزارہ کرو، توفیق کے مطابق گزارہ کرو، تم بھوکے ہو تو وہ بھی بھوکے رہیں، تمہارا پیٹ بھرا ہوا ہے تو ان کا بھی پیٹ بھرا ہونا چاہئے، تمہارے بدن پر کپڑا ہے تو ان کے بدن پر بھی ہونا چاہئے، غرضیکہ دونوں کی حیثیت کے مطابق گزارہ کرو۔

بہت سی خواتین نے یہ شکایت بھی کی ہے کہ مرد لوگ پڑے رہتے ہیں اور ہم سے کام کرواتے ہیں، ملازمتیں کرواتے ہیں کہ کہیں سے کما کر لاؤ، ایسے بھی ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ! بہرحال ان عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ کیا جائے۔

[حدیث:۷۸۳] ”عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَجَرِيرٍ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، لَا تَرْجِعُوا بَعْدِىْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔“

ترجمہ: ”حضرت ابوبکرہ، حضرت جریر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔“

تشریح: اس حدیث میں جو تین صحابہ سے مروی ہے، اس میں حجۃ الوداع کا خطبہ ہے اس میں ارشاد فرمایا تھا: ”میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔“ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے والے مسلمان نہیں ہیں۔

اگر محض اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا کرتے ہیں پھر تو پکے مسلمان ہیں، جیسا کہ صحابہ کرام نے کیا تھا، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے لشکر آپس میں لڑے تھے، لیکن ان میں سے ہر ایک کا اجتہاد تھا، وہ سمجھتے تھے کہ یہ غلطی کر رہے ہیں ان کو غلطی سے ہٹانا ضروری ہے، اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں ان کو ان کی غلطی سے ہٹانا ضروری ہے، تو دونوں فریق نے اپنے خیال میں اللہ کی رضا کے لئے کر رہے تھے، یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے کرے۔ اور اگر کسی اور مقصد کی خاطر ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں پھر تو گناہ ہے۔ اتنا بڑا گناہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: یہ مسلمانوں کا کام ہی نہیں ہوسکتا، یہ تو کافروں کا کام ہے۔ اس لئے فرمایا کہ: میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

آنحضرت ﷺ کا حج، حجِّ قِران تھا

[حدیث: ۷۸۴] ”.....عُمَرَ.....، أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ رَبِّي فَقَالَ صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةً فِي حَجَّةٍ۔“

(صحیح بخاری ج:۵، ص:۴۲۳، حدیث نمبر:۱۴۳۶، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَقِيقُ وَادٍ مُبَارَكٌ)

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میرے پاس ایک آنے والا میرے رب کی طرف سے آیا سو اس نے کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھیئے اور یہ کہیئے کہ عمرہ حج میں۔“

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کہ وادیٔ عقیق جب میں اس سے گزرا حجۃ الوداع میں تو میرے پاس ایک آنے والا میرے رب کی جانب سے آیا اور مجھے آکر یہ پیغام دیا کہ یہ وادی مبارک ہے اس لئے اس میں دو رکعتیں پڑھیئے اور ساتھ کہیئے کہ عُمْرَةً فِي حَجَّةٍ یہ اس سفر میں عمرے کو حج کے ساتھ ملا کر ادا کر رہا ہوں، آنحضرت ﷺ کا اِحرام کس چیز کا تھا اس میں علماء نے بحث کی ہے لمبی چوڑی۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں تقریباً تیس دلائل سے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا حج، حجِ قران تھا یعنی دونوں کو ملا دیا گیا تھا حج اور عمرے کو ملا دیا گیا تھا، ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حج و عمرہ دونوں کو ملا کر کیا تھا اس لئے قِران سب سے افضل ہے یعنی حج و عمرے دونوں کو ملا دینا اور اکٹھا اِحرام باندھ دینا اور اکٹھا اِحرام کھولنا، بعض حضرات نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمتع افضل ہے یعنی پہلے عمرے کا اِحرام باندھا جائے پھر اِحرام کھول کر دوبارہ اِحرام باندھا جائے حج کا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ افراد افضل ہے یعنی آدمی جائے تو صرف حج کا اِحرام باندھے ساتھ عمرہ نہ کرے عمرہ بعد میں کرے۔

بہرحال ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج و عمرہ دونوں کو جمع کرنا افضل ہے، میں پہلے ہمیشہ جمع کیا کرتا تھا لیکن اب کمزور ہو گیا ہوں تو افراد کا اِحرام باندھ لیتا ہوں۔

مزدلفہ میں مغرب اور فجر کی نمازوں کا حکم

[حدیث: ۷۸۵] ”عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ حُوِّلَتَا عَنْ وَقْتِهِمَا فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ، يَعْنِىْ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ بِمُزْدَلِفَةَ۔“

(مسلم، کتاب الحج، حدیث ۱۸۵۱)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہ دو نمازیں بدل دی گئی ہیں اپنے وقت سے اس جگہ میں، یعنی مغرب کی نماز اور فجر کی نماز مزدلفہ میں۔‘‘

تشریح: حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حج پر تشریف لے گئے تو ان کے خاص شاگرد حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کہا کہ: دیکھو تمہیں حضرت کے ساتھ جانا ہے اور کسی حالت میں بھی ان سے جدا نہیں ہونا، بطور خادم کے مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیج دیا، مزدلفہ کی رات گزری اور صبح ہوئی تو ابھی صبح صادق کا سفیدہ طلوع ہوا تھا مجھے فرمانے لگے کہ: اقامت کہو۔ میں نے اقامت کہی انہوں نے نماز پڑھائی، نماز پڑھ کر میں نے کہا کہ: حضرت! اس وقت تو آپ فجر کی نماز نہیں پڑھا کرتے؟ میں نے آپ کو کبھی بھی اس وقت فجر کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ تو دن کی روشنی میں نماز پڑھا کرتے ہیں۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ حُوِّلَتَا عَنْ وَقْتِهِمَا‘‘ (درمنثور، شرح السنہ)

ترجمہ: ’’یہ دو نمازیں ہیں جو اپنے وقت سے بدل دی گئی ہیں مزدلفہ میں، مغرب اور فجر کی نمازیں۔‘‘

یعنی مزدلفہ کی رات میں مغرب کی نماز کا وقت عشاء کے وقت آتا ہے اس سے پہلے نماز کا وقت ہی نہیں آتا، حاجی لوگ عرفات سے چلتے ہیں تو عرفات میں مغرب کی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، راستے میں مغرب کی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں بلکہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص باہمت عشاء کے وقت سے پہلے مزدلفہ پہنچ جائے تو اس کو بھی حکم ہے کہ مغرب نہ پڑھے جب تک کہ عشاء کا وقت نہ ہو جائے، عشاء کا وقت ہو جائے گا تو مغرب کی نماز اور عشاء کی نماز دونوں اکٹھی ملا کر پڑھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں مغرب کے بعد عرفات سے چلے، حدیث میں ہے: ’’**فاردف اُسامة بن زيد**‘‘ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کرلیا، راستے میں ایک جگہ اُترے اور پیشاب کا تقاضا ہوا، اس سے فارغ ہوئے تو حضرت اُسامہ فرماتے ہیں کہ بہت مختصر سا وضو کیا، میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! نماز؟ تو فرمایا: نماز تیرے آگے آئے گی۔ مزدلفہ پہنچے تب وہاں جا کر نماز پڑھی۔ تو آج کے دن یعنی مزدلفہ کی رات میں ایک تو مغرب کا وقت بدل دیا گیا ہے کہ مغرب کی نماز کا وقت ہوتا ہی نہیں عشاء سے پہلے، دوسروں کے لئے نہیں بلکہ صرف مزدلفہ والے حاجیوں کے لئے اور دوسری فجر کی نماز کہ اس نماز کے لئے حکم ہے کہ ذرا دن کی روشنی تھوڑا پھیل جائے پھر نماز شروع کرو، لیکن مزدلفہ کی رات گزرنے کے بعد صبح ہو تو فجر کی نماز میں حکم ہے کہ جونہی یہ سفیدہ صبح طلوع ہو فجر کی نماز پڑھو۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وقوف مزدلفہ کرو،

ذکر، دُعا میں مشغول رہو، یہاں تک کہ سورج نکلنے کے قریب ہوجائے نکلے نہیں، جب سورج نکلنے کے قریب ہوجائے تو مزدلفہ سے چل پڑو، سورج مزدلفہ میں نہیں نکلنا چاہئے۔

بہر کیف! اس حدیث میں فرمایا کہ یہ دو نمازیں ہیں کہ جن کا وقت مزدلفہ میں تبدیل کردیا گیا ہے، ایک وقت مغرب کی نماز اس کا وقت عشاء کے ساتھ ہوتا ہے، اور دوسری فجر کی نماز مزدلفہ میں کہ وہ سفیدۂ صبح کے طلوع ہونے کیساتھ ہی پڑھی جاتی ہے، اس میں تاخیر نہیں کی جاتی۔

عرفہ کے دن حجاج کے لئے روزے کا حکم

[حدیث:۷۸۶] "عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ صَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَيْسَ بِصَائِمٍ، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيرِهٖ فَشَرِبَهُ۔"

(صحیح بخاری ج:۷، ص:۱۱۰، حدیث نمبر:۱۸۵۲، بَاب صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ)

ترجمہ: "حضرت اُمّ الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے جھگڑا کیا ان کے پاس عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں، بعض نے کہا کہ آپ روزے دار ہیں اور بعض نے کہا کہ روزے دار نہیں ہیں، پس میں نے دودھ کا پیالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، آپ وقوف کیے ہوئے تھے اپنے اونٹ پر عرفہ میں، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ پی لیا۔"

تشریح: حضرت اُمِّ الفضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقوف عرفات فرما رہے تھے اپنی ناقہ پر اور لوگوں میں جھگڑا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ ہے یا نہیں؟ کسی نے کہا آپ روزے دار ہیں اور کسی نے کہا کہ روزے دار نہیں ہیں، اندازہ کرو، سورج ڈھلتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَذان کہلوا کر دونوں نمازوں کو جمع کیا مسجد نمرہ میں ظہر اور عصر اور اس کے بعد جبل رحمت پر تشریف لے گئے ناقہ پر، اس وقت سے لے کر غروب کے وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار تھے، ذرا اندازہ فرمایئے کہ کتنے گھنٹے ہوگئے نہ آپ لیٹے نہ آپ نے کروٹ بدلی نہ کچھ کھایا پیا، اس لئے حضرت اُمِّ فضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں کا جھگڑا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے دار ہیں یا نہیں؟ تو میں نے دودھ کا پیالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نوش فرمالیا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے دار نہیں ہیں۔

پیدل حج کی نذر

[حدیث:۷۸۷] ”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ۔“ (رواہ البخاری، ابواب العمرۃ، حدیث ۱۷۳۶)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے سے بے پرواہ ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے کہ ایک بڈھا اپنے دونوں بیٹوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا حج کرنے کے لئے جا رہا تھا، بے چارہ لڑکھڑا کر چل رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کیوں چل رہا ہے بے چارہ؟ سوار کیوں نہیں ہوتا؟ بتایا گیا کہ اس نے پیدل حج کی نیت مانی ہوئی ہے، نذر مانی ہے کہ پیدل حج کرے گا، اب تک نذر پوری نہیں کر سکا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب دینے سے غنی ہیں، اللہ کو کیا ضرورت ہے اس کو عذاب دینے کی؟ مطلب یہ ہے کہ اس کو عذر ہے تو سوار ہو جائے۔

باقی رہا یہ کہ وہ جو نذر مانی ہوئی ہے وہ پوری نہ ہوئی تو اس کا کیا فائدہ ہوگا؟ اس کا ذکر یہاں نہیں ہے، اس کا ذکر مؤطا امام محمد میں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جس شخص نے پیدل حج کی نذر مانی ہو اور وہ بڑھاپے، بیماری یا عذر کی وجہ سے نذر پوری نہ کر سکے تو اس کو چاہئے کہ سوار ہو جائے اور نذر ماننے کی وجہ سے ایک جانور ذبح کر دے، یعنی دَم دیدے۔

حرمین شریفین کی فضیلت

مساجدِ ثلاثہ کی فضیلت

[حدیث:۷۸۸] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى۔“

(رواہ البخاری: کتاب الجمعہ، بَاب فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ، حدیث:۱۱۱۵)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجدِ حرام، مسجدِ رسول، مسجدِ اقصیٰ۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ تین مسجدوں کے سوا کہیں شد رحال نہ کیا جائے، شد رحال کا مطلب ہے سفر کرنا، رحال جمع ہے رحل کی، رحل کہتے ہیں کجاوے کو جو اُونٹ پر رکھا جاتا ہے، جیسے گھوڑے کی زین ہوتی ہے جس پر بیٹھتے ہیں اس طرح اُونٹ کا کجاوہ ہوتا ہے، عربی میں اس کو رحل کہتے ہیں، اس کی جمع رحال آتی ہے، شد رحال یعنی کجاوے باندھنا اس سے مراد ہے سفر کرنا، جیسے بستر باندھنا، ہمارے یہاں کوچ کرنے کے معنی میں آتا ہے ''اب یہاں سے بستر گول کرو'' مراد ہے سفر کرو، تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ صرف تین مسجدوں کی طرف شد رحال جائز ہے، ''لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ''۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جو غیر مقلد حضرات کے امام ہیں، یہ غیر مقلد بھی غیر مقلد نہیں ہیں، یہ بھی مقلد ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور یہ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں، کبھی ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی، اور نہیں تو پھر ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی، اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ کے روضہ اطہر کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔ پھر وہاں کیوں جائیں؟ تو فرماتے ہیں کہ: وہاں مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے جاؤ۔ اور یہی مسلک غیر مقلدین کا ہے، یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے لئے جانا جائز ہی نہیں۔

اور ان میں ایک مماتی ٹولہ ہے جو کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور اکرم ﷺ قبر شریف میں زندہ نہیں ہیں، اہلِ حق کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قبر شریف میں حیاتِ برزخی حاصل ہے، جیسی کہ دُنیوی زندگی میں حاصل تھی، صرف اتنا ہے کہ دنیوی اعمال اب نہیں کرتے، چلنا پھرنا، یہاں کے لوگوں سے بات کرنا، اب نہیں کرتے، ورنہ برزخ کے مطابق عمل کرتے ہیں، زائرین کا سلام سنتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں، لیکن جو داڑھی منڈا کر جائے اس کے سلام کا جواب نہیں دیتے بلکہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، آنحضرت ﷺ کو اس سے ایذا پہنچتی ہے، مجھے بھی اسی لئے پہنچتی ہے۔

آخر کے دنوں میں ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ: جو داڑھی منڈے میرے ساتھ مصافحہ کریں وہ میری طرف دیکھیں نہیں، نیچی نظر کرکے مصافحہ کریں، حضرت سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اور ہمارے حضرت مدنی قدس سرہٗ مصافحہ کرتے ہی نہیں تھے، تو جب ان اکابر پر ایسی حالت گزرتی تھی تو رسول اللہ ﷺ کا کیا عالم ہوگا؟

بہرکیف! مسئلہ تو یہ بیان ہو رہا تھا کہ علّامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی تقلید میں غیر مقلدین اور مماتی یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی نیت سے جانا صحیح نہیں، بلکہ مسجد کی نیت کرکے جایا کرو، کیونکہ مسجدِ نبوی میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے، یا ایک روایت میں ایک ہزار ہے۔ لہٰذا اس نیت سے مسجد میں جایا کرو۔ ہم نے کہا: مکہ میں ایک لاکھ مل رہا تھا پھر وہاں سے کیوں جائیں؟ مکہ مکرمہ کی مسجد

میں ایک نماز پڑھو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب پاؤ گے، پھر مدینہ کیوں جائیں؟ وہاں تو پچاس ہزار ملتا ہے۔ غیر مقلدوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ حضرات جاتے بھی نہیں ہوں گے۔ بات معقول ہے، پھر راستے میں تقریباً سوا چار سو کلومیٹر کا فاصلہ ہے، راستے میں کئی نمازیں آتی ہیں، ادھر کی بھی نماز گئی اُدھر کی نماز بھی گئی، کیوں نہ آدمی وہیں مکہ مکرمہ میں ہی زور لگا لے؟

اور وہ کہتے ہیں کہ تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد کی طرف شدِ رحال نہ کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہم نے کہا کہ: مسجدوں کا مطلب ہمیں سمجھاؤ! رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ صرف تین مسجدوں کی طرف شدّ رحال کیا جائے یعنی سفر کیا جائے، ٹھیک ہے مکہ مکرّمہ کی مسجد کا ایک لاکھ ثواب، مسجدِ نبوی کا پچاس ہزار کا ثواب، مسجدِ اقصیٰ کا ایک ہزار کا ثواب، اور دِلّی کی جامع مسجد میں کچھ نہیں، جتنا ہماری جامع مسجد کا ہے اتنا ہی دِلّی کی جامع مسجد کا ہے، یا اور کوئی بڑی سے بڑی مسجد ہو، قرطبہ کی مسجد، یا فلاں مسجد جتنا ہماری مسجد کا ثواب اتنا ہی اس کا ثواب، تو یہ بات تو معقول ہوگئی کہ تین مسجدیں چونکہ افضل تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان تین مسجدوں کی طرف اجازت دے دی شدّ رحال کی اور باقی مسجدیں سب برابر ہیں۔

لیکن اگر وہاں عالم ہے تو اس کی زیارت کے لئے جاؤ، کون روکتا ہے؟ وہاں جانا ثواب ہوگا، تو دوسری کسی صورت سے آدمی کو سفر کرنے کی ضرورت پیش آئے اس کی ممانعت اس حدیث میں نہیں ہے، اور ہم تو حضور ﷺ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ ہم روضۂ رسول کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، روضہ رسول کی زیارت کے لئے نہیں جاتے' رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، فقہ کی کتابیں اُٹھا کر دیکھو جتنی کتابیں دیکھو گے اس میں ''باب زیارۃ النبی ﷺ'' لکھا ہے، نبی کریم ﷺ کی زیارت کا بیان، ''باب زیارۃ روضۃ النبی'' نہیں لکھا یا ''باب زیارۃ قبر النبی ﷺ'' نہیں لکھا ہوا، لکھا ہوا ہے ''باب زیارۃ النبی ﷺ'' اور بات یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں، ہم ان کو نہیں دیکھتے وہ تو ہمیں دیکھ لیتے ہیں، اور دنیا کی اس زندگی میں اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو ایمان کی حالت میں دیکھ لے تو وہ صحابی بن جاتا ہے۔ ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لے تو صحابی اور اگر کسی کو نظر نہ آتا ہو، لیکن حضور ﷺ کی نظر مبارک اس پر پڑ جائے تو وہ بھی صحابی' لیکن یہ صحابی بننے کا مرتبہ صرف اس زندگی کے ساتھ خاص ہے اس زندگی سے متعلق نہیں۔ لیکن جس پر حضور ﷺ کی نظر پڑی ہو اور جس پر حضور ﷺ کی نظر نہ پڑی ہو ان دونوں کے درمیان کچھ تو فرق ہونا چاہئے، روضۂ اطہر پر حاضری دی اور وہاں جا کر سلام کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ'' اور ہمارے یاروں نے یہاں ہی حاضر و ناظر کر لیا، ہمارے یاروں نے کہا کہ: روضۂ رسول پر جانے کی ضرورت نہیں، یہیں حاضر و ناظر، یہاں پر ہی ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ'' کہو۔ ہم کہتے ہیں کہ گستاخی ہے، بے ادبی ہے، تم وہاں جاؤ اور وہاں جا کر حضور کی

خدمت اقدس میں سلام عرض کرو، یہ کمالِ ادب ہے۔

مکہ مکرّمہ کی فضیلت

[حدیث: ۷۸۹] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّ اللهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ وَإِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ كَانَ قَبْلِي وَإِنَّهَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ وَإِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا وَلَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا أَنْ يُفْدَى وَإِمَّا أَنْ يُقْتَلَ فَقَالَ الْعَبَّاسُ إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي قُبُورِنَا وَبُيُوتِنَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْإِذْخِرَ فَقَامَ أَبُو شَاهٍ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اكْتُبُوا لِي يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ۔“ (مسلم: کتاب الحج، حدیث: ۱۰۴۰)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک دیا تھا اور اپنے رسول اور اہل ایمان کو اس پر مسلط کر دیا، اور بے شک یہ حلال نہیں ہوا کسی کے لئے جو مجھ سے پہلے ہوا، اور بے شک یہ حلال کیا گیا میرے لئے ایک گھڑی دن کی، اور بے شک یہ حلال نہیں ہوگا کسی کے لئے میرے بعد، بے شک اس کے شکار کو نہ چھیڑا جائے، اس کے کانٹوں کو نہ جھاڑا جائے، اور اس کے لقطے کو نہ اُٹھایا جائے، مگر تلاش کرنے والے کے لئے اور اس کا لقطہ حلال نہیں مگر تلاش کرنے والے کے لئے، اور جس شخص کا کوئی آدمی قتل ہوگیا ہوتو اس کو دو بہتر چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا اختیار ہے، یا تو یہ کہ اس کو فدیہ دیا جائے اور یا یہ کہ وہ قصاص لے لے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یارسول اللہ! اذخر کو مستثنیٰ کر دیجئے (ایک خاص قسم کی گھاس) اس لئے کہ یہ ہم اپنی قبروں میں اور گھروں میں ڈالا کرتے ہیں، فرمایا کہ: اذخر مستثنیٰ ہے، پس ابو شاہ کھڑے ہوئے یہ ایک صاحب تھے اہل یمن میں سے، کہنے لگے: یارسول اللہ میرے لئے یہ لکھ دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ابو شاہ کے لئے لکھ دو۔“

مکہ کی حدود میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں

[حدیث: ۷۹۰] ”عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَحْمِلَ

السَّلَاحَ بِمَكَّةَ۔" (مسلم کتاب الحج حدیث ۱۰۴۱)

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں حلال ہے تم میں سے کسی کو کہ ہتھیار اُٹھائے مکہ مکرّمہ میں۔"

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے کسی آدمی کے لئے حلال نہیں کہ مکہ مکرّمہ میں کسی کو قتل کرنے کے لئے ہتھیار اُٹھائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی رحیم وکریم تھے، کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیس سال تک ایذائیں دیں، تیرہ سال ہجرت سے پہلے اور تقریباً آٹھ سال ہجرت کے بعد، نبوت کے اکیس سال بعد مکہ مکرّمہ فتح ہوا، یعنی سن ۸ ہجری میں، اور یہ نبوت کا اکیسواں سال تھا، مکہ مکرّمہ فتح ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں تشریف لے گئے، بیت اللہ شریف کے دروازے پر کھڑے تھے، ہاتھ میں تلوار تھی اور اہلِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دست بستہ حاضر تھے، ان سے ارشاد فرمایا: تمہارا کیا گمان ہے، آج میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ وہ کہنے لگے: "كُنْ خَيْرَ أَبٍ وَخَيْرَ أَخٍ" آپ بہترین باپ اور بہترین بھائی ہونے کا مظاہرہ فرمایئے، اس موقع پر ارشاد فرمایا: "أَقُوْلُ كَمَا قَالَ أَخِيْ يُوْسُفُ: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہی تھی: تم پر کوئی الزام نہیں، آج کے بعد تم پر کوئی الزام نہیں، کبھی ذکر بھی نہیں ہوگا، اس کا کبھی تذکرہ بھی نہیں آئے گا، "اِذْهَبُوْا أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو (درمنثور، کنز العمال)۔

اسی موقع پر مسلمانوں کو مخاطب کرکے یہ حدیث ارشاد فرمائی کہ: تم میں سے کسی کے لئے حلال نہیں کہ مکہ مکرمہ میں ہتھیار اُٹھائے، ویسے بھی مکہ مکرمہ حرم ہے اور وہاں ہتھیار اُٹھانا لڑائی کے لئے جائز نہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ: کوئی شخص ہماری مسجدوں میں ہتھیار اُٹھا کر نہ آئے، تلوار کھلی لے کر مسجد میں نہ آئے، اس لئے کہ مسلمانوں کو تشویش ہوگی، بند ہتھیار رہوں اس میں مضائقہ نہیں، لیکن کھلا ہتھیار لے کر مسجد میں آنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس سے مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلے گا۔

اور ایک حدیث شریف میں یوں فرمایا:

"لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَرُوْعَ مُسْلِمًا" (سنن ابی داؤد، کنز العمال، مشکوٰۃ)

ترجمہ: "کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ کسی مسلمان کو ڈرائے، کسی کو ویسے ہی مذاق میں ڈرانا یہ بھی حلال نہیں۔"

کسی مشرک کے لئے مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں

[حدیث: ۷۹۱] ”عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔“ (مسلم کتاب الحج حدیث ۱۰۲۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: حج نہ کرے اس سال کے بعد کوئی مشرک اور طواف نہ کرے بیت اللہ شریف کا کوئی ننگا۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ جائے اور کوئی شخص اپنے کپڑے اُتار کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا، اور ان کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو سورۃ براءۃ کے ابتدائی حصے کے اعلان کے لئے بھیجا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، مجمعوں میں جا کر اعلان کرتے تھے: ”أَلَّا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ“ سن رکھو! کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہیں آئے گا، ”وَلَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ“ اور کوئی شخص کپڑے اُتار کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔

شیطان نے جاہلیت کے لوگوں کو یہ پٹی پڑھائی تھی کہ تمہارے یہ کپڑے نجس ہیں، تمہاری کمائیاں حرام ہیں، تم ان حرام کمائیوں کو استعمال کرتے ہو اور پھر حرام کمائی کے کپڑے پہن کر اللہ کے گھر جاتے ہو؟ اس لئے بیت اللہ کا طواف کرتے وقت یہ کپڑے اُتار دیا کرو۔ کتنی بدبختی اور بے حیائی کا کام سجھایا اور عنوان کتنا خوبصورت لگایا۔ لیبل کیسا خوبصورت لگایا کہ شرم کرو خدا کے گھر کو گندے مال سے ناپاک کرتے ہو، گندے کپڑوں سے ناپاک کرتے ہو، کپڑے اُتار دو۔

قریش کے لوگ کچھ کپڑے بنا رکھتے تھے جن کے ساتھ دوستی ہوتی تھی ان کو وہ دے دیتے تھے، گویا یہ بھی ایک کرایہ چلتا تھا اور ان کی یہ دکان داری چلتی تھی، باہر کے لوگ آکر یہ سمجھتے تھے کہ یہ بیت اللہ شریف کے مجاور ہیں، ان کی چیزیں متبرک ہیں، ان کے کپڑے پہن لیتے تھے، اور کچھ نذرانہ وغیرہ پیش کر دیتے تھے۔ اور جن کا تعلق اہل مکہ سے نہیں ہوتا تھا یا غریبوں کے پاس فیس نہیں ہوتی تھی تو کپڑے اُتار کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، مرد عورت، کپڑے اُتار کر بیت اللہ کا طواف کرتے اور وہاں جمع رہتے، توبہ! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ گندگی پھیلائی تھی شیطان نے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا، سن ۸ ہجری رمضان میں مکہ فتح ہوا، اس وقت فوری طور پر حج کے لئے جانے کے انتظامات نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو سن ۹ ہجری میں امیر الحج بنا کر بھیجا، اور اگلے سال سن ۱۰ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لے گئے، اور اس اعلان کا مدعا یہ تھا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے، اسی طرح کوئی شخص بیت اللہ کو برہنگی کے ساتھ آلودہ نہ کرے تاکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو خالص ماحول ہو اور خالص مسلمانوں کا مجمع ہو، ایک لاکھ تیس ہزار کے قریب صحابہ اس وقت جمع تھے آخری حج یعنی حجۃ الوداع میں' اور کوئی مشرک اس حج میں نہیں تھا، اس وقت سے لے کر الحمد للہ آج تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تعمیل چلی آ رہی ہے، کوئی بے ایمان مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر چلا گیا ہو تو دوسری بات ہے۔

مجھ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ سرکاری حج پر جانے سے حج ہو جاتا ہے؟ یہ ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے بھائی! حضرات علمائے کرام غور فرما سکتے ہیں اس مسئلے پر۔ میری عقل میں تو یہ بات نہیں آتی، ہاں! کوئی خاص مستحق ہو اور اس کی کوئی خاص خصوصیت ہو تو دوسری بات ہے، مثلاً کوئی بے چارہ بہت نادار ہے، حج کا شوق ہے، کسی سربراہ مملکت کو خیال آ گیا کہ اس کو حج پر بھیج دو تو ٹھیک ہے، یا کوئی درویش ہے، بزرگ ہے، عالم ہے، برکت کے لئے اس کو بھی بھیجو ساتھ۔ اس قسم کی استثنائی صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن یہ قوم کا چندہ ہے اور حکمران اس کے امین ہیں، آپ کے پاس کسی کا پیسہ امانت رکھا ہوا ہے تو آپ اس کو لوگوں پر بانٹتے پھریں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے؟ مگر مشکل یہ ہے کہ سرکاری خزانے کو امانت سمجھا ہی نہیں جاتا، بلکہ باپ دادا کا پرانا خزانہ سمجھ لیا جاتا ہے، باپ دادے کی جائیداد سمجھی جاتی ہے اور ہر اللّے تللّے کو گویا اس کی اجازت مل جاتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ حفاظت فرمائے، ہمارے گناہوں کی نحوست ہے حاکم کو راعی کہا گیا ہے، راعی کا معنی نگہبانی کرنے والا۔ اللہ کی شان ہے کہ بھیڑوں کو بھیڑیوں اور بکریوں کی نگہبانی اور چرانے کے لئے مقرر کر دیا ہے۔

آبِ زمزم کی فضیلت

[حدیث: ۲۹۷] ''عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ إِنَّهَا طَعَامُ طُعْمٍ (يَعْنِيْ زَمْزَمَ)۔''

(رواہ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، فی فضائل ابی ذر، حدیث: ۴۵۲۰)

ترجمہ: ''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک زمزم کا پانی بڑا بابرکت والا ہے اور کھانے کا کھانا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آبِ زمزم کے بارے میں فرمایا کہ: یہ بہت بابرکت ہے، کھانے کا کھانا ہے، پینے کا پینا ہے، مطلب یہ ہے کہ کھانے کی جگہ بھی کام دیتا ہے۔

ایک حدیث میں جس پر بعض محدثین نے کلام بھی کیا ہے، یہ آتا ہے کہ: ''مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ''

(سنن الدارقطنی) آبِ زمزم ہر اس مقصد کے لئے مفید ہے جس کے لئے اس کو پیا جائے۔ اور علماء قریباً بالا جماع اور بالا تفاق اس کے قائل ہیں کہ زمزم شریف کو جس عقیدے اور جس نیت سے پیا جائے اللہ تعالیٰ وہ مقصد پورا فرما دیتے ہیں۔

حضور ﷺ کا بنو عبد المطّلب کو دادِ تحسین دینا

[حدیث:۷۹۳] ”...فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ...، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَحْسَنْتُمْ وَأَجْمَلْتُمْ كَذٰلِكَ فَافْعَلُوا (قَالَهُ لِبَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ حِيْنَ سَقَوْا نَبِيْذاً عَلٰى زَمْزَمَ)......“

(سنن ابو داود ج:۵، ص:۳۹۲، حدیث نمبر:۱۷۲۸، بَاب فِي نَبِيذِ السِّقَايَةِ)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا: تم نے بہت اچھا کیا اور نہایت خوب کیا، پس ایسے ہی کیا کرو، یہ بات آپ ﷺ نے عبد المطلب کی اولاد کو فرمائی تھی جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو زمزم پر کھجور کا جوس پیش کیا یعنی زمزم میں کھجور گھول کر پلایا۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ زمزم پر تشریف لے گئے، پینے کے لئے اور آنحضرت ﷺ ناقہ پر سوار تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں نبیذ پیش کی گئی یعنی زمزم میں کھجوریں گھول کر پلائی گئیں تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا **أَحْسَنْتُمْ وَأَجْمَلْتُمْ** تم نے بہت اچھا کام کیا بہت ہی خوب کام کیا **كَذٰلِكَ فَافْعَلُوا** ایسے ہی کیا کرو، یہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد المطلب کی اولاد کو فرمائی اور حضرت عبد المطلب کی اولاد میں سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا یہ منصب گھوم پھر کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا، گویا انہی کو یہ بات فرمائی، ایک واقعہ یہ ہے۔

اور ایک واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ زمزم پر تشریف لے گئے، اب تو زمزم ہٹا کر پیچھے لے گئے ہیں اور کنواں وہاں بند کر دیا ہے، وہاں سے پائپ کے ذریعے سے آگے جاتا ہے پانی لیکن آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مجمع بھی اتنا زیادہ نہیں ہوتا تھا اس لئے زمزم شریف کے کنوئیں سے پانی کھینچ کر پلایا جاتا تھا، اب تو مشینیں لگی ہوئی ہیں، آنحضرت ﷺ کنوئیں پر تشریف لائے اور ڈول آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آنحضرت ﷺ نے تازہ پانی ڈول سے پی کر باقی ماندہ کنوئیں میں گرا دیا، اس لئے آبِ زمزم آنحضرت ﷺ کے جھوٹے کی بھی آمیزش ہے اس میں اور یہ بہت بڑی سعادت ہے، نہ وہ زمزم ختم ہوا اور نہ وہ

آنحضرت ﷺ کا تبرک ختم ہو، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ایک حبشی کنوئیں میں گر کر مر گیا تھا آپ نے حکم فرمایا کہ کنوئیں کو صاف کر دو لیکن صاف نہیں ہونے میں آتا تھا، تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حجرِ اسود کی جانب سے دو پائپ گر رہے ہیں کنوئیں میں اور یہ اللہ جانے کہاں سے آتے ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے بس کرو ہو گیا اس کو صاف نہیں کیا جا سکتا۔

مدینہ کی حدود میں شکار کرنا جائز نہیں

[حدیث:۴۹۴] "عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِنِّيْ أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ أَنْ يُقْطَعَ عِضَاهُهَا أَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا۔"

(مسلم کتاب الحج حدیث ۱۰۵۱)

ترجمہ: "حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں مدینہ کے دونوں جانب کی پتھریلی زمین کے اندر کانٹے والے درخت کا کاٹنا اور اس میں شکار کا کرنا حرام قرار دیتا ہوں"۔

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ مدینہ کے دونوں طرف جو پہاڑ ہیں ان کے درمیانی حصے کو میں حرام قرار دیتا ہوں کہ یہاں کی جھاڑیوں کو نہ کاٹا جائے اور یہاں کا شکار نہ پکڑا جائے۔ یہ مسئلہ میں اس سے پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ حرم مکہ کے احکام یہ ہیں کہ وہاں شکار کا قتل کرنا جائز نہیں، کسی شکار کو ذبح کرنا جائز نہیں اور حرم شریف میں جو کسی قسم کے خودرو درخت ہیں ان میں سے کسی کا کاٹنا جائز نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو حکم حرمِ مکہ کا ہے وہی حکم حرمِ مدینہ کا بھی ہے۔

علماءِ احناف فرماتے ہیں کہ یہ حکم بطورِ استحباب کے ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ مدینہ پاک کو بارونق دیکھنا چاہتے تھے کہ یہاں درخت وغیرہ ہوں، شکار بھی پھریں اور یہاں کی گھاس وغیرہ بھی نہ کاٹی جائے، تاکہ مدینہ کا ماحول پر رونق رہے۔

اِیمان سمٹ کر مدینہ کی طرف آجائے گا

[حدیث:۴۹۵] "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّ الْإِيْمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا۔" (بخاری ابواب العمرۃ حدیث ۱۷۴۸)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک ایمان سمٹے گا مدینہ کی طرف جیسا کہ سانپ سمٹتا ہے اپنے بل کی طرف۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ ایمان سمٹ کر مدینہ میں رہ جائے گا، جیسے سانپ سمٹ کر اپنے بل

میں داخل ہوجاتا ہے۔ مدینہ ایمان کا مرکز ہے، آنحضرت ﷺ کی برکات شریف کا، آپ کے مزار شریف کا، آپ کے دربار شریف کا اثر اب بھی وہاں نمایاں ہے فتنوں کے زمانے میں بھی، یہی وجہ ہے کہ مسجدِ نبوی میں بیک وقت اتنے صالحین کا اجتماع ہوتا ہے کہ میں نے کسی دوسری جگہ ایسا نہیں دیکھا۔ بہت سے اولیاء اللہ چھپے ہوئے ہیں، دیکھنے میں ایسے ہی ہیں بے چارے، اچھا کپڑا نہیں ہے بدن پر، لیکن چھپے ہوئے ہیں، تو مدینہ چونکہ مرکزِ ایمان ہے آنحضرت ﷺ کے وجود شریف کی برکت سے، اس لئے جہاں جہاں ایمان کے اثرات مٹتے رہتے ہیں مدینہ کی طرف ایمان پناہ لیتا رہتا ہے، اور آخری زمانے میں تو سارا ایمان مدینہ میں جا کر ہی سمٹ جائے گا۔

مدینہ بُری چیزوں کو خود اپنے سے دُور کردے گا

[حدیث:۷۹۶] ”عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، إِنَّمَا الْمَدِیْنَةُ کَالْکِیْرِ، تَنْفِیْ خُبْثَھَا وَیَنْصَعُ طَیِّبُھَا۔“ (مسلم، کتاب الحج، حدیث ۱۰۸۸)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مدینہ تو ایسا ہے جیسے لوہار کی بھٹی کہ وہ دُور کردیتا ہے میل کچیل کو اور نکھار دیتا ہے ستھرے کو۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک اَعرابی دیہاتی آیا اور آکر بیعت ہوگیا، وہاں اس کو بخار ہونے لگا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر کہنے لگا: ”یَا مُحَمَّدُ! أَقِلْنِیْ بَیْعَتِیْ“ میری بیعت مجھے واپس کردیجئے! دیہاتی تو دیہاتی ہوتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: بیعت واپس نہیں ہوا کرتی، مسلمان ہوگئے تو ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ بعد میں وہ چپکے سے مدینہ چھوڑ کر چلا گیا (صحیح مسلم)۔

اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”إِنَّمَا الْمَدِیْنَةُ کَالْکِیْرِ“ مدینہ تو ایسا ہے جیسے لوہار کی بھٹی، لوہار اپنی بھٹی میں لوہے کو ڈالتا ہے، تو جو زنگ اور میل کچیل ہوتا ہے وہ سب صاف ہوجاتا ہے، اور صاف اور کھرا لوہا اندر سے نکل آتا ہے، یا سنار کی کٹھالی، سنار سونے کو اس میں ڈال کر پگھلاتا ہے، میل اُوپر آجاتا ہے اور صحیح اور خالص سونا نیچے رہ جاتا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مدینہ ایسا ہے جیسے کہ بھٹی، میل کچیل کو صاف کردیتی ہے اور جو صاف ستھری چیز ہوتی ہے خواہ لوہا ہو یا سونا چاندی ہو، اسے نکھار دیتی ہے، بالکل تازہ لوہا یا سونا چاندی وہ صاف ستھری سامنے آجاتی ہے (صحیح مسلم)۔

مطلب یہ ہے کہ منافق مدینہ میں نہیں ٹھہر سکتا اِلَّا ماشاء اللہ! منافقین بھی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے

لیکن پھر اللہ نے بھی ان کو باہر پھینک دیا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ دجال ساری دنیا میں اُدھم مچائے گا لیکن مکہ اور مدینہ نہیں جاسکے گا، مکہ مکرّمہ اور مدینہ طیبہ کے ہر راستے پر فرشتے پہرہ دے رہے ہوں گے، وہاں سے مار مار کر اس کو بھگا دیں گے، مدینہ میں داخل ہونا چاہے گا لیکن فرشتے اس کو مار کر بھگا دینگے، اُحد کے پیچھے جاکر اپنا پڑاؤ لگائے گا، مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے اور جتنے کچے ایمان وعقائد کے لوگ ہوں گے وہ سارے نکل کر دجال کے پاس چلے جائیں گے، نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ!

اس لئے ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی کے چھوٹا دجال ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس کو حج اور مکہ و مدینہ جانا بھی نصیب نہیں ہوا، حالانکہ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام روحاء نامی مقام سے حج وعمرے کا اِحرام باندھیں گے، میری قبر پر آئیں گے، مجھے سلام کہیں گے، میں ان کو جواب دونگا، جواب تو ہر سلام کا دیتے ہیں۔

ہمارے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب مدرسہ بنایا تھا تو اپنے وقت کے تمام اکابر سے مشورہ کرتے پھرتے تھے، ٹنڈو لہ یار میں مولانا احتشام الحق صاحب کے مدرسے میں پڑھاتے تھے، وہاں کچھ اختلافات کی وجہ سے چھوڑ کر آئے اور تقریباً ایک سال تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ بالکل بے کار بیٹھے رہے، کوئی ذریعہ معاش بھی نہیں تھا، اور اس وقت کراچی میں کوئی زیادہ جان پہچان بھی نہیں تھی، ان دنوں میں تمام اہل اللہ سے مشورہ بھی کرتے رہے، پھر بطور خاص حرمین شریفین میں جاکر دُعائیں کیں اور خصوصیت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس پر گزارشات پیش کیں کہ کسی مدرسہ میں پڑھاؤں یا اپنا مدرسہ بناؤں؟ کشف سے اشارہ ہوا کہ اپنا مدرسہ بنانا، اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مدرسہ بنایا۔

بہر حال آنحضرت ﷺ روضۂ اقدس پر سلام کرنے والے کا جواب دیتے ہیں، سنتوں کے جو مستقل تارک ہیں جیسے داڑھی منڈانا، اور اسی طرح حرمین واہل حرمین کے لئے دل میں احترام نہ رکھنے والے ذرہ سوچ لیں کہ سلام پیش کرنے جارہے ہیں، کہیں ہماری پیشی سے آنحضرت ﷺ کو کوفت تو نہ ہوگی؟ کیونکہ زندگی میں یہ معمول تھا کہ جب کوئی نافرمانی کرکے آتا تھا تو جواب نہیں دیتے تھے، منہ ادھر اُدھر پھیر لیتے تھے، سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔ ایک آدمی سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے حاضر خدمت ہوا، سلام کیا، آپ ﷺ نے منہ پھیرلیا، سلام کا جواب نہیں دیا، کہنے لگے: یارسول اللہ! مجھ سے کیا خطا ہوئی؟ فرمایا کہ: تم میں سے ایک آدمی آتا ہے جہنّم کا زیور پہنا ہوا ہوتا ہے ہماری مجلس میں آجاتا ہے، وہ جہنّم کا زیور یہ سونے کی انگوٹھی تھی، یہ مرد کے لئے جہنّم کا زیور ہے، اس نے اُٹھائی اور وہیں سے دور پھینک دی، آنحضرت ﷺ وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے تو صحابہ نے کہا: بندہ خدا! پہننے کو منع کیا ہے، مال ہے اُٹھالو گھر میں دے دو، بیچ کر کھالو۔ فرمایا کہ: جو چیز رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا موجب بنی ہے اس کو نہیں اُٹھاؤں گا (مسند احمد بن حنبل، مشکوٰۃ،

طبرانی، کنز العمال)۔

غلام احمد کو مدینہ، مکہ تو دُور کی بات ہے جدہ کی بھی ہوا نصیب نہیں ہوئی۔ یہاں عیسائی بھی جا سکتے ہیں، غیر مسلم بھی جا سکتے ہیں، اس کے باوجود بھی لوگ اس کو نبی یا مسیح مانتے ہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ دجال ایک آنکھ سے کانا ہوگا، خدائی کا دعویٰ کرے گا، لوگ کہیں گے کہ خدا ہے، لوگ اس کو نعوذ باللہ! خدا مانیں گے کیونکہ روٹی اس کے پاس ہوگی، یہ قادیانی دھوکے سے ملازمتیں دلاتے ہیں، کوئی نوجوان بے کار چلتا پھرتا نظر آتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ ملازمت کی ضرورت ہے؟ وہ کہتا ہے: ہاں! کہتے ہیں: غیر ملکی ملازمت دلوادیں پھر کیسا رہے گا؟ تو پھر بھر دو فارم کہ میں احمدی ہوں، آگے ہمارا کام ہے، تم صرف اتنا کردو۔ ایک مرزا طاہر کی بیعت کا فارم بھر دو، اور ایک اپنے احمدی ہونے کا فارم بھر دو اور درخواست دے دو جرمنی، کینیڈا، امریکا والوں کو، انگلینڈ والوں کو، فوراً ملازمت ملے گی، ملازمت نہ ملی تو وہاں کی رہائش ملے گی، کتنا سستا سودا ہے؟ لیکن نہیں! بہت مہنگا ہے اس لئے کہ ایمان دے کر خریدا، ایمان دے کر وہاں کا ویزا یا ملازمت خریدی، اور ایمان دے کر اگر دنیا ساری کی ساری تمہاری ملکیت کر دی جائے پھر بھی لغو ہے: ﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (التوبۃ:۹) بہت معمولی قیمت لے لی ساری دنیا بھی قلیل ہے، ہفت اقلیم کی سلطنت ایمان کے مقابلے میں قلیل ہے۔ سیدھی سی بات ہے، لیکن جب دلوں پر مہر لگ جاتی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا، اللہ کسی کے دل پر مہر نہ لگائے، آمین، ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ (البقرۃ:۷) اللہ ہدایت دے، وہ غلام احمد کو نبی مانتے ہیں، ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ نبی ہوتا کون ہے؟

مدینہ ”طیبہ“ (پاک جگہ) ہے

[حدیث:۷۹۷] ”عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، إِنَّهَا طَيْبَةٌ يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ وَإِنَّهَا تَنْفِي الْخَبَثَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْفِضَّةِ۔“

(رواه البخاری: کتاب التفسیر، باب {فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ} حدیث: ۴۲۲۳)

ترجمہ: ”حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مدینہ طیبہ یعنی پاک جگہ ہے اور بات یہ ہے کہ یہ میل کچیل کو اس طرح نکال دیتا ہے جس طرح کہ آگ چاندی کے میل کو نکال دیتی ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے، قصہ یہ ہے کہ ایک آدمی آکر مسلمان ہوا، لیکن مدینہ کی آب و ہوا اس کو موافق نہ آئی یا خدا جانے اس کو کیا آفت پڑی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آکر کہنے لگا: ”أَقِلْنِي بَيْعَتِي“ میری بیعت واپس لے لو، میں یہاں نہیں رہ سکتا، بھئی! اگر نہیں رہ سکتا تو

دوسری جگہ جانے کی اجازت مانگ لیتا، کہنے لگا میری بیعت واپس لے لو، مطلب یہ کہ میں بیعت توڑتا ہوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ہم تو واپس نہیں لیں گے، مطلب یہ تھا کہ شاید بعد میں بات سمجھ آجائے، لیکن وہ چپکے سے چلا گیا، آنحضرت ﷺ کو یہ بتایا گیا تو اس موقع پر ارشاد فرمایا: ''انها طيبة'' یہ مدینہ طیبہ ہے، مدینہ طیبہ بھی کہتے ہیں، ''طَيِّبَة'' بھی ہے، اس کا نام ''طابة'' بھی ہے، اس کے بہت سے نام ہیں ایک ہے ''المدينة''، اس کا معنی ہے نبی کا شہر، اصل میں یہ تھا ''مدينة النبى'' نبی کریم ﷺ کا شہر، تو اتنا لمبا نام لینے کے بجائے ''المدينة'' ہی رہ گیا، اور اس سے مراد ہے نبی ﷺ کا شہر۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ مدینہ ''طیب'' ہے یعنی پاک ہے، خود پاک ہے اور گندے کو یہاں رہنے ہی نہیں دیتا، یہ پاک ہے یہاں پاک ہی ٹک سکتے ہیں ناپاک یہاں ٹک بھی نہیں سکتے، اور یہ میل کچیل کو اس طرح دور کر دیتا ہے، باہر پھینک دیتا ہے جس طرح کہ سنار کی بھٹی چاندی کے میل کو الگ کر دیتی ہے، وہ جب سونے چاندی کو پگھلاتا ہے تو پانی بن جاتا ہے اور جتنا کھوٹ ہے سب جھاگ بن کر اُوپر آجاتا ہے، اس کو اُتار کر پھینک دیا جاتا ہے۔ تو جس طرح کہ آگ کی بھٹی چاندی کے میل کو الگ پھینک دیتی ہے، الگ کر دیتی ہے، اسی طرح مدینہ شریف کی بھٹی ایمان کی بھٹی ہے، یہ میل کچیل کو دفع کر دیتی ہے، یہاں گندا آدمی نہیں رہ سکتا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے، ہر مسلمان کی تمنا ہوتی ہے کہ مدینہ میں دفن ہو، لیکن یہ بھی تو دیکھ لو کہ تمہیں مدینہ میں رہنے بھی دیں گے؟ بہت سے لوگ ہیں کہ جو یہاں دفن ہوتے ہیں اور وہاں منتقل کر دیئے جاتے ہیں، اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو وہاں دفن ہوتے ہیں ان کو دوسری جگہ دفع کر دیا جاتا ہے، مدینہ میں دفن ہونے کی تمنا برحق ہے، لیکن یہ حدیث یاد رکھو، یہ پاک ہے اور یہ خبیث کو اس طرح دور کر دیتا ہے جیسے آگ چاندی کے میل کو دور کر دیتی ہے، نعوذ باللہ، استغفر اللہ۔

مجھے بڑی غیرت آتی ہے ان لوگوں پر جو مدینہ میں رہ کر اپنی تبدیلی نہیں کرتے، وہ خوش قسمت ہیں اس اعتبار سے کہ ان کو مدینۃ النبی ﷺ میں جانے کا موقع ملا، لیکن بڑے ہی بدقسمت ہیں اس اعتبار سے کہ وہاں رہ کر بھی ویسے کے ویسے ہی واپس آجائیں گے اور اگر مر کر دفن ہو گئے تب بھی پھینک دیئے جائیں گے وہاں سے، گندوں کو وہاں نہیں رہنے دیتے۔

تو غرضیکہ اللہ تعالیٰ مدینہ والوں کے بارے میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ: ''مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ'' مدینہ والے یا مدینہ میں رہنے کی کیا خوشی ہے، جب کہ اندر ایمان نہیں اُوپر اعمال نہیں، ظاہر میں اعمال نہیں باطن میں ایمان نہیں، تو مدینہ میں رہنے کی کیا خوشی؟ اور اگر ہم مدینہ میں نہیں رہیں دُور افتادہ پاکستان میں رہیں لیکن دل میں مدینہ اور مدینہ والا رہے، ایمان رہے، اعمالِ صالحہ رہیں تو کیا بگڑتا ہے؟ تمنا تو ہر مومن کی ہے کہ مدینہ کی خاک کا پیوند ہو، لیکن اس سے زیادہ اہم دُعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان کی سلامتی نصیب فرمائے، اعمال

صالحہ کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ایسا بنا دے جو اس کو اور اس کے رسول ﷺ کو پسندیدہ ہو، پھر ان شاء اللہ یہاں مرو گے تب بھی وہاں پہنچا دیئے جاؤ گے حضور ﷺ کے قدموں میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔

کھجوروں والی زمین

[حدیث:۷۹۸] ”عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّهُ قَدْ وُجِّهَتْ لِي أَرْضٌ ذَاتُ نَخْلٍ لَا أُرَاهَا إِلَّا يَثْرِب فَهَلْ أَنْتَ مُبَلِّغٌ عَنِّي قَوْمَكَ عَسَى اللهُ أَنْ يَنْفَعَهُمْ بِكَ وَيَأْجُرَكَ فِيهِمْ؟ قَالَ لَهُ عِنْدَ انْصِرَافِهِ إِلَى أَهْلِهِ۔“

(رواہ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، فی فضائل ابی ذر، حدیث: ۴۵۲۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: البتہ میرے خواب میں ایک کھجوروں والی زمین ظاہر ہوئی، میرا خیال ہے کہ وہ یثرب ہے، تو کیا تم میری جانب سے اپنی قوم کو پیغام پہنچا دو گے؟ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تمہاری وجہ سے نفع دیں اور ان کی وجہ سے تم کو اجر عطا فرمائیں۔ یہ بات آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس وقت فرمائی تھی جب وہ اپنے گھر کو واپس لوٹ رہے تھے۔“

تشریح: یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ہے، ان کا قبیلہ بنوغفار مکہ مکرّمہ سے کافی فاصلے پر تھا، اور ان کا بڑا طویل واقعہ صحیح مسلم میں ذکر کیا گیا ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: جب رسول اللہ ﷺ کی خبریں اردگرد پھیلنا شروع ہوئیں تو میں نے اپنے بھائی انیس کو بھیجا کہ جاؤ تحقیق کر کے آؤ مکہ مکرمہ میں یہ کون بزرگ ہیں جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں؟ ان کے اخلاق و اعمال کیا ہیں؟ ان کی دعوت کیا ہے؟ وہ مکہ مکرّمہ آئے، واپس گئے تو کہا کہ اس کی قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ جادوگر ہے، کوئی کہتا ہے کہ جھوٹا ہے، میں نے تو اس کو اچھی باتیں کرتے سنا ہے، میں نے کہا: ”مَا جِئْتُ بِشَيْءٍ“ تو کچھ نہیں لے کر آیا۔ تم یہ بھیڑ بکریاں سنبھالو! میں خود سفر کرتا ہوں۔ بھائی نے مجھے بتا دیا تھا کہ مکہ میں کوئی آدمی ان کا نام نہیں لے سکتا، اگر کوئی مسافر ان کا نام لے لے کہ مجھے ان سے ملنا ہے تو اس کی پٹائی ہوجاتی ہے۔ یہ فرماتے ہیں: میں مکہ مکرمہ آیا، کسی سے پتا بھی نہیں پوچھا، مسجد حرام میں ٹھہرا، زمزم پیتا رہتا تھا، کوئی اور چیز نہیں تھی کھانے کی، اور زمزم پینے کی وجہ سے میں اتنا فربہ ہوگیا کہ میرے پیٹ میں شکنیں پڑنے لگیں، لیکن میں کسی سے پوچھتا نہیں تھا اور جانتا بھی نہیں تھا، تو ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ: تم کوئی دن سے یہاں دیکھ رہا ہوں، کسی کام سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: بات تو تم سے کروں بشرطیکہ تم میرا راز رکھو اور فرمایا کہ: مجھے اس

آدمی سے ملنا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان سے واقف ہوں، لیکن تم میرے آگے آگے چلو میں تمہارے پیچھے چلوں گا، ورنہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ میں ایک آدمی کو لے کر جا رہا ہوں، اور جہاں کہیں دائیں بائیں مڑنا ہوگا میں تمہیں اشارہ کر دیا کروں گا، اور جب میں کسی آدمی کو دیکھوں گا کہ کوئی خطرہ کی بات ہے تو میں پیشاب کرنے لگوں گا، تم تھوڑا آگے چلے جانا، تاکہ ساتھ معلوم نہ ہو۔ خیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا، گفتگو ہوئی، آپ کی دعوت کیا ہے؟ وہ بتائی، میں اسی وقت مسلمان ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ابھی لوٹ جاؤ، ہمیں ہجرت کا حکم ہوا ہے، اس وقت تم ہمارا سننا تو وہاں آ جانا۔ وہ کہنے لگے: میں تو یہاں اعلان کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کا تحمل نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے جا کر بیت اللہ میں اعلان کر دیا، اعلان کرنا تھا گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ لگا دیا، کفار نے اتنی پٹائی کی ان کی کہ حلیہ بگڑ گیا، اتفاق سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ ادھر سے گزر رہے تھے انہوں نے دیکھا تو لوگوں سے کہا: کیا کرتے ہو؟ اس کا قبیلہ تمہارا راستہ روک لے گا، تمہارا ملک شام جانے کا راستہ بند ہو جائے گا، یہ بنو غفار کا آدمی ہے، لہٰذا ان کو چھڑوایا، ان سے کہا کہ: صاحبزادے! یہ تم نے کیا کر لیا؟ خدا کے لئے تم چلے جاؤ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُخصت ہوئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ مجھے خواب میں ایک سرزمین دکھائی گئی ہے جس میں کھجوریں بہت ہیں، اور مجھے کہا گیا ہے کہ یہ تمہاری ہجرت گاہ ہوگی، میرا خیال ہے کہ یہ یثرب کی بستی ہے۔ مدینے کا پرانا نام ''یثرب'' تھا، تو تم ایسا کرو کہ جا کر اپنی قوم کو میرا پیغام دو، یعنی میری جانب سے تم اپنی قوم میں مبلغ بن کر جاؤ اور ان کو ایمان لانے کی دعوت دو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برکت سے ان کو ہدایت فرما دیں اور ان کے اجر میں تمہیں شریک کر دیں، ان کا بھی نفع ہوگا تمہارا بھی نفع ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ واپس اپنی قوم میں چلے گئے اور آتے جاتے راہ گیروں سے پوچھتے رہتے تھے کہ وہ مکہ والوں کے نبی کا کیا قصہ ہوا؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو ان کو بتایا گیا کہ وہ ہجرت کر کے یثرب چلے گئے، اس وقت یہ بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے اور پھر وہیں رہے، انہوں نے مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ میں تو آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا کہ تم سے یہاں کے شدائد کا تحمل نہیں ہوسکتا، تم واپس چلے جاؤ۔

یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بڑے زاہد صحابی تھے، ان پر زُہد فی الدنیا کا بہت غلبہ تھا، یہ مال کے جمع کرنے کو حلال ہی نہیں سمجھتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کعب احبار رضی اللہ عنہ ایک عالم تھے، ان کی موجودگی میں ان سے ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک آدمی مال کی زکوٰۃ دیتا ہو اور جو دوسرے حقوق ہیں وہ پورے کے پورے ادا کرتا ہو، تو اس کے لئے مال کا جمع کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ حضرت کعب نے فرمایا کہ: جائز ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان کو ضرب لگائی اور فرمایا کہ: کیسے جائز ہے؟ قرآن کہتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ
وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝۳۵﴾

(التوبۃ)

ترجمہ: ”جولوگ کہ سونے اور چاندی کے ڈھیر جمع کرتے ہیں اوران کواللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔جس دن کہ ان کے خزانوں کوجہنّم کی آگ میں تپایا جائے گا اوران کے چہروں، پیٹھوں اور پہلوؤں کواس سے داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ: یہ ہے وہ جس کوتم جمع کیا کرتے تھے، اب اپنے خزانوں کا مزا چکھو!“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شکایت کی گئی تو ان سے فرمایا کہ: تم بستی میں نہیں رہ سکتے، تمہارا یہاں رہنا مشکل ہے، تم ایسا کرو کہ ”ربذہ“ ایک جگہ ہے وہاں چلے جاؤ، وہاں جنگل میں گھر بنالو، وہیں رہو۔ فرمایا کہ: امیرالمؤمنین کا حکم ہے تو ٹھیک ہے۔

خیر یہ وہاں چلے گئے، وہاں ایک صاحب ان سے ملنے کے لئے آئے تو دیکھا کہ ایک طرح کی چادر کا ایک حصہ خود پہنا ہوا ہے، ایک غلام کو پہنایا ہوا ہے، اور دوسری طرح کی چادر کا بھی ایک حصہ خود پہنا ہوا ہے اور دوسرا حصہ غلام کو پہنایا ہوا ہے، فرمایا کہ: حضرت! یہ کیا ظلم کیا؟ ایک طرح کی دونوں ہی چادریں آپ پہن لیتے، آپ کا لباس مکمل ہوجاتا۔ فرمایا کہ: بات یہ ہے کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میرا ایک غلام تھا میں نے کسی بات پر اس کو گالی دے دی کہ تیری ماں ایسی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ بات سن لی، یا آپ کو پہنچا دی گئی، مجھے فرمایا:

”يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ عَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ“

(نصب الرایہ للزیلعی، صحیح مسلم، قرطبی، کنزالعمال)

ترجمہ: ”اے ابوذر! تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت پائی جاتی ہے، تونے اس کی ماں کا طعنہ دیا اس کو۔“

پھر ارشاد فرمایا کہ:

”اِخْوَانُكُمْ خَدَمَكُمُ اللّٰهُ فَأَطْعِمُوْهُمْ مَا تَطْعَمُوْنَ وَاكْسُوْهُمْ مَا تَكْسُوْنَ“

(صحیح مسلم، کنزالعمال)

ترجمہ: ”یہ تمہارے بھائی تھے جن کواللہ نے خادم کردیا ہے، جوخود کھاتے ہو وہی ان

کو کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ۔“

تو فرمانے لگے کہ: میرے آقا نے فرمایا تھا کہ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔ ان کا آخری وقت بھی عجیب و غریب ہے۔ وہ آخری وقت میں بے ہوش ہوگئے، بیوی رونے لگیں، کوئی تھا ہی نہیں وہاں، بندہ نہ بشر، ایک بیوی، کچھ بکریاں، جنگل میں تنہا رہتے تھے۔ وہ رونے لگیں، حضرت کو ہوش آیا تو فرمایا کہ: روتی کیوں تھی؟ دیکھو! کچھ مہمان آنے والے ہیں، وہ ایسے مہمان ہیں کہ ان کو کچھ کھانے پینے کی ضرورت نہیں، ان کے لئے گھر صاف کرلو، اور کچھ اور مہمان آنے والے ہیں ان کے لئے کچھ کھانا تیار کرکے رکھو، اور جب میرا انتقال ہوجائے تو غسل کفن کے بعد یہ جو راستہ ہے پگڈنڈی سی، میری چارپائی یہاں رکھ دو، وہ مہمان آئیں گے میرا جنازہ پڑھیں گے، اور جب وہ جنازہ پڑھ کے دفن کردیں تو ان سے کہنا کہ: ابوذر نے تمہیں قسم دی ہے کہ تم کھائے بغیر نہیں جاؤ گے، کھانا کھا کر جاؤ گے۔ ان کا انتقال ہوگیا، اہلیہ اور بیٹی نے غسل دیا، کفن پہنایا، چارپائی وہاں راستے میں رکھوادی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے چند رُفقاء، حج میں وقت تھوڑا رہ گیا تھا اور یہ حضرات کوفہ سے حج کے لئے چلے تھے، انہوں نے یہ درمیان کا راستہ اختیار کیا تھا، جو ”ربذہ“ کے پاس سے گزرتا تھا، وہ لوگ بڑی تیزی سے جارہے تھے کہ کہیں حج نہ فوت ہوجائے، دُور سے دیکھا کہ چارپائی پڑی ہے، انہوں نے دیکھ کر فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون! ابوذر کا انتقال ہوگیا، سواری سے اُترے، گھر والوں سے تعزیت کی، ان کا جنازہ پڑھا، ان کو دفن کیا اور پھر تعزیت کرکے چلنے لگے تو ان کی اہلیہ نے کہا کہ: ابوذر نے کہا تھا کہ کھائے بغیر نہیں جاؤ گے، کھانا تیار ہے، آپ کھا کر جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر زُہد کی تعلیم ان کو فرمائی تھی، ایک موقع پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ ابوذر کہتے ہیں کہ: میں نے کہا:

”وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ؟“ (مسند احمد بن حنبل، کنز العمال: ۱۸۳)

”چاہے زنا بھی کیا اور چوری بھی کی ہو؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ“ چاہے زنا بھی کیا ہو، چوری بھی کی ہو، بالآخر جنّت میں جائے گا، انہوں نے پھر وہی فرمایا اور تین دفعہ ایسا ہی ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ، رَغِمَ أَنْفُ أَبِيْ ذَرٍّ“ ”چاہے زنا کیا ہو، چاہے چوری کی ہو، چاہے ابوذر کی ناک مٹّی میں رگڑی جائے وہ جنّت میں جائے گا۔“ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جب اس حدیث کو نقل کرتے تھے، خاص طور سے فرماتے: ”عَلٰی رَغْمِ أَنْفِ أَبِيْ ذَرٍّ“ (مسند احمد بن حنبل، کنز العمال: ۱۸۳۱)۔

دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا

[حدیث: ۷۹۹] ”عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ رُعْبُ مَسِيْحِ الدَّجَّالِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ۔“

(بخاری ابواب العمرۃ حدیث ۱۷۵۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں داخل ہوگا مدینہ میں مسیح الدجال کا رعب، اس کے لئے اس دن سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے پہرہ دے رہے ہوں گے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ: مدینہ شریف میں کانے دجال کا رعب داخل نہیں ہوگا، کانا دجال بھی داخل نہیں ہوگا، نہ مکہ میں نہ مدینہ میں، پہلے مکہ مکرمہ جانے کی کوشش کرے گا وہاں فرشتے اس کو مار مار کر بھگائیں گے، وہ اس کو وہاں داخل نہیں ہونے دیں گے، پھر یہ مدینہ میں جانا چاہے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس دن مدینہ میں داخل ہونے کی سات سڑکیں ہوں گی، مدینہ شہر کے اندر داخل ہونے کے لئے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے پہرہ دے رہے ہوں گے، وہ مار کر بھگا دیں گے، دجال کو مدینہ میں داخل ہی نہیں ہونے دیں گے، اُحد پہاڑ کے پیچھے ایک وادی ہے، وہ وہاں جا کر ڈیرہ لگائے گا، اور اس وقت مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے، جتنے بے ایمان ہیں وہ سب نکل کر وہاں سے بھاگ جائیں گے اور دجال سے جا ملیں گے، نعوذ باللہ! اللہ کی پناہ: اور وہ وہاں سے بھاگ کر دمشق پہنچ جائے گا، وہاں پر حضرت مہدی سے مقابلہ ہوگا، دجال کا لشکر حضرت مہدی کے لشکر کا محاصرہ کر لے گا، اتنے میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے نازل ہوں گے، ان کا زمین پر قدم رکھنا ہوگا کہ یہ نمک کی طرح گھلنا شروع ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اگر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو کچھ نہ بھی کہتے تو بھی یہ نمک کی طرح پگھل پگھل کر ختم ہو جاتا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا تعاقب کریں گے اور یہ حضرت کے آگے بھاگے گا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ: میری ایک ضرب تو اللہ تعالیٰ نے تیری مقدر کر دی ہے، یہ تو تجھ کو برداشت کرنی ہی کرنی ہے، چنانچہ ”باب لد“ پر جو کہ آج کل اسرائیل کا ایئرپورٹ ہے وہاں اس کو قتل کر دیں گے۔

غلام احمد بھی کانا دجال تھا، نہ مکہ جا سکا نہ مدینہ، پکّا دجال تھا۔ اور حضرت مسیح کے بارے میں صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ”فج الروحاء“ ایک مقام ہے وہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام احرام باندھ کر حج اور عمرے کے لئے آئیں گے، کوئی نبی ایسا نہیں جس نے حج نہ کیا ہو، ممکن ہی نہیں۔ سوائے غلام احمد اَعور دجال کے کہ اس کو حج بھی نصیب نہ ہوا اور بنا پھرتا ہے نبی!!! اور آج تک ان کے کسی بڑے کو اللہ تعالیٰ نے وہاں نہیں جانے دیا،

چھپ کر مرزا بشیر اور مرزا محمود بھی گیا تھا، اور کمال کی بات یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو مرزا محمود کافر کہتا ہے ان کے پیچھے نماز پڑھتا تھا، گھر میں جا کر پھر لوٹا لیتا ہوگا۔ لیکن وہاں ان کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ اندازہ کرو غلام احمد نہیں گیا۔ نور الدین مرزائی بننے کے بعد نہیں گیا، پہلے وہاں رہ کر آیا ہے، شاہ عبد الغنی مجدّدی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ میں رہتے تھے، ان سے پڑھ کر آیا تھا، خبیث تھا، وہاں ایک بزرگ کا کتب خانہ تھا، وہاں سے کتاب چُرالاتا تھا۔ اس بزرگ نے اس کو بددُعا دی تھی۔ سلبِ ایمان ہوگیا، نعوذ باللہ! نور الدین نہیں گیا، اس کے بعد مرزا محمود نہیں گیا۔ اس کے بعد مرزا ناصر نہیں گیا اور اس کے بعد اب مرزا طاہر ہے یہ بھی نہیں جائے گا۔ اللہ نے تمام دجالوں کے لئے مکہ کا بھی اور مدینہ کا بھی راستہ بند کر رکھا ہے۔

مدینہ میں رہائش اختیار کرنے کی فضیلت

[حدیث:۸۰۰] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ، لَايَصْبِرُ عَلَى لَاوَآءِ الْمَدِيْنَةِ وَشِدَّتِهَا أَحَدٌ مِّنْ أُمَّتِىْ إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيْعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَوْ قَالَ شَهِيْداً۔“

(مسلم کتاب الحج حدیث ۱۰۸۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری اُمّت میں سے کوئی شخص مدینہ کے قحط اور اس کی سختی پر صبر نہیں کرے گا مگر میں اس کے لئے قیامت کے دن شفیع بنوں گا یا گواہ بنوں گا۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں مدینہ شریف کے قیام کی فضیلت بیان فرمائی ہے مدینہ شریف میں قیام کرنا ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ (مشکوٰۃ) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے، کچھ لوگ کمانے کے لئے جاتے ہیں، وہاں بہت سے پاکستانی ہیں کسی ہوٹل میں لگے ہوئے ہیں، کسی دُکان میں لگے ہوئے ہیں، اور ان کو اس کا اہتمام ہی نہیں ہے کہ ہم مدینہ میں رہتے ہیں، اسی طرح داڑھی منڈا رہے ہیں، اسی طرح غیر شرعی اعمال کر رہے ہیں، ٹی وی، ناچ گانے دیکھ رہے ہیں، نعوذ باللہ! یہ بے چارے تو روٹی کے لئے گئے ہوئے ہیں، مدینہ کے لئے نہیں گئے ہوئے، اللہ ان کو مدینہ والا بنادے، آمین۔

پہلے زمانے میں بزرگ مدینہ جاتے تھے، مدینہ میں رہائش رکھنے کے لئے اور ایسے حضرات کو امتحان پیش آتے ہیں، اب مدینہ میں جا کر قیام کرلیا، اب تو بغیر اِقامہ کے اور بغیر تابعہ کے کوئی ٹھہرنے بھی نہیں دے گا، پہلے زمانے میں یہ پابندیاں نہیں تھیں، جو بھی چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں جا کر ڈیرہ لگالے، تو نئے نئے مدینہ میں گئے تھوڑی بہت پونجی کب تک چلے گی، کوئی رہنے کا بندوبست کرے گا کچھ اخراجات ہوں گے، کوئی واقفیت بھی نہیں، کوئی کاروبار بھی نہیں، نیا نیا گیا ہے تو سختیاں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں،

اب تو اللہ تعالیٰ نے سامانِ رسد بہت آسان کر دیئے ہیں، پہلے تو تھوڑی بہت چیزیں اُونٹوں کے ذریعے سے آتی تھیں، نہ وہاں گاڑی تھی نہ موٹریں، تو بعض دفعہ قحط کی شکل بھی پیدا ہوجاتی تھی، اب دور دور تک آبادی نہیں، مکہ مکرمہ کا فاصلہ بھی تقریباً چار سو کلومیٹر ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص یہاں کی سختیوں پر اور یہاں کی بیماریوں پر صبر اور استقامت اختیار کرے، بھاگے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی ہمسائیگی کو اور آپ ﷺ کے پڑوس کو غنیمت سمجھتا ہوا وہاں ٹھہرا رہے، فرمایا کہ: میں قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں گا اور اس کی بخشش کی شفاعت کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ: میں اس کے حق میں گواہی دوں گا کہ یہ خاص میری خاطر میرے شہر میں پڑا رہا۔ (مسند احمد بن حنبل، طبرانی)

روضۂ اقدس پر حاضری کے آداب

[حدیث: ۸۰۱] "مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔"

(درمنثور ج: ۱ ص: ۲۳۷، کشف الخفاء للعجلونی ج: ۲ ص: ۳۳۸، ۳۸۲)

ترجمہ: "جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہیں آیا اس نے میرے ساتھ بے مروّتی (بے وفائی) کی۔"

تشریح: پہلی بات تو یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں حاضری حج کا رکن نہیں ہے، اگر کوئی شخص مکہ مکرّمہ جا کر حج کرلے، اور مدینہ منوّرہ نہ جائے تو اس کا حج ہوجائے گا، لیکن آدمی نے اتنا لمبا سفر طے کیا اور حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہوا تو بڑی محرومی کی بات ہے۔

مدینہ منورہ کی حاضری کے کچھ آداب ہیں، اب میں اس کے مختصر آداب بتاتا ہوں:

۱:...... پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم جب مدینہ طیبہ کی طرف چلیں، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہم اس مبارک شہر کے سفر میں آنکھوں کے بل چل کر جاتے، موٹر اور سواری پر سوار نہ ہوتے، لیکن چونکہ ہم کمزور ہیں، ٹانگوں میں چلنے کی طاقت نہیں ہے، اور پھر ۴۰۰ کلومیٹر سے زیادہ کا سفر ہے، اور اتنا لمبا سفر پیدل مشکل ہے، چنانچہ میرے بہت سے اکابر کا معمول رہا ہے کہ جب مسجدِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر نظر پڑتی تو سواری سے اتر جاتے، لیکن بھئی ہم تو اس سے بھی کمزور ہیں، میں تو ایک دو قدم بھی نہیں چل سکتا، اس لئے سواری پر سفر کرو تو کوئی گناہ نہیں، لیکن میں ادب بتا رہا ہوں کہ اکابر کا ادب یہ تھا کہ مدینہ کا سفر پیدل کرتے تھے۔

ہم کہتے ہیں مدینہ پاک، مدینہ منوّرہ، مدینہ طیبہ وہ پاک بھی ہے، منوّر بھی ہے، وہ طابہ بھی ہے، اس کے ایک ایک قدم پر آنحضرت ﷺ کے نشانات لگے ہوئے ہیں، اس لئے ہمیں آنحضرت ﷺ کا حد

سے زیادہ احترام کرنا چاہئے۔

۲:......بزرگوں نے فرمایا کہ جب مدینہ منوّرہ کا سفر شروع کرکے تو پورے راستہ میں جتنا ہو سکے درود شریف پڑھتا رہے، پورے سفر کو آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھنے میں مشغول کر لے۔ مدینہ منوّرہ پہنچ کر اپنے کپڑے بدلے اور پاک صاف کپڑے پہن کر آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو، مدینہ طیبہ میں بارگاہِ نبوّت میں حاضری کے علاوہ دوسرا کوئی عمل نہیں ہے۔ البتہ مدینہ منوّرہ میں صرف دو کام ہیں، ایک تو یہ کہ آپ چالیس نمازیں تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھیں۔

حدیث میں ہے:

”عَنْ اَنسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ: مَنْ صَلّٰی فِیْ مَسْجِدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَلَاۃً لَا یَفُوْتُہٗ صَلَاۃٌ کُتِبَتْ لَہٗ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَنَجَاۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَبَرِءَ مِنَ النِّفَاقِ۔“ (مسند احمد ج:۳ ص:۱۵۵)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہاں جس شخص نے چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ اس کی تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی، اس کو دو پروانے عطا کئے جاتے ہیں، ایک پروانہ دوزخ سے نجات کا، دوسرا نفاق سے براءت (نجات) کا (یعنی یہ منافق بھی نہیں ہے اور دوزخ میں بھی نہیں جائے گا)۔“

میں اپنے دوستوں سے (جن کو بیعت کرتا ہوں) چند تاکیدیں کیا کرتا ہوں۔ ایک تاکید یہ ہوتی ہے کہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھو گے، یہ میری پہلی شرط ہے، میرے ایک ساتھی نے بتایا کہ بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ جن کی ۶ مہینے تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ یہاں تو چالیس دن ہیں اور وہاں مدینہ منوّرہ میں تو صرف چالیس نمازیں ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے شہر کی رعایت ہے کہ وہاں صرف چالیس نمازیں ہیں، میرے حاجی بھائی جاتے ہیں بازاروں میں پھرتے رہتے ہیں، ان میں سے بہت سے تو ایسے ہوتے ہیں جو تہجد کی نماز کے لئے اور ریاض الجنہ میں پہنچنے کے لئے دوڑتے ہیں، میں کبھی ریاض الجنہ کے لئے نہیں دوڑا، اگر موقع مل گیا تو پہنچ گیا، ورنہ ٹھیک ہے، ویسے دو یا چار رکعتیں پڑھ لیں۔

میں نے کہا وہاں تو صرف کھانا، پینا اور سونا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ائمہ حرمین کے پیچھے باجماعت نمازیں پڑھنا ہے، اس لئے کوشش کرو کہ وہاں ۴۰ نمازیں تکبیرِ اُولیٰ کے ساتھ پڑھو۔

جب تم آنحضرت ﷺ کے شہر میں پہنچو اور جب اس کے درودیوار پر تمہاری نظر پڑے تو اس کا نور تمہاری نظر میں آجائے، تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں، تم سوچو، تصوّر کی دُنیا میں سوچو کہ میرے

آقا ﷺ ان راستوں سے گزرے ہوں گے، اُونٹ اور گھوڑے پر گزرے ہوں گے، پیدل گزرے ہوں گے، لہٰذا نہایت ادب کے ساتھ شہر میں رہو، مدینہ والوں کے ساتھ کوئی مکروفریب نہ کرو، ان کے ساتھ اونچی آواز میں بھی نہ بولو اور مسجد میں آؤ تو ستھرا لباس پہن کر اور یہ سوچ کر کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔

صلوٰۃ وسلام کا ادب

علماء نے لکھا ہے کہ:

''اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا شَفِیْعَ الْمُذْنِبِیْنَ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللہِ۔''

کہتے وقت نظریں نیچی ہوں۔ ہو سکے تو تمہاری آنکھوں سے دل کے گناہ نکل کر کے بہہ رہے ہوں، یعنی چشمِ نم کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھو، پوری محبت اور اِخلاص کے ساتھ درود وسلام پڑھو، علماء نے لکھا ہے کہ کم سے کم ۸۰ مرتبہ سلام پیش کرو۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک ہے، ان کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے، یعنی ایک قدم ادھر آئیں حضرت ابوبکر ہیں، ایک قدم اور آگے کو جائیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی خدمت میں بھی سلام عرض کرو۔

یعنی یوں کہو: ''اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللہِ'' جو بھی الفاظ آتے ہیں پڑھ لو، جو جو کتابوں میں الفاظ آتے ہیں وہ پڑھ لیں، میں تو اقدام عالیہ کی طرف عام طور پر جاتا ہوں، یعنی جس طرف آنحضرت ﷺ کے قدمین مبارکین ہیں، میں عام طور پر وہاں جاتا ہوں، اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوا، میں تو آنحضرت ﷺ کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہیں۔

بہرحال حکم یہ ہے کہ اپنا سلام پیش کرنے کے بعد اپنے اہل وعیال کی جانب سے، دوست احباب کی طرف سے، جن جن لوگوں نے سلام پیش کرنے کو کہا ہے ان لوگوں کی طرف سے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرے، اور اگر یاد نہ ہو تو صرف یہ کہہ دے کہ یارسول اللہ! آپ کی اُمّت کے بہت سے لوگوں نے مجھے آپ کو سلام پہنچانے کے لئے کہا ہے یارسول اللہ! ان سب کی طرف سے حضور کی خدمت میں سلام۔

بارگاہِ رسالت کا ادب

مسجد شریف میں جہاں تک بھی مسجد ہے، وہاں نہایت وقار کے ساتھ رہو، آواز بلند نہ کرو، قرآن

کریم میں ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط﴾ (الحجرات:۳)

ترجمہ: ''جولوگ کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنی آواز پست رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں کوتقوے کے لئے چن لیا ہے۔''

شورشرابہ نہ کرو، پہلی مرتبہ جب میں گیا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام مسجد میں سناٹا ہے جب کہ مسجد بھری ہوئی ہوتی تھی، لوگ قرآن مجید کی تلاوت میں لگے ہوئے ہوتے تھے، ذکر میں لگے ہوئے ہوتے تھے، درود شریف میں لگے ہوئے ہوتے تھے، اور کچھ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سلام پیش کر رہے ہوتے تھے، لیکن مکمل سناٹا۔

ہماری مستورات بھی جاتی ہیں، بے چاری ایک تو یہ پردے کے بغیر ہوتی ہیں، میری بہنو! کم سے کم حضور اقدس ﷺ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے تو برقع لے لیتیں، مگر یہ وہاں بھی ایسے ہی پھرتی ہیں جیسے گویا اپنا گھر ہے، بھائی! جتنا ادب اس پاک مقام کا ہوسکتا ہے کیا کرو۔ میں نے کہا کہ اورتو کوئی عمل ہے نہیں، آنحضرت ﷺ سے ادب ہی سیکھ لیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(چار جلدیں)

(منتخب احادیثِ نبویہ کا آسان اور عام فہم ترجمہ وتشریح)

خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے۔ یومِ ولادت سے لے کر روزِ وصال تک ہر ہر لمحہ خالق ارض وسمانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالوں کے ذریعہ محفوظ کرادیا ہے۔ دنیائے انسانیت کسی بھی عظیم المرتبت ہستی کے حالاتِ زندگی، انداز واطوار، مزاج ورجحان، حرکات وسکنات، نشست وبرخاست اور عمل وکردار اتنے تحقیق اور سند کے ساتھ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کو امت کی رہنمائی کے لیے مرتب فرمادیا ہے۔

ہمارے جدِّ امجد شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ نے اس کتاب ''معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، اسوۂ حسنہ اور ارشادات کی روشنی میں زندگی گزارنے کا طریقہ، عقائد ونظریات، زہد وتقویٰ، اخلاقیات، حسنِ سلوک، طہارت وپاکیزگی، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وعمرہ، آدابِ معاشرت، کھانے پینے کے آداب، لباس اور زیب وزینت، علاج معالجہ، نکاح وطلاق، خرید وفروخت، فضائل جہاد وشہادت اور دیگر موضوعات سے متعلق احادیث مبارکہ کی سادہ اور دل نشیں انداز میں ترجمہ وتشریح کی ہے جو علماء طلباء اور عوام الناس میں بے حد پسند کی گئی ہے۔

عرصہ دراز سے ہمارے دوست واحباب، معزز قارئین اور ہمارے بعض کرم فرماؤں کا شدت سے تقاضا تھا کہ حضرت شہیدِ اسلامؒ کی تصانیف آن لائن پڑھنے اور استفادہ کے لئے دستیاب ہوں۔ چنانچہ اکابرین کی توجہات، دعاؤں اور مخلص ماہرین ومعاونین کی مسلسل جدوجہد اور شبانہ روز تگ ودو کا ثمرہ ہے کہ ان کتب کو نہایت خوبصورت اور جدید انداز میں تیار کیا گیا ہے، چنانچہ آپ مطالعہ کے لئے فہرست سے ہی اپنے پسندیدہ اور مطلوبہ موضوع پر ''کلک'' کرنے سے اس تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ جبکہ کسی بھی صفحہ پر موجود فہرست کے آپشن کو استعمال کر کے فہرست تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

"شہیدِ اسلام پورٹل" کے پلیٹ فارم سے حضرت شہیدِ اسلام نور اللہ مرقدہ کی تصانیف کو انٹرنیٹ کی دنیا میں متعارف کرانے کی سعادت حاصل کرنے پر ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں سر بسجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ہمارے اکابرین کے علوم و معارف کا فیض عام فرمائے۔

جن حضرات کی دعاؤں اور توجہات سے اس اہم کام کی تکمیل ہو پائی، میں ان کا بے حد مشکور ہوں خصوصاً میرے والد ماجد مولانا محمد سعید لدھیانوی دامت برکاتہم، شاہینِ ختمِ نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم اور شیخ ڈاکٹر ولی خان المظفر حفظہ اللہ جن کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی۔

اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اسی طرح حافظ محمد طلحہ طاہر (ناظم مکتبہ لدھیانوی)، جناب امجد رحیم چوہدری سمیت تمام معاونین کہ جن کا کسی بھی طرح تعاون حاصل رہا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا و رضوان سے نوازے۔ آمین

مفتی محمد الیاس لدھیانوی
بانی و منتظم "شہیدِ اسلام پورٹل"
www.shaheedeislam.com
Info@shaheedeislam.com
+923219264592
یکم رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ

نوٹ: Mobile اور IPad وغیرہ میں بہتر طور پر دیکھنے کے لیے "Adobe Acrobat" کو "PDF Reader" کے طور پر استعمال کریں۔

معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نظر میں

١

حدیث کی اہمیت وحجیت پر مفید
رسالہ ’’انکارِ حدیث کیوں؟‘‘
ایمانیات، موت، برزخ اور قیامت
کے حالات، جنت کے مناظر
جہنم کے احوال، دنیا سے بے رغبتی
حسن سلوک اور صلہ رحمی

٢

طہارت وپاکیزگی، وضو وغسل
کے احکام، نماز کی فضیلت واہمیت
مسجد کے آداب، نفل نمازیں
زکوٰۃ اور اس کی ادائیگی، صدقہ وخیرات
روزے کی فضیلت، تراویح، اعتکاف
لیلۃ القدر کی فضیلت، حج وعمرہ سے
متعلق احادیث

٣

ذکرواذکار
فضائل قرآن، دعا اور
اس کے آداب، اسلامی معاشرت
ومعاملات، کھانے کے آداب پینے کے
آداب واحکام، لباس اور زیب وزینت
علاج ومعالجہ نکاح وطلاق، اور
خرید وفروخت سے متعلق احادیث
کی تشریح وتوضیح

٤

علم کی فضیلت
سنت وبدعت کا بیان
جہاد کی فضیلت، شہید کے احکام
غزوات کا بیان، فتنہ وفساد
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
صحابیاتؓ، اور امہات المومنین
کے فضائل ومناقب

Designed by Talha Tahir

مکتبہ لدھیانوی
18- سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
021-34130020-0321-2115595-0321-2115502